إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

(سورۂ نمل)

ترجمانُ القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اردو زبان میں ضروری تشریحات کے ساتھ

مع

تفسیرِ سورۂ فاتحہ

ابوالکلام احمد

جلدِ اوّل

أیّ سماءٍ تظلّنی، وأیّ ارضٍ تقلّنی إذا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم!

(ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ)

انتساب

غالباً دسمبر ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے کہ میں رانچی میں نظر بند تھا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر مسجد سے نکلا، تو مجھے محسوس ہوا، کوئی شخص پیچھے آرہا ہے۔ مُڑ کے دیکھا تو ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا:

"آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں جناب، میں بہت دور سے آیا ہوں"

"کہاں سے؟"

"سرحد پار سے"

"یہاں کب پہنچے؟"

"آج شام کو پہنچا۔ میں بہت غریب آدمی ہوں۔ قندھار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا۔ وہاں چند ہم وطن سوداگر مل گئے تھے۔ انھوں نے نوکر رکھ لیا، اور آگرہ پہنچا دیا۔ آگرہ سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں"

"افسوس، تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی؟"

"اس لئے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں۔ میں نے الہلال اور البلاغ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے"

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا، اور پھر یکایک واپس چلا گیا۔ وہ چلتے وقت اس لئے نہیں ملا کہ اُسے اندیشہ تھا، میں اُسے واپسی کے مصارف کے لئے روپیہ دوں گا، اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے۔ اُس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا۔

مجھے اُس کا نام یاد نہیں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں لیکن اگر میرے حافظے نے کوتاہی نہ کی ہوتی، تو میں یہ کتاب اُس کے نام سے منسوب کرتا۔

ابوالکلام

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

کلکتہ

فہرست

تفسیر سورۂ فاتحہ

سُورۂ فاتحہ
(۱۷۶)

سُورۂ بقرہ
(۱۷۷)

رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم، اور اُن غلطیوں کا ازالہ
جو اِس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

(۱) یہ بات نہیں ہے کہ فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو مشقت میں ڈالنا
کوئی نیکی اور ثواب کی بات ہو۔ مقصودِ اصلی نفس کی اصلاح و تہذیب ہے۔ ۲۳۲

(۲) روزہ کے لئے رمضان کا مہینہ اس لئے قرار پایا کہ نزولِ
قرآن کی یادآوری و تذکیر ہو۔ ۲۳۳

(۳) دین میں اصل آسانی ہے۔ نہ کہ سختی و تنگی۔ پس عبادتوں
میں سختی کرنی خدا کی خوشنودی کا موجب نہیں ہو سکتی۔ 〃

(۴) یہ خیال غلط ہے کہ جب تک فاقہ کشی اور ریاضت کے
چلّے نہ کھینچے جائیں، خدا کے حضور دعا مقبول نہیں ہو سکتی۔ خلوص
کے ساتھ جب کبھی پکاروگے، وہ قبولیت و رحمت کے ساتھ جواب دیگا۔ ۲۳۴

(۵) روزہ سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک
کردی جائیں، بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہے۔ پس کھانے پینے اور
زناشوئی کے علاقہ کی جو کچھ ممانعت ہے، صرف دن کے لئے ہے۔
رات کے وقت کوئی روک نہیں۔ 〃

(۶) مرد اور عورت کا تعلق خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری تعلق
ہے، اور دونوں اپنے حوائج میں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ۲۳۵

(۷) مومن وہ ہے جسکے عمل میں کوئی کھوٹ اور راز نہ ہو۔ اگر
ایک بات بری نہیں ہے مگر تم نے کسی وجہ سے برا سمجھ رکھا ہے اور
اس لئے چوری چھپے کرنے لگے ہو، تو گو اصلاً برائی نہیں کی مگر
تمھارے ضمیر کے لئے برائی ہوگئی! 〃

(۸) روزہ، اور اسی طرح کی دوسری عبادتیں کچھ سود مند
نہیں، اگر حقوق العباد کی طرف سے تم غافل ہو۔ 〃

حج کے احکام، اور اس سلسلہ میں بعض اصولی مہمات:

(۱) چاند کے طلوع و غروب سے مہینوں کا حساب لگایا جاتا
ہے۔ نجوم اور کواکب پرستی کے جو توہمات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں
اُن کی کوئی اصلیت نہیں۔

(۲) کعبہ کی زیارت و حج کے لئے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں
اپنے پیچھے لگائی ہیں اور اجر و ثواب کے لئے اپنے آپکو مشقتوں
میں ڈالتے ہیں، لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔ نیکی کی بات صرف
یہ ہے کہ تقویٰ پیدا کرو۔ ۲۳۶

(۳) اہلِ مکہ کے ظلم و تعدی سے حج کا دروازہ مسلمانوں پر بند
ہوگیا تھا، اور انھوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر
دیا تھا۔ پس حکم دیا گیا کہ اب جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔
اس بارے میں اصل یہ ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی،
لیکن کسی حال میں بھی مسلمانوں کو عدل و راستی کے خلاف کوئی
بات نہیں کرنی چاہئے۔

(۴) جنگ برائی ہے، لیکن فتنہ اُس سے بھی زیادہ برائی ہے۔
پس اسکے سوا چارہ نہیں کہ جنگ کی حالت گوارا کرلی ہے۔ ۲۳۷
جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ دین و اعتقاد کی
آزادی حاصل ہو جائے۔ یعنی دین کے معاملہ میں جس کا تعلق صرف
خدا سے ہے، انسان کے ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے۔ ۲۳۸

(۵) جو لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے
ہاتھوں اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ 〃

(۶) اگر لڑائی کی وجہ سے حاجیوں کو راہ میں رک جانا پڑے تو
اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ نیز حج اور عمرہ کے تمتع کی صورت
(یعنے دونوں کو ملا کر کرنے کی صورت) ۲۳۹

(۷) حج کا احرام باندھ لینے کے بعد، نہ تو زناشوئی کا تعلق
ہونا چاہئے، نہ لڑائی جھگڑا، نہ برائی کی کوئی بات، اور حج
کی اصلی طیاری تقویٰ ہے۔ ۲۴۰

(۸) اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ خداپرستی اور دینداری کی راہ،
دنیوی معیشت و فلاح کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن ایک ایسی کامل زندگی
پیدا کرنی چاہتا ہے جسمیں دنیا اور آخرت، دونوں کی سعادتیں موجود
ہوں۔ حج ایک عبادت ہے، لیکن اُس کا عبادت ہونا اس سے مانع
نہیں کہ تجارت کا فائدہ بھی حاصل کرو۔
مال و دولت اللہ کا فضل ہے۔ پس چاہئے کہ اللہ کے فضل کی
جستجو میں رہو۔ ۲۴۰
(۹) دین اور دنیا کے معاملہ میں لوگوں نے افراط و تفریط کی
راہیں اختیار کرلی ہیں۔ حقیقت اعتدال و توسط میں ہے۔ ۲۴۱
(۱۰) دینِ الٰہی، دنیا کا نہیں لیکن دنیا پرستی کے غرور و سرشاری
کا مخالف ہے۔ یہی غرور و سرشاری ہے جو انسان سے ہر طرح کا ظلم و
فساد کراتی ہے۔ ۱۴۲
خداپرست انسان کتنا ہی دنیا میں مشغول ہو، لیکن اُس کا
مطمحِ نظر نفس پرستی نہیں ہوتی، رضاءِ الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ ۱۴۳
بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان کی ظاہری باتیں
بہت اچھی دکھائی دیتی ہیں لیکن فی الحقیقت سخت شریر و مفسد -
ہوتا ہے۔ معیار اس بارے میں یہ ہے کہ دیکھا جائے، طاقت و اختیار
پانے کے بعد اُس کا سلوک انسانوں کے ساتھ کیسا ہے؟ 〃
حرث و نسل کی تباہی انسانی غرور و سرشاری کا سب سے بڑا فتنہ ہے 〃
دُنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے، اللہ سے
ڈرو، تو اُن کا گھمنڈ اُنھیں اور زیادہ ظلم و فساد پر آمادہ کردیتا ہے! 〃
(۱۱) پیروانِ دعوت سے خطاب کہ اس صورتِ حال سے اپنی
حفاظت کریں۔ 〃
کلامِ الٰہی سے بڑھ کر ہدایت کی کونسی چیز ہوسکتی ہے جس کا
تمھیں انتظار ہے؟ ۲۴۴

ایمان کی برکت حاصل کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں
کہ اسلام کا اقرار کرلو۔ ۲۴۴
(۱۲) بنی اسرائیل کی سرگزشت سے عبرت پکڑو! 〃
(۱۳) اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی
قوم و جماعت تھے۔ پھر نسلِ انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح
طرح کے تفرقے پیدا ہوگئے، اور تفرقہ کا نتیجہ ظلم و فساد ہوا۔ تب
وحی الٰہی کی ہدایت نمودار ہوئی، اور یکے بعد دیگرے پیغمبر مبعوث
ہوئے۔ ہر پیغمبر کی دعوت کا مقصود ایک ہی تھا۔ یعنے خداپرستی
و نیک عملی کی تلقین، اور وحدت و اخوت کا قیام۔
کتاب اللہ کے نزول کا مقصد ہمیشہ یہی رہا کہ انسانوں کے
تفرقہ و اختلاف میں حَکَم ہو۔ ۲۴۵
(۱۴) مومن ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ ایمان کا اقرار
کرلیا۔ ضروری ہے کہ اُن آزمائشوں میں ثابت قدم رہو، جو تم
سے پہلے حق پرستوں کو پیش آچکی ہیں۔ ۲۴۶
خیرات کا حکم، اور اس غلطی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے تھے اپنو
اور رشتہ داروں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے۔ 〃

جہاد کا حکم:

(۱) جنگ تمھارے لئے کوئی خوشگوار بات نہیں ہے، لیکن اس
دنیا میں کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جو ناگواریوں سے پیدا ہوتی
ہیں اور کتنی ہی خوشگوار باتیں ہیں جن کا نتیجہ ناگوار ہوتا ہے!
(۲) جنگ برائی ہے، لیکن انسانی طاقت کا ظلم و فساد اس سے
بھی بڑھ کر برائی ہے۔ جب ظلم کا ازالہ اور کسی طرح ممکن نہ ہو، تو
جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔
(۳) دشمنوں نے تم پر صرف اس لئے حملہ کیا ہے کہ کیوں اُن کا
مذہبی طور طریقہ چھوڑ کر ایک نئی دعوت قبول کرلیے ہے۔ پس جب تک

اپنے عقیدہ سے دست بردار نہ ہو جاؤ، وہ تمھاری دشمنی سے باز
آنے والے نہیں۔ ایسی حالت میں اس کے سوا چارہ کار کیا ہے کہ
مقابلہ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ ۲۴۷

(۴) اسلام نے جنگ کا قدم نہیں اٹھایا اور نہ وہ داعی امن
ہو کر اٹھا سکتا تھا، لیکن اُس کے خلاف اٹھایا گیا، اور اُس نے
پیٹھ نہیں کھلائی۔ ۲۴۸

(۵) جنگ کے سلسلہ میں تین سوال پیدا ہو گئے تھے اُن کا جواب
شراب اور جُوے میں نفع سے زیادہ نقصان ہے۔ اشیاء کا
صرف نفع ہی نہیں دیکھنا چاہئے، کیونکہ اضافی نفع سے تو کوئی شئے
خالی نہیں۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ زیادہ نفع ہے یا نقصان ہے جس
چیز میں نفع زیادہ ہو، وہ نافع ہے جس میں نقصان زیادہ ہو، وہ مضر ہے
مصارفِ جنگ وغیرہ جماعتی ضروریات کے لئے جس قدر انفاق
کر سکتے ہو، کرو۔ کوئی خاص مقدار معین نہیں۔
یتیم بچوں کی پرورش کا بار جماعت کے ذمّے ہے۔ ۲۴۹

(۶) دشمنوں سے جنگ کرنے کے سلسلے میں یہ سوال پیدا
ہوا کہ اُن سے مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا، مشرکوں سے
مناکحت نہ کرو۔ پھر اُس کی علت بھی واضح کر دی۔ ۲۵۰

نکاح و طلاق اور ازدواجی زندگی کی مہمات مناکحت
کے سوال نے سلسلۂ بیان اس طرف پھیر دیا ہے۔ ״

(۱) عورتوں سے اُنکے حیض کے خاص ایام میں علیحدگی کا
حکم۔ علیحدگی کی علت بیان کر کے اُن توہمات کا ازالہ کر دیا گیا
جو اس بارے میں پیدا ہو گئے تھے۔ ״

(۲) فطرت نے مرد اور عورت کے باہم ملنے اور وظیفۂ زوجیت ۲۵۱
ادا کرنے کے لئے جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے، اُسی طرح ہونی چاہئے
اور کوئی بات نہیں ہونی چاہئے۔

(۳) اس معاملہ میں جو وہم پرستیاں پیدا ہو گئی تھیں اُن کا ازالہ ۲۵۱

(۴) کسی جائز اور نیک بات کے خلاف قسم کھا لینا، اور پھر خدا کے
نام کو اس کے لئے حیلہ بنانا، خدا پرستی کے خلاف ہے۔ ״

(۵) لغو قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ جو بات انسان نے سمجھ
بوجھ کر، دل کے قصد سے کی ہو، اُسی کے لئے وہ عنداللہ جوابدہ ہوگا

(۶) اگر بیوی سے خوابگاہ کا تعلق ترک رکھنے کی قسم کھا لی جائے
(جسے اہلِ عرب "ایلاء" کہتے تھے) تو کیا کرنا چاہئے؟ ۲۵۲

طلاق کے احکام، اور اس بارے میں جو مفاسد پیدا ہو گئے
تھے اور عورتوں کی حق تلفی ہو رہی تھی، اُس کا انسداد۔ ״

(۱) طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کر کے، نکاح
کی اہمیت، نسب کے تحفظ، اور عورت کے نکاحِ ثانی کی سہولتوں
کا انتظام کر دیا گیا۔ ۲۵۳

(۲) اگر طلاق کے بعد شوہر رجوع کرنا چاہے، تو وہی زیادہ حقدار
ہے۔ کیونکہ شرعاً مطلوب ملاپ ہے، نہ کہ تفرقہ۔ ״

(۳) اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ جیسے حقوق مردوں کے عورتوں
پر ہیں، ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی مردوں پر ہیں۔ ״

(۴) طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ، تین مہینوں
میں، تین مجلسوں میں، یکے بعد دیگرے واقع ہوتی ہے۔ اور وہ
حالت جو قطعی طور پر رشتۂ نکاح کاٹ دیتی ہے، تیسری مجلس،
تیسرے مہینے، تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے۔ پس نکاح
کا رشتہ کوئی ایسا رشتہ نہیں کہ جس گھڑی چاہا، بات کی بات
میں توڑ کے رکھ دیا۔ ״

(۵) شوہر کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے،
طلاق کے بعد واپس لے لے۔ ۲۵۴

(۶) اگر شوہر علیحدگی کا خواہشمند نہ ہو، لیکن بیوی علیحدہ ہونا

چاہیے، اور اس کے لئے آمادہ ہوجائے کہ اپنا پورا مہر یا اُس کا
ایک حصہ چھوڑ دیگی بشرطیکہ اُسے طلاق دیدی جائے، اور شوہر
منظور کرے، تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اس کو "خلع" کہتے ہیں۔ ۲۵۴

(۷) نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت ایک
دوسرے کے سر پڑ جائیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے
ایک کامل اور خوشحال زندگی پیدا ہوجائے۔ ایسی زندگی جبھی پیدا
ہوسکتی ہے، جبکہ "حدود اللہ" یعنے خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و
حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کئے جائیں۔ اگر کسی وجہ سے فریقین
محسوس کرتے ہیں کہ واجبات وحقوق ادا نہ کئے جاسکینگے، تو
نکاح کا مقصود فوت ہوگیا، اور ضروری ہوگیا کہ دونوں کے لئے
تبدیلِ حال کا دروازہ کھول دیا جائے۔

اگر مقصودِ نکاح حاصل نہ ہونے پر بھی علٰحدگی کا دروازہ نہ کھولا
جاتا، تو یہ انسان کے آزادانہ حقِ انتخاب اور ازدواجی زندگی کی
خوشحالی کے خلاف سخت رکاوٹ ہوتی، اور معیشت کی سعادت سے
سوسائٹی محروم ہوجاتی۔ ״

(۸) عورت کو یا تو بیوی کی طرح رکھنا چاہیے اور حقوق ادا
کرنے چاہئیں، یا طلاق دے کر اُس کی راہ کھول دینی چاہیے۔
یہ نہیں کرنا چاہیے کہ نہ تو بیوی کی طرح رکھو، نہ طلاق دے کر راہ کھولو۔
بیچ میں لٹکائے رکھو۔ ۲۵۵

(۹) چونکہ مردوں کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ
عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں
کو نصیحت کی گئی کہ ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا
بہترین نمونہ بنیں۔ جس جماعت کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہوتی
وہ کبھی فلاح یافتہ جماعت نہیں ہوسکتی۔ ״

(۱۰) جب عورت کو طلاق دیدی گئی، اور اُس نے عدت کا
زمانہ پورا کرلیا، تو اُسے اختیار ہے جس سے چاہے، ٹھیک طریقہ پر
نکاح کرے۔ نہ تو اس سے روکنا چاہیے، نہ اُس کی پسند کے
خلاف اُس پر زور ڈالنا چاہیے۔ چونکہ اس بارے میں مردوں
کی خود پسندیوں سے مخالفت کا اندیشہ تھا، اس لئے خصوصیت
کے ساتھ زور دیا گیا کہ "ذٰلک یوعظ بہ من کان منکم یومن باللہ" ۲۵۶

(۱۱) طلاق کی صورت میں ایک اہم سوال شیرخوار بچوں کی پرورش
کا تھا۔ بڑا محل نقصان پہنچنے کا ماں تھی کہ طلاق کی وجہ سے
جدا ہوگئی تھی، مگر محبت مادری کی وجہ سے مجبور تھی کہ بچے کی پرورش
کرے۔ پس قرار پایا، دودھ پلاتے تک ماں کا خرچ بچے کے باپ
کے ذمے ہے۔

دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے۔

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ نہ تو بچے کی وجہ سے ماں کو نقصان
پہنچایا جائے، نہ باپ کو۔

نیز تمام معاملات میں اصل یہ ہے کہ کسی انسان پر اُس کی وسعت
سے زیادہ خرچ کا بار نہیں ڈالا جاسکتا۔ ۲۵۷

بیوہ عورتوں کے متعلق احکام، اور اُن مفاسد کی اصلاح
جو اس بارے میں پیدا ہوگئے تھے:

(۱) وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کرکے اُن مفاسد
کی اصلاح کردی جو افراط و تفریط کا موجب ہوئے تھے۔

(۲) اگر عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے، تو اُسے
نہیں روکنا چاہیے۔ نہ اس بات کا خواہشمند ہونا چاہیے کہ
عدت کی مقررہ میعاد سے زیادہ سوگ منائے۔

(۳) نکاح کے بارے میں عورت سے جو کچھ بات چیت یا نامہ و پیام
ہو، علانیہ اور دستور کے مطابق ہونا چاہیے۔

(۴) جب تک عدت کی میعاد نہ گزرلے، نکاح کا قول و قرار نہ کرو۔ ۲۵۸

مہر، اور عورتوں کے مالی حقوق کا تحفظ۔

اگر نکاح کے بعد شوہر اور بیوی میں کوئی تعلق نہ ہوا ہو، اور شوہر طلاق دیدے، تو اس صورت میں مہر کے احکام:

(۱) اگر مہر کی مقدار معیّن نہ ہوئی ہو، تو مرد کو چاہئے، اپنی حیثیت کے مطابق سلوک کرے۔

(۲) اگر معیّن ہو، تو آدھا مہر عورت کو ملنا چاہئے۔ اگر مرد اس سے زیادہ دے سکے، تو یہ تقویٰ اور فضیلت کی بات ہوگی۔

(۳) نکاح کے معاملہ میں مرد کا ہاتھ عورت سے زیادہ قوی ہے، پس عفو و بخشش بھی اسی کی طرف سے زیادہ ہونی چاہئے۔

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے
کی کوشش کرو۔ ۲۵۹

لیکن انسان جو خواہشوں کا بندہ اور غرض پرستیوں کی مخلوق ہے، کیونکر ایسی اخلاقی طاقت پیدا کرے سکتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی ان آزمائشوں میں پورا اترے؟

اس کی راہ صرف یہ ہے کہ خدا پرستی کی سچی روح اپنے اندر
پیدا کرو! 〃

اگر شوہر نے وصیت کردی ہو کہ ایک برس تک عورت اس کے گھر میں رہے (یعنے اس کا سوگ منائے جیسا کہ اہل عرب میں دستور تھا) تو اب ایسی وصیت واجب التعمیل نہیں۔ اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے، تو کسی ایسی وصیت کی
بنا پر اسے روکا نہیں جا سکتا۔ ۲۶۰

نکاح و طلاق کا بیان ختم کرتے ہوئے، مطلقہ عورتوں کے ساتھ احسان و سلوک کا مکرر حکم، تاکہ اس معاملہ کی اہمیت زیادہ سے
زیادہ واضح ہو جائے۔ 〃

سلسلۂ بیان پھر اسی طرف پھرتا ہے، جہاں سے نکاح طلاق کا بیان شروع ہوا تھا۔ یعنے جہاد کے احکام و مصالح کی طرف۔

جو جماعت موت سے ڈرتی ہے، وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتی۔

بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جس نے
باوجود کثیر التعداد ہونے کے جہاد سے اعراض کیا تھا۔ ۲۶۱

راہ جہاد میں مال خرچ کرنا، اللہ کو قرض دینا ہے! ۲۶۲

طالوت کی سرگزشت، اور قوموں کے ضعف و قوت اور فتح و ہزیمت کے بعض اہم حقائق:

(۱) جس گروہ میں صبر و استقامت کی روح نہیں ہوتی، اس میں لبا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے، تو بہت کم نکلتے ہیں جو ثابت قدم
ہوتے ہیں۔ 〃

(۲) حکومت و قیادت کی جس میں صلاحیت ہوتی ہے، وہی
اس کا اہل ہوتا ہے، اگرچہ مال و دولت اور جاہ و حشم سے محروم ہو۔ 〃

(۳) صلاحیت کے لئے اصلی چیز علم اور جسم کی قوت ہے۔ یعنے
دماغی اور جسمانی استعداد۔ ۲۶۳

(۴) جو شخص سردار مقرر ہو جائے، جماعت کو چاہئے سچے دل سے اس کی اطاعت کرے۔ اگر ایک جماعت میں اطاعت نہیں ہے
تو وہ کبھی زندگی کی کشاکش میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ 〃

(۵) طالوت کا پانی سے روک کر، صبر و ثبات اور اطاعت و انقیاد کا امتحان لینا، جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں
کر سکتے، وہ میدان جنگ کی محنتیں کیونکر برداشت کر سکینگے! ۲۶۴

(۶) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں، اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں۔ فتح و شکست کا دار و مدار جسموں کی کثرت

قلت پر نہیں ہے۔ دلوں کی قوت پر ہے۔
اللہ کی مدد اُنہی کو ملتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں۔ ۲۶۴
(۷) سچی دعا وہ ہے جو استعدادِ عمل کے ساتھ ہو۔ 〃
(۸) اگر جماعتوں اور قوموں میں باہمی کش مکش اور مُدافعت
نہ ہوتی، تو دنیا ظلم و فساد سے بھر جاتی۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ ایک
گروہ کا ظلم، دوسرے گروہ کی مُقاومت سے دفع ہوتا رہتا ہے۔
(۹) خدا نے مختلف عہدوں میں یکے بعد دیگرے پیغمبر مبعوث
کئے۔ اُنھوں نے لوگوں کو تفرقہ و فساد کی جگہ حق پرستی و یگانگت
کی تعلیم دی۔ اگر لوگ اس تعلیم پر قائم رہتے، تو کبھی باہمی جنگ و
جدال میں مُبتلا نہ ہوتے، لیکن اُنھوں نے گروہ بندیاں کرکے الگ
الگ جتھے بنالئے اور باہمی جنگ کا وہ بیج بو دیا جو ہمیشہ پھل لاتا رہتا ہے۔
اگر خدا چاہتا تو انسان کی طبیعت ایسی بنا دیتا کہ اُس میں
نزاع و خلاف کی استعداد ہی نہ ہوتی، لیکن اُس کی حکمت کا فیصلہ
یہی ہوا کہ انسان کو مجبور و مضطر نہ بنائے، ہر راہ میں چلنے کی
قدرت دیدے۔ ۲۶۵
(۱۰) جب جنگ ناگزیر ہے، تو اس سے غفلت نہ کرو، اور بڑی
طیاری یہ ہے کہ اسکے لئے اپنا مال خرچ کرو۔ ۲۶۶
(۱۱) ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ آخرت کی نجات کا تمام
دارومدار ایمان و عمل پر ہے۔ وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو
سکتی ہے، نہ کسی کی دوستی آشنائی کام دے سکتی ہے، نہ کسی کی سفارش
سے کام نکالا جا سکتا ہے۔ ۲۶۷
اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں
جبر و استکراہ جائز نہیں۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین
کی راہ ہے، اور وہ دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے نہ کہ جبر سے۔ 〃
(۱) جہاد کے ذکر کے ساتھ یہ ذکر اس لئے کیا گیا، تاکہ واضح
ہوجائے، جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لئے دی
گئی ہے، نہ کہ دین کی اشاعت کے لئے۔ دین کی اشاعت کا
ذریعہ ایک ہی ہے، اور وہ دعوت ہے۔
(۲) سچائی روشنی ہے۔ اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے، تو صرف اس
بات کی ضرورت ہے کہ روشنی نمایاں ہوجائے۔ اگر روشنی نمایاں
ہوگئی، تو پھر روشنی کو روشن دکھلانے کے لئے اور کسی بات کی
ضرورت نہیں۔ ۲۶۸
(۳) دعوت کی تاثیر و فتحمندی کی وضاحت کے لئے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ۔ وہ مادی سازو
سامان سے یک قلم محروم تھے، اور وقت کا سرکش بادشاہ ہر
طرح کی طاقتوں سے مسلح تھا لیکن تن تنہا دعوت کا حربہ
لے کر کھڑے ہوگئے، اور فتحمند رہے!
ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دعوت کی راہ تلقین و
ہدایت کی راہ ہے۔ جدل و خصومت کی راہ نہیں ہے۔ 〃
(۵) بنی اسرائیل کے ایام و وقائع میں سے اس واقعہ کی طرف
اشارہ کہ وقت کے تین شہنشاہوں کے دل بنی اسرائیل کی دعوت
سے مسخر ہوگئے، اور انکے مُردہ شہر، مُردہ ہیکل، اور مُردہ جماعت
کی دوبارہ زندگی کا سامان ہوگیا! ۲۶۹
(۶) دعوتِ حق سے مُردہ روحوں کا زندہ ہوجانا، اور وحشی
و گمراہ افراد کا تربیت یافتہ جماعت بن جانا، اور اس بارے میں
وہ بصیرت جو حضرت ابراہیم پر واضح کی گئی تھی۔ ۲۷۰
جہاد کا بیان ختم ہوگیا۔ اب یہاں احکام کا سلسلہ
ایک دوسرے حکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
گذشتہ بیانات میں جسقدر احکام دیئے گئے ہیں اُن سب کی
سچی تعمیل جبھی ہو سکتی ہے کہ نیکی کے لئے مال خرچ کرنے کی پوری

استعداد پیدا ہو جائے۔ اس لئے بیانِ احکام کے بعد اب
خصوصیت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے مواعظ پر زور دیا
جاتا ہے۔ یہ گویا تمام پچھلے بیانات کے لئے ایک متمم بیان ہے: ۲۷۱

(۱) نیکی کے لئے خرچ کرنا اللہ کے لئے خرچ کرنا ہے۔ آ
دیکھو، کائناتِ خلقت میں خدا کا قانونِ مکافات کیا ہے؟ تو
یہ بات ہر انسان دیکھ رہا ہے کہ اگر غلّہ کا ایک دانہ زمین کے
حوالے کر دیا جائے، تو وہ ایک کے بدلے پورا درخت واپس کر دیتی ہے

(۲) البتہ کامیابی کی شرط یہ ہے کہ دانہ خراب نہ ہو، اور زمین
میں ڈالا جائے۔ پتھر کی چٹان پر نہ پھینک دیا جائے۔ ۲۷۲

(۳) دکھاوے کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے، اور جو شخص نیکی
نیکی کے لئے نہیں، نام و نمود کے لئے کرتا ہے، وہ خدا پر سچا ایمان
نہیں رکھتا۔

(۴) خیرات کی حقیقت واضح کرنے کے لئے کاشت کاری کی
دو مثالیں۔

(۵) عالمِ مادّی اور عالمِ معنوی، دونوں کے احکام و قوانین
یکساں ہیں۔ جو بوؤ گے اور جس طرح بوؤ گے، ویسا ہی اور اسی
طرح پھل بھی پاؤ گے!

(۶) دکھاوے کی نیکیوں کا رائگاں جانا، اور اس کی ایک مثال ۲۷۳

(۷) نکمّی چیز خیرات کے نام سے محتاجوں کو نہ دو۔ اگر تمھیں
کوئی ایسی چیز دے، تو تم لینا پسند کرو گے؟ ۲۷۴

(۸) انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ اچھائی اور
برائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے، اُن باتوں میں سے ہے جنھیں
قرآن حکمت سے تعبیر کرتا ہے۔ ،،

(۹) دکھاوے کی خیرات سے روکا گیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب
نہیں کہ جب تک چوری چھپے خیرات نہ کر سکو، خیرات کرو ہی نہیں
مطلب یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہئے۔ ۲۷۴

(۱۰) خیرات کرنا، اَدائے فرض ہے، اور خود اپنے کو فائدہ پہنچانا ہے
ایسا نہ سمجھو کہ دوسروں پر احسان کر رہے ہو۔ ۲۷۵

(۱۱) خیرات کا ایک بڑا مصرف، اُن لوگوں کی اعانت ہے
جو دین و ملّت کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے ہوں۔ صورت
اُن کی بے نیازوں کی ہوتی ہے، مگر حالت حاجت مندوں کی ،،

(۱۲) بھیک مانگنے والوں کو سب دیتے ہیں، لیکن خود دار
حاجت مندوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ،،

(۱۳) دینے والوں کو چاہئے، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر دیں۔ حاجت
مندوں کو چاہئے، سوال کر کے اپنی خودداری و عفت تاراج
نہ کریں۔ ،،

سُود کی حُرمت:

نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشوونما نہیں پا سکتی
تھی اگر خیرات کے حکم کے ساتھ سُود لینے کی ممانعت بھی نہ
کر دی جاتی جو ٹھیک ٹھیک اُس کی ضد ہے۔

دینِ حق کا مقصد یہ ہے کہ خیرات کا جذبہ بڑھائے، سُود کو
مٹائے۔ اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے تو سوسائٹی
کا کوئی فرد محتاج نہ رہے۔ ۲۷۶

لین دین کے احکام۔ چونکہ سُود کے ذکر سے لین دین
کا معاملہ چھڑ گیا تھا، اس لئے اُس کے ضروری احکام بھی
بیان کر دئیے گئے، اور اُن مفاسد کی اصلاح کر دی جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

لین دین کی درستگی کے ۷ بنیادی اصول۔ ۲۷۷

رہن یعنی گرو رکھ کر قرض لینا۔ ۲۷۸

سورۃ کا اختتام اور دینِ حق کے عقائد و اعمال کا خلاصہ
سورۃ کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی۔ اختتام بھی اسی پر ہوا۔ ۲۷۹

آلِ عِمرٰن

(۲۸۰)

اَللّٰہُ "اَلحَیُّ" اور "اَلقَیُّوم" ہے۔ حیّ و قیوم ہونے کا مقتضیٰ
یہ تھا کہ انسان کی زندگی و قیام کی تمام احتیاجات مہیّا کر دے۔
احتیاجات دو طرح کی ہیں: جسمانی اور روحانی۔
روحانی احتیاجات کے لئے دو چیزیں دی گئیں: الکتاب
اور اَلفُرقان۔
سُنّتِ الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ کفر و سرکشی کے ساتھ الکتاب کا
مقابلہ کرتے ہیں اور فرقان یعنے جوہرِ عقل و تمیز سے کام نہیں لیتے،
اُن کے لئے دنیا میں بھی نامرادی ہوتی ہے، اور آخرت میں عذاب! ۲۸۰
اِس اصلِ عظیم کا بیان کہ الکتاب یعنے قرآن کے مطالب
کی دو قسمیں ہیں: محکمات اور مُتشابہات۔ محکمات اصل و
بنیاد ہیں۔ اِس لئے عقل انسانی کے لئے صاف صاف اور
کھُلے احکام ہیں۔ متشابہات کا تعلق اُن حقائق سے ہے جو
ماوراء عقل انسانی ہیں؛ اور انسان اپنے حواس و ادراک سے
اُن کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتا۔
جن لوگوں کی سمجھ میں کجی ہے، وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات
کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اُن کی حقیقت معلوم کرنی چاہتے ہیں؛
لیکن جو لوگ سمجھ کے سیدھے اور علم میں پکے ہیں، وہ اُن میں کاوش
نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں؛ جو کچھ کلامِ الٰہی میں ہے، ہمارا اُس پر
ایمان ہے۔ ۲۸۱

جن لوگوں نے الکتاب کا مُعاندانہ مقابلہ کیا ہے، وہ وہی
چال چل رہے ہیں جو حضرت موسٰی کے مقابلہ میں آلِ فرعون نے چلی تھی
کی تھی، اور قریب ہے کہ اُنھیں بھی وہی پیش آئے، جو آلِ فرعون
کو پیش آیا تھا! ۲۸۲
جنگِ بدر کا نتیجہ اِس معاملہ کی ابتدا تھا، تاہم فیصلہ کُن تھا۔ رر
پیروانِ دعوت کو موعظت کہ اپنی موجودہ بے سروسامانی
سے برداشتہ خاطر نہ ہوں۔
ضمناً اِس حقیقت کا اظہار کہ خدا نے انسان کی طبیعت و
حالت ایسی ہی بنائی ہے کہ اہل و عیال اور مال و متاع کی فراوانی
میں بڑی وابستگی محسوس کرتا ہے۔
متّقی انسانوں کے خصائل۔ ۲۸۳
دینِ الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون
کی اطاعت کی جائے۔ خدا کا ٹھہرایا ہوا قانون کیا ہے؟ میزانِ
عدل کا قیام ہے، جس پر تمام کارخانۂ خلقت چل رہا ہے۔ رر
اِس حقیقت کی معرفت یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ کائناتِ ہستی
کی شہادت پر غور کرو۔
شہادتیں تین ہیں: اللہ کی۔ ملائکہ کی۔ اصحابِ علم کی۔
یہ تینوں شہادتیں اعلان کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؛
اور اُس نے تمام کارخانۂ ہستی قانونِ عدل پر اُستوار کیا ہے۔

"الدّین"، یعنے انسان کے لئے قانون اعتقاد و عمل یہی
ہے، اور اسی کا نام "الاسلام" ہے۔
پیروانِ مذاہب کا تفرقہ و اختلاف اس لئے نہیں ہوا کہ
دین مختلف تھے۔ کیونکہ اوّل دن سے دین یہی ایک ہے۔ تفرقہ
و اختلاف اس لئے ہوا کہ ضد اور تعصب میں آکر لوگوں نے الگ
الگ گروہ بندیاں کرلیں، اور اصل دین سے پھر گئے۔ ۲۸۴
یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سے اتمامِ حجت۔ اصل
دین خدا پرستی ہے۔ ساری باتیں چھوڑ دو۔ یہ بتلاؤ، تمھیں خدا
پرستی سے اقرار ہے یا انکار؟ اگر اقرار ہے تو سارا جھگڑا ختم
ہوگیا۔ کیونکہ اسلام کی حقیقت اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے۔
یہودیوں کی قومی گمراہیوں اور شقاوتوں کی طرف
اشارہ۔ جو لوگ حق و عدالت کے داعیوں کو قتل کرتے رہے،
اُن سے قبولیتِ حق کی کیا اُمید ہو سکتی ہے؟
علماءِ یہود کی یہ گمراہی کہ جس تورات کو شب و روز بغل
میں لئے پھرتے تھے، جب اُسی تورات پر عمل کرنے کا مطالبہ
کیا گیا، تو صاف انکار کر گئے۔ ۲۸۵
مذہبی گروہ بندی کے غرور نے اُن میں یہ زعمِ فاسد پیدا کر
دیا ہے کہ ہم نجات یافتہ اُمت ہیں۔ ہمارا عمل کیسا ہی کیوں
نہ ہو، لیکن ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں ڈالے جائینگے۔ ،،
وقت آگیا ہے کہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ جسے
اُٹھنا ہے، اُٹھ کھڑا ہو۔ جسے گرنا ہے، گرا دیا جائے! ۲۸۶
• پیروانِ دعوت سے خطاب کہ سرگرمِ عمل ہو جائیں، اور
راہ کی ٹھوکروں سے محفوظ رہیں۔
اپنے ذاتی رشتوں کو جماعت کے رشتے پر ترجیح نہ دیں، اور
مُحاربینِ ملت کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں۔ ،،

جو کوئی خدا سے محبت کا مدعی ہے، اُسے چاہئے، خدا کے رسول
کی پیروی کرے۔
خدا کا قانون یہ ہے کہ ہدایتِ خلق کے لئے پیغمبر دین کو مبعوث
کرتا ہے۔ جو ان کی پیروی کرتے ہیں، کامیاب ہوتے ہیں۔ جو سرکشی
سے مقابلہ کرتے ہیں، ناکام رہتے ہیں۔ ۲۸۷
اسی قانون کے ماتحت خدا نے آدم، نوح، آلِ ابراہیم
اور آلِ عمران (علیہم السلام) کو برگزیدگی عطا فرمائی۔
حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت سے استشہاد، اور
حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا ذکر۔ ،،
حضرت مریم کا طفولیت میں ہیکل کے سپرد ہونا، اور
زاہدانہ توکل۔ ۲۸۸
حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا، اور حضرت یحییٰؑ کی پیدائش
کہ ظہورِ مسیح کا مقدمہ تھی۔ ،،
حضرت مریمؑ کا بلوغ اور برگزیدگی۔
حضرت مریمؑ کے سوانحِ حیات کی بعض جزئیات جن کا علم پیغمبر
اسلام کو بغیر وحی کے نہیں ہو سکتا تھا۔ ۲۸۹
حضرت مریمؑ کو حضرت مسیحؑ کی پیدائش کی بشارت۔ ،،
حضرت مسیحؑ کا ظہور اور اُن کی منادی۔ ۲۹۰
تمام رسولوں کی طرح حضرت مسیحؑ بھی پچھلی صداقتوں کو جھٹلانے
نہیں، بلکہ از سرِ نو قائم کرنے کے لئے آئے تھے۔ ،،
یہودیوں کے سرداروں کا مخالفت میں سرگرم ہونا، اور
صرف حواریوں کا ایمان لانا۔ ،،
یہودیوں کی حضرت مسیحؑ کے خلاف مخفی سازش، مگر خدا کا
اُنھیں ناکام کرنا، اور حضرت مسیحؑ کو اپنی حفاظت میں لے لینا۔
حضرت مسیحؑ کی نسبت خدا کا وعدہ کہ میں تیرا وقت پورا کردوں گا

تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا، منکروں کی افترا پردازیوں سے
تیری پاکی آشکارا کردوں گا، اور تیرے ماننے والوں کو تیرے
منکروں پر ہمیشہ برتر رکھوں گا! ۲۹۱

عیسائیوں کی گمراہی کہ اُلوہیتِ مسیح کا اعتقادِ باطل
پیدا کرلیا۔

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگرچہ مسیحی کلیسانے صدیوں
سے یہ اعتقاد قائم کر رکھا ہے، لیکن قرآن کی دعوت اُسکے
برخلاف کامیاب ہوگی۔

عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت۔ ر

رفعِ نزاع اور اتمامِ حجت کی دوسری دعوت: آؤ اختلاف و
نزاع کی ساری باتیں چھوڑدیں، اُن بنیادی صداقتوں پر متحد
ہوجائیں جو تمھارے یہاں بھی مسلّم ہیں۔ یعنے خدا کے سوا کوئی
عبادت کا مستحق نہیں۔ جو کچھ اُسکے لئے ہے، اُس میں کسی کو شریک
نہ کیا جائے۔ کوئی انسان دوسرے انسان کو ایسا مقدس اور
معصوم نہ بنائے، گویا اُسے خدا بنالیا ہے۔ ۲۹۲

توحید و خدا پرستی کا یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا طریقہ تھا۔ یہودیت یا نصرانیت کی گروہ بندی اور اُس کی
گمراہیاں نہ تھیں۔ اگر یہود اور نصاریٰ اس بارے میں حجت
کرتے ہیں، تو یہ جہل و تعصب کی انتہا ہے۔ ۲۹۳

اہلِ کتاب کی مذہبی زندگی کی شقاوتیں۔

اہلِ کتاب کی بنیادی گمراہی کہ اُنھوں نے دین و صداقت
کو صرف اپنی نسل اور گروہ بندی کا ورثہ سمجھ لیا ہے، اور کہتے
ہیں، یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص ہم میں سے نہ ہو، اور دین کی صداقت
رکھتا ہو۔ ۲۹۴

اہلِ کتاب کی یہ گمراہی کہ سمجھتے ہیں غیر مذہب والوں کے
ساتھ دیانت داری اور معاملہ کی سچائی ضروری نہیں۔ ۲۹۵

اصل یہ ہے کہ اُنکے علماء اور مشائخ کی گمراہیوں اور بدعملیوں
نے تمام قوم کو ہدایت کی روح سے محروم کردیا ہے۔ ان میں عالموں
اور فقیہوں کا ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے لیکن
ہوائے نفس سے اُس کے مطالب میں تحریف کردیتا ہے۔

اُنکے علماء اور مشائخ ہدایت کرنے کی جگہ خدائی کرنے لگے
ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں، نیک و بد، حلال و حرام، اور دوزخ و
جنت، کا سارا اختیار انہی کے ہاتھ میں ہے۔

کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ خدا کے احکام کی جگہ
انسان کی رائے و قیاس کے گڑھے ہوئے حکموں کی اطاعت
کرے۔ ایسا کرنا، خدا کو چھوڑکر بندوں کی بندگی کرنا ہے۔ ۲۹۶

اس اصلِ عظیم کی طرف اشارہ کہ تمام پیغمبر ایک ہی دین
کے داعی اور ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اُن میں سے
کسی ایک کا انکار، پورے سلسلۂ ہدایت کا انکار ہے۔ ر

کیا تم چاہتے ہو، اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑکر، کوئی اور
دین ڈھونڈھ نکالو؟ لیکن اس دنیا میں تو کوئی دوسرا دین
ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ آسمان و زمین میں جو کوئی بھی ہے، اللہ کے
قانون کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اُسکے قانون کے دائرۂ اطاعت
سے باہر نہیں جاسکتا۔

یہی ایک دین، نوعِ انسانی کی ہدایت کی عالمگیر راہ ہے،
لیکن لوگوں نے الگ الگ گروہ بندیاں کرلیں اور ایک دوسرے
کو جھٹلانے لگے۔ قرآن اس لئے آیا ہے کہ اس گمراہی سے
انسان کو نجات دلائے۔ پس وہ تمام رہنمایانِ عالم کی یکساں
طور پر تصدیق کرتا ہے، اور کہتا ہے اس عالمگیر سچائی کے سوا،
جو الاسلام ہے، دین کی کوئی راہ خدا کے نزدیک مقبول نہیں۔ ۲۹۷

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہدایت کی راہ پا کر پھر اُس سے
منحرف ہو گئے، اور سچائی کی کوئی روشنی اُن کی بصیرت کے لئے
سود مند نہ ہوئی، اور آج بھی دعوتِ حق کا مُعاندانہ مقابلہ کر
رہے ہیں، تو خدا کا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر فلاح وسعادت
کی راہ کبھی نہیں کھل سکتی۔

جزائے عمل، عمل کا قدرتی نتیجہ ہے۔ پس یہ نہ سمجھو کہ آخرت
کی سزائیں بھی دُنیا کی سزاؤں کی طرح ہیں کہ ایک مجرم چاہے
تو مال و دولت خرچ کر کے اپنے کو بچا لے سکتا ہے۔ خدا کی عدالت
میں کوئی فدیہ اور معاوضہ قبول نہیں ہو سکتا۔

صرف توبہ و انابت ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام گناہوں
کو محو کر دیتی ہے۔

مال و دولت گناہ کے فدیہ میں مقبول نہیں، لیکن مال و دولت
کا خدا کی راہ میں خرچ کرنا نیکی کی سب سے بڑی شرط ہے۔ ۲۹۸

علمائے یہود کے دو اعتراض اور اُن کا جواب:

(۱) اگر قرآن کی دعوت بھی وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی دعوت
تھی، تو کیوں قرآن نے بھی کھانے کی وہ تمام چیزیں حرام نہیں
کر دیں جو یہودیوں کے یہاں حرام ہیں؟

(۲) بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ کیوں قبلہ قرار دیا گیا؟

پہلے اعتراض کا جواب کہ کھانے کی تمام اچھی چیزیں جنھیں
قرآن حلال ٹھہراتا ہے، بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں، اور
جن چیزوں کو وہ حرام سمجھتے ہیں، وہ تورات میں حرام نہیں ٹھہرائی
گئی ہیں، بلکہ نزولِ تورات سے پہلے خود بنی اسرائیل نے اپنے
اوپر حرام ٹھہرالی تھیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب کہ خانۂ کعبہ پہلا گھر ہے جو انسان
کے لئے خدا پرستی کا معبد ٹھہرایا گیا، اور یروشلم کے ہیکل کی تعمیر سے
بہت پہلے حج و عبادت کا مرکز ہو چکا تھا۔ ۲۹۹

پیروانِ دعوت سے خطاب موعظت، اور قیامِ رُشد
و ہدایت کے بعض اصول و مہمات:

(۱) یہود اور نصاریٰ کی گمراہانہ باتوں کی پیروی سے بچو۔

(۲) ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے شرطِ راہ، استقامت ہے۔ ۳۰۱

(۳) جماعت کے تفرقہ سے بچو۔

(۴) تم میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو داعی الی الخیر
ہو، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سرگرم ہے۔

(۵) جماعت کے تفرقہ کی طرح دین کا اختلاف بھی مُہلک
ہے۔ پس اہلِ کتاب کی طرح فرقہ بندیوں میں مبتلا نہ ہو جانا۔ رر

(۶) تم تمام اُمتوں میں "بہتر امت" ہو، اور اس لئے ظہور
میں آئے ہو کہ انسانوں کو نیک بناؤ۔ ۳۰۲

قرآن نے مسلمانوں کا جماعتی نصب العین یہ نہیں قرار
دیا کہ سب سے برتر اور طاقتور ہوں، بلکہ کہا "سب سے بہتر" ہوں۔
انسان کے کسی گروہ کے لئے اس سے اعلیٰ نصب العین نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ یہود اور نصاریٰ کے
جو گروہ نزولِ قرآن کے وقت اُس کی مُعاندانہ مخالفت میں
سرگرم تھے، وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونگے۔

یہودیوں کی قومی محرومی کی طرف اشارہ کہ حکومت و
کامرانی سے محروم ہو چکے ہیں، اور جہاں کہیں بھی انھیں امن
ملا ہے، محکومیت کی ذلت کا امن ہے۔ یہاں سے یہ بات
بھی معلوم ہو گئی کہ قومی محکومیت کو قرآن کس نظر سے دیکھتا ہے؟ ۳۰۳

یہ بات نہیں ہے کہ تمام یہودیوں اور نصاریٰ کا حال
یکساں ہو۔ بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان و عمل کی
راہ میں اُستوار ہیں، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ غالب تعداد

اُنھی کی ہے جنھوں نے سچّائی کھو دی ہے۔

اہلِ کتاب میں جو لوگ ایمان و عمل کی سچّائی رکھتے ہیں،
وہ ضرور اپنا اجر پائیں گے۔ ۳۰۴

(۷) قریشِ مکّہ کی طرح اہلِ کتاب بھی دعوتِ قرآن کی مخالفت
پر کمربستہ ہوگئے ہیں۔ اس لئے اُنھیں ہمراز و رفیق نہ بناؤ۔

(۸) اگر تمھارے اندر صبر اور تقوےٰ پیدا ہوگیا، تو پھر کوئی
مخالف گروہ تم پر فتحمند نہیں ہو سکتا۔

جنگِ بدر اور اُحد کے تجارب سے استشہاد۔

بدر میں دونوں باتیں موجود تھیں اس لئے فتحمند ہوئے۔ اُحد
کے موقعہ پر دونوں میں کمزوری دکھائی، اس لئے ناکام رہے۔

(۱) اُحد میں ابتدا ہی سے صبر اور تقوےٰ کی روح کمزور پڑگئی
تھی۔ ۳۰۶

(۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ہادی و مصلح کو
لوگوں کی ہدایت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ۳۰۷

(۳) مال و دولت کی حرص و پرستش کے ساتھ جانفروشی کی
روح نہیں پیدا ہو سکتی۔ اسی لئے خصوصیت کے ساتھ سُود کی
حرمت اور انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا۔

اصحابِ تقویٰ کے چار خصائل۔ ۳۰۸

(۴) دنیا میں نکلو اور زمین کی سیر کرو، تم دیکھو گے کہ گذشتہ
اقوام کے ساتھ بھی قانونِ الٰہی کی ایسی ہی سنّت رہ چکی ہے!

(۵) اگر ایک حادثہ پیش آجائے، تو آئندہ کے لئے عبرت
پکڑنی چاہیے۔ لیکن عبرت پذیری کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ
اُس کے رنج و ندامت میں بالکل کھوئے جاؤ، اور ہمت ہار
بیٹھو۔

اُحد کے حادثہ میں چند در چند مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ ۳۰۹

(۶) شرطِ کامیابی عمل و ثبات ہے۔ نہ کہ محض زبانی اقرار۔ ۳۱۰

(۷) بنائے کار اصول و عقائد ہیں، نہ کہ شخصیت اور افراد۔
سچّائی کی وجہ سے شخصیت قبول کی جاتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ
شخصیت کی وجہ سے سچّائی سچّائی ہوگئی ہو! ۳۱۱

(۸) مومن وہ ہے جس میں وہن، ضُعف، اور استکانۃ للخصم نہ ہو ۳۱۲

(۹) اعدائے حق تمھیں دشمنوں کی کثرت و طاقت کے افسانے
سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔

(۱۰) اگر ایک جماعت مومن باللہ ہے، تو ضروری ہے کہ اُس کی
ہیبت غیر مومن دلوں پر چھا جائے! ؍؍

(۱۱) منافق تمھیں اُحد کا حادثہ یاد دلا کر ڈرا رہے ہیں حالانکہ
بدر کی طرح اُحد میں بھی خدا نے اپنا وعدۂ نصرت پورا کر دیا تھا! ۳۱۳

(۱۲) اُحد میں مسلمانوں کی پریشانی اور ابتری، پھر اچانک
تائیدِ الٰہی سے دل جمعی و عزم کا پیدا ہو جانا، اور ایسا محسوس
ہونا، گویا سوتے سے جاگ اُٹھے! ۳۱۴

(۱۳) جس طرح بدر کی فتحمندی سے مسلمانوں کی تربیت
مدِنظر تھی، اُسی طرح اُحد کی عارضی ناکامیابی میں بھی تربیت
کا پہلو پوشیدہ تھا۔

بدر کی فتح نے مسلمانوں کو سعی و تدبیر کی طرف سے بے پروا
کر دیا تھا۔ اُحد کے تجربے نے بتلا دیا کہ خدا کے تمام کاموں کی
طرح اُس کی تائید و نصرت کے بھی قوانین ہیں۔ جو جماعت
کمزوری و غفلت میں پڑ جائے گی، صبر و ثبات میں پوری نہیں
اُترے گی، اطاعت و نظام میں کچی ہوگی، وہ کبھی کامیاب نہیں
ہو سکتی!

(۱۴) سچّا مومن، موت سے نہیں ڈرتا، لیکن جن میں ایمان نہیں،
وہ کہتے ہیں، اگر فلاں آدمی جنگ میں شریک نہ ہوتا تو کاہے کو مرتا ۳۱۵

(١٥) پیغمبر اسلام سے خطاب اور منصب امامت کی بعض اصولی
مہمات۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے، لیکن
ساتھ ہی ضروری ہے کہ صاحب عزم ہو۔ ٣١٧
(١٦) مسلمانوں سے خطاب کہ پیغمبر ادائے فرض امامت میں کبھی خیانت
نہیں کرسکتا۔
سچے انسان کی زندگی جھوٹے سے اس درجہ مختلف ہوتی ہے کہ
ممکن نہیں، اس میں دھوکا ہوسکے۔ //
(١٧) جنگ احد کی آزمایش نے منافقوں کے چہروں سے نقاب
اُلٹ دی۔ بعض واقعات کی طرف اشارہ جن سے منافقوں
کی نفسیاتی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ ٣١٨
(١٨) قانون الٰہی یہ ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی، دونوں کو
مہلت ملتی ہے، پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔
دیکھنا یہ چاہئے کہ آخر کی کامیابی کس کے حصہ میں آتی ہے؟ ٣٢١
(١٩) وقت آگیا ہے کہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز
ہوجائے۔ //
(٢٠) منافقوں پر راہِ حق میں مال خرچ کرنا شاق گزرتا تھا۔

فرمایا، جو لوگ بخل کرتے ہیں، اُن کی دولت اُنکے لئے وسیلۂ عذاب ہوگی ٣٢٢
اب پھر وہی بیان شروع ہوجاتا ہے، جو اس سے پہلے
تھا۔ یعنے اہل کتاب سے خطاب اور دعوت حق کی فتحمندی کا اعلان //
علماء یہود کا یہ قول کہ ہمیں اُسی نبی کے ماننے کا حکم دیا گیا
ہے جو سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ آئے، اور اُس کا جواب۔ ٣٢٣
پیروان دعوت سے خطاب کہ اس راہ میں جان و مال کی
آزمایشوں سے گزرنا ناگزیر ہے۔ نیز ضروری ہے کہ دشمنوں کے
ہاتھوں اذیت برداشت کرو۔ لیکن اگر سررشتۂ صبر و تقویٰ ہاتھ
سے نہ چھوٹا، تو بالآخر کامیابی تمھارے ہی لئے ہے! //
حق کی معرفت و استقامت کا سرچشمہ، ذکر اور فکر ہے۔
ذکر سے غفلت دُور ہوگی۔ فکر سے معرفت حقیقت کے دروازے کھل جائینگے۔
اللہ کا قانون ہے کہ وہ کسی انسان کا عملِ حق ضائع نہیں کرتا
پس جو لوگ راہ حق میں مصائب برداشت کر رہے ہیں، وہ یقین
رکھیں کہ اُنکے اعمال کے ثمرات عنقریب حاصل ہونگے۔ ٣٢٥
سورت کی ابتدا جس بیان سے ہوئی تھی، اُسی پر اختتام اور تین
بصیرتیں، جو گویا سورت کے بیانات کا خلاصہ ہیں۔ ٣٢٧

النساء

(٣٣٨)

خدا نے افرادِ انسانی کے باہمی اجتماع و اتحاد کے لئے صلۂ
رحمی یعنے نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے، اور سوسائٹی
کا نظام اسی پر قائم ہے۔ اگر اس رشتہ کے مؤثرات نہ ہوتے، تو
انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی
پس صلۂ رحمی کے حقوق، خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں
اس سلسلہ میں سب سے پہلے یتیموں کے حقوق پر زور دیا گیا۔

(١) یتیم کا سرپرست یتیم کا مال الگ رکھے۔

(٢) یتیم لڑکی کے سرپرست کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ محض اُس کی دولت پر قابض ہوجانے کے لئے اُس سے نکاح کرلے۔

(٣) ضمناً نکاح کا حکم کہ بیک وقت چار بیویاں تک رکھ سکتے ہو، بشرطیکہ عدل کرسکو۔

(٤) جب تک یتیم بچے عاقل و بالغ نہ ہوجائیں مال اُن کے حوالے نہ کرو۔

(٥) اس ڈر سے کہ اولاد بڑی ہوکر قابض ہوجائے گی یا یتیم بالغ ہوکر مطالبہ کرینگے، مال و دولت کو فضول خرچی میں اُڑا دینا بڑی معصیت ہے۔

(٦) سرپرست اگر محتاج ہو تو بقدر احتیاج یتیم کے مال میں سے لے سکتا ہے۔

(٧) حقدار کو اُس کی امانت دو تو اس پر گواہ کرلو۔ ٣٢٨

(٨) حقدار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت، دونوں برابر ہیں۔

(٩) تقسیم ورثہ کے وقت خاندان کے یتیموں مسکینوں اور دور کے رشتہ داروں کے ساتھ بھی کچھ سلوک کردینا چاہئے۔ ٣٣٠

ترکہ کی تقسیم۔ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملنا چاہئے۔

میّت کی وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے، اُسے وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

وصیت اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ حقداروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ ٢٣١

کلالہ کی میراث کا حکم۔ ٢٣٢

بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر۔ ٣٣٣

سچی توبہ اُسی کی توبہ ہے جو گناہ پر مُصر نہ ہو۔ ״

عورتوں کے حقوق کا تحفظ، اور اُن نا انصافیوں کا انسداد جو ظہور اسلام سے پہلے پھیلی ہوئی تھیں۔

عرب جاہلیّۃ کی یہ رسم کہ میت کے مال کی طرح اُس کی بیویاں بھی وارثوں کے قبضہ میں چلی جاتی تھیں، اور قرآن کا انکار۔

بیوی کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے اُس پر بے جا دباؤ نہ ڈالو۔

عورتوں کے ساتھ تمھاری معاشرت نیکی اور انصاف پر مبنی ہونی چاہئے۔

اگر کسی وجہ سے بیوی پسند نہ آئے، تو ایسا نہ کرو کہ فوراً اُسے چھوڑ کر دوسری کرلو۔ ٣٣٤

اگر تم نے بیوی کو چاندی سونے کا ایک ڈھیر بھی دیدیا ہے، جب بھی طلاق دیتے ہوئے، واپس نہیں لے سکتے۔ ٣٣٥

جن رشتوں میں نکاح جائز نہیں، اُن کا بیان۔ ״

غلامی کی رسم تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ قرآن نے صرف اسیران جنگ میں محدود کردی، اور اُس کا بھی عملاً کم سے کم امکان باقی رکھا۔ ساتھ ہی غلاموں کے حقوق پر اسقدر زور دیا کہ سوسائٹی کا ایک معزز عنصر بن گئے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا، لونڈیوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھو، بہ حیثیت انسان کے تمام انسان ہم رتبہ ہیں۔ ٣٣٧

ازدواجی و معاشرتی زندگی کے ان تمام احکام سے مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچو، اور فلاح و سعادت کی راہوں پر گامزن ہو۔

معاشرتی زندگی کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ الّا یہ کہ مشترک تجارت ہو۔

اگر بڑے بڑے گناہوں سے بچو، تو چھوٹی چھوٹی لغزشیں تمھاری سعادت و فلاح میں مخل نہیں ہونگی۔ ٣٣٨

خدا نے انسان کو مرد و عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا
ہے، اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی رکھتی ہیں کارخانۂ
معیشت کے لئے جس طرح مرد کی ضرورت تھی، اسی طرح عورت
کی بھی تھی۔ البتہ مردوں کو یہ مزیت حاصل ہے کہ عورتوں کے لئے
کارفرما ہیں۔

عورتیں اس خیال سے دل گیر نہ ہوں کہ مرد نہ ہوئیں۔
عورتوں کے لئے بھی عمل و فضیلت کی تمام راہیں کھلی ہوئی
ہیں۔

نیک عورتوں کے خصائل۔

اگر بیوی کی طرف سے سرکشی ہو، تو فوراً دل برداشتہ نہیں
ہو جانا چاہئے۔ یکے بعد دیگرے فہمائش کرنی چاہئے۔

اگر تفرقہ کا اندیشہ ہو، تو چاہئے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی
جائے۔ ایک پنچ شوہر کی طرف سے ہو۔ ایک بیوی کی طرف
سے۔ دونوں اصلاح کی کوشش کریں۔ ۳۴۰

عموم شفقت و احسان، اور ادائے حقوق و واجبات
کا حکم۔

بخل نہ کرو۔ نیکی کے لئے خرچ کرو، خدا اترانے والوں اور
بخیلوں کو دوست نہیں رکھتا۔

خدا کی پسندیدگی انھیں کبھی نہیں مل سکتی جو دکھاوے
کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ ۳۴۱

نماز، طہارت، اور تیمم کے احکام۔

مقصود یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کی اخلاقی ذمہ داریوں
سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے، اگر عبادت الٰہی کی روح سے محروم ہو
نشہ کی حالت میں نماز کا قصد نہ کرو۔ (شراب کی حرمت
کا حکم بتدریج ہوا ہے۔ پہلا حکم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۶ میں ہے

دوسرا یہ ہے۔ آخری حکم جس نے قطعی حرمت کا اعلان کیا، مائدہ
کی آیت ۹۲ ہے) ۳۴۲

سلسلۂ بیان اہل کتاب کی طرف پھرتا ہے مسلمانوں کو
متنبہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح احکام الٰہی سے تم مخاطب ہوئے ہو، اہل
کتاب بھی ہوئے تھے، لیکن ہدایت سے منحرف ہو گئے۔ پس
ضروری ہے کہ ان کی گمراہیوں سے اپنی حفاظت کرو۔

یہود مدینہ کی یہ شقاوت کہ ذو معنی اور مشتبہ الفاظ کہہ کر
دل کا بخار نکالتے۔

اہل کتاب کی یہ گمراہی کہ اپنے پیشواؤں اور فقیہوں کو
ایسا مقدس اور با اختیار سمجھ رکھا ہے، گویا خدا کی خدائی میں
شریک ہیں۔

سارے گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جا سکتے ہیں لیکن شرک
نہیں بخشا جائے گا۔ ۳۴۳

یہودیوں کا غرور باطل کہ اپنی مذہبی گروہ بندی کی بڑائیوں
اور پاکیوں کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ ۳۴۴

گروہ پرستی کے بعد حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔

یہود مدینہ مسلمانوں کی ضد میں آکر، مشرکین عرب کو ان پر
ترجیح دیتے۔ ۳۴۵

مسلمانوں سے خطاب، اور قیام عدل، ادائے امانت
اور رفع نزاع کے مہمات:

(۱) اصل یہ ہے کہ جو شخص جس بات کا حقدار ہو، اس کا اعتراف
کرو، اور جو چیز جسے ملنی چاہئے، وہ اسی کے حوالے کرو۔

(۲) جب دو فریقوں میں فیصلہ کرو، تو حق و انصاف کے
ساتھ کرو۔

(۳) اصل دینی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت

کرو، اور تم میں سے جو صاحبِ حکم و اختیار ہو، اُس کی اطاعت کرو
اگر نزاع و اختلاف ہو، تو قرآن و سنّت کے طرف رجوع کرنا
چاہیے۔
منافق اپنے جھگڑے چکانے کے لئے مخالفینِ اسلام کے
آگے پیش کرتے تھے۔ فرمایا، جو شخص اللہ کے رسول کے حکم اور فیصلہ
پر مطمئن نہیں، وہ مومن نہیں!
جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، تو وہ انعام
یافتہ جماعتوں کا ساتھی ہوا۔ انعام یافتہ جماعتیں چار ہیں:
انبیاء۔ صدّیقین۔ شہداء۔ صالحین۔
منافقوں کی یہ روش کہ جنگ سے الگ رہتے۔ پھر اگر
کوئی حادثہ پیش آجاتا تو خوش ہوتے کہ ہم بچے رہے۔ اگر کامیابی
ہوتی، تو حسد سے جل مرتے کہ کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا!
قرآن نے جنگ کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ دوسروں پر
چڑھ دوڑو، بلکہ اس لئے کہ ظلم کا مقابلہ کرو۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ
مومن کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔
عرب کے لوگ باہمی خوں ریزی میں مبتلا تھے۔ اسلام نے
اس سے روکا۔ اب جب مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے
دفاع میں جنگ کا حکم دیا گیا، تو منافق جی چرانے لگے۔
مسلمانوں کو جب کبھی منافقوں کی وجہ سے کوئی حادثہ
پیش آجاتا، تو منافق اُس کی ذمہ داری پیغمبرِ اسلام پر ڈالتے
فرمایا، جو کچھ پیش آتا ہے، خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانینِ عمل کا
لازمی نتیجہ ہے۔ پیغمبر کا کام پیغامِ حق پہنچا دینا ہے۔ اگر تم عمل نہ
کرو، تو نتائج کے خود ذمہ دار ہو۔
امام و قائد کو چاہیے، لوگوں کی کج اندیشیوں سے دل گرفتہ
نہ ہو، اور اللہ پر بھروسہ رکھے۔

اللہ کا رسول اس لئے نہیں آتا کہ لوگوں سے بہ جبر اطاعت
کرائے، اور اُنکے اعمال کا پاسبان ہو۔
۳۴۷ منافق زبان سے اقرارِ اطاعت کرتے، مگر راتوں کو مجلسیں
۳۵۲ جما کر مخالفانہ سازشیں کرتے۔
ضمناً اس حقیقت کا استنباط کہ قرآن ہر انسان سے مطالبہ
۳۴۸ کرتا ہے، اُس کے مطالب میں غور و فکر کرے۔ پس جو شخص قرآن
کو سمجھ بوجھ کے نہیں پڑھتا، وہ قرآن کا مطالبہ پورا نہیں کرتا
جو شخص قرآن میں تدبّر کرے گا، وہ معلوم کرلے گا کہ یہ کلام
۳۴۹ الٰہی ہو!
جب کبھی امن و خوف کی کوئی بات سننے میں آئے، تو عوام
میں نہ پھیلاؤ، اولوالامر کے آگے پیش کرو۔
جب کبھی کوئی سلام و دعا بھیجے، تو چاہیے اُس سے زیادہ اچھی
بات جواب میں کہو۔ یا کم از کم ویسی ہی بات اس پر لوٹا دو۔
جنگ کی حالت ہو یا امن کی، موافق ہو یا مخالف لیکن حسنِ
۳۵۰ اخلاق و انسانیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جو کوئی تم پر سلامتی بھیجے،
۳۵۳ تم بھی اُس کا ویسا ہی جواب دو۔
جب جنگ چھڑی، تو مسلمانوں میں منافقینِ مکہ کی نسبت
اختلافِ رائے ہوا۔ فرمایا، اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں اور
دشمنوں کے ساتھ نہ رہیں، تو انھیں مخالف نہ سمجھو ورنہ جو
کوئی دشمنوں کے ساتھ رہے گا، دشمن ہی سمجھا جائے گا۔
ایسے لوگوں سے رفاقت و مددگاری کا رشتہ نہ رکھو کیونکہ
فی الحقیقت دشمنوں کے ساتھی ہیں۔ البتہ دو طرح کے آدمی
اس ممانعت میں داخل نہیں۔ اولاً جو لوگ کسی ایسے گروہ کے
پاس چلے جائیں جس کے ساتھ تمھارا صلح ہو۔ ثانیاً، جو لوگ
۳۵۱ ناظر فرار ہو جائیں۔

اصل اس بارے میں یہ ہے کہ تم صرف اُنہی لوگوں کے خلاف
ہتیار اُٹھا سکتے ہو جنھوں نے تمھارے خلاف ہتیار اُٹھایا ہو۔
اگر ایک گروہ جنگ پر مُصر نہیں، تو تمھارے لئے کسی حال میں بھی
جائز نہیں کہ اُس پر ہتیار اُٹھاؤ۔ ۳۵۵
مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ بغیر حالتِ جنگ کے کسی
انسان کو دیدہ و دانستہ قتل کریں۔ اگر کسی کے ہاتھ سے نادانستہ
یا شُبہ میں قتل ہو جائے، تو مقتول کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔
چنانچہ تینوں حالتوں کے احکام بتلائے گئے۔ ۳۵۶
مسلمان جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کردے، تو اسکے
لئے آخرت کا دائمی عذاب اور خدا کی لعنت ہے۔ 〃
خدا کے حضور تمام نیکیوں کے لئے اجر ہے، مگر تمام نیکیاں
یکساں نہیں۔ جان و مال سے جہاد کرنے والوں کے درجہ کو
وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو مجاہد نہیں ہیں۔ ۳۵۸
پیغمبر اسلام کی ہجرت کے بعد عرب کی دو بستیاں ہو گئی تھیں:
دار الہجرۃ یعنے مدینہ، اور دار الحرب یعنے مکہ۔ فرمایا، باوجود استطاعت
کے جو مسلمان دار الحرب سے ہجرت نہ کریں، اور دشمنانِ اسلام
کا جور و ظلم ذلت کے ساتھ سہتے رہیں، وہ بڑی ہی معصیت کے
مرتکب ہونگے۔
خدا کی زمین وسیع ہے۔ اگر اپنا وطن چھوڑ کر نکلو گے تو
نئی نئی اقامت گاہیں اور معیشت کے نئے نئے سامان ملینگے! 〃
سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کا، اور یہ حالتِ جنگ
ایک خاص طریقہ پر نماز کی جماعت کا حکم جسے صلوٰۃ خوف
کہتے ہیں۔ ۳۶۰
مقاصد کی راہ میں مشقتیں مومن کو بھی پیش آتی ہیں اور کافر
کو بھی، لیکن مومن کے لئے اُن کا جھیلنا سہل ہوتا ہے۔ ۳۶۱

پیغمبر اسلام سے خطاب کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ
حق و عدل کا قیام ہو، پس اُن لوگوں کی پروا نہ کرو جو چاہتے
ہیں، انصاف و حقیقت کے خلاف فیصلہ حاصل کریں۔
اس سلسلہ میں قضاء و عدالت کی بعض بنیادی مہمات۔
قاضی کے لئے جائز نہیں کہ غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلم کی بیجا رعایت کرے
مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے
مسلمان مجرم کی بمقابلہ غیر مسلم، حمایت کریں۔ اُس کی حمایت میں
جتھا بندی کرنا اور زیادہ معصیت ہے۔
جس شخص پر راہ ہدایت واضح ہو جائے اور پھر اُس سے پھر
جائے، تو اُس نے شقاوت کی راہ اختیار کر لی، اور خدا کا قانون
ہے کہ جو شخص جیسی راہ پسند کرتا ہے، ویسے ہی نتیجہ تک پہنچا دیا
جاتا ہے۔ ۳۶۳
مشرکین عرب کے بعض عقائد و اعمال۔
شیطان کی بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ حقیقت و عمل
سے ہٹا کر باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں میں آدمی کو مگن
کر دیتا ہے! ۳۶۴
یہودیوں اور عیسائیوں کا سرمایۂ دین، یہی جھوٹی اُمیدیں
ہیں۔ یہودی کہتے ہیں، ہم نجات یافتہ امت ہیں! عیسائی کہتے
ہیں، کفارہ مسیح پر ایمان لانے کے بعد نجات ہی نجات ہے۔
مسلمانو! نہ تو تمھاری آرزوؤں سے کچھ بننے والا ہے، نہ یہودیوں
اور عیسائیوں کی۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جیسا جس کا عمل ہوگا
ویسا ہی نتیجہ پائے گا! ۳۶۵
قانونِ عمل کے ذکر نے سلسلۂ بیان پھر قرابت داروں کے
حقوق کی طرف پھیر دیا ہے۔
عرب میں دستور تھا کہ اگر یتیم لڑکی خوبصورت اور مالدار ہوتی

توسرپرست بطمعِ زر خود نکاح کرکے اُسے نقصان پہنچاتا۔ یا دوسری
سے نکاح کرا دیتا مگر اس شرط پر کہ مال کا ایک حصہ اُسے مل جائے
یا پھر یتیم لڑکیوں کا نکاح ہونے ہی نہیں دیتے کہ شوہر مال کا
مطالبہ کرے گا۔ قرآن نے اس ظلم سے روکا۔

اگر بیوی شوہر کو اپنے سے پھرا ہوا پائے، اور اُسے خوش
کرنے کے لئے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے اور ملاپ ہو جائے
تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ بیوی کے مال پر جبراً قبضہ کرنا نہیں ہے
مال و دولت کی خواہش ہر انسان میں ہے، پس ایسا نہ کرو
کہ مال کی وجہ سے باہم نا اتفاقی ہو۔

ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی صورت میں عدل کی شرط
جو لگائی گئی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی باتیں تمھارے
اختیار میں ہیں، اُن میں ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرو اور
کسی ایک ہی کی طرف بالکل جھک نہ پڑو۔ ٣٦٦

بیانِ احکام کے بعد پھر تذکیر و موعظت، کہ اصلی شے
عمل و استقامت ہے۔ ٣٦٨

مسلمانوں کو چاہئے "قوامین بالقسط" اور "شہداء للہ"
ہوں۔ یعنے انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور
اللہ کے لئے گواہی دینے والے۔ اگر سچائی خود ان کی ذات کے
یا اُن کے ماں باپ کے خلاف ہو، جب بھی اس کے اظہار میں تامل
نہ کریں!

گواہی دینے میں نہ تو کسی کی دولت کی پروا کرو۔ نہ کسی کی
محتاجی پر ترس کھاؤ۔ جو بات کہو، صاف صاف اور بے لاگ
کہو! //

یہ خصائل جبھی پیدا ہو سکتی ہیں کہ سچا ایمان دل میں راسخ ہو جائے۔
ایمان باللہ کی تفصیل۔

ایسا ایمان، ایمان نہیں جس میں استقامت نہ ہو۔ ٣٦٩

منافقوں کے خصائل و اعمال:

(۱) مومنوں کو چھوڑ کر منکرینِ حق کو رفیق و مددگار بناتے ہیں
تاکہ عزت حاصل کریں۔

(۲) منکرینِ حق کی مجلسوں میں شریک ہو کر خدا کی آیتیں
جھٹلاتے ہیں۔

(۳) الگ تھلگ رہ کر واقعات کی رفتار دیکھتے ہیں۔ جو فریق
کامیاب ہوتا ہے، اس سے کہتے ہیں ہم دل سے تمھارے
ساتھ تھے۔

(۴) نماز پڑھیں گے تو کاہلی کے ساتھ۔

(۵) ان کا ایک قدم کفر میں ہے، ایک ایمان میں۔

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دنیا میں اچھوں کی طرح
بُروں کو بھی مہلتِ عمل ملتی ہے۔ شریر آدمی اس مہلت سے
نڈر ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے، میرے لئے کچھ ہونے والا نہیں
حالانکہ سب کچھ ہونے والا ہے، مگر اپنے مقررہ وقت پر۔ ٣٧٠

عذاب و ثواب اعمالِ انسانی کا قدرتی نتیجہ ہے۔

اگر کسی انسان میں کوئی برائی ہو تو اُسے مشہور کرنا
اور پکارتے پھرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی مظلوم ہو تو ظالم
کے خلاف آواز بلند کرسکتا ہے۔ ٣٧٢

جو لوگ خدا کے بعض رسولوں کو مانتے ہیں، بعض کو
نہیں مانتے، وہ ایمان و کفر کے درمیان تیسری راہ نکالنی چاہتے
ہیں۔

علماء یہود کا یہ مطالبہ کہ اگر پیغمبرِ اسلام سچے ہیں، تو کیوں
آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہم پر نازل نہیں ہو جاتی؟
اور قرآن کا جواب۔

یہودیوں کی تاریخی شقاوتوں کی طرف اشارہ۔ ۳۷۳
یہودیوں کی یہ شقاوت کہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان
لگایا، اور کہتے ہیں ہم نے مسیحؑ کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا۔ ۳۷۵
جب کسی گروہ میں اتباعِ حق کی روح باقی نہیں رہتی، تو
وہ جائز و مباح باتوں کا بھی اس طرح استعمال کرتا ہے کہ طرح
طرح کی برائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ یہودیوں پر اسی لئے
بعض جائز باتیں سداً للذریعہ روک دی گئیں۔ ۳۷۶

وحدتِ دین کی اصلِ عظیم، اور اس حقیقت کا اعلان
کہ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس پر ہدایتِ الٰہی نے اتمامِ حجت نہ کر دی ہو
اور پیغمبروں کا ظہور نہ ہوا ہو۔ قرآن میں بعض کا ذکر کیا گیا، بعض کا نہیں کیا گیا ۳۷۷
اہلِ کتاب کی ایک بڑی گمراہی دین میں غلو ہے۔ ۳۷۸
دینِ حق برہان ہے۔ یعنے سر تا سر دلیل و بصیرت۔ ۳۷۹
سورت کا اختتام بھی قرابت داروں کے حقوق کے
ذکر پر ہوا۔ کلالہ کی میراث کی دو بقیہ صورتیں۔ ۳۸۰

اَلمائِدَہ

(۳۸۱)

"مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو" یعنے احکامِ الٰہی کی تعمیل
و اطاعت کا عہد پورا کرو!
(۱) مویشی کا گوشت حلال ہے۔ بجز اُن کے جو مستثنیٰ کر دیئے گئے۔
(۲) احرام کی حالت میں شکار جائز نہیں۔
(۳) خدا کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو۔
(۴) از انجملہ حرمت کے مہینے ہیں۔
(۵) ایسا نہ ہو کہ قربانی کے جانوروں اور حاجیوں اور تاجروں
کو نقصان پہنچایا جائے۔
(۶) مشرکوں نے تمھیں حج سے روکا تھا۔ اب تم اُس کے
بدلے اُن کے حاجیوں کو نہ روکو۔ تمھارا دستور العمل یہ ہونا
چاہئے کہ "نیک کام میں مدد کرنا۔ برائی میں نہ کرنا"
دین کی تکمیل کا اعلان۔ ۳۸۱

چونکہ دین کامل ہو چکا، اس لئے کھانے پینے، اور اس طرح
کے معاملات میں بے جا قیدیں اور وہم پرستانہ تنگیاں باقی نہیں
رہیں۔ تمام اچھی چیزیں حلال ہیں۔
اگر سدھائے ہوئے شکاری کتے یا پرند کے ذریعہ شکار کیا
جائے، تو وہ بھی جائز ہے۔
اہلِ کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت بھی حلال ہے۔
نیز اُن کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی جائز ہے۔ ۳۸۴
وضو اور تیمم کا حکم، اور اس حقیقت کی توضیح کہ مقصود
صفائی اور پاکیزگی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کی پابندیاں
لگا دی جائیں۔ ″
مسلمانوں سے خطاب کہ دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام
چاہتا ہے کہ تم اپنی سیرت (کیرکٹر) میں سر تا سر عدل و صداقت

کا پیکر بن جاؤ! ۳۸۵
جس طرح ایمان وعمل کا عہد تم سے لیا ہے، اسی طرح اہلِ
کتاب سے بھی لیا تھا۔ ان کی حالت سے عبرت پکڑو! ۳۸۶
عُلمائے یہود کی یہ شقاوت کہ کلام الٰہی میں تحریف کردیتے تھے ۳۸۷
عیسائیوں نے بھی عہد ہدایت فراموش کردیا۔ وہ بہت
سے فرقوں میں الگ الگ گروہ بند ہوگئے، اور ہر فرقہ دوسرے
فرقہ کا دشمن ہوگیا۔ ؍؍
قرآن اپنے پیرؤں کو جہل وگمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا
اور علم وبصیرت کی روشنی میں لاتا ہے۔ ۳۸۸
عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ الوہیت مسیح کا عقیدہ پیدا کرلیا ؍؍
یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کہتے ہیں ہم خدا
کی محبوب اُمت ہیں۔ ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے حالانکہ
خدا نے کسی خاص امّت کو نجات وسعادت کا پٹّہ لکھ کر
نہیں دیدیا ہے۔ ۳۸۹
جب ایک قوم عرصہ تک محکومی کی حالت میں مبتلا رہتی
ہے، تو اس میں بلند مقاصد کے لئے جدّوجہد کی استعداد باقی
نہیں رہتی۔ حضرت موسیٰ کا بنی اسرائیل کو حکم دینا کہ مردانہ وار
سرزمین موعود میں داخل ہوجاؤ، اور اُنکی بزدلی وبے ہمتی۔
اسی لئے حکم ہوا کہ چالیس سال تک اس سرزمین سے
محروم رہوگے۔ تاکہ اس عرصہ میں ایک نئی نسل جو غلامانہ خصائل
سے محفوظ ہو، ظہور میں آجائے۔ ۳۹۰
بنی اسرائیل کی یہ شقاوت کہ قتل وخوں ریزی میں
بے باک ہوگئے تھے۔ ہابیل اور قابیل کی سرگزشت۔ ۳۹۱
باغیوں اور رہزنوں کی سزا، جو قتل وبدامنی کا موجب ہوتے ہیں ۳۹۳
چوروں کی سزا۔ ۳۹۴

کسی بات کی ٹوہ میں رہنا، اور اِدھر کی بات اُدھر لگانا،
ایمان وراستی کے خلاف ہے۔ مدینہ کے علمائے یہود منافقوں کو
ٹوہ لینے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ ۳۹۴
معاملات وقضایا میں علمائے یہود کی دین فروشی، اور کتاب
اللہ کے احکام میں تحریف۔ ؍؍
وہ جب کسی مجرم کو شریعت کی سزا سے بچانا چاہتے، تو شرعی
حیلے نکالتے، اور کبھی ایسا کرتے کہ معاملہ پیغمبر اسلام کے سامنے
پیش کرادیتے۔ مقصود یہ ہوتا کہ کسی طرح حکم شریعت کی تعمیل سے
بچ جائیں۔ قرآن کا اس پر انکار۔ ۳۹۵
قرآن پچھلی صداقتوں کا مُصدِّق اور اُن پر نگہبان ہے۔ ۳۹۶
اگر مختلف مذاہب ایک ہی صداقت کی دعوت ہیں،
تو پھر شرائع واحکام میں اختلاف کیوں ہوا؟ قرآن کہتا
ہے، یہ شرع اور منہاج کا اختلاف ہے جو فرع ہے۔ دین کا
اختلاف نہیں ہے جو اصل ہے۔ ۳۹۷
یہود ونصاریٰ سے رفاقت ومددگاری کا رشتہ رکھنے کی
مُمانعت جو مشرکین مکہ کی طرح مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم رہتے
تھے اور جنگ کی حالت پیدا ہوگئی تھی۔
منافق دشمنانِ قوم کی طرف دَوڑے جارہے ہیں لیکن
عنقریب اپنی اس روش پر نادم ہونگے۔
مسلمانوں سے خطاب کہ عنقریب اللہ مومنوں کا ایک
ایسا گروہ پیدا کرے گا جو خدا کو دوست رکھے گا اور خدا
اُنھیں دوست رکھے گا۔
حزب اللہ یعنے اللہ کا گروہ کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا۔ ۳۹۹
اُن لوگوں سے رفاقت ومددگاری کے رشتے نہ رکھو جنھوں
نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے۔ ؍؍

اہلِ کتاب سے خطاب کہ جب پیروانِ قرآن کا طریقہ عالمگیر
سچائی کی تصدیق کا ہے، تو پھر تمھیں انکے خلاف کیوں کد ہو گئی ہے؟
خدا کے نزدیک بہ اعتبار جزاء کے وہی گروہ بدتر ہو گا جس نے
احکامِ حق سے ہمیشہ سرکشی کی ہے۔ ۴۰۰
یہودی کہتے تھے، تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آسکتی،
اور خدا کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ ۴۰۱
عیسائیوں کی طرح یہودیوں میں بھی فرقہ بندی نے ہر فرقہ
کو دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ ״
یہود و نصاریٰ سے خطاب کہ جب تک تم تورات و انجیل
پر قائم نہیں ہوتے، تمھارے پاس دین میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔
نجات و سعادت کا دار و مدار خدا پرستی اور نیک عملی پر ہے
نہ کہ گروہ بندیوں پر۔ ۴۰۲
عیسائیوں کو بھی اسی اصل کی تعلیم دی گئی تھی، لیکن انھوں
نے تثلیث کا باطل عقیدہ پیدا کر لیا۔ ۴۰۳
جب کسی گروہ کی حالت ایسی ہو جائے کہ برائی میں پڑ کر،
پھر اس سے باز رہنے کا ولولہ پیدا نہ ہو، تو یہ شقاوت کی انتہا ہے۔ ۴۰۴
پیغمبر اسلام سے خطاب کہ تم یہودیوں اور مشرکین عرب کو
مسلمانوں کی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت پاؤ گے، اور عیسائی
سب سے زیادہ قریب ثابت ہونگے۔ ۴۰۵
سلسلۂ بیان اب پھر اوامر و نواہی کی طرف پھرتا ہے
(۱) اہلِ مذاہب کی یہ غلطی کہ انھوں نے ترکِ دنیا کو تقربِ
الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، اور اس طرح کی قسمیں کھا لیتے ہیں کہ
فلاں لذت اور راحت ہم پر حرام ہو گئی۔ فرمایا، ایسا کرنا،
دین میں حد سے گزر جانا ہے۔
(۲) لغو قسموں کا اعتبار نہیں۔ سمجھ بوجھ کر کھائی ہو اور

توڑنی پڑے، تو کفارہ دینا چاہیے۔
(۳) شراب، جوا، معبودانِ باطل کے نشان حرام ہیں۔ ۴۰۶
(۴) جن لوگوں نے احکامِ حرمت کے نزول سے پہلے ممنوعہ
اشیاء استعمال کی ہوں، اُن سے مواخذہ نہیں۔
(۵) احرام کی حالت میں اگر عمداً شکار کا مرتکب ہو، تو اُس کا
بدلہ یا کفارہ دینا چاہیے۔
(۶) حالتِ احرام میں دریائی شکار کی ممانعت نہیں کیونکہ
بحری سفر میں غذا کا بڑا ذریعہ یہی ہے۔
(۷) خدا نے کعبہ کو امن و اجتماع کا مرکز ٹھہرایا ہے، پس اُس
کی حرمت کے شعائر قائم رکھو۔ ۴۰۷
(۸) گندی اور مضر چیزیں کتنی ہی زیادہ ملیں لیکن راغب ہو
دانشمند آدمی اشیاء کی کثرت و قلت نہیں دیکھتا۔ انکے نفع و
نقصان پر نظر رکھتا ہے۔
(۹) دینِ حق یہ نہیں چاہتا کہ تمھارے ہر عمل کو کسی نہ کسی پابندی
سے ضرور ہی باندھ دے۔ جو کچھ ضروری تھا، بتلا دیا گیا، جو
چھوڑ دیا ہے، وہ معاف ہے۔
(۱۰) مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے اور انھیں
مقدس سمجھتے۔ فرمایا، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور حام کی کوئی
اصلیت نہیں۔
(۱۱) دوسروں کی گمراہی و بدعملی تمھارے لئے حجت نہیں
ہو سکتی۔ ہر انسان اپنے نفس کے لئے جوابدہ ہے۔
وصیت اور اُس کی گواہی:
(۱) دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر مسلمان ملیں تو غیر مسلم ہو
(۲) گواہوں کو بہ حلف گواہی دینی چاہیے۔
(۳) بصورتِ نزاع، فریقین اپنے اپنے گواہ پیش کریں۔

(۴) جو انکار کرے، اُس پر قسم ہے۔ ۴۰۹
قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تمھاری
اُمّتوں نے تمھاری دعوت کا کیا جواب دیا؟

۴۱۱ اللہ کا عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب اور اُن کی معروضات۔
۴۱۲ نزولِ مائدہ۔
۴۱۳ حضرت عیسیٰ کا عرض کرنا کہ عیسائیوں کی گمراہی سے بری ہوں

الانعام

(۴۱۵)

خدا نے کائناتِ خلقت پیدا کی، اور روشنی اور تاریکی
نمودار کر دی۔ روشنی، روشنی ہے۔ تاریکی، تاریکی لیکن منکرین
حق اُن میں امتیاز نہیں کرتے!
انسان کے لئے دو اجلیں ٹھرادی گئی ہیں۔ ایک عمل
کے لئے۔ ایک نتائج عمل کے لئے۔
گذشتہ قوموں کی سرگزشتوں میں تمھارے لئے درس عبرت ہے۔ ۴۱۵
راست باز انسان کے لئے سچائی کی ہر بات دلیل ہے،
مگر منکر کے لئے کوئی نشانی سود مند نہیں۔
منکرین حق کہتے ہیں ایک لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں
اُتر پڑتی، اور کیوں فرشتہ اُترتا ہوا ہمیں دکھائی نہیں دیتا؟
حالانکہ ایسا ہونا سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ ۴۱۶
برہانِ فضل و رحمت کا استدلال۔ تمام کائناتِ
خلقت اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ ایک رحمت فرما ہستی
موجود ہے۔ اگر کوئی ایسی ہستی موجود نہ ہوتی، تو یہاں نہ تو
بناؤ ہوتا، نہ فیضان، حالانکہ کوئی گوشہ نہیں جو اس سے خالی ہو ۴۱۷
خُدا کی ہستی اور اُس کی صفات پر قرآن کا استدلال

۴۱۷ وہ فطرتِ انسانی کے وجدانی احساسات کو بیدار کرتا ہے۔
حق و باطل کے لئے سب سے بڑی شہادت، خدا کی شہادت
ہے، وہ داعیِ حق کو کامیاب کر کے، اپنی شہادت کا اعلان
۴۱۸ کر دیتا ہے۔
منکرین حق کو جب سچائی کی باتیں سنائی جاتی ہیں، تو
۴۱۹ کہتے ہیں، یہ تو وہی پرانی کہانی ہے جو ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں
انسان کی دماغی و قلبی شقاوت کی وہ انتہائی حالت
جب ضد اور تعصب میں پڑ کر بالکل اندھا بہرا ہو جاتا ہے،
اور سچائی کے فہم و قبول کی استعداد یک قلم معدوم ہو جاتی ہے۔
منکرین معاد کا آخرت کی زندگی سے انکار اور قرآن کا
۴۲۰ وجدانی استدلال۔
پیغمبر اسلام سے خطاب کہ معاندوں کی حق فراموشیوں
پر دل گرفتہ نہ ہوں۔ تمھاری پکار کا جواب وہی دے سکتے
ہیں جو زندہ ہیں۔ جو مُردہ ہو چکے ہیں، انھیں پکارنا بے سود ہے!
اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ، جب بھی یہ منکر
۴۲۱ ماننے والے نہیں!

چیزیں بلا تامل کھاؤ۔ ۴۴۲
حلت و حرمت کے بارے میں جو لوگ جدل و نزاع کرتے ہیں
اُن کی راہ علم و بصیرت کی راہ نہیں ہے۔
ایمان زندگی ہے، اور کفر موت ہے۔ زندہ اور مُردہ وجود
برابر نہیں ہو سکتا!
جب کبھی کسی آبادی میں دعوتِ حق نمودار ہوتی ہے، تو وہاں
کے سردار اور رؤسا اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔
ضلالتِ فکر کے عروج و کمال کی ایک مثال۔ ۴۴۳
دنیا کی کوئی آبادی نہیں جہاں خدا کے پیغمبروں کا ظہور نہ ہوا ہو
ہر فرد اور گروہ کے بہ اعتبارِ اعمال مختلف درجے ہیں۔ ۴۴۵
مشرکینِ عرب سے اتمامِ حجت کہ اگر دعوتِ حق کے مقابلہ
سے باز نہ آئے، تو قریب ہے کہ خدا کا فیصلہ صادر ہو جائے چنانچہ
بالآخر فیصلہ ہوا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کامیابی کس کے لئے تھی! ۴۴۶
مشرکینِ عرب کے مشرکانہ اور مجرمانہ اعمال مثلاً قتلِ اولاد۔ ۴۴۷
جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلان کہ صرف
وہی چیزیں حرام ہیں جن کی تصریح کردی گئی ہے۔ انکے علاوہ تمام

جانوروں کا گوشت جو عام طور پر کھائے جاتے ہیں حلال ہے۔ ۴۴۹
مشرکینِ عرب کہتے تھے، اگر ہمارا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے تو
کیوں خدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ ۴۵۰
اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ خداپرستی کی راہ یہ نہیں ہے کہ
کھانے پینے میں روک ٹوک کرو، اور بہت سی چیزیں حرام ٹھہرالو۔
خداپرستی کی راہ یہ ہے کہ اُن حرام عملوں اور برائیوں سے اجتناب
کرو جو فی الحقیقت نیکی و عدالت کے خلاف ہیں۔ ۴۵۱
سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی، پس بہت سی
راہوں میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ ۴۵۲
اہلِ کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خدا کے ایک
ہی دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں کرلیں پس
ان کی گمراہیوں سے راہِ حق کو کوئی واسطہ نہیں۔
سورت کا خاتمہ اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ جس
طرح قوموں کے بے شمار انقلابات ہو چکے ہیں، ایسا ہی ایک
انقلاب اب بھی درپیش ہے، اور قریب ہے کہ پیروانِ قرآن پچھلی
قوموں کے جانشین ہوں۔ ۴۵۴

تصحیح و استدراک

مجھے نہایت رنج و ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا ہے کہ کتاب میں کتابت اور چھپائی کی غلطیاں رہ گئی ہیں، اور زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ متن میں رہ گئی ہیں۔ جب سورۂ بقرہ لکھی جارہی تھی، تو میں نے اپنا وقت بچانے کے لئے متن کی صحت ایک حافظ صاحب کے ذمے چھوڑ دی تھی، اور خوشنویس صاحب پر بھی ایک حد تک اعتماد تھا کہ قرآن کے چھپے ہوئے نسخے سے نقل کرنے میں غلط نویسی سے اجتناب کرینگے، لیکن جب سورہ بقرہ کے اجزا چھپ چکے، تو اتفاقاً میری نظر بعض مقامات پر پڑی، اور پھر دیکھا تو بکثرت غلطیاں موجود پائیں اب اسکے سوا چارہ کار نہیں کہ غلط نامہ کا اضافہ کیا جائے، اور کتاب کے پڑھنے والوں سے درخواست کی جائے کہ پڑھنے سے پہلے یہ غلطیاں قلم سے درست کرلیں۔ بلاشبہ اس میں زحمت ہوگی، لیکن چند منٹوں سے زیادہ نہ ہوگی، اور کتاب سالہا سال تک مطالعہ و تلاوت میں رہیگی۔

ان کے علاوہ کچھ غلطیاں تفسیر سورۂ فاتحہ اور ترجمہ کی بھی ہیں، انھیں بھی مطالعہ سے پہلے درست کرلیجئے۔ نیز بعض نوٹ اندراج سے رہ گئے ہیں۔ جب ان مقامات پر پہنچئے، تو ان نوٹوں پر نظر ڈال لیجئے۔

اغلاط متن

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۱۸۸	۱		فاخذکم	فَاَخَذَتْكُمُ
"	۴		هذه القرية	هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
"	"		حيث شئتما	حَيْثُ شِئْتُمْ
۱۹۱	۳		قردة	قِرَدَةً
۱۹۵	۳		والمسكين	وَالْمَسٰكِيْنِ
۱۹۷	۳		انفسكم	اَنْفُسَكُمْ

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۲۰۰	۵		فَاِنَّ عَدُوٌّ	فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ
۲۰۳	۴		من اٰیۃٌ	من اٰیۃٍ
۲۰۵	۶		ومن اظلمَ	ومن اظلمُ
۲۱۳	۲		ووکذلك	وکذلك
۲۱۴	۱		وماکان لیضیع	وماکان اللّٰہُ لیضیعَ
۲۱۹	۳		اجمعینُ	اجمعینَ
۲۲۲	۱		الشیطٰنُ	الشیطٰنِ
〃	۴		کمثلَ	کمثلِ
〃	۵		ینعقُ	ینعِقُ
۲۲۵	۲		ابن السبیلَ	ابن السبیلِ
〃	۳		واِقامَ	واَقامَ
۲۲۶	۵		الوصیۃِ	الوصیۃُ
۲۱۷	۱		اسمُہٗ	اثمُہٗ
۲۲۹	۱		یرید اللّٰہَ	یرید اللّٰہُ
〃	۴		احلُّ	احِلَّ
۲۳۱	۱		المسجُد	المسجِدُ
۲۳۶	۴		اشدُّ	اشدَّ
۲۳۸	۲		من نفسہ	من یشری نفسہ
۲۴۰	۲		فیہ الذین	فیہ الّا الذین
۲۴۱	۴		کَرہٌ	کُرہٌ
۲۴۴	۲		تَنکحوا	تُنکحوا
〃	۳		اٰیتہ	اٰیتہ للنّاس
۲۵۰	۴		تُقرضوا	تفرضوا

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۲۵۱	۱		تُمَسّوهُن	تَمَسُّوهُنَّ
〃	۲		وَاِن تعفوا	وَآن تعفوا
۲۵۳	۴		له المَلك	له المُلْكُ
〃	۵		يشاءُ ط	يشاءُ ط والله
۲۵۵	۶		بعضُهم	بعضَهم
۲۶۰	۴		واعلمُ	واعلَمْ
۲۶۲	۵		وابِلٌ فطلٌ	وابلٌ فاٰتتْ اُكُلَهَا ضعفينِ ج فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وابلٌ فطلٌّ
۲۶۹	۱		تكتموه	تَكْتُبُوْهُ

تفسیر سورہ فاتحہ کے اغلاطِ طباعت

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۱	۹		دُہرائی جانے والی چیز	دُہرائی جانے والی چیزیں
〃	۱۰		دُہرائی جانے والی چیز	دُہرائی جانے والی چیزوں
۱۹	۱۰		نوعیت رکھتا ہو	نوعیت رکھتی ہو
۲۰	۱		سُورج کی حرکت	سُورج کی رفتار
〃	۴		چاروں طرف دہی پاتا ہے	چاروں طرف دہی پاتی ہو
۲۶	۷		تحسینِ آسائش	تحسین وآرائش
۲۷	۲		ارضی کا یہ بہترین مخلوق	ارضی کی یہ بہترین مخلوق
〃	۳		پیدا کیا گیا ہو	پیدا کی گئی ہو

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۴۶	۵		نزہت و سرور بخشتا ہے، اپنی بُو سے ہوا کو معطر کرتا ہے، اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتا ہے، اپنی لکڑی سے سامانِ تعمیر مہیا کرتا ہے، اور پھر خشک ہوجاتا ہے، تو	نزہت و سرور بخشتی ہے، اپنی بُو سے ہوا کو معطر کرتی ہے، اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتی ہے، اپنی لکڑی سے سامانِ تعمیر مہیا کرتی ہے، اور پھر خشک ہوجاتی ہے، تو
۵۴	۱۷		وہ باقی رہ گیا	وہ باقی رہ گئی
۷۳	۶		جو کچھ اُس میں ہے	جو کوئی اُس میں ہے
۸۲	۲۴		روایت لکھی ہے	روایت کی ہے
۸۷	۱۳		رحم کا محبت کا	رحم و محبت کا
۹۸	۱۴		نقصان ہوتا	نقصان نہ ہوتا
۱۰۴	۱۴		انسانی کا تخیل کرسکا	انسانی تخیل کرسکا
۱۶۴	۲۲		ایک ہی صفت میں	ایک ہی صف میں

ترجمۃ القرآن کے اغلاطِ طباعت

سطروں کے شمار میں متن کی سطریں شامل نہیں ہیں

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۱۸۰	۲		اُنھیں گھیرے ہوئے ہے	مُنکروں کو گھیرے ہوئے ہے
۲۰۳	۱۰		باقی رہے یہ منکرینِ حق، تو یاد رکھو، انھیں (پاداشِ عمل میں) دردناک عذاب ملنے والا ہے	اور (یاد رکھو) منکروں کے لئے (پاداشِ عمل میں) دردناک عذاب ہے
۲۰۴	۱۴		اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہوگئی!	(اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہوگئی!)

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۲۱۷ نوٹ	۸		ہے (اور وہ	ہے) اور وہ
۲۳۰	۱۲		کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟	کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ پس ایسا نہ کرو کہ قصاص کے نام سے ظلم و خونریزی کا دروازہ کھول دو۔
۲۵۳	۹		اسی طرح کے حقوق	اسی طرح حقوق
〃	〃		جس طرح کے	جس طرح
۲۷۵	۸		راہ دکھادیتا ہے	راہ دکھادیتا ہے
۲۸۱ نوٹ	۱		مگر وہی جس کی	مگر وہی (جس کی
۳۳۷	۱۴		اسیرانِ جنگ سے ذریہ لیکر	اسیرانِ جنگ سے فدیہ لیکر
۳۵۷	۴		جو تھہاری	جو تمھاری
〃	۵		دشموں ں سے ہو، اسے قس	دشمنوں میں سے ہو، اسے قتل

صفحہ ۷، سطر ۱۷ کے بعد آیت الیحسب الانسان الخ سے پہلے، حسب ذیل عبارت چھوٹ گئی ہے:

"یاد رہے کہ قرآن نے جہاں کہیں انسان کی ابتدائی خلقت کے مختلف اطوار کا یا نسلی پیدائش کے مختلف دوروں کا ذکر کرکے آخرت کی زندگی پر استدلال کیا ہے، اُس سے مقصود بھی اسی پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ مثلاً:

استدراک

سورۂ بقرہ کی آیت ۱-۲ صفحہ ۱۷۷ پر حسب ذیل نوٹ تھا جو وہاں درج نہ ہو سکا۔ مطالعہ کے وقت پیش نظر رکھا جائے۔

(۱) قرآن کی اُنیس ۱۹ سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا میں حروفِ مقطعات آئے ہیں۔ من جملہ اُنکے سورۂ بقرہ ہے۔ ان حروف کو ان سورتوں کا نام یا عنوان سمجھنا چاہئے جن میں اُن کے مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۲) زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں۔ بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں، بعض بے پروا ہوتی ہیں جنکی

طبیعت محتاط ہوتی ہے، وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں، اچھے بُرے، نفع نقصان، نشیب فراز کا خیال رکھتے ہیں۔ جس بات میں بُرائی پاتے ہیں، چھوڑ دیتے ہیں، جس میں اچھائی دیکھتے ہیں، اختیار کر لیتے ہیں۔ برخلاف اسکے، جو لوگ بے پروا ہوتے ہیں، اُن کی طبیعتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں۔ جو راہ دکھائی دے گی چل پڑینگے، جس کام کا خیال آجائے گا، کر بیٹھیں گے، جو غذا سامنے آجائے گی، کھا لینگے، جس بات پر اڑنا چاہینگے، اڑ بیٹھیں گے۔ اچھائی بُرائی، نفع نقصان، دلیل اور توجیہ، کسی بات کی بھی انھیں پروا نہیں ہوتی۔

جس حالت کو ہم نے یہاں "احتیاط" سے تعبیر کیا ہے، اسی کو قرآن "تقوے" سے تعبیر کرتا ہے۔ "متقی" یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل میں بے پروا نہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے۔ بُرائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے، ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اور کامیاب ہو سکتے ہیں!

حضرت عمرؓ نے اُبیّ ابن کعبؓ سے پوچھا تھا کہ تقوی کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا "اما سلکت طریقاً ذا شوک؟" تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جسمیں کانٹے ہوں؟ فرمایا ہاں، کہا "فما عملت؟" اس حالت میں تم نے کیا کیا؟ فرمایا "شمرت و اجتہدت" یعنی کوشش کی کہ کانٹوں سے بچکر نکل جاؤں۔ کہا، "فذالک التقویٰ" یہی تقوی کی حقیقت ہے!

(۳) انسان کے علم و ادراک کا ذریعہ حواس خمسہ ہیں۔ یعنے دیکھنے، سُننے، سونگھنے، چکھنے، اور چھونے کی قوّتیں۔ جو کچھ انکے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے، اُس کے لئے محسوس ہے۔ جو معلوم نہیں کر سکتا، غیر محسوس ہے۔ قرآن نے اس مطلب کے لئے غیب اور شہادت کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عالمِ غیب، یعنے غیر محسوسات۔ عالمِ شہادت، یعنے محسوسات۔ فرمایا، خدا پرستی کی بنیاد یہ ہے کہ اُن حقائق پر یقین رکھے جو اگرچہ اُس کے لئے غیر محسوس و معلوم ہیں، لیکن وجدان اُن کی شہادت دیتا ہے، اور وحی نے اُن کی خبر دی ہے۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات، ملائکہ کا وجود۔ وحی و نبوت، مرنے کے بعد کی زندگی، عذاب و ثواب، دنیا کی ابتدائی پیدائش، عالمِ آخرت کے احوال و واردات۔

سورۂ آل عمران میں مطالب قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ محکمات اور متشابہات، متشابہات سے مقصود وہی بیانات ہیں جن کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ قرآن کہتا ہے، جو لوگ علم کے پکے اور سمجھ کے سیدھے ہیں، وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں اور انکی حقیقت معلوم کرنے کی کاوش میں نہیں پڑتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ امور عقل انسانی کے دسترس سے باہر ہیں۔ لیکن جو لوگ علم و بصیرت سے محروم ہیں، وہ ان میں کاوش کر کے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں۔

ہم ان امور پر کیوں یقین رکھیں؟ کیوں انھیں بے چون و چرا تسلیم کر لیں؟

اس لئے کہ بغیر اسکے زندگی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا!

ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ ہماری محسوسات کی سرحد سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیے لیکن ہمیں علم و ادراک کے ذریعہ کوئی یقینی بصیرت نہیں ملتی۔ اگر اس بارے میں یقین کی کوئی صدا ہے، تو وہ صرف الہامی ہدایت کی صدا ہے۔ اگر ہم اس سے انکار کر دیں تو پھر ہمارے پاس جہل و تاریکی کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔

ہم نے اس وقت تک علم و ادراک کے ذریعے اس بارے میں جو کچھ معلوم کیا ہے، اس میں کوئی یقینی بصیرت ایسی نہیں ہے جو ان حقائق کے خلاف ہو۔

ہم نے یہاں "یقینی بصیرت" کا لفظ اس لئے کہا کہ عالم غیب کے ان حقائق کے خلاف اس وقت تک جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ یا تو عدم علم کا اعتراف ہے، جیسا کہ تمام حکمائے قدیم و جدید نے کیا، یا پھر انکار ہے تو اُس کی بنا تمام تر ظنون و تخمینات ہیں۔ کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے، تم گمان و شک کا حربہ لیکر یقین اور بصیرت کا مقابلہ نہیں کرسکتے!

اس بارے میں کتنی ہی کاوش کی جائے، لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا جو قرآن نے کہدیا ہے۔

سورۂ بقرہ آیت ۷، صفحہ ۱۷۷ کا مطالعہ کرتے ہوئے حسب ذیل نوٹ پر بھی نظر ڈال لی جائے:

قرآن کا جب ظہور ہوا تو قبولیت حق کی استعداد کے لحاظ سے تین طرح کے انسانی گروہ موجود تھے:

(۱) خداپرست اور طالبِ حق گروہ۔ اس میں کچھ لوگ عرب کے موحدین میں سے تھے۔ کچھ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے راست باز انسان تھے۔ اس گروہ نے جونہی صدائے حق سُنی، پہچان لیا اور قبول کرلیا۔

(۲) عام مشرکینِ عرب جن کے پاس ایمان و خداپرستی کی کوئی تعلیم موجود نہ تھی۔ محض رسوم و اوہام کے پجاری اور تقلید آباؤ اجداد کی مخلوق تھی۔ ان میں سے اکثروں کی طبیعتیں گمراہی و فساد کی پختگی سے اس درجہ مسخ ہوگئی تھیں کہ کتنی ہی اچھی بات کہی جائے، ماننے والے نہ تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے تھے "تمھاری دعوت کے لئے نہ تو ہمارے دلوں میں جگہ ہے نہ کانوں میں سماعت۔ ہمارے اور تمھارے درمیان مخالفت کی ایک دیوار کھڑی ہوگئی ہے۔ ہم تمھاری بات سُننے والے نہیں!" (۴۱:۳)

(۳) اہلِ کتاب، یعنے الہامی تعلیمات کے پیرو۔ ان میں سربرآوردہ گروہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تھا۔ یہ دونوں جماعتیں ایمان و خداپرستی کی مدعی تھیں، اتباع شریعت کا دم بھرتی تھیں، تورات اور انجیل کو کتاب الٰہی مانتی تھیں، اور اپنے سوا سب کو دین کی صداقت سے محروم سمجھتی تھیں، مگر دونوں نے ایمان و خداپرستی کی حقیقت کھو دی تھی، اور اعتقاد و عمل کی تمام سچائیوں سے محروم ہوگئے تھے۔

قرآن کہتا ہے، پہلا گروہ میری تعلیم سے فیض یاب ہوگا۔ دوسرا ماننے والا نہیں۔ تیسرا اگرچہ ایمان کا مدعی ہے مگر فی الحقیقت ایمان نہیں رکھتا۔

پھر جابجا اہل کتاب کو مخاطب کیا ہے، اور اُن کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں واضح کی ہیں جن کی بنا پر، باوجود ادّعاء ایمان، اُن کے ایمان کی نفی کی گئی۔

مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ جو حالت یہود و نصاریٰ کی قرآن نے بیان کی ہے، کیا آج ویسی ہی حالت خود اُن کی بھی نہیں ہوگئی ہے؟ کیا قرآن کا یہ زہرہ گداز اعلان کہ "ومن الناس من یقول اٰمنّا باللّٰہ وبالیوم الآخر، وما ھم بمؤمنین!" خود اُن پر بھی صادق نہیں آرہا ہے؟

یاد رہے کہ تیسرے گروہ کی یہ حالت نفاق سے تعبیر کی گئی ہے، لیکن اس نفاق سے مقصود وہ نفاق نہیں ہے جو مکہ اور مدینہ کے بعض منافقوں کا تھا کہ بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ دل میں منکر تھے۔ وہ دوسرا گروہ ہے، اور اس کا ذکر آل عمران اور نساء وغیرہا میں آئے گا۔

نوٹ، سورۂ بقرہ، آیت ۱۶ - تا ۱۹ - صفحہ ۱۷۹ :-

یہ دونوں تمثیلیں تیسرے گروہ کی نفسیاتی حالت واضح کرتی ہیں۔ پہلی تمثیل ظاہر ہے۔ دوسری کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ اس میں مرکب تشبیہ ہے۔ یعنے حالات کے ایک ملے جلے مجموعے کو ایک دوسرے مجموعۂ حالات سے تشبیہ دی ہے، اور اجزاء تشبیہ میں سے ہر جزو اپنی اپنی جگہ مماثلت رکھتا ہے۔

(۱) بارش میں زمین اور زمین کی تمام مخلوقات کے لئے زندگی ہے، لیکن جب برستی ہے تو بادل گرجتے ہیں، بجلی چمکتی ہے، گھٹاؤں سے تاریکی چھا جاتی ہے۔ مستعد طبیعتیں یہ حالت دیکھ کر گھبراتی نہیں، اور سمجھ جاتی ہیں کہ یہ باران رحمت کی برکتوں کا پیش خیمہ ہیں۔ وہ کوشش کرتی ہیں کہ وقت کی برکت سے جسقدر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اٹھالیں۔ لیکن جو لوگ دل کے کچے اور استعداد سے محروم ہوتے ہیں، وہ بارش کی برکتوں کو تو بھول جاتے ہیں، اس کے ظہور کے ہنگاموں سے سہمنے لگتے ہیں۔

فرمایا، یہی حال ان محروموں کا ہے۔ یہ مدعیان ایمان و شریعت، دعوت حق کے منتظر تھے۔ لیکن جب ظاہر ہوئی، اور قدرتی طور پر اس کے ساتھ ابتداء ظہور کے مصائب و محن بھی نمودار ہوئے، تو ان کی نظر اس کی برکتوں کی طرف نہیں گئی۔ مصائب و محن کی آزمائشوں سے سہم کر رہ گئے۔ ٹھیک اس طرح، جیسے ایک بدبخت بارش کے موسم میں کاشت کاری کرنے کی جگہ، بادل کی گرج سے ڈرا سہا کسی کونے میں دبکا پڑا ہو!

(۲) فرض کرو۔ ایک شخص اسی عالم میں جا رہا ہے۔ جب بجلی کی چمک سے راستہ دکھائی دیتا ہے، تو دو ایک قدم چل لیتا ہے۔ جب غائب ہو جاتی ہے، تو ٹھٹک کر رہ جاتا ہے۔ اس کے پاس نہ تو اس کی کوئی روشنی ہے جو راہ دکھائے۔ نہ عزم و ہمت ہے جو بڑھائے لیے چلے!

فرمایا، یہی حال ان لوگوں کا ہے جو دین حق کی روشنی کھو چکے ہیں، اور جن کے دلوں میں خدا پرستی کی روح باقی نہ رہی۔ یہ بات نہیں ہے کہ دوسرے گروہ کی طرح چلتے نہ ہوں۔ چلتے ہیں، مگر اس طرح، کہ جب کبھی بجلی کوندگئی، دو چار قدم اٹھا دیئے۔ پھر وہی تاریکی ہے، اور وہی سراسیمگی!

قرآن نے جابجا ایمان کو روشنی سے تشبیہ دی ہے۔ مومن وہ ہے کہ ہمیشہ اس کی روشنی اس کے آگے راہنمائی کے لیے موجود ہو: "یسعیٰ نورہم بین ایدیہم وبایمانہم" (۵۷ : ۱۲)

نوٹ، سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۲۸ - صفحہ ۲۵۳ :-

یہاں فرمایا "ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف، وللرجال علیہن درجۃ"، جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں۔ ٹھیک اسی طرح، عورتوں

کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ البتہ مردوں کو اُن پر ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ سورۂ نساء میں اس خاص درجہ کی تشریح کر دی ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء" (۳۸) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک بہ اعتبار حقوق، مرد اور عورت ایک سطح پر ہیں۔ دونوں میں سے کسی کو دوسرے پر امتیاز نہیں۔ البتہ ایک خاص درجہ ہے جو صرف مرد ہی کے لئے ہے۔ اُس میں عورت اُس کی ہم درجہ نہیں۔

یہ درجہ کونسا ہے؟ قرآن کہتا ہے، منزلی حقوق کا درجہ ہے۔ یعنی خاندان کے نظام کے حقوق کا درجہ۔ وہ جنسی حقوق میں دونوں کو مساوی درجہ دیتا ہے لیکن منزلی حقوق میں مرد کے امتیازی درجہ کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، خاندان کا نظام امن و درستگی کے ساتھ چل نہیں سکتا اگر کوئی ایک وجود اُس کا مُقَوِّم یعنے قائم رکھنے والا نہ ہو۔ یہ وجود کون ہو سکتا ہے؟ مرد یا عورت؟ قرآن کہتا ہے، مرد۔ بس اتنا ہی امتیاز مرد کو عورت پر حاصل ہے۔

یہ مطلب ہم نے یہاں چند لفظوں کے اندر ادا کر دیا، لیکن اس کی بحث و توضیح کے لئے ایک دفتر مطلوب ہے۔ دنیا نے آج تک زیادہ حقوق جو عورتوں کو دیے ہیں، وہ بھی عملاً اس سرحد سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ سوسائٹی میں آج عورت کتنی ہی آزاد ہو گئی ہو، لیکن خاندان کے نظام میں کارفرمائی کا مرکز مرد ہی کا وجود ہے۔

مرد اور عورت کے جنسی حقوق کے مساوات کا یہ سب سے پہلا اعلان ہے جو تاریخ کی معلومات پیش کر سکتی ہے۔

نوٹ، سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۸۲۔ صفحہ ۲۷۷:۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لکھے پڑھے آدمی کا اخلاقی فرض ہے کہ ان پڑھ حاجت مند کا کام خوشدلی کے ساتھ انجام دیدے۔ انکار نہ کرے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اُجرت کے خیال سے انکار کر دے گا، تو اس آیت کے صاف صاف حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ کے بعد میں اس بات پر بالکل مطمئن ہو گیا ہوں کہ اسلام ہر اُس کام کی جس کا تعلق علم سے ہو، التزاماً اُجرت لینے کے خلاف ہے۔ لکھنا پڑھنا بھی علم ہے، اور جس انسان کو خدا نے اس کی تحصیل کی توفیق دی ہے، اُس کا فرض ہے کہ اپنے ان پڑھ بھائی کا کام بغیر کسی معاوضہ و اُجرت کے انجام دیدے۔

ترجمان القرآن کا اُردو املا

ترجمان القرآن میں بعض الفاظ کی کتابت جس طرح کی گئی ہے، میں ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ میرا املا نہیں ہے۔ مثلاً میں اسے صحیح نہیں سمجھتا کہ الفاظ ملا کر لکھے جائیں۔ یعنے "دل میں" کو "دلمیں" لکھا جائے۔ یا "بُت خانہ" کو "بتخانہ" لکھا جائے یا "اسی طرح" کو "اسیطرح" لکھا جائے۔ یا مثلاً "کیجیے" اور "آیئے" کو "کیجئے" اور "آئیے" لکھا جائے لیکن جن دو خوش نویسوں نے کتابت کی ہے، وہ قدیم رسم الخط کے عادی تھے، اور باوجود میری فہمائش کے اس سے اجتناب نہ کر سکے۔ کاپیاں صحیح کرتے

ہوئے میں نے عمداً اُن کی تصحیح نہیں کی، کیونکہ کثرت کے ساتھ الفاظ آئے تھے، اور اگر ہر جگہ کاٹتا تو کاپیاں چھلنی ہو جاتیں۔ اسی طرح علامات قرات کا التزام بھی ہر جگہ قائم نہیں رہا ہے، اور یہ لیتھو کی چھپائی کا سب سے بڑا نقص ہے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ دوسری جلد کی کتابت ان تمام نقائص سے پاک ہو، چنانچہ جو خوش نویس کتابت کر رہے ہیں، انھوں نے رسم خط، اور طرز کتابت، دونوں میں مسودہ کی پوری پابندی کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

ترجمان القرآن

اور

قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت

اب کہ ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع ہو رہی ہے، اور دوسری زیر طبع ہے، میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کی راہ سے وقت کی سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی۔

مذہبی اصلاح کے لئے سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ وقت کی ضروریات کے مطابق قرآن کی تعلیم و اشاعت کا سروسامان ہو، لیکن بدقسمتی سے اس کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔

قرآن کی تعلیم و اشاعت کے لیے حسب ذیل امور ضروری تھے:

(۱) سب سے پہلے وہ مشکلات دور ہوں جو قرآن کے فہم و تدبر کی راہ میں پیدا ہو گئی ہیں، اور جن کی وجہ سے اس کی تعلیم اپنی حقیقی شکل و نوعیت میں نمایاں نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ مشکلات دور نہیں ہوتیں، محض قرآن کا ترجمہ کر دینا، یا کسی نئی تفسیر کا لکھ دینا کچھ سودمند نہ تھا۔

(۲) پھر ضروری تھا کہ ایک ایسی کتاب اردو میں طیار ہو جائے جس کی نسبت وثوق کے ساتھ کہا جا سکے کہ اس کا پڑھ لینا اور پڑھا دینا قرآن کے مقاصد و مطالب سمجھ لینے اور اسے اس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھ لینے کے لیے کافی ہے۔ وہ نہ تو اس قدر ضخیم ہو کہ ہر شخص اس کے مطالعے کے لیے وقت نہ نکال سکے، نہ اس قدر مختصر ہو کہ مطالب کی وضاحت تشنہ رہ جائے۔ اس کی نوعیت ترجمہ ہی کی ہو، لیکن ایسا ترجمہ کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔

(۳) بہ حیثیت مجموعی اس کی نوعیت ایسی ہو کہ قرآن کے درس و مطالعہ کے لیے معیار تعلیم کا کام دے۔

(۴) مطالب قرآنی کی عالمگیر اشاعت کے لیے اسے تمام زبانوں میں منتقل کیا جا سکے، اور نقل و ترجمہ کے لیے ایک

بُنیادی معیار قائم ہو جائے۔

بد قسمتی سے ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ تھا کہ اصلاح کے جس گوشہ میں بھی قدم اُٹھایا جاتا، راہِ عمل یک قلم مسدود دکھائی دیتی۔

اصلاح کے لیے پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن کے براہِ راست مطالعہ و عمل کی دعوت دی جائے، لیکن یہ دعوت کچھ سود مند نہ تھی، جبکہ قرآن کے فہم و مطالعہ کا سامان مفقود تھا۔

اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ مدارس میں مذہبی تعلیم کا صحیح طریقہ پر اہتمام کیا جائے، لیکن مذہبی تعلیم میں اصل اصول قرآن ہے، اور چونکہ قرآن کی تعلیم کا کوئی سامان نہ تھا، اس لیے مذہبی تعلیم کا بھی کوئی نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

اصلاح کا ایک نہایت اہم گوشہ، مدارس عربیہ کی اصلاح ہے، لیکن اس گوشہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ یہی رہی ہے کہ تفسیر کی کوئی موزوں کتاب موجود نہیں۔

ہم دنیا کو بھی قرآن کے مطالعہ کی دعوت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اگر دنیا کی مختلف قومیں مطالعہ کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کوئی کتاب موجود نہیں جو اُن کی زبانوں میں پیش کی جاسکے، اور کہا جاسکے کہ یہ مرقّع ہے، جس میں قرآن کی صورت دیکھی جاسکتی ہے!

فی الحقیقت صورتِ حال کا یہ پہلو، سب سے زیادہ افسوس ناک ہے۔ بائبل کا ترجمہ نہ صرف دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے، بلکہ شاید ہی دنیا کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی زبان اور غیر معروف سے غیر معروف رسم الخط ہوگا جس میں اُس کا ترجمہ لاکھوں کی تعداد میں چھپا ہوا موجود نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں ہماری بے بضاعتی کا کیا حال ہے؟ یہ حال ہے کہ ہم آج تک اُن چند زبانوں میں بھی قرآن کا ترجمہ شائع نہ کر سکے جو خود ہمارے ملک کی زبانیں ہیں، اور لاکھوں کروڑوں ہندوستانیوں کو صرف اُنہی زبانوں میں مخاطب کیا جاسکتا ہے!

بلاشبہ اُردو میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں، اور انگریزی میں بھی قدیم تراجم کے علاوہ بعض نئے ترجمے مسلمانوں کے قلم سے مرتب ہوئے۔ ان میں سے ہر کوشش جس قدر و قیمت کی مستحق ہے، مجھے اُس سے انکار نہیں، لیکن میں کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مندرجہ صدر مقاصد کا تعلق ہے، ان میں سے کوئی ترجمہ بھی مفید مقصد نہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں میں مذہبی اصلاح و تجدید کی ضرورت کا احساس نہ تھا، مگر ۱۹۱۲ء میں میں نے الہلال جاری کیا، اور قرآن کے مطالعہ و تدبّر کی ایک نئی راہ (جو فی الحقیقت نئی نہ تھی) روشنی میں آئی۔ اُس وقت سے میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو اصلاح کی ضرورت کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ عالمگیر خواہش پیدا ہو گئی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ قرآن کو اُس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں، لیکن انھیں کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ لوگ چاہتے ہیں کہ مذہبی تعلیم کا صحیح طریقہ پر نظام قائم ہو جائے لیکن انھیں سامان میسر نہیں آتا۔ مدارس کے بانی اور مہتمم آمادہ ہیں کہ مذہبی تعلیم کا اصلاح یافتہ نصاب اختیار کرلیں لیکن انھیں مفید

مقصد کتاب ملتی نہیں۔ ۱۹۱۲ء سے لیکر اس وقت تک بے شمار مدرسوں کے لیے مجھ سے خواہش کی گئی کہ اصلاح یافتہ نصاب تعلیم طیار کر دوں۔ میں نے طیار کر کے دے دیا۔ لیکن جب دریافت کیا گیا کہ قرآن کی تعلیم کے لیے کیا کیا جائے؟ تو مجھے جواب میں کہنا پڑا۔ "انتظار کیا جائے"!

سولہ برس ہوئے کہ میں نے اس کام کی ضرورت محسوس کی تھی اور کام شروع بھی کر دیا تھا لیکن افسوس ہے کہ چند در چند موانع پیش آتے رہے اور کام انجام نہ پا سکا۔ لیکن اب کہ توفیق الٰہی سے **ترجمان القرآن** مکمل ہو کر شائع ہو رہا ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی اصلاح کے وہ تمام دروازے کھل رہے ہیں، جو ہمارے کوتاہی عمل سے اس وقت تک بند تھے۔

تکمیل کار اور مطلوبہ سروسامان

لیکن یہ جو کچھ ہے، فی الحقیقت کام کی ابتدا ہے۔ تکمیل کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ **قرآن** کی تعلیم و اشاعت کا مقصد عظیم پورا نہیں ہو سکتا، جب تک حسب ذیل امور انجام نہ پائیں:

(۱) عام مطالعہ و اشاعت کے لیے ضروری ہے کہ ترجمان القرآن کو مختلف صورتوں، مختلف ترتیبوں اور مختلف قسم کے ایڈیشنوں میں اس طرح اور اتنی بڑی تعداد میں شائع کیا جائے، کہ مسلمانوں کا ہر طبقہ اور ہر فرد اس سے فائدہ اٹھا سکے اور کوئی مسلمان گھر اس سے خالی نہ رہے۔

(۲) ضروری ہے کہ قرآن کے تمام اصولی مباحث از سر نو مدوّن کیے جائیں۔ مثلاً اس کی زبان، اس کی ادبی خصوصیات، اس کا اسلوب بیان، اس کے مقاصد و مہمات، اس کا طریق استدلال، اس کے قصص و امثال، اس کے نزول و کتابت کی تاریخ وغیرہا۔ اور اب کہ ترجمان القرآن کی ترتیب ان مباحث کی ایک مقررہ تحقیقات کے ماتحت مکمل ہو چکی ہے، نہایت آسانی کے ساتھ یہ پورا سلسلہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ضرورت تھی کہ قرآن کے اسلوب بیان اور طریق استدلال کی تنقیح کے بعد ایسے ابواب و عناوین ترتیب دیے جائیں جن کے نیچے مطالب قرآنی کی ہر قسم الگ الگ جمع کی جا سکے اور قرآن کی ہر تعلیم اپنی شکل و نوعیت میں نمایاں ہو جائے۔ اب کہ ترجمان القرآن مرتب ہو چکا ہے، نہایت آسانی کے ساتھ ابواب مضامین کی مکمل تبویب عمل میں آ سکتی ہے، اور انھیں یکجا اور علیحدہ علیحدہ شائع کیا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ اس سلسلہ میں اس وقت تک جو کچھ ہوا ہے، مفید مقصد نہیں ہے۔

(۴) ایک ایسی کتاب کے لیے جو حوالہ اور استشہاد کی کتاب ہو، ضروری ہے کہ استخراج مطالب الفاظ کی تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ مثلاً قرآن کے ایسے ایڈیشن مرتب کیے جائیں جو حوالجات (رفرنس) کے ساتھ ہوں۔ یا مثلاً قرآن کے الفاظ و اسماء اور مطالب و آیات کے انڈکس مرتب کیے جائیں جو ہر پہلو سے جامع اور مکمل ہوں۔ یا مثلاً قرآن میں جس قدر

جغرافیائی اور تاریخی اشارات ہیں، انکے نقشے طیار کیے جائیں تاکہ اُن مقامات کی قدیم و جدید جغرافیائی حیثیت بہ یک نظر واضح ہو جائے۔ ہم سے پہلے یورپ کے بعض مستشرقوں نے ان کاموں کی ضرورت محسوس کی (اور وہ ہمارے کاموں کے کس میدان میں ہم سے پہلے نہیں ہیں؟) لیکن اب تک جو کچھ ہوا ہے، ناکافی ہے، اور ضروری ہے کہ از سر نو یہ تمام کام انجام دیے جائیں۔

بائبل کا ایک معمولی سا چھپا ہوا نسخہ بھی جو خصوصیات رکھتا ہے، ہم اس وقت تک قرآن کے بہتر سے بہتر اڈیشن میں اُن کا اہتمام نہ کر سکے۔ ہمارے نزدیک قرآن کی بڑی سی بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کی لوح سنہری چھاپ دی جائے، یا اُس کی سطروں پر حنائی رنگ لیپ دیا جائے۔ ہم نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ تمام اسلامی دنیا میں، قرآن کا ایک اڈیشن بھی ایسا شائع نہ کر سکے، جس میں موجودہ زمانہ کے محاسن طباعت سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیے ہوں!

(۵) سب سے آخر مگر بہ اعتبار اہمیت سب سے پہلا، کام یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں قرآن کے ترجمے مرتب کیے جائیں، اور بڑی سے بڑی تعداد میں اُن کی اشاعت کا سرو سامان ہو۔ کم از کم مغرب و مشرق کی اُن زبانوں میں جو موجودہ اقوام ارضی کی اہم زبانیں تسلیم کی جاتی ہیں۔

ایک علمی اور اشاعتی ادارہ کا قیام

یہ تمام کام بغیر اس کے انجام نہیں پا سکتا کہ قرآن کی خدمت و اشاعت کے لیے ایک علمی اور اشاعتی ادارہ قائم کیا جائے، اور وہ اُنھی طریقوں پر کام کرے، جن طریقوں پر یورپ اور امریکہ کی **بائبل سوسائٹیاں** کام کر رہی ہیں جب تک ایک دفتر، منتخب اسٹاف، اور طبع و اشاعت کا کافی سرو سامان موجود نہ ہو، اس طرح کے کام خواب و خیال سے زیادہ نہیں ہیں۔

دو سال ہوئے میں نے ایک ایسے ادارہ کے قیام کی تفصیلات قلمبند کی تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ کتنے تھوڑے سرمایہ سے کتنا عظیم الشان کام انجام پا سکتا ہے۔ میں نے اندازہ کیا تھا کہ اگر ایک رقم یک مشت طبع و اشاعت کے لئے، اور ایک رقم ماہوار تین سال تک اسٹاف کے لیے فراہم ہو جائے، تو نہایت وسیع پیمانے پر ایک ادارہ قائم ہو جا سکتا ہے۔ وہ تین سال کے اندر اتنا کام انجام دے دے گا کہ تراجم و اشاعت کے بنیادی کام مکمل ہو جائینگے، اور پھر اس کی مطبوعات کی آمدنی سے کام کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہو جائے گا۔

جہاں تک قرآن کے تراجم کا تعلق ہے، انگریزی اور فرنچ ترجموں کی ترتیب مقدم ہے، کیونکہ ان دو زبانوں میں ترجمے کے بعد یورپ کی بقیہ زبانوں میں ترجمہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ مشرق کی زبانوں میں فارسی، ترکی، اور پشتو سب سے زیادہ ضروری ہیں۔ کیونکہ مسلمانان عالم کی بڑی تعداد ان زبانوں میں مخاطب کی جا سکتی ہے۔ ہندوستان کی زبانوں میں سے بنگالی، گجراتی، مرہٹی، ٹامل، تلنگو، اور سندھی زبانوں میں ترجمہ ضروری ہے۔ نیز ترجمان القرآن کو ہندی رسم الخط میں بھی مرتب کرنا چاہیے اور اُس کی عبارت ہندی کے لیے موزوں کر دینی چاہیے۔

مدارس عربیہ میں داخل درس کرنے، اور بلاد عربیہ میں اشاعت کے لیے ایک تفسیر عربی میں بھی مرتب ہونی چاہیے۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک ادارہ قائم ہو جائے، تو تین سال کے اندر اس کام کا بڑا حصہ انجام پا جائے گا، اور پھر ہمیشہ کے لیے اس کا کارخانہ چلتا رہے گا۔ ایک ایسے مقصد کے لیے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے وقت کا سب سے بڑا مقصد ہو، یہ کم از کم کام ہی جس کی دنیا کو ہم سے توقع کرنی چاہیے!

میں نہیں کہہ سکتا کہ سر دست ایک ایسا ادارہ قائم ہو سکے گا یا نہیں؟ اس طرح کے کام دو ہی طریقہ سے انجام پا سکتے ہیں یا تو پبلک سے اعانت کی اپیل کی جائے۔ یا ملک میں سے کوئی اہل خیر آمادہ ہو جائے پہلی صورت میں اختیار کرنی نہیں چاہتا اور دوسری کی چنداں اُمید نہیں۔ پس بحالت موجودہ اس کے سوا چارہ نہیں کہ شخصی طور پر جو کچھ کر سکتا ہوں، اسی پر اعتماد کروں، اور باقی کاموں کو مستقبل کے حوالے کر دوں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جونہی ترجمان القرآن شائع ہو گیا، میں کوشش کروں گا کہ بالفعل انگریزی اور ہندی ترجمہ کا کام شروع کر دیا جائے۔

کلکتہ ۱۔ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

ابوالکلام

إنَّ اللهَ يَرفعُ بهٰذا الكتابِ أقواماً ويضعُ بهٖ آخرين
مسلم عن نافع

ترجمانِ قرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اُردو زبان میں ضروری تشریحات کے ساتھ

مع

تفسیرِ سورۂ فاتحہ

از

ابوالکلام احمد

جلدِ اوّل

مطبوعہ جیّد برقی پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ

۱۹۱۶ء میں جب البلاغ کے صفحات پر ترجمان القرآن اور تفسیر البیان کا اعلان کیا گیا، تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک ایسے کام کا اعلان کر رہا ہوں جو پندرہ برس تک التواء و انتظار کی حالت میں معلق رہیگا، اور جو ملک کے شوق و انتظار کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ، اور میرے ارادوں کی ناکامیوں کیلئے ایک درد انگیز مثال ثابت ہوگا۔

لیکن واقعات کی رفتار نے بہت جلد بتلا دیا کہ صورتِ حال ایسی ہی تھی!

جلاوطنی

ابھی اس اعلان پر بمشکل چند مہینے گزرے ہونگے کہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے ڈیفنس آرڈیننس[1] کے ماتحت مجھے حدودِ بنگال سے باہر چلے جانے کا حکم دیا، اور دفعۃً البلاغ اور البلاغ پریس کے ساتھ تصنیف و طباعت کا تمام کارخانہ درہم برہم ہوگیا۔

چونکہ اس سے پہلے اسی آرڈیننس کے ماتحت دہلی، پنجاب، یوپی اور مدراس کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں میرا داخلہ روک چکی تھیں، اس لئے اب صرف بہار اور بمبئی ہی کے دو صوبے رہ گئے تھے جہاں میں جا سکتا تھا۔ میں نے رانچی منتخب کیا۔ میرا خیال تھا کہ کلکتہ سے قریب رہ کر شاید تصنیف و طباعت کا کام جاری رکھ سکوں۔

۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، تو بہ یک وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں۔ ترجمہ، تفسیر اور مقدمۂ تفسیر۔ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں پوری کر دینگی۔ عام تعلیم کے لئے ترجمہ۔ مطالعہ کے لئے تفسیر۔ اہل علم و نظر کیلئے مقدمہ۔

البلاغ میں جب ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا گیا ہے، تو ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا۔ تفسیر سورۂ آل عمران تک مکمل ہو چکی تھی، اور مقدمہ یادداشتوں کی شکل میں قلمبند تھا۔ اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے

---

[1] جنگ یورپ کے زمانہ میں جو موقت احکام نافذ کئے گئے تھے، اُن میں ایک "ڈیفنس آف انڈیا" کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ یہ آرڈیننس حکومت ہند اور مقامی حکومتوں کو اختیار دیتا تھا کہ بغیر عدالتی کارروائی کے جس کسی کو چاہیں، ہندوستان کے کسی صوبے سے جلاوطن کر دیں۔ یا ہندوستان اور ہندوستان کے کسی صوبہ میں داخلہ روک دیں۔ ۱۲

زیادہ کام انجام پا جائے، میں نے تصنیف کے ساتھ چھپائی کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل بھی ہو جائیگا اور چھپ بھی جائیگا۔ نیز تفسیر کی بھی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائیگی۔ ہر سات دن کی مشغولیت میں نے یوں تقسیم کردی تھی کہ تین دن البلاغ کی ترتیب میں صرف کرتا تھا، دو دن ترجمہ میں اور دو دن تفسیر میں۔

۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو جب میں کلکتہ سے روانہ ہوا، تو تفسیر کے چھ فارم چھپ چکے تھے اور ترجمہ کی کتابت شروع ہو رہی تھی۔ اب میں نے کوشش کی کہ میری عدم موجودگی میں پریس جاری رہے اور کم از کم تفسیر اور ترجمہ کا کام ہوتا رہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۶ء میں پریس کے دوبارہ اجرا کا انتظام ہو گیا۔ اور میں سودات کی ترتیب میں مشغول ہو گیا تاکہ پریس کے حوالہ کردوں۔

نظر بندی

لیکن ۸ جولائی ۱۹۱۶ء کو یکایک حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کر دیئے اور اس طرح، اس اُمید کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ نظر بندی کے بعد کوئی موقع باقی نہیں رہا کہ باہر کی دُنیا سے کسی طرح کا علاقہ رکھ سکوں۔

اب میرے اختیار میں صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا۔ یعنی تصنیف و تسوید کا مشغلہ۔ نظر بندی کی اُنیس دفعات میں سے کوئی دفعہ بھی مجھے اس سے نہیں روکتی تھی۔ میں نے اس پر قناعت کی۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ میں نے خیال کیا، اگر زندگی کی تمام آزادیوں سے محروم ہونے پر بھی لکھنے پڑھنے کی آزادی سے محروم نہیں ہوں اور اُس کے نتائج محفوظ ہیں، تو زندگی کی راحتوں میں سے کوئی راحت بھی مجھ سے الگ نہیں ہوئی۔ میں اس عالم میں پوری زندگی بسر کر سکتا ہوں۔ لیکن ابھی اس صورت حال پر تین مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ معلوم ہو گیا، اس گوشے میں بھی مجھے محرومی ہی سے دوچار ہونا تھا!

دوبارہ تلاشی اور سودات کی ضبطی

نظر بندی کے احکام جس وقت نافذ کئے گئے ہیں، تو میرے قیام گاہ کی تلاشی بھی لی گئی تھی اور جسقدر کاغذات ملے تھے، افسرانِ تفتیش نے اپنے قبضہ میں کر لئے تھے۔ انہی میں ترجمہ اور تفسیر کا مسوّدہ بھی تھا۔ لیکن جب معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں کوئی چیز قابلِ اعتراض اور حکومت کے مفید مقصد نہیں ہے، تو دو ہفتہ کے بعد واپس دیدیے گئے۔

لیکن جب تفتیش کے نتیجہ سے حکومتِ ہند کو اطلاع دی گئی تو اُس نے مقامی حکومت کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہاں خیال کیا گیا کہ مقامی حکومت نے کاغذات واپس دیدینے میں جلدی کی، اور بہت ممکن ہے کہ پوری ہوشیاری کے ساتھ معائنہ نہ کیا گیا ہو۔ اُس زمانہ میں حکومت ہند کی محکمۂ تفتیش کا افسرِ اعلیٰ سر چارلس کلیولینڈ تھا، اور مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، اسے میری مخالفت میں ایک خاص کد ہو گئی تھی۔ وہ پہلے کلکتہ آیا اور دو ہفتہ تک تفتیش میں مشغول رہا پھر رانچی آیا اور ازسرِنو میرے مکان کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے بعد کہا گیا کہ جو کاغذات پچھلی تلاشی کے موقع پر لے لئے گئے تھے اب حکومت ہند کے معائنہ کے لئے بھیجے جائینگے۔ چنانچہ تمام کاغذات حتی کہ چھپی ہوئی کتابیں بھی لے لی گئیں۔ ان میں نہ صرف ترجمہ و تفسیر کا مسودہ تھا، بلکہ بعض دوسری مصنفات کے بھی مکمل و نامکمل سودات تھے۔

جس وقت یہ معاملہ پیش آیا، ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا، لیکن اب ان کا ایک ورق بھی میرے قبضہ میں نہ تھا۔ تاہم میں نے نویں پارہ سے ترجمہ کی ترتیب جاری رکھی اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں کام ختم کر دیا۔ اب اگر ابتدا کے آٹھ پاروں کا ترجمہ واپس ملجائے تو پورے قرآن کا ترجمہ مکمل تھا۔

میں نے کاغذات کی واپسی کے لئے خط و کتابت کی لیکن جواب ملا کہ نہ تو سر دست واپس دیئے جاسکتے ہیں۔ نہ یہی بتلایا جاسکتا ہے کہ کب تک واپس کئے جائینگے [۱]۔ چونکہ کاغذات کی واپسی کی بظاہر کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی تھی اور کچھ معلوم نہ تھا کہ آگے چلکر کیا صورت حال پیش آئے، اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ از سر نو ان پاروں کا ترجمہ کر کے کتاب مکمل کر لیجائے۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ ایک لکھی ہوئی چیز کو دوبارہ لکھنا طبیعت پر بہت شاق گزرتا ہے، تاہم میں نے چند ماہ کی محنت کے بعد یہ حصہ بھی از سر نو مکمل کر لیا:

"گفتہ" گر شد ز کفم، شکر کہ "ناگفتہ" بجاست
از دو صد گنج، یکے مشتِ گہر باختہ ام!

اس خیال سے کہ مسوّدہ بہتر حالت میں مرتب ہو جائے اور اگر کسی دوسرے شخص کے حوالہ کیا جائے تو تصحیح میں آسانی ہو، میں نے اُردو ٹائپ رائٹر منگوا کر اسے ٹائپ کرانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ڈسمبر ۱۹۱۹ء میں نصف سے زیادہ حصہ ٹائپ ہو چکا تھا۔

رہائی اور تحریکِ لا تعاون

۲۷ ڈسمبر ۱۹۱۹ء کو حکومت نے مجھے رہا کر دیا، اور اب طباعت و اشاعت کی تمام رکاوٹیں راہ سے دور ہو گئیں لیکن یہ وقت وہ تھا کہ ملک میں ایک عام سیاسی حرکت کا مواد تیار ہو رہا تھا، اور جہانتک مسلمانوں کا تعلّق ہے، الہلال کی سیاسی دعوت کی بازگشت ہر گوشے سے بلند ہونے لگی تھی۔ میرے لئے ممکن نہ تھا کہ وقت کے تقاضے سے تغافل کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رہا ہوتے ہی تحریک لا تعاون کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گیا، اور عرصہ تک اس کی مہلت ہی نہیں ملی کہ کسی دوسری طرف نگاہ اُٹھا سکتا۔

لیکن ۱۹۲۱ء میں جب ملک کے ہر گوشے سے ترجمان القرآن کیلئے تقاضہ شروع ہوا تو مجھے اُس کی اشاعت کیلئے آمادہ ہو جانا پڑا۔ چونکہ ٹائپ کی چھپائی اُس کے لئے موزوں نہیں سمجھی گئی تھی، اس لئے کتابت کا انتظام کیا گیا پہلے متن کی کتابت کرائی گئی۔ پھر ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں متن کی کتابت ختم ہو چکی تھی۔ ترجمہ کی کتابت شروع ہوئی تھی۔

---

[۱] یہ کاغذات مجھے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء میں واپس ملے۔ رہائی کے بعد جب میں نے مطالبہ کیا، تو کئی ماہ تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اُن دنوں میں صوبہ بہار کے گورنر لارڈ سنہا تھے۔ مجھے میرا درانٌ میں اُس وقت سے شناسائی تھی جب ۱۹۰۹ء میں وہ حکومت ہند کے اگزیکیٹو کونسل کے ممبر ہوئے تھے۔ وہ علاج کیلئے کلکتہ آئے اور ایک دوست کے یہاں اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ میں نے یہ واقعہ ان سے بیان کیا، اُنھوں نے حکومت ہند سے خط و کتابت کی، اور دو ہفتہ کے بعد تمام کاغذات مجھے واپس مل گئے۔

گرفتاری، اور تمام مسوّدات کی بربادی

لیکن وقت کا فیصلہ اب بھی میرے خلاف تھا!

۱۹۲۱ء کے اواخر میں تحریک لاتعاون کی سرگرمیاں منتہائے عروج تک پہنچ گئی تھیں اور اب ناگزیر تھا کہ حکومت بھی اپنے تمام وسائل کام میں لائے۔ ۲۰ نومبر کو سب سے پہلے حکومت بنگال نے قدم اُٹھایا، اور اُن تمام مجالس کو خلافِ قانون قرار دیدیا جو تحریک کی سرگرمیوں میں مشغول تھیں، اس اقدام نے کانگریس کو عدم متابعت قانون کے اجرا کا موقع دیدیا، اور ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو بعض دیگر رفقائے بنگال کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کرلیا گیا۔

اس مرتبہ میری گرفتاری پریس کے انتظامات میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی۔ کیونکہ کتاب مکمل موجود تھی، اور میں نے اس کا پورا انتظام کرلیا تھا کہ میری عدم موجودگی میں بھی کام بدستور جاری رہے۔ لیکن گرفتاری کے بعد جو واقعہ پیش آیا، وہ اس افسانہ کی آخری المناکی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رُک گئی، بلکہ میری علمی زندگی کے ولولے افسردہ ہوگئے!

گرفتاری کے بعد جب حکومت نے محسوس کیا کہ میرے برخلاف مقدمہ چلانے کے لئے کافی مواد موجود نہیں ہے، تو اُسے مواد کی جستجو ہوئی، اور اس لئے تیسری مرتبہ میرے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے لئے جو لوگ آئے تھے، اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اُردو یا عربی و فارسی کی استعداد رکھتا ہو۔ جو چیز بھی ان زبانوں میں لکھی ہوئی ملی اُنھوں نے خیال کیا اس میں کوئی نہ کوئی بات حکومت کے خلاف ضرور ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلمی مسوّدات کا تمام ذخیرہ اُٹھالے گئے حتیٰ کہ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں بھی توڑ مروڑ کر مسوّدات کے ڈھیر میں ملا دیں!

سوئے اتفاق سے اُس وقت کسی شخص نے مطالبہ نہیں کیا کہ کاغذات مرتّب کر کے لئے جائیں اور حسبِ قاعدہ اُن پر گواہوں کے دستخط ہوجائیں۔ نیز اُن کی رسید تفصیل کے ساتھ مرتّب کر کے دیجائے۔ افسرانِ تفتیش اپنے ساتھ چھپا ہوا فارم لائے تھے۔ صرف یہ لکھکر کہ متفرق قلمی کاغذات لئے گئے چھپا ہوا فارم دیدیا اور روانہ ہوگئے۔

پندرہ ماہ کے بعد جب میں رہا ہوا تو حکومت سے کاغذات کا مطالبہ کیا۔ ایک عرصہ کی خط و کتابت کے بعد کاغذات ملے، مگر اس حالت میں ملے کہ تمام ذخیرہ برباد ہوچکا تھا۔

افسرانِ تفتیش نے جب ان کاغذات پر قبضہ کیا ہے، تو یہ قلمی مسوّدات کے مختلف مجموعے تھے، اور الگ الگ بستوں کی دفتیوں میں ترتیب دیے ہوئے تھے۔ ان میں مختلف مکمل و غیر مکمل مصنّفات کے علاوہ بڑا ذخیرہ یادداشتوں کا تھا، لیکن جب واپس ملے تو محض اوراقِ پریشاں کا ایک ڈھیر تھا، اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہوچکے تھے، یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے!

یہ میرے صبر و شکیب کے لئے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی، لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا اُتروں۔ یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا جو جامِ حوادث نے میرے لبوں سے لگایا لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا۔ البتہ اس سے

انکار نہیں کرتا کہ اُس کی تلخی آجتک گلو گیر ہے:۔

رگ و پے میں جب اُترے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے!

سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں، اور پنبہ و آتش میں آشتی محال ہے۔ میں نے چاہا، دونوں کو بہ یک وقت جمع کروں۔ میں نامراد ایک طرف متاعِ خرمن کے انبار لگاتا رہا، دوسری طرف برقِ خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا، اور مجھے حق نہیں کہ حرفِ شکایت زبان پر لاؤں عرفی نے میری زبانی کہدیا ہے:۔

زاں شکستم کہ بہ دُنبالِ دل خویش مدام
در نشیبِ شکنِ زلفِ پریشاں رفتم!

اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی ہستی اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ از سرِ نو محنت کی جائے، لیکن اس حادثہ کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہو گئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی۔ میں نے محسوس کیا کہ حادثہ کا زخم اتنا ہلکا نہیں ہے کہ فوراً مندمل ہو جائے۔

طبیعت کی بڑی رکاوٹ جو رہ رہ کر سامنے آتی تھی، یہ تصوّر تھا کہ ایک تصنیف کی ہوئی چیز دوبارہ تصنیف کیجائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اہل قلم کے لئے اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہیں۔ وہ ہزاروں صفحے نئے بآسانی لکھدیگا لیکن ایک ضائع شدہ صفحہ کے دوبارہ لکھنے میں اپنی طبیعت کو یکقلم درماندہ پائیگا۔ فکر و طبیعت کی جو گرمجوشی پچھلی محنتوں کی بربادی کے تصور سے بجھ جاتی ہے، بہت دشوار ہوتا ہے کہ اُسے دوبارہ پیدا کیا جائے۔ اس حالت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو ایسی بدقسمتیوں سے دوچار ہوئے ہوں۔ میں نے ٹامس کارلائل کے حالات میں جب پڑھا تھا کہ اُس نے انقلابِ فرانس پر اپنی مشہور کتاب، دوبارہ تصنیف کی، اور اہل فن نے اسے قوتِ تصنیف کا ایک غیر معمولی مظاہرہ سمجھا، تو میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس میں غیر معمولی بات کیا ہے؟ لیکن اس حادثہ کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ نہ صرف غیر معمولی ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے، اور فی الحقیقت کارلائل کی مصنفانہ عظمت کا اس سے بڑھکر اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا!

ترجمان القرآن کی از سرِ نو ترتیب

کئی سال گزر گئے، مگر میں اپنے آپ کو اس کام کے لئے آمادہ نہ کر سکا:

وے سرگشتہ دارم کہ در صحراست پنداری!

بارہا ایسا ہوا کہ ترجمہ و تفسیر کے بچے کھچے اوراق نکالے، لیکن جونہی برباد شدہ کاغذات پر نظر پڑی، طبیعت کا انقباض تازہ ہو گیا، اور دو چار صفحے لکھکر چھوڑ دینا پڑا۔

لیکن ایک ایسے کام کی طرف سے جس کی نسبت میرا یقین تھا کہ مسلمانوں کے لئے وقت کا سب سے زیادہ ضروری کام ہے

ممکن نہ تھا کہ زیادہ عرصہ تک طبیعت غافل رہتی۔ جسقدر وقت گزرتا جاتا تھا، اس کام کی ضرورت کا احساس میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا جاتا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ اگر یہ کام مجھ سے انجام نہ پایا، تو شاید عرصہ تک اس کی انجام دہی کا کوئی سامان نہ ہو۔

سنہ ۱۹۲۷ء قریب الاختتام تھا کہ اچانک مدتوں کی رُکی ہوئی طبیعت میں جنبش ہوئی، اور رشتۂ کار کی جو گرہ ذہن و دماغ کی پے بہ پے کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کے جوشش بے اختیار سے خود بخود کھُل گئی۔ کام شروع کیا، تو ابتدا میں چند دنوں تک طبیعت رُکی رُکی رہی، لیکن جونہی ذوق و فکر کے دو چار جام گردش میں آئے، طبیعت کی ساری رُکاوٹیں دُور ہو گئیں، اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا اس شورش کدۂ مستی میں کبھی افسردگی و خمار آلودگی کا گزر ہی نہیں ہوا تھا!

بہ بدمستی سزد گر متہم سازد مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیمانہ بو دارد!

اتنا ہی نہیں، بلکہ کہنا چاہیے، شورشِ تازہ کی سرمستیاں، مجلسِ دوشین کی کیفیتوں سے بھی کہیں تند تر ہو گئیں:

چہ مستی ست، نہ دانم، کہ رُو بہ ما آورد
کہ بود ساقی و این بادہ از کجا آورد؟

سُبحان اللہ! اس عالم کے تصرفات کا بھی کچھ عجیب حال ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ بار بار کوشش کی مگر طبیعت کا انقباض دُور نہیں ہوا۔ یا اب خود بخود کھُلی، تو اس طرح کھُلی کہ قلم روکنا بھی چاہوں تو نہیں روک سکتا!

شوریست نوا ریزی تارِ نفسم را،
پیدا نہ، اے جنبشِ مضراب کجائی؟

بہر حال کام شروع ہو گیا، اور اس خیال سے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ کے لئے بھی ضروری تھی، سب سے پہلے اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر ترجمہ کی ترتیب شروع کی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے، صحت روز بروز کمزور ہو رہی تھی، سیاسی مشغولیت کی آلودگیاں بدستور خلل انداز تھیں، تاہم کام کا سلسلہ کم و بیش جاری رہا، اور ۲۰ ہر جولائی سنہ ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ و ترتیب سے فارغ ہو گیا:

تا دست رسم بود، زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم!

اصولِ ترجمہ و تفسیر

ترجمان القرآن میں قرآن کے مقاصد و مطالب جن اصول و مبادیات کے ماتحت ترتیب دیے گئے ہیں، قدرتی طور پر طبیعتیں منتظر ہونگی کہ اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے اُن سے آشنا ہو جائیں۔ اس دیباچہ کے لکھنے کے وقت تک میرا بھی یہی خیال تھا کہ اس بارے میں ایک مختصر سی تحریر بطور مقدمۂ کتاب شامل کر دی جائے گی لیکن اب کہ دیباچہ لکھ رہا ہوں ان اصول و مبادیات کو سمیٹنا چاہا، تو معلوم ہوا، موضوع کی پیچیدگیاں اور مباحث کی گہرائیاں ایسی نہیں ہیں کہ تفصیل و اطناب کے بغیر بیان میں آسکیں۔ مباحث میں سے ہر مبحث کی وضاحت کے لئے مقدمات اور تمہیدات ناگزیر ہیں۔ اور ہر مبحث کے اطراف اس طرح دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں کہ نہ تو سمیٹے جا سکتے ہیں، نہ مجمل اشارات عام مطالعہ کے لئے کفایت کر سکتے ہیں۔ مجبوراً اس خیال سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اور ایک سرسری اشارہ اُن مشکلات و موانع کی طرف کر دیتا ہوں جو اس راہ میں حائل تھے، تاکہ اندازہ کیا جا سکے، معاملہ کی عام حالت کیا تھی؟ اور مطالعہ قرآن کا جو قدم اُٹھایا گیا ہے، وہ کس رُخ پر جا رہا ہے۔

باقی رہے ترجمان القرآن کے اصولِ تفسیر، تو ان کے لئے مقدمۂ تفسیر کا انتظار کرنا چاہیے جو ترجمان القرآن کے بعد اس سلسلہ کی دوسری کتاب ہے، اور جس کے قدیم مسوّدات کی تہذیب و ترتیب میں آجکل مشغول ہوں۔

قرونِ اخیرہ اور قرآن کے مطالعۂ و تدبّر کا عام معیار

مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ محل نہیں، صدیوں سے اس طرح کے اسباب و مؤثّرات نشو و نما پاتے رہے ہیں، جن کی وجہ سے بہ تدریج، قرآن کی حقیقت نگاہوں سے مستور ہوتی گئی، اور رفتہ رفتہ اُس کے مطالعہ و فہم کا ایک نہایت پست معیار قایم ہو گیا۔ یہ پستی صرف معانی و مطالب ہی میں نہیں ہوئی، بلکہ ہر چیز میں ہوئی۔ حتیٰ کہ اُس کی زبان، اُس کے الفاظ، اُس کی تراکیب اور اُس کی بلاغت کے لئے بھی نظر و فہم کی کوئی بلند جگہ باقی نہیں رہی!

ہر عہد کا مصنف، اپنے عہد کی ذہنی آب و ہوا کی پیداوار ہوتا ہے، اور اس قاعدہ سے صرف وہی دماغ مستثنیٰ ہوتے ہیں جنھیں مجتہدانہ ذوق و نظر کی قدرتی بخشائش نے صفِ عام سے الگ کر دیا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لیکر قرونِ اخیرہ تک، جسقدر مفسرین پیدا ہوئے، اُن کا طریقِ تفسیر ایک روبہ تنزل معیارِ فکر کی مسلسل زنجیر ہے جس کی ہر پچھلی کڑی، پہلی سے پست تر، اور ہر سابق، لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں جسقدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند، اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے، اور جسقدر نیچے اُترتے آتے ہیں، حالت برعکس ہوتی جاتی ہے!

یہ صورتِ حال فی الحقیقت، مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی

بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے، تو کوشش کی کہ قرآن کو اُس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اُتار لیں کہ اُن کی پستیوں کا ساتھ دے سکے!

اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اُس کی حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھیں، تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں، جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کے خارجی موثرات نے اُس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں۔ پھر آگے بڑھیں، اور قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں۔

بعض اسباب و موثرات جو فہم حقیقت میں مانع ہیں

یہ مخالف اثرات جو یکے بعد دیگرے جمع ہوتے رہے، دو چار نہیں، بیشمار ہیں، اور ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ممکن نہیں کہ اختصار کے ساتھ بیان میں آسکیں لیکن میں نے مقدمۂ تفسیر میں کوشش کی ہے کہ اُنھیں چند اصول و انواع کے ماتحت سمیٹ لوں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل دفعات قابلِ غور ہیں:

(۱) قرآنِ حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے اندازِ بیان، اپنے طریقِ خطاب، اپنے طریقِ استدلال، غرضکہ اپنی ہر بات میں دُنیا کے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے، اور نہ اُسے پابند ہونا چاہیئے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے، اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے، جو انبیاءِ کرام (علیہم السلام) کے طریقِ ہدایت کو علم و حکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔

قرآن جب نازل ہوا، تو اُس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اُس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا، اور فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا کچھ واقع ہوا تھا، ٹھیک ٹھیک ویسا ہی اُس کے دلوں میں بس گیا، اور اُسے قرآن کے فہم و معرفت میں کسی طرح کی بھی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابۂ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے، اور بہ مجرّد سماع، اُس کی حقیقت پالیتے تھے۔

لیکن صدرِ اوّل کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، اور علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبعیتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آگیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لئے طرح طرح کے اُلجھاؤ پیدا ہونے لگے، اور پھر جسقدر کوششیں سُلجھانے کی کی گئیں، اور زیادہ اُلجھاؤ بڑھتے گئے!

فطرتیت سے جب بعد ہو جاتا ہے، اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے، تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اسکی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے ساتھ حسن و عظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو

بلند اور عظیم دکھانا چاہتی ہیں، تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ و خم پیدا کر دیں یہی معاملہ قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ سلف کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں، اس لئے وہ قرآن کی سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے، لیکن خلف کی طبیعتوں پر یہ بات شاق گزرنے لگی کہ قرآن اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہو سکتی تھی۔ اُنھوں نے قرآن کی ہر بات کے لئے وضعیت کے جامے تیار کرنے شروع کر دیئے، اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آ سکتا تھا، اس لئے بہ تکلف پہنانا چاہا، نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی۔ ہر بات ناموزوں اور اُلجھی ہوئی بنکر رہ گئی!

تفسیر قرآن کا پہلا دور، وہ ہے، جب علوم اسلامیہ کی تدوین و کتابت شروع نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا دور تدوین و کتابت سے شروع ہوتا ہے، اور اپنے مختلف عہدوں اور طبقوں میں اُترتا آتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی دوسرا دور شروع ہی ہوا تھا کہ یہ جامہ قرآن کے لئے بننا شروع ہو گیا۔ لیکن اس کا منتہائے بلوغ، فلسفہ و علوم کی ترویج و اشاعت کا آخری زمانہ ہے۔ یہی زمانہ ہے جب امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر لکھی، اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سر اپا اس مصنوعی لباسِ وضعیت میں سر تا پا پوشیدہ ہو جائے۔ اگر امام صاحب کی نظر اس حقیقت پر ہوتی، تو اُن کی پوری تفسیر نہیں، تو دو تہائی حصہ یقیناً بیکار ہو جاتا۔

بہر حال یاد رہے، وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے، قرآن کی حقیقت اُبھرتی آئے گی۔

قرآن کے اسلوب بیان کی نسبت لوگوں کو جسقدر مشکلیں پیش آئیں، محض اس لئے کہ وضعیت کا استغراق ہوا اور فطریّت کی معرفت باقی نہیں رہی۔

قرآن کے مختلف حصّوں اور آیتوں کے مناسبات و روابط کے سارے اُلجھاؤ صرف اس لئے ہیں کہ فطریّت سے بعد ہو گیا، اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔

قرآن کی زبان کی نسبت بحثوں کا جسقدر انبار لگا دیا گیا ہے، وہ بھی محض اس لئے ہے کہ فطریّت کے سمجھنے کی ہم میں استعداد باقی نہیں رہی۔

قرآن کی بلاغت کا مسئلہ ہمارے وجدان کے لئے اس قدر سہل، مگر ہمارے دماغ کے لئے اس قدر دشوار کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اسی لئے کہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے، اور ہم چاہتے ہیں، اسی سے قرآن کی بلاغت بھی وزن کریں!

قرآن کا طریق استدلال کیوں نمایاں نہیں ہوتا؟ اسی لئے کہ وضعیت کے استغراق نے منطق کا سانچا ہمیں دیدیا ہے، اور چاہتے ہیں، قرآن کے دلائل و براہین بھی اسی میں ڈھالتے جائیں!

غرضکہ جس گوشے میں جاؤ گے، اس اصل کو سامنے پاؤ گے!

(۲) جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہوا اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر اُن لوگوں کے فہم کو ترجیح دیجائیگی، جنھوں نے خود صاحبِ کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن تئیس ۲۳ برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا۔ وہ جسقدر نازل ہوتا تھا، صحابۂ کرام سُنتے تھے، نمازوں میں دُہراتے تھے، اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا، خود پیغمبر اسلام (صلعم) سے پوچھ لیتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے، اور خود پیغمبر اسلام (صلعم) نے اس کی شہادت دی۔ مذہبی خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں، بلکہ قدرتی طور پر اُن کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہیے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کی فکری موثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں، اور صریح سلف کی تفسیر کے خلاف، ہر گوشے میں قدم اُٹھا دیے گئے۔ کہا گیا "سلف ایمان میں قوی ہیں لیکن علم میں خلف کا طریقہ قوی ہے"۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حقیقت مستور ہوتی گئی، اور اکثر گوشوں میں ایک صاف بات اُلجھتے اُلجھتے، بالکل ناقابلِ حل بن گئی۔

آفت پر آفت یہ ہوئی کہ پہلے ایک کمزور پہلو اختیار کیا گیا، پھر بڑھتے بڑھتے، دُور تک نکل گئے، پھر جب مشکلوں سے دوچار ہوئے، تو نئی نئی بحثوں اور کاوشوں کی عمارتیں اُٹھانے لگے۔ متون، شروح، حواشی، اور منہیات و تعلیقات کا طریقہ یہاں بھی چلا۔ اس نے اور زیادہ اُلجھاؤ میں اُلجھاؤ ڈالے، اور بعض صورتوں میں تو پردوں کی اتنی تہیں جمع ہو گئیں کہ ایک کے بعد ایک اُٹھاتے چلے جاؤ ظلماتٌ بعضها فوق بعض کا عالم دکھائی دیگا!

اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے قرآن کا کوئی ایک مقام لیلو۔ پہلے اُس کی تفسیر صحابہ و تابعین کی روایات میں ڈھونڈھو۔ پھر بعد کے مفسرین کی طرف رُخ کرو، اور دونوں کا مقابلہ کرو۔ صاف نظر آجائیگا کہ صحابہ و سلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا، اور اُلجھاؤ پیدا ہو گئے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں کی نسبت حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ الخ سے مقصود عرب کے اہلِ ایمان ہیں، اور والذین یومنون بما انزل الیک الخ سے اہل کتاب کے اہلِ ایمان۔ امام ابن جریر نے بھی یہی تفسیر اختیار کی۔ لیکن بعد کے مفسرین اس پر قانع نہیں ہوئے، اور عجیب عجیب دُور از کار بحثیں پیدا کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سب سے پہلے ھدًی للمتقین کے مطلب کی نشست بگڑی۔ پھر قرآن نے تین گروہوں کی تقسیم کر کے جس حقیقت پر زور دیا تھا اُسکی ساری خوبی اور موزونیت گم ہو گئی۔

(۳) نومسلم اقوام کے قصص و روایات اوّل دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے اسرائیلیات کو (یعنی یہودیوں کے قصص و خرافات کو) ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دُور دُور تک سرایت کر چکے تھے، اور وہ برابر جسمِ تفسیر میں پیوست رہے۔

(۴) ایک طرف تو صحابہ و سلف کی روایات سے تغافل ہوا، دوسری طرف روایات تفسیر کے غیر محتاط

جامعوں نے الگ آفت بپا کردی، اور ہر تفسیر حسن کا سہرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا، سلف کی تفسیر سمجھ لی گئی۔ متاخرین میں صرف عماد الدین ابن اثیر تنہا مفسر ہیں جو احادیث کے التزام کے ساتھ نقد روایات کا بھی لحاظ رکھتے ہیں، اور حتی الوسع اس سے تغافل نہیں کرتے۔

(۵) اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریقِ استدلال دُور ازکار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اُس کے تمام بیانات کا محور و مرکز، اُس کا طریقِ استدلال ہی ہے۔ اسکے ارشادات و بصائر، اُس کے قصص و امثال، اُس کے مواعظ و حِکَم، اُس کے مقاصد و مہمات، سب اسی چیز سے کھُلتے اور اُبھرتے تھے۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوئی گویا اُس کا سب کچھ ہی گم ہو گیا:

ہمیں ورق کہ سیہ گشت، مدعا ایں جاست!

انبیاءِ کرام کا طریقِ استدلال یہ نہیں ہوتا کہ منطقی طریقہ پر نظری مقدمات ترتیب دیں۔ پھر اُن کی بحثوں میں مخاطب کو اُلجھائیں۔ وہ براہِ راست تلقین و اذعان کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے ہر دماغ وجدانی طور پر پا لیتا ہے، اور ہر دل قدرتی طور پر قبول کر لیتا ہے۔ لیکن ہمارے مفسرین متکلمین کو فلسفہ و منطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا کہ کسی حقیقت کو اُس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کر لیں۔ اُنھوں نے انبیاءِ کرام کے لئے بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ اُنھیں منطقی بنا دیں، اور قرآن کی عظمت اس میں نظر آئی کہ اُس کی ہر بات ارسطو کی منطق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلے۔ اس سانچے میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے دلائل و براہین کی ساری خوبروئی اور دلنشینی نظروں سے گم ہو گئی۔ حقیقت تو گم ہو ہی چکی تھی، لیکن وہ بات بھی نہ بنی جو یہ لوگ بنانی چاہتے تھے۔ شکوک و ایرادات کے بےشمار دروازے کھُل گئے، جن کے کھولنے میں تو امام رازی کا ہاتھ بہت تیز نکلا، لیکن بند کرنے میں کچھ تیزی نہ دکھلا سکے!

(۶) یہ آفت صرف طریقِ استدلال ہی میں پیش نہیں آئی، بلکہ تمام گوشوں میں پھیلی۔ منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دی تھیں، اور عربی لغت کے الفاظ ان مصطلحہ معانی میں مستعمل ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا موضوع فلسفۂ یونانی نہیں ہے، اور نہ نزولِ قرآن کے وقت عربی زبان ان مصطلحات سے آشنا ہوئی تھی پس جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے ہیں، اُن کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو وضعِ مصطلحات کے بعد قرار پا گئے ہیں۔ لیکن اب اُن کے وہی مفہوم لئے جانے لگے، اور اسکی بنا پر طرح طرح کی دُور ازکار بحثیں پیدا کر دی گئیں۔ چنانچہ قدم، حدوث، خلود، احدیت، مثلیت، وغیرہم نے وہ معانی پیدا کر لئے جن کا صدرِ اوّل میں کسی سامع قرآن کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

(۷) اسی تخم کے یہ بھی برگ و بار ہیں کہ سمجھا گیا، قرآن کو وقت کی تحقیقاتِ علمیہ کا ساتھ دینا چاہیے۔ چنانچہ کوشش کی گئی کہ نظامِ بطلیموسی اس پر چپکا یا جائے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح آجکل کے دانشفروشوں کا طریقِ تفسیر یہ ہے کہ موجودہ علمِ ہیئت کے مسائل قرآن پر چپکائے جائیں۔

(۸) ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں، اور اس کی تمام تفصیلات اُنہی کے گرد گردش کرتی ہیں جب تک یہ مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اُس کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، اور جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لئے جائیں، اُس کی کوئی بات صحیح طور پر سمجھی نہیں جاسکتی۔

متذکرہ صدر اسباب سے جب اُس کے مرکزی مقاصد کی وضاحت باقی نہ رہی، تو قدرتی طور پر اُس کا ہر گوشہ اس سے متاثر ہوا۔ اُس کا کوئی بیان، کوئی تعلیم، کوئی استدلال، کوئی خطاب، کوئی اشارہ، کوئی اجمال ایسا نہ رہا جو اس تاثر سے محفوظ ہو۔ افسوس یہ ہے کہ اختصار کا تقاضہ مثالیں پیش کرنے سے مانع ہے، اور بغیر مثال کے حقیقت واضح نہیں ہوسکتی مثلاً آل عمران کی آیت وما کان لنبی ان یغلّ (۱۵۵) کی تفسیر نکال کر دیکھو کہ کیا کیا دُور از کار بحثیں نہیں کی گئیں۔ یہودیوں کے اس قول کی تفسیر میں کہ ید اللہ مغلولۃ (۵: ۶۹) کن کن گوشوں میں نکل گئے، اور کس طرح محل بیان اور سیاق و سباق کا صاف صاف مقتضا نظر انداز کر دیا گیا؟

(۹) قرآن کے صحتِ فہم کے لئے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرطِ اوّل ہے، لیکن مختلف اسباب سے جن کی تشریح محتاجِ تفصیل ہے، یہ ذوق کمزور پڑتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب مطالب میں بیشمار اُلجھاؤ محض اس لئے پڑ گئے کہ عربیت کا ذوقِ سلیم باقی نہیں رہا اور جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا، اُس کے محاورات و مجازات سے بعد ہو گیا۔

(۱۰) ہر عہد کا فکری اثر تمام علوم و فنون کی طرح تفسیر میں بھی کام کرتا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ پُر فخر واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ علماءِ حق نے وقت کے سیاسی اثرات کے سامنے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے، اور کبھی یہ بات گوارا نہ کی کہ اسلام کے عقائد و مسائل اُن سے اثر پذیر ہوں۔ لیکن وقت کی تاثیر صرف سیاست ہی کے دروازے سے نہیں آتی۔ اس کے نفسیاتی مؤثرات کے بیشمار دروازے ہیں، اور جب کھل جاتے ہیں تو کسی کے بند کئے بند نہیں ہو سکتے۔ اُن کے استیلاء سے عقائد و اعمال محفوظ رکھے جاسکتے تھے، اور علماءِ حق نے محفوظ رکھے، لیکن دماغ محفوظ نہیں رکھے جاسکتے تھے اور محفوظ نہیں رہے۔ یہاں ضرورت مثالوں کی ہے، لیکن اس کی مثالیں تفصیل طلب ہیں، اور اختصار کا تقاضہ اجازت نہیں دیتا۔

(۱۱) چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کی تاریخ کا مجتہدانہ دور ختم ہو گیا، اور شواذ و نوادر کے علاوہ عام شاہراہ، تقلید کی شاہراہ ہو گئی۔ اس داءِ عضال نے جسمِ تفسیر میں بھی پوری طرح سرایت کی۔ ہر شخص جو تفسیر کے لئے قدم اُٹھاتا تھا، کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا، اور پھر آنکھیں بند کر کے اُس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسّر سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لئے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرلے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے۔ رفتہ رفتہ تفسیر نویسی کی ہمتیں اس قدر پست ہو گئیں کہ کسی متداول تفسیر پر حاشیہ چڑھا دینے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ بیضاوی اور جلالین

کے حاشیوں کو دیکھو کہ ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت کرنے میں کس طرح قوتِ تصنیف رائیگاں گئی ہے۔

(۱۲) زمانہ کی بدذوقی نے بھی ہر بدمذاقی کو سہارا دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرونِ اخیرہ میں درس و تداول کے لئے وہی تفسیریں مقبول ہوئیں جو قدماء کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں۔ وقت کا یہ سو، انتخاب ہر علم و فن میں جاری رہا ہے۔ جو زمانہ جرجانی پر سکاکی کو، اور سکاکی پر تفتازانی کو ترجیح دیتا تھا یقیناً اُس کے دربار سے جلالین ہی کو حسنِ قبول کی سند مل سکتی تھی!

(۱۳) متداول تفاسیر کو اُٹھا کر دیکھو۔ جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہونگے، وہاں اکثر اُسی قول کو ترجیح دینگے جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہوگا، جو اقوال نقل کرینگے اُن میں بہترین قول موجود ہوگا، لیکن اسے نظر انداز کر دیں گے!

(۱۴) اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشہ سے صحابہ و سلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں!

تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے، یا اُس کی تفسیر کرنے میں عقل و درایت کو دخل نہ دیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے، حالانکہ خود قرآن کا یہ حال ہے کہ اوّل سے لیکر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا؟ (۴۷ : ۲۶)

تفسیر بالرائے میں "رائے" بمعنی لغوی نہیں ہے بلکہ "رائے" مصطلحۂ شارع ہے، اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لئے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس لئے کیجائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے، اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اُس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔

مثلاً جب باب عقائد میں ردّ و کد شروع ہوئی، تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہو گئے۔ ہر مذہب کے مناظرین نے چاہا، اپنے مذہب پر نصوص قرآنیہ کو ڈھالیں۔ وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے، بلکہ اس کی کاوش تھی کہ کسی طرح اُسے اپنے مذہب کا مؤید دکھلا دیں۔ اس طرح کی تفسیر، تفسیر بالرائے تھی!

یا مثلاً مذاہب فقہیہ کے مقلدین میں جب تحزّب و تشیّع کے جذبات تیز ہوئے، تو اپنے اپنے مسائل کی پچ میں آیات قرآنیہ کو کھینچ تاننے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معانی، اسلوب بیان کا قدرتی مقتضیٰ، عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے؟ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو اپنے مذہب کے مطابق کر دکھایئے۔ یہ طریق تفسیر، تفسیر بالرائے ہے!

یا مثلاً ایک گروہ متصوفین کا پیدا ہوا، اور اپنے موضوعہ عقائد و اصول پر قرآن کو ڈھالنے لگا۔ قرآن کا کوئی حکم،

کوئی عقیدہ، کوئی بیان تحریفِ معنوی سے نہ بچا۔ یہ تفسیر بالرائے تھی!

یا مثلاً قرآن کے طریقِ استدلال کو منطقی جامہ پہنانا، یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب و نجوم کے الفاظ آگئے ہیں یونانی علمِ ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا، یقیناً تفسیر بالرائے ہے!

یا مثلاً، آجکل ہندوستان اور مصر کے بعض دانش فروشوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ (اُنہی کے لفظوں میں) زمانۂ حال کے "اصولِ علم و ترقی" قرآن سے ثابت کئے جائیں۔ یا بقول ان کے فلسفہ و سائنس اُس کی ہر آیت میں بھر دیا جائے گویا قرآن صرف اسی لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ولیس نے بغیر کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی، اُسے چند صدی پہلے معمّوں اور پہیلیوں کی طرح دُنیا کے کان میں پھونک دے، اور پھر وہ بھی صدیوں تک دُنیا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہانتک کہ موجودہ زمانہ کے مفسر پیدا ہوں، اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمّے حل فرمائیں۔ یقیناً یہ طریقِ تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے!

جستجوئے حقیقت

یہ چند اشارات ہیں کہ اختصار کے تقاضے اور محل کی تنگنائی پر بھی حوالہ قلم ہوئے، ورنہ شرح اس معاملہ کی بہت طولانی ہے:

تو خود حدیثِ مفصّل بخواں ازیں مجمل!

کم از کم ان مجمل اشارات سے اس بات کا اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ راہ کی مشکلات و موانع کا کیا حال ہے، اور کس طرح قدم قدم پر پردوں کو ہٹانا، اور جیب جیب پر رُکاوٹوں سے دوچار ہونا ہے۔ پھر رُکاوٹیں کسی ایک گوشے ہی میں نہیں ہیں، اور مشکلات کسی ایک دروازے ہی سے نہیں آئی ہیں۔ بیک وقت ہر وادی کی پیمائش اور ہر گوشے میں نظر و کاوش ہونی چاہیئے تب کہیں جاکر حقیقتِ گم گشتہ کا سُراغ مل سکتا ہے۔ و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم!

ترجمان القرآن کا مقصد و نوعیت

قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف صورتیں ہیں، اور میں نے اُنھیں تین کتابوں میں منقسم کردیا ہے، مقدمۂ تفسیر، تفسیر البیان، اور ترجمان القرآن۔ مقدمۂ تفسیر، قرآن کے مقاصد و مطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور کوشش کیگئی ہے کہ مطالبِ قرآنی کے جامع و کلیات مدون ہو جائیں۔ تفسیر البیان نظر و مطالعہ کے لئے ہے، اور ترجمان القرآن قرآن کی عالمگیر تعلیم و اشاعت کے لئے۔

آخری کتاب سب سے پہلے شائع کیجاتی ہے، کیونکہ اپنے مقصد و نوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، اور فی الحقیقت تفسیر و مقدمہ کے لئے بھی اصلی بنیاد وہی ہے۔

اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کے لئے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے

جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں، لیکن وہ سب کچھ ہو، جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کیلئے ضروری ہے۔ اس غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ اہل نظر اُس کی موزونیت بہ یک نظر محسوس کر لیں گے۔ پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اُردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔ اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جو سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لئے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں، اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں، مقاصد و وجوہ سے پردے اُٹھاتے ہیں، دلائل و شواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام و نواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں، زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔ یہ گویا قاری قرآن کے لئے تفکّر و تدبّر کی روشنی ہے، جو بحکم نورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم (۱۲:۵۷) اسکے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اور کہیں بھی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتی!

ترجمہ و تفسیر کی معنوی مشکلات کی طرح اُس کی صوری مشکلات بھی تھیں، اور اس راہ کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ اُنھیں حل کیا جائے۔ ان مشکلات کی شرح بھی طولانی ہے۔ ترجمان القرآن کے خاتمہ میں قرآن کے فارسی، اُردو اور یورپ کے تراجم پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اُس سے اندازہ کیا جا سکے گا کہ اس مرحلہ کی مشکلات کیا کیا تھیں، اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آجتک قرآن کے تراجم میں وضاحت اور دلنشینی پیدا نہ ہو سکی۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطلب سمجھ لینے کے لئے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔ میں نے تجربے کے لئے سورۂ بقرہ کا مجرّد ترجمہ ایک چودہ پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اُردو کی آسان کتابیں روانی کے ساتھ پڑھ لیتا ہے، پھر ہر موقع پر سوالات کرکے جانچا۔ جہانتک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا، اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، اور ابھی اُسکی استعداد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اُردو کے تعلیمی رسائل بہ آسانی پڑھ لیتا ہے۔ یہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا لیکن مطلب سمجھنے میں اسے کوئی رُکاوٹ پیش نہ آئی۔ میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتاً زیادہ سہل الفاظ رکھدیے۔

نوٹس کی ترتیب کا معاملہ نفس ترجمہ سے کم مشکل نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لئے ایک محدود مقدار سے زیادہ جگہ نکل نہیں سکتی تھی، اور نوٹ، نوٹ نہ رہتے اگر ایک خاص مقدار سے کمیّت یا تعداد میں زیادہ ہو جاتے۔ لیکن ساتھ ہی ضروری تھا کہ کوئی ضروری مقام تشنہ نہ رہجائے، اور مقاصد و مطالب قرآنی کی تمام مہمات واضح ہو جائیں۔ پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا کہ لفظ کم سے کم ہوں، لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمٹ لئے گئے ہیں جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے، وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ اُن کے

ہر لفظ اور ہر جملہ پر جسقدر غور کیا جائیگا، مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت عدۃ طلاق پر ایک نوٹ ہے "طلاق کی عدّت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے نکاح کی اہمیت، نسب کے تحفّظ، اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کردیا گیا" (۲۵۳) یہ نہایت مختصر جملہ ہے لیکن اسی میں عدتِ طلاق کے تعین کی وہ تینوں مصلحتیں واضح کردی ہیں، جن میں سے ہر مصلحت کی بحث تفسیر کے ایک پورے صفحہ میں مشکل آتی۔ نکاح کی اہمیت چاہتی تھی کہ یہ رشتہ ایسا بنکر نہ رہجائے، کہ ادھر ختم ہوا اور ادھر از سرنو شروع ہوگیا۔ ہر دو رشتوں کے درمیان کچھ نہ کچھ فصل اور انتظار کی حالت ضرور ہونی چاہیئے۔ نسب کا تحفظ بھی چاہتا تھا کہ اتنا وقفہ ضرور گزر جائے کہ حمل کا شبہ باقی نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی رعایت بھی ضروری تھی کہ عورت کے نکاح ثانی کے حقوق میں بیجا دست اندازی نہ ہو۔ پس قرآن نے ایک ایسی مدت ٹھہرادی جس سے ایک طرف تو پہلی اور دوسری مصلحت پوری ہوگئی، دوسری طرف تیسری مصلحت میں بھی خلل نہیں پڑا۔ کیونکہ ابتدائی دو مصلحتوں کے لئے کم سے کم مدّت ہے جو قرار دی گئی ہے۔ یہ تمام تشریحات نوٹ میں نہیں آسکتی تھیں، اور نہیں آئی ہیں لیکن اصل مطلب پورا پورا آگیا ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ مطالعہ کے وقت غور و فکر کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

تفسیر البیان

تفسیر البیان کے لئے پچھلی ترتیب میں نے اب ترک کردی ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں، مسلسل تفسیر کا قدیم طریقہ موجودہ زمانے میں عام مطالعہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ایک غیر مرتب و غیر منقسم سلسلہ کی غیر معمولی درازی، اکثر طبائع پر شاق گزرتی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں، تفسیر اس صورت میں مرتب ہوجائے کہ اسی ترجمان القرآن کے ہر ترجمۂ سورت پر ایک مقدمہ یا دیباچہ کا اضافہ کردیا جائے۔ ترجمہ کی وضاحت پہلے سے موجود ہے۔ نوٹوں کی تشریحات جابجا روشنی ڈال ہی رہی ہیں۔ ضرورت صرف ایک مزید درجۂ بحث و نظر کی ہے، وہ ہر سورت کے دیباچہ سے پوری ہوجائے گی، اور بحیثیتِ مجموعی تفسیر کے مطالب اس طرح مرتب اور منقسم رہیں گے کہ ایک مسلسل تفسیر کا انتشار مطالب محسوس نہیں ہوگا۔

ترجمان القرآن کو میں نے دو متوسط جلدوں سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا ہے۔ البیان کے دیباچوں کے اضافہ کے بعد زیادہ سے زیادہ، چار جلدیں ہوجائیں گی، لیکن ان چار جلدوں میں وہ سب کچھ آجائے گا جو ترتیبِ قدیم میں مثلاً دس گیارہ جلدوں کی ضخامت میں بھی نہ آتا۔

تفسیر کا جسقدر قدیم مسودہ بچ رہا ہے، دوستوں کا اصرار ہے کہ اسے بھی ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع کردیا جائے۔

جونہی ترجمان القرآن سے میں فارغ ہوا، سورتوں کے دیباچوں کی ترتیب پر متوجہ ہوگیا۔ ساتھ ہی مقدمۂ تفسیر کی ترتیب بھی جاری ہے۔

تفسیر سورۂ فاتحہ

پہلی جلد کے ابتدا میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا ملخص بھی شامل کر دیا گیا ہے، کیونکہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر، ترجمۂ قرآن کے لئے اُس کا قدرتی مقدمہ تھی، اور ضروری تھا کہ کم از کم یہ مقدمہ تلاوت ترجمہ سے پہلے ذہن نشین ہو جائے۔

البتہ یہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ اس میں مباحث کے پھیلاؤ سمیٹ دیے ہیں، تفصیلات کو جا بجا مختصر کر دیا ہے۔ تمہید و توطیہ کی قسم کی تمام چیزیں نکال دی ہیں، لیکن نفس مطالب میں بجز ایک مقام کے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یہ مقام صفات الٰہی کے تصوّر کے مباحث کا ہے۔ اس میں ایک بڑا حصہ صفات الٰہی کے اُن مباحث کا تھا جن کا تعلق زیادہ تر فلسفۂ کلام کے قدیم مذاہب و مقالات سے ہے۔ نیز فرداً فرداً اُن تمام صفات پر نظر ڈالی گئی تھی جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چونکہ یہ حصہ عام مطالعہ اور دلچسپی کا نہ تھا، اس لئے ترجمان القرآن میں اس کی موجودگی ضرورت سے زیادہ محسوس ہوئی، اور اسے الگ کر دیا گیا۔

اصل تفسیر کی ضخامت اس خلاصہ سے ڈیوڑھی سمجھنی چاہیے۔ تفسیر البیان میں وہ سورۂ فاتحہ کا دیباچہ ہوگی، اور اپنی تفصیلی شکل میں آجائے گی۔

آخر میں چند الفاظ اس پورے سلسلۂ ترجمہ و تفسیر کی نسبت کہدینا ضروری ہیں۔ کامل ستائیس[2] برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اُس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں، اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے، اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آجکل قدیم و جدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں، لیکن میرے لئے یہ تقسیمیں بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے، وہ مجھے ورثہ میں ملا، اور جو کچھ جدید ہے اُس کے لئے اپنی راہیں آپ نکال لیں۔ میرے لئے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں کے چپہ چپہ کا شناسا ہوں:

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں
مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک!

خاندان، تعلیم، اور سوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالے کیا تھا، میں نے اوّل دن ہی اُس پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا، اور تقلید کی بندشیں کسی گوشہ میں بھی روک نہ ہو سکیں، اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا:

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم!

میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں، اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو۔ میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں اور تریاق کے نسخے بھی ہر دارالشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں اور جب سیراب ہوا، تو میری سیرابی کا چشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا:

راہے کہ خضر داشت، ز سرچشمہ دور بود

لب تشنگی ز راہِ دگر بردہ ایم ما!

اس تمام عرصے کی جستجو و طلب کے بعد قرآن کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ سکا ہوں، میں نے ان تین کتابوں کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے: ترجمان القرآن، البیان، مقدمۂ تفسیر:

سبک زجائے نگیری، کہ بس گراں گہرست

متاعِ من کہ نصیبش مباد ارزانی!

میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی وسعادت کے لیے سرچشمۂ حیات حقیقت قرآنی کا انبعاث ہے، اور میں نے کوشش کی ہے کہ اُس کے فہم و بصیرت کا دروازہ اُن پر کھل جائے۔ میں ترجمان القرآن شائع کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ میرا فرض تھا، توفیق الٰہی کی دستیاری سے میں نے ادا کر دیا۔ اب اس کے بعد جو کچھ ہے وہ مسلمانوں کا فرض ہے، اور یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ اُنھیں ادائے فرض کی توفیق دے:

حدیثِ عشق و سرمستی زمن بشنو، نہ از واعظ

کہ با جام و سبو ہر شب قرینِ ماہ و پروینم!

ماکان حدیثاً یفتریٰ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ، وتفصیل کل شیٍٔ، وھدیً ورحمۃً لقوم یؤمنون! (۱۲: ۱۱۱)

۱۶ر نومبر ۱۹۳۰ء

ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ

ابوالکلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فاتحہ

(۱) سورت کی اہمیت اور خصوصیات

یہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اس لئے فاتحۃ الکتاب کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ جو بات سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے، قدرتی طور پر پہلی اور نمایاں جگہ پاتی ہے۔ یہ سورت قرآن کی تمام سورتوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی تھی، اسلئے قدرتی طور پر اس کی موزوں جگہ قرآن کے پہلے صفحہ ہی میں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ خود قرآن نے اس کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے جس سے اسکی اہمیت کا پتہ چلتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (۱۵: ۸۷)	اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تمھیں سات دُہرائی جانے والی چیز عطا فرمائی ہے اور قرآن عظیم۔

احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس آیت میں "سات دُہرائی جانے والی چیز" سے مقصود یہی سورت ہے، کیونکہ یہ سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نمازمیں دُہرائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو سبع المثانی بھی کہتے ہیں[1]۔

---

[1] امام بخاری اور اصحاب سنن نے ابوسعید بن المعلّٰی سے روایت کی ہے: الحمد للہ رب العالمین، ھی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیتہ۔ اور امام مالک، ترمذی، اور حاکم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت (صلعم) نے ابی ابن کعبؓ کو سورۂ فاتحہ تلقین کی اور یہی الفاظ فرمائے۔ اسی طرح طبری نے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعود وغیرہم سے روایت کی ہے کہ السبع المثانی فاتحۃ الکتاب۔ ابن مسعودؓ کی اسناد منقطع ہے لیکن ابن عباسؓ کی اسناد حسن ہے۔ ابوالعالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اسکے علاوہ ائمہ تابعین کی ایک بڑی جماعت اسی طرف گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تمام روایات جمع کردی ہیں (شرح کتاب التفسیر جلد ۸ صفحہ ۱۲۰۔ طبع اول)

احادیث و آثار میں اسکے دوسرے نام بھی آئے ہیں جن سے اسکی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے مثلاً اُم القرآن، الکافیہ، الکنز، اساس القرآن۔ عربی میں اُم کا اطلاق تمام ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو ایک طرح کی جامعیت رکھتی ہوں، یا بہت سی چیزوں میں مقدم اور نمایاں ہوں، یا پھر کوئی ایسی اوپر کی چیز ہو جسکے نیچے اُسکے توابع رہتے ہوں۔ چنانچہ سر کے درمیانی حصہ کو اُم الراس کہتے ہیں کیونکہ وہ دماغ کا مرکز ہے۔ فوج کے جھنڈے کو اُم کہتے ہیں کیونکہ تمام فوج اُسی کے نیچے جمع ہوتی ہے۔ مکہ کو اُم القریٰ کہتے تھے کیونکہ خانۂ کعبہ اور حج کی وجہ سے عرب کی تمام آبادیوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی۔ پس اس سورت کو اُم القرآن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی سورت ہے جس میں مطالب قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہے، یا جو قرآن کی تمام سورتوں میں اپنی نمایاں اور مقدم جگہ رکھتی ہے۔ اساس القرآن کے معنی ہیں قرآن کی بنیاد۔ الکافیہ کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہو۔ الکنز خزانہ کو کہتے ہیں۔

علاوہ بریں ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے یہ اوصاف عہدِ نبوت میں عام طور پر مشہور تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُبیّ بن کعب کو یہ سورت تلقین کی اور فرمایا "اسکے مثل کوئی سورت نہیں"۔[1] ایک دوسری روایت میں اسے "سب سے بڑی سورت" اور "سب سے بہتر سورت" بھی فرمایا ہے۔[2]

سورۂ فاتحہ میں دین حق اور خدا پرستی کے تمام مقاصد کا خلاصہ موجود ہے۔

چنانچہ اس سورت کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن کے بقیہ حصہ میں اجمال اور تفصیل کا سا تعلق پیدا ہو گیا ہے، یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں، سورۂ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے۔ اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے۔ صرف اس سورت کے مطالب ذہن نشین کر لے۔ جب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کر لے گا، اور یہی قرآن کی تمام تفصیلات کا ماحصل ہے!

علاوہ بریں جب اس پہلو پر غور کیا جائے کہ سورت کا پیرایہ دعائیہ ہے اور اسے روزانہ عبادت کا ایک لازمی جزء قرار دیا گیا ہے، تو اسکی یہ خصوصیت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اور واضح ہو جاتا ہے

[1] صحیح بخاری، موطا، ابو داؤد، ابن ماجہ، اور مسند میں بہ اختلافِ الفاظ اس مضمون کی روایات موجود ہیں ۱۲

[2] ابو سعید بن معلّی کی روایت میں جس کی تخریج پچھلے حاشیہ میں گزر چکی ہے، اسے اعظم سورۃ فی القرآن فرمایا ہے اور مسند کی روایت ابن جابر میں اخیر کا لفظ ہے ۱۲

کہ اس اجمال و تفصیل میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ تھی۔ مقصود یہ تھا کہ قرآن کے مفصل بیانات کا ایک مختصر اور سیدھا سادہ خلاصہ بھی ہو جسے ہر انسان بہ آسانی ذہن نشین کرلے، اور پھر ہمیشہ اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں دُہراتا رہے۔ یہ اُسکی دینی زندگی کا دستور العمل، خدا پرستی کے عقائد کا خلاصہ اور روحانی تصورات کا نصب العین ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس سورت کا ذکر کرتے ہوئے سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ کہکر اسکی خصوصیت کی طرف اشارہ کردیا۔ یعنی ہمیشہ دُہرائے جانے اور ورد رکھنے ہی میں اسکے نزول کی حکمت پوشیدہ ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی نادان اور اَن پڑھ ہو، لیکن ان چار سطروں کا یاد کرلینا اور اُن کا سیدھا سادہ مطلب سمجھ لینا، اسکے لیئے کچھ دشوار نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے کچھ نہ پڑھ سکا، جب بھی اُس نے دین حق کا بنیادی سبق حاصل کرلیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان کیلئے اِس سورت کا سیکھنا اور پڑھنا ناگزیر ہوا، اور نماز کی دعا اسکے سوا کوئی نہ ہو سکی، اور اسی لیئے صحابۂ کرام اسے سورۃ الصلوٰۃ کے نام سے پکارتے تھے۔ یعنی وہ سورت جو نماز کی خاص سورت ہے۔ ایک انسان اس سے زیادہ قرآن میں سے جس قدر پڑھے اور سیکھے، مزید معرفت و بصیرت کا ذریعہ ہوگا، لیکن اس سے کم کوئی چیز نہیں ہو سکتی!

دینِ حق کا تمام تر ماحصل کیا ہے؟ جس قدر غور کیا جائے گا اِن چار باتوں سے باہر کوئی بات دکھائی نہ دے گی:

(۱) خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور، اسلیئے کہ انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں، صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں۔

(۲) قانونِ مجازات کا اعتقاد۔ یعنی جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک خاصہ اور قدرتی تاثیر ہے اُسی طرح انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص اور نتائج ہیں۔ نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے۔ بُرے کا بُرائی۔

(۳) معاد کا یقین۔ یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ اسکے بعد بھی زندگی ہے، اور جزاء و سزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

(۴) فلاح و سعادت کی راہ اور اُسکی پہچان۔

اب غور کرو کہ ان باتوں کا خلاصہ اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے؟ ایک طرف زیادہ سے زیادہ مختصر، حتیٰ کہ گنے ہوئے الفاظ ہیں، دوسری طرف ایسے نپے تلے الفاظ ہیں کہ اُنکے معانی سے پوری وضاحت اور دلنشینی پیدا ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی نہایت سیدھا سادہ بیان ہے۔ کسی طرح کا پیچ خم نہیں۔ کسی طرح کا الجھاؤ نہیں۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا میں جو چیز جتنی زیادہ حقیقت سے قریب ہوتی ہے، اُتنی ہی زیادہ سہل اور دلنشین بھی ہوتی ہے، اور خود فطرت کا یہ حال ہو کہ کسی گوشہ میں بھی اُلجھی ہوئی نہیں ہو، اُلجھاؤ اور اشکال جسقدر بھی پیدا ہوتا ہے، بناوٹ اور تکلف سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جو بات سچی اور حقیقی ہوگی ضروری ہے کہ سیدھی سادی اور دلنشین بھی ہو۔ دلنشینی کی انتہا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ایسی بات تمہارے سامنے آجائے، تو ذہن کو کسی طرح کی اجنبیت محسوس نہ ہو، اور اس طرح قبول کرلے، گویا پیشتر سے سمجھی بوجھی ہوئی بات تھی۔ اردو کے ایک شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

اب غور کرو، جہاں تک انسان کی خداپرستی اور خداپرستی کے تصورات کا تعلق ہے، اِس سے زیادہ سیدھی سادی باتیں اور کیا ہوسکتی ہیں جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، اور پھر اس سے زیادہ سہل اور دلنشیں اسلوب بیان کیا ہوسکتا ہے؟ سات چھوٹے چھوٹے بول ہیں۔ ہر بول چار پانچ لفظوں سے زیادہ نہیں، اور ہر لفظ صاف اور دلنشین معانی کا نگینہ ہے جو اس انگوٹھی میں جڑ دیا گیا ہے۔ اللہ کو مخاطب کرکے اُن صفتوں سے پکارا گیا ہے جن کا جلوہ شب و روز انسان کے مشاہدہ میں آتا ہے، اگرچہ اپنی جہالت و غفلت سے وہ اُن میں غور و تفکر نہیں کرتا۔ پھر اسکی بندگی کا اقرار ہے، اسکی مددگاری کا اعتراف ہے، اور زندگی کی لغزشوں سے بچکر سیدھی راہ لگ چلنے کی طلبگاری ہے۔ کوئی مشکل خیال نہیں، کوئی انوکھی بات نہیں، کوئی عجیب و غریب راز نہیں۔ اب کہ ہم بار بار یہ سورت پڑھتے اور دُہراتے رہتے ہیں، اور صدیوں سے اسکے مطالب نوع انسانی کے سامنے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا ہمارے دینی تصورات کی یہ ایک بہت ہی معمولی سی بات ہو، لیکن یہی معمولی بات جس وقت تک دُنیا کے سامنے نہیں آئی تھی، اس سے زیادہ کوئی غیر معلوم اور ناقابل حل بات بھی نہ تھی۔ دنیا میں حقیقت اور سچائی کی ہر بات کا یہی حال ہے۔ جب تک وہ سامنے نہیں آتی، اُس سے زیادہ مشکل بات کوئی نہیں ہوتی۔ جب سامنے آجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے، اس سے زیادہ صاف اور سہل بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ عرفی نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے:

ہر کس نشناسندۂ راز ست، وگرنہ
اینہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست!

خداپرستی انسانی فطرت کا خمیر ہے، اسلئے خداپرستی کی کوئی سچی بات انسان کے لیئے انوکھی بات ہو ہی

نہیں سکتی۔ اُسکی فطرت کیلئے سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی بات یہی ہے کہ خالق کائنات کا اقرار کرے
پس سورۂ فاتحہ کی ندرت محض اُسکے معانی میں نہیں بلکہ معانی کی تعبیر میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔ خدا پرستی کا
جوش انسان میں پہلے بھی موجود تھا۔ اُسکی ربوبیت اور رحمت کے جلوے کبھی اُسکی آنکھوں سے اوجھل نہیں
ہوئے۔ جزا و سزا کا اعتقاد سمندروں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ پرانا ہے۔ ٹیڑھے راستے سے بچنے اور
سیدھی راہ چلنے کی طلب نہ صرف انسان میں بلکہ کیڑوں مکوڑوں تک میں موجود ہے۔ انسان اپنی معیشت
کے کسی عہد میں بھی اس درجہ مسخ نہیں ہوا کہ ان وجدانی تصورات سے اس کا ذہن خالی ہو گیا ہو۔ لیکن
اُسکی ساری محرومی یہ تھی کہ اپنے وجدان کی ٹھیک ٹھیک تعبیر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خدا کی ربوبیت محسوس
کر رہا تھا لیکن اُسے رب کہکر پکارنا نہیں جانتا تھا۔ اُسکی رحمت کے جلوے ہر آن اُسکے سامنے تھے لیکن
وہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے دل کا احساس کیونکر لفظوں اور ناموں میں ادا کرے۔ جزا اور سزا اُسکے دل کے
ایک ایک ریشے کا اعتقاد تھا، لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسکی صحیح تعبیر کیا ہے؟ ہدایت کی طلب اور گمراہی سے
گریز تو عقل حیوانی کا فطری تقاضہ ہے، لیکن انسان کی ساری درماندگی یہ تھی کہ اس بات کی زیادہ سے زیادہ
طلب رکھنے پر بھی، طلبگاری کی راہ سے آشنا نہ تھا!

دنیا میں جب کبھی وحی الٰہی کی ہدایت نمودار ہوئی ہے تو اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ انسان کو نئی نئی
باتیں سکھلا دی ہوں کیونکہ خداپرستی کے بارے میں کوئی انوکھی بات سکھلائی ہی نہیں جا سکتی۔ اُس کا کام
صرف یہ رہا ہے کہ انسان کے وجدانی عقائد کو علم و اعتراف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتلا دے، اور یہی سورۂ
فاتحہ کی خصوصیت ہے۔ اس سورت نے نوع انسانی کے وجدانی تصورات ایک ایسی تعبیر سے سنوار دیے
کہ ہر عقیدہ، ہر فکر، ہر جذبہ، اپنی حقیقی شکل و نوعیت میں نمودار ہو گیا، اور چونکہ یہ تعبیر حقیقت حال کی سچی
تعبیر ہے، اسلیے جب کبھی ایک انسان راست بازی کے ساتھ اس پر غور کرے گا، بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ
اس کا ہر بول اور ہر لفظ اُسکے دل و دماغ کی قدرتی آواز ہے!

پھر دیکھو، اگرچہ اپنی نوعیت میں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک خداپرست انسان کی سیدھی
سادی دعا ہے، لیکن کس طرح اُسکے ہر لفظ اور ہر اسلوب سے دین حق کا کوئی نہ کوئی اہم مقصد واضح ہو گیا ہے
اور کس طرح اُسکے الفاظ نہایت اہم معانی و دقائق کی نگرانی کر رہے ہیں؟

(۱) خدا کے تصور کے بارے میں انسان کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ اس تصور کو محبت کی جگہ خوف و
دہشت کی چیز بنا لیا تھا۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا، لیکن اُس سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سورۂ
فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ نے اس بنیادی گمراہی کا ازالہ کر دیا!

اُس کی ابتدا حمد کے اعتراف سے ہوئی ہے۔ حمد ثنارِ جمیل کو کہتے ہیں۔ یعنی اچھی صفتوں کی تعریف کرنے کو۔ ثنارِ جمیل اُسی کی کی جا سکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو۔ پس حمد کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہو سکتا۔ جو ذات محمود ہو گی، وہ خوفناک نہیں ہو سکتی۔

پھر حمد کے بعد صفاتِ الٰہی میں سے ربوبیت اور رحمت کا ذکر کیا ہے، اور اس طرح نوعِ انسانی کی اس عالمگیر غلطی کا ازالہ کر دیا ہے کہ خدا کو صرف اُسکی صفاتِ قہر و جلال ہی میں دیکھتی تھی۔ اُسکی رحمت و جمال کی تماشائی نہ تھی۔ اس اسلوبِ بیان نے واضح کر دیا کہ خدا کا صحیح تصور وہی ہو سکتا ہے جو سرتاسر حسن و جمال اور رحمت و محبت کا تصور ہو!

(۲) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں خدا کی عالمگیر اور بے تخصیص و امتیاز ربوبیت کا اعتراف ہے جو ہر فرد، ہر جماعت، ہر قوم، ہر ملک، ہر گوشۂ وجود کے لیئے ہے، اور اس لیئے یہ اعتراف ان تمام تنگ نظریوں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو دنیا کی مختلف قوموں اور نسلوں میں پیدا ہو گئی تھی، اور ہر قوم اپنی جگہ سمجھنے لگی تھی کہ خدا کی برکتیں اور سعادتیں صرف اُسی کے لیئے ہیں۔ دنیا کی کسی دوسری قوم کا اس میں حصہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں "الدِّین" کا لفظ جزاء و سزا کے قانون کا اعتراف ہے، اور جزاء و سزا کو "دِین" کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جزاء و سزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج و خواص ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب و انتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو، کیونکہ "الدِّین" کے معنی بدلہ اور مکافات کے ہیں۔

(۴) ربوبیت اور رحمت کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے وصف نے یہ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ اگر کائناتِ ہستی میں صفاتِ رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں، تو یہ اسلیئے نہیں ہے کہ پروردگارِ عالم میں غضب و انتقام ہے، بلکہ اسلیئے ہے کہ وہ عادل ہے، اور اسکی حکمت نے ہر چیز کے لیئے اس کا ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافیِ رحمت نہیں ہے بلکہ عین رحمت ہے!

(۵) عبادت کیلیئے یہ نہیں کہا کہ نعبدک، بلکہ کہا اِيَّاكَ نَعْبُدُ۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ "تیری عبادت کرتے ہیں"۔ بلکہ حصر کے ساتھ کہا "صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں"۔ اور پھر اسکے ساتھ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہکر استعانت کا بھی ذکر کر دیا۔ اس اسلوبِ بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیئے، اور شرک کی ساری راہیں بند ہو گئیں!

(۶) سعادت و فلاح کی راہ کو صِرَاطَ مُسْتَقِيْم یعنی سیدھی راہ سے تعبیر کیا، جس سے زیادہ بہتر اور قدرتی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی نہیں جو سیدھی راہ اور ٹیڑھی راہ میں امتیاز نہ رکھتا ہو، اور

پہلی راہ کا خواہشمند نہ ہو۔

(۷) پھر اُسکے لیئے ایک ایسی سیدھی سادی اور جانی بوجھی ہوئی شناخت بتلادی جس کا وجدان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے، اور جو محض ذہنی تعریف ہونے کی جگہ ایک موجود و مشہود حقیقت نمایاں کر دیتی ہے۔ یعنی وہ راہ جو فیض یاب اور سعادت اندوز انسانوں کی راہ ہے۔ کوئی ملک، کوئی قوم کوئی زمانہ، کوئی فرد ہو، لیکن انسان ہمیشہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ زندگی و معیشت کی دو راہیں یہاں موجود ہیں۔ ایک راہ کامیاب انسانوں کی راہ ہے، ایک ناکام اور گم کردہ راہ انسانوں کی۔ پس ایک واضح اور آشکارا بات کیلئے سب سے بہتر علامت یہی ہو سکتی ہے کہ اُسکی طرف انگلی اٹھادی جائے۔ اِس سے زیادہ کچھ کہنا، ایک معلوم بات کو مجہول بنا دینا تھا!

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اِس سورت کیلئے دعا کا پیرایہ اختیار کیا گیا۔ کیونکہ اگر تعلیم و امر کا پیرایہ اختیار کیا جاتا تو اسکی نوعیت کی ساری تاثیر جاتی رہتی۔ دعائیہ اسلوب ہمیں بتلاتا ہے کہ ہر راست باز انسان کی جو خدا پرستی کی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے، صدائے حال کیا ہوتی ہے، اور کیا ہونی چاہیئے؟ یہ گویا خدا پرستی کے فکر و وجدان کا سرجوش ہے جو ایک طالب صادق کی زبان پر بے اختیار اُبل پڑتا ہے!

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حمد | عربی میں حمد کے معنی ثنا جمیل کے ہیں۔ یعنی اچھی صفتیں بیان کرنے کے۔ اگر کسی کی بُری صفتیں بیان کی جائیں تو یہ حمد نہ ہوگی۔ حمد پر الف لام ہے۔ یہ استغراق کے لیئے بھی ہو سکتا ہے، جنس کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے معنی یہ ہوئے کہ حمد و ثنا میں سے جو کچھ اور جیسا کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ سب اللہ کیلئے ہے۔ کیونکہ خوبیوں اور کمالوں میں سے جو کچھ بھی ہے، سب اُسی سے ہے اور اُسی میں ہے۔ اور اگر حُسن موجود ہے تو نگاہِ عشق کیوں نہ ہو، اور اگر محبوبیت جلوہ افروز ہے تو زبانِ حمد و ستائش کیوں خاموش رہے؟

آئینۂ ما روئے ترا عکس پذیر است
گر تو نہ نمائی گنہ از جانب ما نیست

حمد سے سورت کی ابتدا کیوں کی گئی؟ اسلیئے کہ معرفتِ الٰہی کی راہ میں انسان کا پہلا تاثر یہی ہے۔ یعنی جب کبھی ایک صادق انسان اس راہ میں قدم اُٹھائے گا، تو سب سے پہلی حالت جو اُسکے فکر و وجدان پر طاری ہوگی، وہ قدرتی طور پر وہی ہوگی جسے یہاں تحمید و ستائش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان

کیلئے معرفتِ حق کی راہ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، صرف ایک ہی راہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کائناتِ خلقت میں تفکر و تدبر کرے۔ مصنوعات کا مطالعہ اُسے صانع تک پہنچا دے گا: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳: ۱۸۸) اب فرض کرو، ایک طالب صادق اس راہ میں قدم اُٹھاتا ہے اور کائنات خلقت کے مظاہر آثار کا مطالعہ کرتا ہے، تو سب سے پہلا اثر جو اُسکے دل و دماغ پر طاری ہوگا، وہ کیا ہوگا؟ وہ دیکھے گا کہ خود اس کا وجود اور اُسکے وجود سے باہر کی ہر چیز ایک صانع حکیم اور مدبر و قدیر کی کارفرمائیوں کی جلوہ گاہ ہے، اور اُسکی ربوبیت اور رحمت کا ہاتھ ایک ایک ذرہ خلقت میں صاف نظر آرہا ہے۔ پس قدرتی طور پر اُسکی روح جوشِ ستائش اور محویت جمال سے معمور ہو جائیگی اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے گا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ! ساری حمد و ستائش اُس ذات کیلئے ہے جو اپنی کارفرمائی کے ہر گوشہ میں سرچشمۂ رحمت و فیضان اور منبعِ حُسن و کمال ہے!

اِس راہ میں فکرِ انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ اُسکی نظریں مصنوعات کے جلوؤں میں محو ہو کر رہجاتیں۔ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ وہ پردوں کے نقش و نگار دیکھکر بے خود ہوجاتا مگر اُسکی جستجو نہیں کرتا جس نے اپنے جمالِ صنعت پر یہ دل آویز پردے ڈال رکھے ہیں۔ دنیا میں مظاہرِ فطرت کی پرستش کی بنیاد اسی کوتاہ نظری سے پڑی۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا اعتراف اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ کائناتِ ہستی کا تمام فیضانِ جمال خواہ کسی گوشہ اور کسی شکل میں ہو، صرف ایک صانعِ حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے، اسلیئے حُسن و جمال کے لیئے جتنی بھی شیفتگی ہوگی، خوبی و کمال کے لیئے جتنی بھی مدحت طرازی ہوگی، بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہوگا، مصنوع و مخلوق کیلئے نہیں ہوگا۔ صانع و خالق ہی کے لیئے ہوگا:

عبارا تنا شتّٰی وحُسنک واحد
وکلٌّ الٰی ذاک الجمال یشیر!

اللّٰہ نزولِ قرآن سے پہلے عربی میں اللّٰہ کا لفظ خدا کیلئے بطورِ اسمِ ذات کے مستعمل تھا، جیسا کہ شعراءِ جاہلیۃ کے کلام سے ظاہر ہے۔ یعنی خدا کی تمام صفتیں اسکی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ کسی خاص صفت کیلئے نہیں بولا جاتا تھا۔ قرآن نے بھی یہی لفظ بطورِ اسمِ ذات کے اختیار کیا اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی:

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا (۷: ۱۷۹)	اور اللہ کے لیئے حسن و خوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) پس چاہیئے کہ اُن صفتوں کے ساتھ اُسے پکارو!

کیا قرآن نے یہ لفظ محض اسلیئے اختیار کیا کہ لغت کی مطابقت کا مقتضا یہی تھا، یا اس سے بھی زیادہ کوئی معنوی موزونیت اس میں پوشیدہ ہے؟

جب ہم اس لفظ کی معنوی دلالۃ پر غور کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس غرض کیلئے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

نوع انسانی کے ذہنی تصوّرات کا سب سے زیادہ قدیم عہد جو تاریخ کی روشنی میں آیا ہے، مظاہر فطرت کی پرستش کا عہد ہے۔ اسی پرستش نے بہ تدریج اصنام پرستی کی صورت اختیار کی۔ اصنام پرستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف زبانوں میں بہت سے الفاظ دیوتاؤں کیلئے پیدا ہوگئے، اور جوں جوں پرستش کی نوعیت میں وسعت ہوتی گئی، الفاظ کا تنوّع بھی بڑھتا گیا۔ لیکن چونکہ یہ بات انسان کی فطرت کے خلاف تھی کہ ایک ایسی ہستی کے تصور سے خالی الذہن رہے جو سب سے اعلیٰ اور سب کی پیدا کرنے والی ہستی ہے، اس لیئے دیوتاؤں کی پرستش کے ساتھ ایک سب سے بڑی اور سب پر حکمران ہستی کا تصور بھی کم و بیش ہمیشہ موجود رہا، اور اس لیئے جہاں بے شمار الفاظ دیوتاؤں اور اُنکی معبودانہ صفتوں کیلئے پیدا ہوگئے، وہاں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا بھی ضرور مستعمل رہا، جس کے ذریعہ اُس اَن دیکھی اور اعلیٰ ترین ہستی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔

چنانچہ سامی زبانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف اصوات کی ایک خاص ترکیب ہے جو معبودیت کے معنی میں مستعمل رہی ہے، اور عبرانی، سریانی، حمیری، عربی، وغیرہ تمام زبانوں میں اُس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے۔ یہ الف، لام اور ہ کا مادّہ ہے، اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے۔ کلدانی و سریانی کا "اُلٰھیا" عبرانی کا "الوہ" اور عربی کا "اِلٰہ" اِسی سے ہے، اور بلاشبہ یہی "اِلٰہ" ہے جو حرف تعریف کے اضافہ کے بعد اللّٰہ ہوگیا ہے، اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کے لیۓ مخصوص کردیا ہے۔

لیکن اگر اللّٰہ "اِلٰہ" سے ہے، تو "اِلٰہ" کے معنی کیا ہیں؟ علماء لغت و اشتقاق کے مختلف اقوال ہیں مگر سب سے زیادہ قوی قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اصل "اَلَہ" ہے، اور "اَلَہ" کے معنی تحیّر اور درماندگی کے ہیں۔ بعضوں نے اسے "وَلَہ" سے ماخوذ بتلایا ہے اور اسکے معنی بھی یہی ہیں۔ پس خالق کائنات کے لیئے یہ لفظ اسلیئے اسم قرار پایا کہ اس بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے، وہ عقل کے تحیّر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ جس قدر بھی اُس ذات مطلق کی ہستی میں غور و خوض کریگا، اسکی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ معلوم کرلیگا، اس راہ کی ابتدا بھی عجز و حیرت سے ہوتی ہے، اور انتہا بھی عجز و حیرت ہی ہے!

اے بروں از وہم و قال و قیل من   خاک بر فرق من و تمثیل من!

اب غور کرو، خدا کی ذات کے لیے انسان کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں میں، اس سے زیادہ موزوں لفظ اور کونسا ہو سکتا ہے؟ اگر خدا کو اُسکی صفتوں میں پکارنا ہے، تو بلاشبہ اسکی صفتیں بے شمار ہیں، لیکن اگر صفات سے الگ ہو کر اُسکی ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے تو وہ اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ایک متحیر کر دینے والی ذات ہے، اور جو کچھ اسکی نسبت کہا جا سکتا ہے، وہ عجز و درماندگی کے سوا کچھ نہیں ہے؟ فرض کرو، نوع انسانی نے اس وقت تک خدا کی ہستی یا خلقتِ کائنات کی اصلیت کے بارے میں جو کچھ سوچا اور سمجھا ہے وہ سب کچھ سامنے رکھکر ہم ایک موزوں سے موزوں لفظ تجویز کرنا چاہیں تو وہ کیا ہوگا؟ کیا اس سے زیادہ اور اس سے بہتر کوئی بات کہی جا سکتی ہے؟

یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس راہ میں عرفان و بصیرت کی کوئی بڑی سے بڑی بات کہی گئی تو وہ یہی تھی کہ زیادہ سے زیادہ خود رفتگیوں کا اعتراف کیا گیا، اور ادراک کا منتہی مرتبہ ہمیشہ یہی قرار پایا کہ ادراک کی نارسائی کا ادراک حاصل ہو جائے۔ عرفاء کے دل و زبان کی صدا ہمیشہ یہی رہی کہ رب زدنی فیک تحیرًا![^۵]

زدنی بفرط الحب فیک تحیرًا
وارحم حشا بلظی ھواک تسعرًا!

اور حکماء کی حکمت و دانش کا بھی فیصلہ ہمیشہ یہی ہوا:

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد!

چونکہ یہ اسم خدا کیلئے بطور اسم ذات کے استعمال میں آیا، اسلیئے قدرتی طور پر اُن تمام صفتوں پر حاوی ہو گیا جن کا خدا کی ذات کیلئے تصور کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم خدا کا تصور اُسکی کسی صفت کے ساتھ کریں، مثلاً الرّبّ یا الرّحیم کہیں، تو یہ تصوّر صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہوگا۔ یعنی ہمارے ذہن میں ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہو جائیگا جس میں ربوبیت یا رحمت ہو، لیکن جب ہم اللّٰہ کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اُن تمام صفاتِ حُسن و کمال سے متصف ہو، جو اسکی نسبت بیان کیے گئے ہیں، اور جو اس میں ہونے چاہئیں۔

(۳) رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

ربوبیت | حمد کے بعد بالترتیب چار صفتیں بیان کیگئی ہیں: ربّ العٰلمین، الرّحمٰن، الرّحیم، مٰلک یوم الدّین

[^۵]: یعنی "خدایا! ایسا کر کہ تیری ہستی میں ہمارا تحیّر بڑھتا رہے" کیونکہ یہاں تحیّر جہل کا نہیں بلکہ معرفت کا نتیجہ ہے ۱۲

چونکہ الرّحمٰن اور الرّحیم کا تعلق ایک ہی صفت کے دو مختلف پہلوؤں سے ہی، اسلیئے دوسرے لفظوں میں انھیں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہی کہ ربوبیت، رحمت، عدالت، تین صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عربی میں ربوبیت کے معنی پالنے کے ہیں، لیکن پالنے کو اُسکے وسیع اور کامل معنوں میں لینا چاہیئے اسی لیئے بعض ائمہ لغت نے اسکی تعریف ان لفظوں میں کی ہی: ھوانشاء الشیٔ حالاً فحالاً الی حدّ التمام[1] یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے، اسکی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق، اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ اپنی حدِ کمال تک پہنچ جائے۔ اگر ایک شخص بھوکے کو کھانا کھلادے، یا محتاج کو روپیہ دیدے تو یہ اُسکا کرم ہوگا، جود ہوگا، احسان ہوگا، لیکن وہ بات نہ ہوگی جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت کیلئے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو، اور ایک وجود کو اُسکی تکمیل و بلوغ کے لیئے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں، اُن سب کا سروسامان ہوتا رہے۔ نیز ضروری ہی کہ یہ سب کچھ محبّت و شفقت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ جو عمل محبت و شفقت کے عاطفہ سے خالی ہوگا، ربوبیت نہیں ہو سکتا۔

ربوبیت کا ایک ناقص نمونہ ہم اُس پرورش میں دیکھ سکتے ہیں جس کا جوش ماں کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ بچّہ جب پیدا ہوتا ہے تو محض گوشت پوست کا ایک متحرک لوتھڑا ہوتا ہے، اور زندگی اور نمو کی جتنی قوتیں بھی رکھتا ہے، سب کی سب پرورش و تربیت کی محتاج ہوتی ہیں۔ یہ پرورش محبت و شفقت حفاظت و نگہداشت، اور بخشش و اعانت کا ایک طول طویل سلسلہ ہی، اور اُسے اُس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک بچّہ اپنے جسم و ذہن کے حدِّ بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔ پھر پرورش کی ضرورتیں ایک دو نہیں، بے شمار ہیں۔ انکی نوعیت ہمیشہ بدلتی رہتی ہی، اور ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر حالت کے مطابق محبت کا جوش، نگرانی کی نگاہ، اور زندگی کا سروسامان ملتا رہے۔ حکمت الٰہی نے ماں کی محبت میں ربوبیت کا یہ تمام سامان پیدا کر دیا ہے۔ یہ ماں کی ربوبیت ہی جو پیدائش کے دن سے لیکر بلوغ تک، بچّہ کو پالتی، بچاتی، سنبھالتی، اور ہر وقت اور ہر حالت کے مطابق اُس کی ضروریاتِ پرورش کا سروسامان کرتی رہتی ہے!

جب بچّہ کا معدہ دودھ کے سوا کسی غذا کا متحمل نہ تھا تو اُسے دودھ ہی پلایا جاتا تھا جب دودھ سے زیادہ قوی غذا کی ضرورت ہوئی تو ویسی ہی غذا دی جانے لگی۔ جب اُس کے پاؤں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی تو ماں اُسے گود میں اٹھائے پھرتی تھی۔ جب کھڑے ہونے کے قابل ہوا تو باپ نے انگلی پکڑلی اور ایک ایک قدم چلانے لگا۔ پس یہ بات کہ ہر حالت اور ضرورت کے مطابق ضروریات مہیا ہوتی رہیں اور نگرانی و حفاظت کا ایک مسلسل اہتمام جاری رہا، وہ صورتِ حال ہے جس سے ربوبیت کے مفہوم کا

[1] مفردات راغب اصفہانی ۱۲

تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

مجازی ربوبیت کی یہ ناقص اور محدود مثال سامنے لاؤ، اور ربوبیت الٰہی کی غیر محدود حقیقت کا تصور کرو۔ اُسکے ربّ العٰلمین ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اسکی خالقیت نے کائناتِ ہستی اور اسکی ہر چیز پیدا کی ہے، اُسی طرح اُسکی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کردیا ہے، اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا، وہ سب کچھ مل رہا ہے، اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے، ہر ضرورت کا لحاظ ہے، ہر تبدیلی کی نگرانی ہے، اور ہر کمی بیشی ضبط میں آچکی ہے۔ چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے، کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں سلے ہوئے ہیں، مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں، پرند ہوا میں اڑ رہے ہیں، پھول باغ میں کھل رہے ہیں، ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے، اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ لیکن فطرت سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ رکھتی ہے، اور کوئی نہیں جو فیضانِ ربوبیت سے محروم ہو۔ اگر مثالوں کی جستجو میں تھوڑی سی کاوش جائز رکھی جائے، تو مخلوقات کی بے شمار قسمیں ایسی ملیں گی جو اتنی حقیر اور بے مقدار ہیں کہ غیر مسلح[1] آنکھ سے ہم اُنہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔ تاہم ربوبیت الٰہی نے جس طرح اور جس نظام کے ساتھ ہاتھی جیسے جسیم اور انسان جیسے عقیل مخلوق کے لیے سامانِ پرورش مہیّا کردیا ہے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح اور ویسے ہی نظام کے ساتھ اُنکے لیے بھی زندگی اور بقاء کی ہر چیز مہیّا ہے۔ اور پھر یہ جو کچھ بھی ہے، انسان کے وجود سے باہر ہے، اگر انسان اپنے وجود کو دیکھے، تو خود اسکی زندگی اور اُس کا ہر لمحہ ربوبیت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کی ایک پوری کائنات ہے!

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۱ : ۱۹)

اُن لوگوں کیلئے جو (سچائی پر) یقین رکھنے والے ہیں، زمین میں (خدا کی کارفرمائیوں کی) نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں بھی۔ پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

نظامِ ربوبیت

لیکن سامانِ زندگی کی بخشائش میں اور ربوبیت کے عمل میں جو فرق ہے اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر دنیا میں ایسے عناصر، عناصر کی ایسی ترکیب، اور اشیاء کی ایسی بناوٹ موجود ہے جو زندگی اور نشوونما کے لیے سود مند ہے، تو محض اسکی موجودگی ربوبیت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ ایسا ہونا قدرتِ الٰہی کی رحمت ہو، بخشش ہے، احسان ہے، مگر وہ بات نہیں ہے جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں سود مند اشیاء کی موجودگی کے ساتھ اُنکی بخشش و تقسیم کا ایک نظام بھی موجود ہے

[1] غیر مسلح آنکھ یعنی ایسی آنکھ جو اپنی قدرتی نگاہ سے دیکھ رہی ہو، زیادہ قوت کے ساتھ دیکھنے کا کوئی آلہ اسکے ساتھ نہ ہو۔ مثلاً خوردبین ۱۲ Naked Eye

اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں بلکہ جو کچھ بخشتی ہے، ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر وجود کو زندگی اور بقا کیلئے جس جس چیز کی ضرورت تھی، اور جس جس طرح، جس جس وقت، اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی، ٹھیک اُسی طرح، اُسی وقتوں ہیں، اور اُسی مقدار میں اُسے مل رہی ہے، اور اسی نظم و انضباط سے یہ کارخانۂ حیات چل رہا ہے۔

زندگی کے لیے پانی اور رطوبت کی ضرورت تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پانی کے وافر ذخیرے ہر طرف موجود ہیں۔ لیکن اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو یہ زندگی کیلئے کافی نہ تھا کیونکہ زندگی کے لیے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ پانی موجود ہو، بلکہ ضروری ہے کہ ایک خاص طرح کے انتظام، ایک خاص طرح کی ترتیب، اور ایک مقررہ مقدار کے ساتھ موجود ہو۔ پس یہ جو دنیا میں پانی کے بننے اور تقسیم ہونے کا ایک خاص طرح کا انتظام پایا جاتا ہے، اور فطرت صرف پانی بناتی ہی نہیں، بلکہ ایک خاص ترتیب و مناسبت کے ساتھ بناتی ہے اور ایک خاص اندازہ کے ساتھ بانٹتی ہے، تو یہی ربوبیت ہے، اور اسی سے ربوبیت کے تمام اعمال کا تصوّر کرنا چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے "یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کر دیا، لیکن یہ اُسکی ربوبیت ہے جو پانی کو ایک ایک بوند کرکے ٹپکاتی، زمین کے ایک ایک گوشہ تک پہنچاتی، ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی، ایک خاص موسم اور محل میں برساتی، اور پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرّہ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سیراب کر دیتی ہے!

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝

(۲۳: ۱۸)

اور (دیکھو) ہم نے آسمان سے ایک خاص اندازہ کے ساتھ پانی برسایا، اور اُسے (ایک خاص انتظام کے ساتھ) زمین میں ٹھہرائے رکھا، اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ جس طرح برسایا تھا اُسی طرح اُسے (واپس لے جائیں، پھر (دیکھو کہ اُسی پانی کے ذریعہ ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کر دیئے جنمیں بے شمار پھل نکلتے ہیں، اور انہی سے تم اپنی غذا کے لیے پھل حاصل کرتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا اشیاء کے قدر اور مقدار کا ذکر کیا ہے یعنی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فطرتِ کائنات جو کچھ بخشتی ہے ایک خاص اندازہ کے ساتھ بخشتی ہے:

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝

(۱۵: ۲۱)

اور کوئی شے نہیں جس کے ہمارے پاس ذخیرے موجود نہ ہوں لیکن ہمارا طریق کار یہ ہے کہ جو کچھ نازل کرتے ہیں، ایک مقررہ مقدار کے ساتھ نازل کرتے ہیں۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ (۱۳: ۹)

اور اللہ کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (۵۴ : ۴۹) ہم نے جتنی چیزیں بھی پیدا کی ہیں ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کی ہیں

یہ کیا بات ہے کہ دنیا میں صرف یہی نہیں ہے کہ پانی موجود ہو، بلکہ ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ موجود ہے؟ یہ کیوں ہے کہ پہلے سورج کی شعاعیں سمندر سے ڈول بھر بھر کر، فضا میں پانی کی چادریں بچھا دیں پھر ہواؤں کے جھونکے اُنہیں حرکت میں لائیں اور پانی کی بوندیں بنا کر ایک خاص وقت اور خاص محل میں برسا دیں؟ پھر یہ کیوں ہے کہ جب کبھی پانی برسے، تو ایک خاص ترتیب و مقدار ہی سے برسے، اور اس طرح برسے کہ زمین کی بالائی سطح پر اس کی ایک خاص مقدار بہنے لگے اور اندرونی حصوں تک ایک خاص مقدار میں نمی پہنچے؟ کیوں ایسا ہوا کہ پہلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کے تودے جمتے ہیں، پھر موسم کی تبدیلی سے پگھلنے لگتے ہیں پھر اُنکے پگھلنے سے پانی کے سرچشمے اُبلنے لگتے ہیں، پھر سرچشموں سے دریا کی جدولیں نکل کر بہنے لگتی ہیں پھر یہ جدولیں پیچ و خم کھاتی ہوئی دور دور تک دوڑ جاتی ہیں، اور سینکڑوں ہزاروں میلوں تک اپنی وادیاں شاداب کر دیتی ہیں؟ کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر اس انتظام اور ترتیب کے ساتھ نہ ہوتا؟ قرآن کہتا ہے، اسلئے کہ کائناتِ ہستی میں ربوبیت الٰہی کارفرما ہے، اور ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ پانی اسی ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے اسکی تقسیم ہو۔ یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا، مگر یہ ربوبیت ہی جو اُسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہوگئیں!

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (۳۰ : ۴۷)

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں، پھر ہوائیں بادلوں کو چھیڑ کر حرکت میں لاتی ہیں، پھر وہ جس طرح چاہتا ہے، اُنہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے، اور اُنہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم دیکھتے ہو، بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے، اور زمین پر برس رہا ہے پھر جن لوگوں کو بارش کی یہ برکت ملنی تھی، مل جاتی ہے تو وہ اچانک خوش وقت ہو جاتے ہیں حالانکہ بارش سے پہلے یک قلم ناامید ہو چکے تھے!

پھر اس حقیقت پر بھی غور کرو کہ زندگی کے لیے جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اُنہی کی بخشائش سب سے زیادہ اور عام ہے، اور جن کی ضرورت خاص خاص حالتوں اور گوشوں کیلئے تھی اُنہی میں اختصاص اور مقامیت پائی جاتی ہے۔ ہوا سب سے زیادہ ضروری تھی، کیونکہ پانی اور غذا کے بغیر کچھ عرصہ تک زندگی ممکن ہے مگر ہوا کے بغیر ممکن نہیں۔ پس اسکا سامان اتنا وافر اور عام ہے کہ کوئی جگہ، کوئی گوشہ، کوئی وقت نہیں جو اس سے خالی ہو۔ فضا میں ہوا کا بے حد و کنار سمندر پھیلا ہوا ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں سانس لو،

زندگی کا یہ سب سے زیادہ ضروری جوہر تمہارے لیئے خود بخود مہیا ہو جائے گا۔ ہوا کے بعد دوسرے درجہ پر پانی ہے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ اسلیئے اسکی بخشایش کی فراوانی و عمومیت ہوا سے کم مگر ہر چیز سے زیادہ ہے۔ زمین کے نیچے آب شیریں کی سوتیں بہ رہی ہیں۔ زمین کے اوپر بھی ہر طرف دریا رواں ہیں، پھر ان دونوں ذخیروں کے علاوہ فضائے آسمانی کا بھی کارخانہ ہے جو شب و روز سرگرم کار رہتا ہے۔ وہ سمندر کا شور ابہ کھینچتا ہے، اُسے صاف شیریں بنا کر جمع کرتا رہتا ہے، پھر حسب ضرورت زمین کے حوالے کر دیتا ہے! پانی کے بعد اُن مواد کی ضرورت تھی جن میں غذائیت ہو، لہٰذا ہوا اور پانی، دونوں سے کم مگر اور تمام چیزوں سے زیادہ، اُن کا دستر خوان کرم بھی خشکی و تری میں بچھا ہوا ہے، اور کوئی مخلوق نہیں جسکے گرد و پیش اسکی غذا کا ذخیرہ موجود نہ ہو!

پھر سامان پرورش کے اس عالمگیر نظام پر غور کرو، جو اپنے ہر گوشہ عمل میں پروردگی کی گود اور بخشش حیات کا سرچشمہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا یہ تمام کارخانہ صرف اسی لیئے بنا ہے کہ زندگی بخشے اور زندگی کی ہر استعداد کی رکھوالی کرے۔ سورج اسلیئے ہے کہ روشنی کیلیئے چراغ کا اور گرمی کے لیئے تنور کا کام دے، اور اپنی کرنوں کے ڈول بھر بھر کر سمندر سے پانی کھینچتا رہے۔ ہوائیں اسلیئے ہیں کہ اپنی سردی اور گرمی سے مطلوبہ اثرات پیدا کرتی رہیں، اور کبھی پانی کے ذرّات جما کر ابر کی چادریں بنا دیں، کبھی ابر کو پانی بنا کر بارش برسا دیں۔ زمین اسلیئے ہے کہ نشو و نما کے خزانوں سے ہمیشہ معمور رہے، اور ہر دانہ کیلیئے اپنی گود میں زندگی، اور ہر پودے کیلیئے اپنے سینہ میں پروردگی رکھے۔ مختصراً یہ کہ کارخانہ ہستی کا ہر گوشہ صرف اسی کام میں لگا ہوا ہے۔ ہر قوت استعداد ڈھونڈھ رہی ہے، اور ہر تاثیر اثر پذیری کے انتظار میں ہے۔ جونہی کسی وجود میں بڑھنے اور نشو و نما پانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، معاً تمام کارخانہ ہستی اُسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ سورج کی تمام کارفرمائیاں، فضاء کے تمام تغیرات، زمین کی تمام قوتیں، عناصر کی تمام سرگرمیاں، صرف اس انتظار میں رہتی ہیں کہ کب چیونٹی کے انڈے سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، اور کب دہقان کی جھولی سے زمین پر ایک دانہ گرتا ہے!

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۴۵: ۱۱)	اور آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے، سب کو اللہ نے تمہارے لیئے مسخر کر دیا ہے۔ بلاشبہ اُن لوگوں کیلیئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس بات میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

سب سے زیادہ عجیب مگر سب سے زیادہ نمایاں حقیقت اس نظام ربوبیت کی یکسانیت اور ہم آہنگی ہے یعنی ہر وجود کی پرورش کا سرو سامان جس طرح اور جس اسلوب پر کیا گیا ہے، وہ ہر گوشہ میں ایک ہی ہے اور ایک ہی

اصل و قاعدہ رکھتا ہے۔ پتھر کا ایک ٹکڑا تمہیں گلاب کے شاداب و عطر بیز پھول سے کتنا ہی مختلف دکھائی دے، لیکن دونوں کی پرورش کے اصول و احوال پر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائیگا کہ دونوں کو ایک ہی طریقہ سے سامان پرورش ملا ہے اور دونوں ایک ہی طرح پالے پوسے جا رہے ہیں۔ انسان کا بچہ اور درخت کا پودا تمہاری نظروں میں کتنی بے جوڑ چیزیں ہیں؟ لیکن اگر ان کی نشوونما کے طریقوں کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھ لوگے کہ قانون پرورش کی یکسانیت نے دونوں کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر دیا ہے۔ پتھر کی چٹان ہو یا پھولوں کی کلی، انسان کا بچہ ہو یا چیونٹی کا انڈا، سب کیلئے پیدائش ہوتی ہے، اور قبل اس کے کہ پیدائش ظہور میں آئے، سامان پرورش مہیا ہو جاتا ہے، پھر طفولیت کا دور ہے، اور اس دور کی ضروریات ہیں۔ انسان کا بچہ بھی اپنی طفولیت رکھتا ہے، درخت کے مولود نباتی کے لیئے بھی طفولیت ہی، اور تمہاری چشم ظاہر بین کے لیئے کتنا ہی عجیب کیوں نہ ہو، لیکن پتھر کی چٹان اور مٹی کا تودہ بھی اپنی طفولیت رکھتا ہے۔ پھر طفولیت رشد و بلوغ کی طرف بڑھتی ہے، اور جوں جوں بڑھتی جاتی ہے، اُسکی روز افزوں حالت کے مطابق یکے بعد دیگرے، سامان پرورش میں بھی تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سنِّ کمال تک پہنچ جاتا ہے، اور جب سنِّ کمال تک پہنچ گیا، تو از سر نو ضعف و انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے، پھر اس ضعف و انحطاط کا خاتمہ سب کے لیئے ایک ہی طرح ہے۔ کسی دائرہ میں اُسے مرجانا کہتے ہیں، کسی میں مُرجھا جانا، اور کسی میں پامال ہو جانا۔ الفاظ متعدد ہو گئے مگر حقیقت میں تعدد نہیں ہوا!

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝

(۳۰ : ۵۴)

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اُس نے تمہیں اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ناتوانی کی حالت ہوتی ہے، پھر ناتوانی کے بعد قوت آتی ہے، پھر قوت کے بعد دوبارہ ناتوانی اور بڑھاپا ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ علم اور قدرت رکھنے والا ہے۔ (اسلیئے سب کچھ کر سکتا ہے، مگر جو کچھ کرتا ہے علم کے ساتھ کرتا ہے)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اسکے چشمے رواں ہو گئے، پھر اُسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اُٹھیں، پھر انکی نشوونما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں، پھر (ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور) تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا گئی، پھر بالآخر

الۡاَلۡبَابِ۠ (۳۹ : ۲۲)   خشک ہوکر چورا چورا ہوگئی۔ بلاشبہ دانشمندوں کیلئے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے !

جہاں تک غذا کا تعلق ہے، حیوانات میں ایک قسم اُن جانوروں کی ہے جن کے بچے دودھ سے پرورش پاتے ہیں، اور ایک اُن کی ہے جو عام غذاؤں سے پرورش پاتے ہیں۔ غور کرو، نظامِ ربوبیت نے دونوں کی پرورش کے لیئے کیا عجیب سروسامان مہیا کردیا ہے؟ دودھ سے پرورش پانے والے حیوانات میں انسان بھی داخل ہے۔ سب سے پہلے انسان اپنی ہی ہستی کا مطالعہ کرے۔ جونہی وہ پیدا ہوتا ہے اُسکی غذا اپنی ساری خاصیتوں، مناسبتوں اور شرطوں کے ساتھ خود بخود مہیا ہوجاتی ہے، اور ایسی جگہ مہیا ہوتی ہے جو حالتِ طفولیت میں اُس کے لیئے سب سے قریب تر اور سب سے موزوں جگہ ہے۔ ماں بچے کو جوشِ محبت میں سینہ سے لگا لیتی ہے، اور وہیں اُسکی غذا کا سرچشمہ بھی موجود ہوتا ہے! پھر دیکھو، اس غذا کی نوعیت اور مزاج میں کس درجہ اسکی حالت کا درجہ بدرجہ لحاظ رکھا گیا ہے اور کس طرح یکے بعد دیگرے اُس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے؟ ابتدا میں بچے کا معدہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اُسے بہت ہی ہلکے قوام کا دودھ ملنا چاہیئے۔ ایسے ہلکے قوام کا جس میں مائی جز بہت زیادہ اور دُہنیت بہت کم ہو۔ چنانچہ نہ صرف انسان میں بلکہ تمام حیوانات میں ماں کا دودھ بہت ہی پتلے قوام کا ہوتا ہے لیکن جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی جاتی ہے، اور معدہ قوی ہوتا جاتا ہے، دودھ کا قوام بھی گاڑھا ہوتا جاتا ہے اور مائیت کے مقابلہ میں دُہنیت بڑھتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ بچے کا عہدِ رضاعت پورا ہو جاتا ہے اور اُس کا معدہ عام غذاؤں کے ہضم کرنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے، جونہی اس کا وقت آتا ہے، ماں کا دودھ خشک ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ یہ گویا ربوبیت الٰہی کا اشارہ ہوتا ہے کہ اب اسکے لیئے دودھ کی ضرورت نہیں رہی، ہر طرح کی غذائیں استعمال کرسکتا ہے :

وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ۚ   اور حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت (کم از کم) تیس مہینوں کی۔ (۴۶ : ۱۴)

پھر ربوبیت الٰہی کی اس کارسازی پر غور کرو کہ کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کردی گئی ہے، اور کس طرح اس جذبہ کو طبیعت بشری کے تمام جذبات میں سب سے زیادہ پُرجوش اور سب سے زیادہ ناقابلِ تسخیر بنا دیا گیا ہے؟ دنیا کی کونسی قوت ہے جو اس جوش کا مقابلہ کرسکتی ہے جسے ماں کی مامتا کہتے ہیں؟ جس بچے کی پیدائش اُسکے لیئے زندگی کی سب سے بڑی مصیبت تھی : حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا (۴۶ : ۱۴) اُسی کی محبت اُسکے اندر زندگی کا سب سے بڑا جذبہ مشتعل کردیتی ہے۔ جبتک بچہ سنِ بلوغ تک

نہیں پہنچ جاتا، وہ اپنے لیئے نہیں بلکہ بچّے کے لیئے زندہ رہنا چاہتی ہے۔ زندگی کی کوئی خود فراموشی نہیں جو اُس پر طاری نہ ہوتی ہو، اور راحت و آسائش کی کوئی قربانی نہیں جس سے اُسے گریز ہو۔ حُبِّ ذات جو فطرت انسانی کا سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے اور جسکے انفعالات کے بغیر کوئی مخلوق زندہ نہیں رہ سکتا، وہ بھی اس جذبۂ خود فراموشی کے مقابلہ میں مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات کہ ایک ماں نے اپنی زندگی کے مقابلہ میں بچّے کی زندگی کو ترجیح دی، یا بچّے کے مجنونانہ عشق میں اپنی زندگی قربان کردی، فطرتِ مادری کا ایسا معمولی واقعہ ہے جو ہمیشہ پیش آتا رہتا ہے اور ہم اس میں کسی طرح کی غرابت محسوس نہیں کرتے؛

لیکن پھر دیکھو، کارساز فطرت کی یہ کیسی بوالعجبی ہو کہ جوں جوں بچّے کی عمر بڑھتی جاتی ہو، محبتِ مادری کا یہ شعلہ خود بخود دھیما پڑتا جاتا ہے، اور پھر ایک وقت آتا ہے جب حیوانات میں تو بالکل ہی بجھ جاتا ہے، اور انسان میں بھی اسکی گرمجوشیاں باقی نہیں رہتیں۔ یہ انقلاب کیوں ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ بچّے کے پیدا ہوتے ہی محبت کا ایک عظیم ترین جذبہ جنبش میں آجائے، اور پھر ایک خاص وقت تک قائم رہکر خود بخود غائب ہو جائے؟ اس لیئے، کہ یہ نظامِ ربوبیت کی کارفرمائی ہے، اور اس کا مقتضیٰ یہی تھا۔ ربوبیت چاہتی ہے کہ بچّے کی پرورش ہو۔ اُس نے پرورش کا ذریعہ ماں کے جذبۂ محبت میں رکھدیا تھا جب بچّے کی عمر اس حد تک پہنچ گئی کہ ماں کی پرورش کی احتیاج باقی نہ رہی، تو اس ذریعہ کی بھی ضرورت باقی نہ رہی۔ اب اس کا باقی رہنا ماں کے لیئے بوجھ اور بچّے کے لیئے رکاوٹ ہوتا۔ بچّے کی احتیاج کا سب سے نازک وقت اُسکی نئی نئی طفولیت تھی، اسلیئے ماں کی محبت میں بھی سب سے زیادہ جوش اُسی وقت تھا۔ پھر جوں جوں بچہ بڑھتا گیا، احتیاج کم ہوتی گئی، اسلیئے محبت کی گرمجوشیاں بھی گھٹتی گئیں۔ فطرت نے محبت مادری کا دامن بچّے کی احتیاجِ پرورش سے باندھ دیا تھا۔ جب احتیاج زیادہ تھی، تو محبت کی سرگرمی بھی زیادہ تھی۔ جب احتیاج کم ہوگئی تو محبت بھی تغافل کرنے لگی![1]

جن حیوانات کے بچّے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں، اُنکی جسمانی ساخت اور طبیعت دودھ والے حیوانات سے مختلف ہوتی ہے، اور اس لیئے وہ اوّل دن ہی سے معمولی غذائیں کھا سکتے ہیں بشرطیکہ کھلانے

[1] انسان میں ماں کی محبت بلوغ کے بعد بھی بدستور باقی رہتی ہے، اور بعض حالتوں میں اسکے انفعالات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ عہد طفولیت کی محبت میں اور اس محبت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، لیکن یہ صورتِ حال غالباً انسان کی مدنی و عقلی زندگی کے نشو و نما کا نتیجہ ہے، نہ کہ فطرت حیوانی کا۔ انسان میں بھی یہ علاقہ فطرۃً اسی حد تک ہوگا کہ بچہ سنّ تمیز تک پہنچ جائے۔ لیکن بعد کو نسل و خاندان کی تشکیل اور اجتماعی احساسات کی ترقی سے مادری رشتہ ایک دائمی رشتہ بن گیا ہے!۔

کے لیے کوئی شفیق نگرانی موجود ہو، چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ بچہ انڈے سے نکلتے ہی غذا ڈھونڈھنے لگتا ہے اور ماں چُن چُن کر اُسکے سامنے ڈالتی اور مُنہ میں لے لیکر کھانے کی تلقین کرتی ہے۔ یا ایسا کرتی ہے کہ خود کھا لیتی ہے مگر ہضم نہیں کرتی، اپنے اندر نرم اور ہلکا بنا کر محفوظ رکھتی ہے، اور جب بچہ غذا کیلئے مُنہ کھولتا ہے تو اُسکے اندر اُتار دیتی ہے!

تربیت معنوی

پھر اس سے بھی عجیب تر نظامِ ربوبیت کا معنوی پہلو ہے۔ خارج میں زندگی اور پرورش کا کتنا ہی سروسامان کیا جاتا، لیکن وہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا تھا اگر ہر وجود کے اندر اُس سے کام لینے کی ٹھیک ٹھیک استعداد نہ ہوتی اور اُسکے ظاہری و باطنی قویٰ اُس کا ساتھ نہ دیتے۔ پس یہ ربوبیت ہی کا فیضان ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر مخلوق کی ظاہری و باطنی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اُسکی ہر قوت، اُس کے سامانِ پرورش کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے، اور اُسکی ہر چیز اُسے زندہ رہنے اور نشو و نما پانے میں مدد دیتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی مخلوق اپنے جسم و قویٰ کی ایسی نوعیت رکھتا ہو جو اُسکے حالاتِ پرورش کے مقتضیات کے خلاف ہو۔ اس سلسلہ میں جو حقائق مشاہدہ و تفکر سے نمایاں ہوتے ہیں، اُن میں دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اور اسلیئے جا بجا قرآن حکیم نے اُن پر توجہ دلائی ہے۔ ایک کو وہ **تقدیر** سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسری کو **ہدایت** سے۔

تقدیر کے معنی اندازہ کر دینے کے ہیں یعنی کسی چیز کے لیئے ایک خاص طرح کی حالت ٹھہرا دینے کے۔ خواہ یہ ٹھہراؤ کمیت میں ہو یا کیفیت میں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت نے ہر وجود کی جسمانی ساخت اور معنوی قواے کیلئے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتا، اور یہ اندازہ ایسا ہے جو اُسکی زندگی اور نشو و نما کے تمام احوال و ظروف سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ○ (۲۵: ۱)

اور اُس نے تمام چیزیں پیدا کیں، پھر ہر چیز کے لیے (اُسکی حالت اور ضرورت کے مطابق) ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا!

یہ کیا چیز ہے کہ ہر گرد و پیش میں اور اُسکی پیداوار میں ہمیشہ مطابقت پائی جاتی ہے، اور یہ ایک ایسا قانونِ خلقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہو سکتا؟ یہ کیوں ہے کہ ہر مخلوق اپنی ظاہری و باطنی بناوٹ میں ویسا ہی ہوتا ہے جیسا اُس کا گرد و پیش ہے، اور ہر گرد و پیش ویسا ہی ہوتا ہے جیسی اُسکی مخلوقات ہوتی ہے؟ یہ اُس حکیم و قدیر کی **تقدیر** ہے، اور اُس نے ہر چیز کی خلقت و زندگی کے لیئے ایسا ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اُس کا یہ قانونِ تقدیر صرف حیوانات و نباتات ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ کائناتِ ہستی کی ہر چیز کے لیئے ہے۔ ستاروں کا یہ پورا نظامِ گردش بھی اسی تقدیر کی حد بندیوں پر قائم ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (۳۶ : ۳۸)

اور (دیکھو) سورج کی حرکت اُسکے ٹھیرنے کی جگہ کیلئے ہے جو اسکے لئے ٹھیرا دی گئی ہے اور یہی اس عزیز و علیم کی تقدیر ہے (یعنی اُسکا ٹھیرایا ہوا اندازہ ہے)

مخلوقات اور اُسکے گرد و پیش کی مطابقت کا یہی قانون ہے، جس نے دونوں میں باہمد گر مناسبت پیدا کر دی ہے اور ہر مخلوق اپنے چاروں طرف وہی پاتا ہے جس میں اُسکے لئے پرورش اور نشو و نما کا سامان ہوتا ہے۔ پرند کا جسم اُڑنے والا ہے، مچھلی کا تیرنے والا، چارپایوں کا چلنے والا، حشرات کا رینگنے والا، اسلئے کہ ان میں سے ہر نوع کا گرد و پیش ویسے ہی جسم کے لئے موزوں ہے، جیسا اُسے ملا ہے، اور اسلئے کہ ان میں سے ہر نوع کی جسمانی ساخت ویسا ہی گرد و پیش چاہتی ہے جیسا گرد و پیش اُسے حاصل ہے۔ دریا میں پرند پیدا نہیں ہوتا، اسلئے کہ یہ گرد و پیش اُس کے لئے مفید پرورش نہیں۔ خشکی میں مچھلیاں پیدا نہیں ہو سکتیں، کیونکہ خشکی اُنکے لئے موزوں نہیں۔ اگر فطرت کی اس تقدیر کے خلاف، ایک خاص گرد و پیش کی مخلوق دوسرے قسم کے گرد و پیش میں چلی جاتی ہے، تو یا تو وہاں زندہ نہیں رہتی، یا رہتی ہے تو پھر بتدریج اُسکی جسمانی ساخت اور طبیعت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی اُسکے گرد و پیش میں ہونی چاہیے۔

پھر ان میں سے ہر نوع کے لئے مقامی مؤثرات کے مختلف گرد و پیش ہیں، اور ہر گرد و پیش کا یہی حال ہے۔ سرد آب ہوا کی پیداوار، سرد آب ہوا ہی کے لئے ہے۔ گرم کی گرم کیلئے۔ قطب شمالی کے قریب جوار کا ریچھ خط استوا کے قرب میں نظر نہیں آسکتا، اور منطقۂ حارہ کے جانور منطقۂ باردہ میں معدوم ہیں!

ہدایت کے معنی راہ دکھانے، راہ پر لگا دینے، رہنمائی کرنے کے ہیں، اور اسکے مراتب اور اقسام ہیں۔ تفصیل آگے آئیگی۔ یہاں صرف اُس مرتبۂ ہدایت کا ذکر کرنا ہے جو تمام مخلوقات پر اُنکی پرورش کی راہیں کھولتا، اُنہیں زندگی کی راہ پر لگاتا، اور ضروریاتِ زندگی کی طلب و حصول میں رہنمائی کرتا ہے۔ فطرت کی یہ ہدایت، ربوبیت کی ہدایت ہے، اور اگر ہدایتِ ربوبیت کی دستگیری نہ ہوتی، تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی دنیا کے سامانِ حیات و پرورش سے فائدہ اُٹھا سکتی، اور زندگی کی سرگرمیاں ظہور میں آسکتیں۔

لیکن ربوبیت الٰہی کی یہ ہدایت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، یہ وجدان کا فطری الہام اور حواس و ادراک کی قدرتی استعداد ہے۔ وہ کہتا ہے، یہ فطرت کی وہ رہنمائی ہے جو ہر مخلوق کے اندر پہلے وجدان کا الہام بنکر نمودار ہوتی ہے، پھر حواس و ادراک کا چراغ روشن کر دیتی ہے۔ یہ ہدایت کے مختلف مراتب میں سے وجدان اور ادراک کی ہدایت کا مرتبہ ہے۔

وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اُسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے، اور وہ باہر کی رہنمائی و تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی

انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا، لیکن جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے، خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اُسکی غذا ماں کے سینہ میں ہے، اور جب پستان منہ میں لیتا ہے، تو جانتا ہے کہ اُسے زور زور سے چُوسنا چاہیئے۔ بلی کے بچوں کو ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ اُن کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں، لیکن ماں جوش محبت میں اُنہیں چاٹ رہی ہے، وہ اُسکے سینے پر منہ مار رہے ہیں۔ یہ بچہ جس نے عالم ہستی میں پہلا قدم رکھا ہے، جسے خارج کے موثرات نے ابھی چھوا تک نہیں، کیونکر معلوم کر لیتا ہے کہ اُسے پستان منہ میں لینا چاہیئے، اور اُسکی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کونسا فرشتہ ہے جو اس وقت اُسکے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کر لے؟ یقیناً وجدانی ہدایت کا فرشتہ ہے، اور یہی وجدانی ہدایت ہے جو قبل اسکے کہ حواس و ادراک کی روشنی نمودار ہو، ہر مخلوق کو اُسکی پرورش و زندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے!

تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہوگی۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بلی اپنی عمر میں سب سے پہلی مرتبہ حاملہ ہوتی ہے۔ اِس حالت کا اُسے کوئی پچھلا تجربہ حاصل نہیں، تاہم اُسکے اندر کوئی چیز ہے جو اُسے بتلا دیتی ہے کہ تیاری و حفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہئیں۔ جونہی وضع حمل کا وقت قریب آتا ہے، خود بخود اُسکی توجہ ہر چیز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشہ کی جستجو شروع کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مضطرب الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے۔ پھر وہ خود بخود ایک سب سے محفوظ اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے۔ پھر یکایک اُسکے اندر بچے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو، یہ کونسی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اُسے ضرورت ہوگی؟ یہ کونسا الہام ہے جو اُسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن ہے اور اُنکی بُو سونگھتا پھرتا ہے، اسلیئے جگہ بدلتے رہنا چاہیئے؟ بلاشبہ یہ ربوبیت الٰہی کی وجدانی ہدایت ہے جسکا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے، اور جو اُن پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے!

ہدایت کا دوسرا مرتبہ حواس اور مدرکاتِ ذہنی کی ہدایت ہے، اور وہ اس درجہ واضح و معلوم ہے کہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ حیوانات اُس جوہر دماغ سے محروم ہیں جسے فکر و عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے، تاہم فطرت نے اُنہیں احساس و ادراک کی وہ تمام قوتیں دیدی ہیں جنکی زندگی و معیشت کیلئے ضرورت تھی، اور اُنکی مدد سے وہ اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے، توالد و تناسل اور حفاظت و نگرانی کے تمام وظائف حُسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں۔ پھر حواس و ادراک کی یہ ہدایت ہر حیوان کے لیئے ایک ہی طرح کی نہیں ہے، بلکہ ہر وجود کو اتنی ہی اور ویسی ہی استعداد دی گئی ہے، جیسی اور جتنی استعداد

اسکے احوال وظروف کے لیئے ضروری تھی۔ چیونٹی کی قوت شامہ نہایت قوی اور دور رس ہوتی ہے اسلیئے کہ اسی قوت کے ذریعہ وہ اپنی غذا حاصل کر سکتی ہے۔ چیل اور عقاب کی نگاہ تیز ہوتی ہے، کیونکہ اگر ان کی نگاہ تیز نہ ہو تو بلندی میں اُڑتے ہوئے اپنا شکار دیکھ نہ سکیں۔ یہ سوال بالکل غیر ضروری ہے کہ حیوانات کے حواس و ادراک کی یہ حالت اوّل دن سے تھی، یا احوال وظروف کی ضروریات اور قانون مطابقت کے مؤثرات سے بتدریج ظہور میں آئی۔ اسلیئے کہ خواہ کوئی صورت ہو، بہرحال فطرت کی بخشی ہوئی استعداد ہے، اور نشوو ارتقا کا قانون بھی فطرت ہی کا ٹھہرایا ہوا قانون ہے۔

چنانچہ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جس کو قرآن نے ربوبیتِ الٰہی کی وحی سے تعبیر کیا ہے۔ عربی میں وحی کے معنی مخفی ایماء اور اشارہ کے ہیں۔ یہ گویا فطرت کی وہ اندرونی سرگوشی ہے جو ہر مخلوق پر اسکی راہِ عمل کھول دیتی ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ (۱۶ : ۷۰)

اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اُن ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں اپنے لیئے چھتے بنائے۔

اور یہی وہ ربوبیتِ الٰہی کی ہدایت ہے جس کی طرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زبانی اشارہ کیا گیا ہے۔ فرعون نے جب پوچھا: فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی؟ تمہارا پروردگار کون ہے جس کے نام پر میرا مقابلہ کرنا چاہتے ہو؟ تو حضرت موسیٰؑ نے کہا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۝ (۲۰ : ۵۲)

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُسکی بناوٹ دی، پھر اس پر (زندگی و معیشت کی) راہ کھول دی!

اور پھر یہی وہ ہدایت ہے جسے دوسری جگہ "راہِ عمل آسان کر دینے" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ۝ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ ۝ (۸۰ : ۱۹)

اُس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا، پھر اُس کی تمام ظاہری باطنی قوتوں کیلیئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ آسان کر دی!

یہی "ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ" یعنی "راہِ عمل آسان کر دینا" وجدان و ادراک کی ہدایت ہے جو تقدیر کے بعد ہے، کیونکہ اگر فطرت کی یہ رہنمائی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ہم اپنی ضروریات زندگی حاصل کر سکتے۔

آگے چلکر تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے تکوینِ وجود کے جو چار مرتبے بیان کیئے ہیں، اُن میں تیسرا اور چوتھا مرتبہ یہی تقدیر اور ہدایت کا مرتبہ ہے۔ یعنی تخلیق، تسویہ، تقدیر، ہدایت۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (۸۷ : ۲)

وہ پروردگار عالم جس نے پیدا کیا اور پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کر دیا؛ اور وہ پروردگار جس نے ہر وجود کیلئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا اور پھر اس پر راہِ (عمل) کھول دی۔

براہین قرآنیہ کا مبدأ استدلال

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی ہستی اور اسکی توحید و صفات پر جا بجا نظامِ ربوبیت سے استدلال کیا ہے، اور یہ استدلال اسکے مہماتِ دلائل میں سے ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ اسکی تشریح کی جائے، مناسب ہوگا کہ قرآن کے طریقِ استدلال کی بعض مبادیات واضح کر دی جائیں۔ کیونکہ مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، مطالب قرآنی کا یہ گوشہ سب سے زیادہ مہجور ہو گیا ہے اور ضرورت ہے کہ از سرِ نو حقیقت گم گشتہ کا سُراغ لگایا جائے۔

قرآن کے طریقِ استدلال کا اولین مبدأ، تعقّل و تفکّر کی دعوت ہے۔ یعنی وہ جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کیلئے حقیقت شناسی کی راہ یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لے، اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی دیکھ سکتا اور محسوس کر سکتا ہے، اس میں تدبّر و تفکّر کرے، چنانچہ قرآن کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ نہیں، جو تفکّر و تعقّل کی دعوت سے خالی ہو:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (۵۱ : ۱۹)

اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (معرفت حق کی) نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں بھی، پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

وہ کہتا ہے کہ انسان کو عقل و بصیرت دی گئی ہے، اس لیے وہ اس قوت کے ٹھیک ٹھیک استعمال کرنے نہ کرنے کے لیے جواب دِہ ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (۱۷ : ۳۸)

یقیناً (انسان کا) سننا، دیکھنا، سوچنا، سب اپنی اپنی جگہ جوابدہی رکھتے ہیں!

وہ کہتا ہے، زمین کی ہر چیز میں، آسمان کے ہر منظر میں، زندگی کے ہر تغیر میں، فکرِ انسانی کے لیے معرفتِ حقیقت کی نشانیاں ہیں، بشرطیکہ وہ غفلت و اعراض میں مبتلا نہ ہو جائے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (۱۲ : ۱۰۵)

اور آسمان و زمین میں (معرفت حق کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے تک نہیں!

تخلیق بالحق

اچھا، اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے اور کائناتِ خلقت میں تفکر کرے تو اس پر حقیقت شناسی کا کونسا دروازہ کھلے گا؟ وہ کہتا ہے، سب سے پہلی حقیقت جو اسکے سامنے نمودار ہوگی وہ تخلیق بالحق کا عالمگیر اور بنیادی قانون ہے۔

یعنی وہ دیکھے گا کہ کائنات خلقت اور اسکی ہر چیز کی بناوٹ کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ ہر چیز ضبط و ترتیب کے ساتھ ایک خاص نظام و قانون میں منسلک ہے، اور کوئی شے نہیں جو حکمت و مصلحت سے خالی ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ سب کچھ تخلیق بالباطل ہو، یعنی بغیر کسی معین اور ٹھیرائے ہوئے مقصد و نظم کے وجود میں آگیا ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس نظم، اس یکسانیت، اس وقت کے ساتھ اسکی ہر بات کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی[1]:

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ	اللہ نے آسمان اور زمین حکمت اور مصلحت کے ساتھ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	پیدا کی ہے۔ اور بلاشبہ اس بات میں ارباب ایمان کیلئے (معرفت
(۲۹ : ۴۴)	حق کی) بڑی ہی نشانی ہے!

آل عمران کی مشہور آیت میں اُن ارباب دانش کی جو آسمان و زمین کی خلقت میں تفکر کرتے ہیں صدائے حال یہ بتلائی ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا	اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے اسلئے نہیں پیدا
(۳ : ۱۸۸)	کیا ہے کہ محض ایک بیکار و عبث سا کام ہو!

دوسری جگہ "تخلیق بالباطل" کو "تلعب" سے تعبیر کیا ہے[2]۔ "تلعب" یعنی کوئی کام کھیل کود کی طرح بغیر کسی معقول غرض و مدعا کے کرنا:

---

[1] یہی حقیقت ہے جسے آج علمی مصطلحات میں یوں ادا کیا جاتا ہے:

"From the motion of the electrons round the positivaly charged nucleus of an atom to the motion of the planets round the sun, and so forth, every thing points only to one conclusion, viz, prodetermined law." Sir Oliver Lodge.

اسکی مزید تشریح اپنے مقام پر آئے گی۔ جس حقیقت کو یہاں "Pro-determined Law" سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو قرآن "تخلیق بالحق" سے تعبیر کرتا ہے ۱۲

[2] یہ تعبیر اسلئے اختیار کیگئی کہ نزول قرآن سے پہلے تمام پیروان مذاہب نے دنیا کی پیدائش کا جو نقشہ کھینچا تھا، وہ حکمت و مصالح کے تصور سے یک قلم خالی تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ طاقت و اختیار کے ساتھ حِکَم و مصالح کی رعایت جمع نہیں ہو سکتی۔ حِکَم و مصالح کی پابندی وہی کریگا جو کسی کے آگے جوابدہ ہو۔ خدا جو سب سے بڑا اور سب پر حکمراں ہے، اُسکے کام حِکَم و مصالح سے کیوں وابستہ ہوں؟ وہ مطلق العنان بادشاہوں کو دیکھتے تھے کہ جو جی میں آتا ہے کر گزرتے ہیں اور اُن کے کاموں میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی، پس سمجھتے تھے کہ خدا کے کاموں کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ہندوستان، مصر، بابل اور یونان کی تمام علم الاصنامی روایات اسی تخیل کا نتیجہ ہیں۔ دیوتاؤں نے عشق بازی میں (باقی برصفحہ ۲۵)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۴۴ : ۳۸-۳۹)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے محض کھیل اور تماشہ کرتے ہوئے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ جو کچھ بھی بنایا ہے حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہے۔ مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے

پھر جابجا اس "تخلیق بالحق" کی تشریح کی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر "تخلیق بالحق" کے اس پہلو پر توجہ دلائی ہے کہ کائنات کی ہر چیز افادہ و فیضان کے لیے ہے، اور فطرت چاہتی ہے کہ جو کچھ بنائے، اس طرح بنائے کہ اس میں جود اور زندگی کے لیے نفع اور راحت ہو:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝ (۳۹ : ۷)

اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس نے رات اور دن کے اختلاف اور ظہور کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے، اور دن رات پر لپٹتا آتا ہے۔ اور (یہ اسلیے ہے کہ) سورج اور چاند دونوں کو اسکی قدرت نے مسخر کر رکھا ہے۔ سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت کے لیے حرکت میں ہیں!

ایک دوسرے موقع پر خصوصیت کے ساتھ اجرام سماویہ کے افادہ و فیضان پر توجہ دلائی ہے، اور اسے "تخلیق بالحق" سے تعبیر کیا ہے:

(بقیہ صفحہ ۲۴) رنگ رلیاں منائیں اور ستارے پیدا ہو گئے۔ کسی دیوتا نے شکار کھیلتے ہوئے تیر مارا، پہاڑ پیدا ہو گیا۔ ایک دیوتا نے اپنی جٹا کھول دی، دریا وجود میں آ گیا۔ اصنام پرست اقوام کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالات بھی اس بارے میں عقلی تصورات سے خالی تھے۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ ایک مطلق العنان اور مستبد بادشاہ کی طرح خدا کے افعال بھی حِکم و مصالح کی جگہ محض جوش و ہیجان کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ غصہ میں آ کر قوموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اور جوش محبت میں آ کر کسی خاص قوم کو اپنی چہیتی قوم بنا لیتا ہے۔ بلاشبہ عیسائی تصور کا مایۂ خمیر رحم و محبت ہے، لیکن حِکم و مصالح کیلئے اس میں بھی جگہ نہ تھی۔ کفارہ کے اعتقاد کے ساتھ حِکم و مصالح کا اعتقاد نشوونما نہیں پا سکتا تھا۔

قرآن تاریخ مذاہب میں پہلی کتاب ہے جس نے خدا کی صفات و افعال کیلئے عقلی تصور قائم کیا، اور یہ حقیقت واضح کی کہ حِکم و مصالح کی رعایت منافی قدرت نہیں ہے بلکہ محاسن قدرت میں سے ہے۔ بلاشبہ خدا جو کچھ چاہے کر سکتا ہے، لیکن اسکی حکمت و عدالت کا مقتضا یہی ہے کہ جو کچھ کرتا ہے، حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا ہے۔

اسی اصل کا نتیجہ ہے کہ اُسے تخلیق کائنات کا بھی جو نقشہ کھینچا، وہ سرتاسر عقلی نقشہ ہے یعنی حکمت و علت اور نظم و اتقان کا نقشہ ہے اور اسی لیے اس نے جابجا "تخلیق بالباطل" کے خیال کو کفر کیطرف نسبت دی ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (۳۸ : ۲۷) ہم نے آسمان زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں بنایا ہے۔ یہ خیال کہ ہم نے بغیر حکمت و

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۱۰: ۵)

وہ (کارفرمائے قدرت) جس نے سورج کو درخشندہ اور چاند کو روشن بنایا؛ اور پھر چاند کی گردش کیلئے منزلیں ٹھیرا دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور اوقات کا حساب معلوم کرلو۔ بلاشبہ اللہ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ۔

ایک اور موقع پر فطرت کے جمال و زیبائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اُسے "تخلیق بالحق" سے تعبیر کیا ہے یعنی فطرتِ کائنات میں تحسین و آسایش کا قانون کام کر رہا ہے، جو چاہتا ہے، جو کچھ بنے، ایسا بنے کہ اُس میں حسن و جمال اور خوبی و کمال ہو:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (۶۴: ۳)

اُس نے آسمان اور زمین حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کی اور اُس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو کیسی حسن و خوبی کے ساتھ بنائیں؟

اسی طرح وہ قانونِ مجازات پر (یعنی جزا و سزا کے قانون پر) بھی اسی "تخلیق بالحق" سے استشہاد کرتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ اور نتیجہ رکھتی ہے، اور یہ تمام خواص اور نتائج لازمی اور اٹل ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال میں بھی اچھے اور برے خواص اور نتائج نہوں، اور وہ قطعی اور اٹل نہوں؟ خدا کی بنائی ہوئی جو فطرت دنیا کی ہر چیز میں اچھے برے کا امتیاز رکھتی ہے، کیا انسان کے اعمال میں اس امتیاز سے غافل ہو جائے گی؟

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵: ۲۰-۲۱)

جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اُن لوگوں جیسا کر دینگے جو ایمان لائے ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں؟ دونوں برابر ہو جائیں، زندگی میں بھی اور موت میں بھی؟ (یعنی بدعملی اور نیک عملی، دونوں کیلئے ایک ہی طرح کا حکم ہو؟ اگر ان لوگوں کے فہم و دانش کا فیصلہ یہی ہے تو) افسوس اُنکے فیصلہ پر! اور (ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ) اللہ نے آسمان اور زمین بے کار و عبث نہیں بنائی ہے بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنائی ہے اور اس لیئے بنائی ہے تاکہ ہر جان کو اسکی کمائی کے مطابق بدلہ ملے (اور کوئی چیز، کوئی فعل بھی بغیر بدلہ اور نتیجہ کے نہ رہے) اور (یاد رکھو) یہ بدلہ ٹھیک ٹھیک ملیگا۔ اس میں کسی کے ساتھ کبھی زیادتی نہ ہوگی۔ (جزا و سزا کا ترازو اپنی تول میں رائی برابر بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا!)

معاد یعنی مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی اس سے جا بجا استشہاد کیا ہے۔ کائناتِ ہستی میں ہر چیز

کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسانی وجود کیلئے بھی کوئی نہ کوئی مقصد اور منتہیٰ ہو۔ یہی منتہیٰ آخرت کی زندگی ہے۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کائنات ارضی کا یہ بہترین مخلوق صرف اسی لیے پیدا کیا گیا ہو، کہ پیدا ہو، اور چند دن جی کر فنا ہو جائے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ

(۳۰ : ۷)

کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے دل میں اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے محض بیکار و عبث نہیں بنایا ہے۔ ضروری ہے کہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہو۔ اور اس کے لیے ایک مقررہ وقت ٹھیرا دیا ہو۔ اصل یہ ہے کہ انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے اندر لقاء الٰہی کیلئے کوئی طلب نہیں۔ وہ (روز قیامت اپنے) اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونے سے یک قلم منکر ہیں!

غرضکہ قرآن کا مبدأ استدلال یہ ہے کہ:

(۱) اُس کے نزول سے پہلے دین داری اور خدا پرستی کے جس قدر تصورات موجود تھے، وہ نہ صرف عقل کی آمیزش سے خالی تھے، بلکہ انکی تمام تر بنیاد غیر عقلی عقائد پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اُس نے خدا پرستی کے لیے عقلی تصور پیدا کیا۔

(۲) چنانچہ اُسکی دعوت کی تمام تر بنیاد "تعقل و تفکر" پر ہے۔

(۳) وہ خصوصیت کے ساتھ کائناتِ خلقت کے "مطالعہ و تفکر" کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) وہ کہتا ہے، کائناتِ خلقت کے مطالعہ و تفکر سے انسان پر "تخلیق بالحق" کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ دیکھتا ہے کہ اس کارخانہ ہستی کی کوئی چیز نہیں جو کسی ٹھیرائے ہوئے مقصد اور مصلحت سے خالی ہو اور کسی بالاتر قانونِ خلقت کے ماتحت ظہور میں نہ آئی ہو۔ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود رکھتی ہے، ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ حکم و مصالح کے عالمگیر سلسلہ میں منسلک ہے۔

(۵) وہ کہتا ہے، جب انسان ان مقاصد و مصالح پر غور کرے گا، تو خدا شناسی کی راہ خود بخود اُس پر کھل جائے گی، اور جہل و کوری کی گمراہیوں سے نجات پا جائے گا۔

برہانِ ربوبیت

چنانچہ اس سلسلہ میں اُس نے مظاہر کائنات کے جن مقاصد و مصالح سے استدلال کیا ہے اُن میں سب سے زیادہ عام استدلال ربوبیت کا استدلال ہے، اور اسی لیے ہم اُسے برہانِ ربوبیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے، کائنات ہستی کے تمام اعمال و مظاہر کا اس طرح واقع ہونا کہ ہر چیز پرورش کرنے والی اور ہر تاثیر زندگی بخشنے والی ہے، اور پھر ایک ایسے نظامِ ربوبیت کا موجود ہونا جو ہر حالت کی رعایت کرتا، اور ہر طرح کی مناسبت ملحوظ رکھتا ہے، ہر انسان کو وجدانی طور پر یقین دلا دیتا ہے کہ ایک پروردگارِ عالم ہستی موجود ہے

اور وہ اُن تمام صفتوں سے متصف ہے جن کے بغیر نظام ربوبیت کا یہ کامل اور بے عیب کارخانہ وجود میں نہیں آسکتا تھا!

وہ کہتا ہے، کیا انسان کا وجدان یہ باور کرسکتا ہے کہ نظام ربوبیت کا یہ پورا کارخانہ خود بخود وجود میں آجائے، اور کوئی زندگی، کوئی ارادہ، کوئی قدرت، کوئی حکمت، اس کے اندر کارفرما نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کارخانۂ ہستی کی ہر چیز میں ایک بولتی ہوئی پروردگاری اور ایک اُبھری ہوئی کارسازی موجود ہو، مگر کوئی پروردگار، کوئی کارساز موجود نہ ہو؟ پھر کیا یہ محض ایک اندھی بہری فطرت، بے جان مادّہ اور بے حس الکٹرون[1] کے خواص ہیں جن سے پروردگاری و کارسازی کا یہ پورا کارخانہ ظہور میں آگیا ہے؟ اور زندگی اور ارادہ رکھنے والی کوئی ہستی موجود نہیں؟

پروردگاری موجود ہے، مگر کوئی پروردگار موجود نہیں! کارسازی موجود ہے، مگر کوئی کارساز موجود نہیں! رحمت موجود ہے، مگر کوئی رحیم موجود نہیں! حکمت موجود ہے، مگر کوئی حکیم موجود نہیں! سب کچھ موجود ہے، مگر کوئی موجود نہیں! عمل بغیر کسی عامل کے، نظم بغیر کسی ناظم کے، قیام بغیر کسی قیوم کے، عمارت بغیر کسی معمار کے، نقش بغیر کسی نقاش کے، سب کچھ بغیر کسی موجود کے؛ نہیں، انسان کی فطرت کبھی یہ باور نہیں کرسکتی۔ اُس کا وجدان پکارتا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس کی فطرت اپنی بناوٹ ہی میں ایک ایسا سانچہ لیکر آئی ہے جس میں یقین و ایمان ہی ڈھل سکتا ہے۔ شک و انکار کی اس میں سمائی نہیں ہے!

قرآن کہتا ہے، یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے خلاف ہے کہ وہ **نظام ربوبیت کا مطالعہ** کرے اور ایک **ربّ العالمین** ہستی کا یقین اُسکے اندر جاگ نہ اُٹھے۔ وہ کہتا ہے، ایک انسان غفلت کی سرشاری اور سرکشی کے ہیجان میں ہر چیز سے انکار کردے سکتا ہے لیکن اپنی فطرت سے انکار نہیں کرسکتا۔ وہ ہر چیز کے خلاف جنگ کرسکتا ہے، لیکن اپنی فطرت کے خلاف ہتیار نہیں اٹھا سکتا۔ وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اُسکی فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے؟ اُسکے دل کے ایک ایک ریشے میں کونسا اعتقاد سمایا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے، اور یہ سب کچھ اُسی کی کرشمہ سازیاں ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کا اسلوب بیان یہ نہیں ہے کہ نظری مقدمات اور ذہنی مسلمات کی شکلیں ترتیب دے، اور پھر اُس پر بحث و تقریر کرکے مخاطب کو ردّ و تسلیم پر مجبور کرے۔ اُس کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان و ذوق سے ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے، خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت کا خمیر ہے۔ اگر

[1] Electrons مصر کے بعض مترجمین نے اسکے لیے کہرباء کا لفظ اختیار کیا ہے ۱۲

ایک انسان اِس سے انکار کرنے لگتا ہے، تو یہ اُسکی غفلت ہی، اور ضروری ہے کہ اُسے غفلت سے چونکا دینے کے لیئے دلیلیں پیش کی جائیں۔ لیکن یہ دلیل ایسی نہیں ہونی چاہیئے جو محض اُسکے ذہن و دماغ میں کاوش پیدا کردے، بلکہ ایسی ہونی چاہیئے جو اُسکے نہانخانۂ دل پر دستک دیدے، اور اُسکا فطری وجدان بیدار کردے۔ اگر اُس کا وجدان بیدار ہوگیا، تو پھر اثباتِ مدعا کے لیئے بحث و تقریر کی ضرورت نہوگی۔ خود اُس کا وجدان ہی اُسے مدعا تک پہنچا دے گا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن خود انسان کی فطرت ہی سے انسان پر حُجۃ لاتا ہے:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝

(۷۵ : ۱۴)

بلکہ انسان کا وجود خود اُسکے خلاف (یعنی اُسکی کج اندیشیوں کے خلاف) حجۃ ہی، اگرچہ وہ (اپنے وجدان کے خلاف) کتنے ہی عذر بہانے تراش لیا کرے۔

اور اِسی لیئے وہ جا بجا فطرتِ انسانی کو مخاطب کرتا اور اُس کی گہرائیوں سے جواب طلب کرتا ہی:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝

(۱۰ : ۳۲)

وہ کون ہے جو آسمان (میں پھیلے ہوئے کارخانۂ حیات) سے اور زمین (کی وسعت میں پیدا ہونے والے سامانِ رزق) سے تمہیں روزی بخش رہا ہی؟ وہ کون ہی جسکے قبضہ میں تمہارا سُننا اور دیکھنا ہی؟ وہ کون ہے، جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہی؟ اور پھر وہ کونسی ہستی ہی جو یہ تمام کارخانۂ خلقت اِس نظم و نگرانی کے ساتھ چلا رہی ہی؟ (اے پیغمبر!) یقیناً وہ (بے اختیار) بول اُٹھیں گے۔ "اللہ!" (اُسکے سوا کون ہوسکتا ہے) اچھا، تو تم اُن سے کہو، جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں، تو پھر یہ کیوں ہی کہ غفلت و سرکشی سے نہیں بچتے؟ ہاں بیشک یہ اللہ ہی ہے جو تمہارا پروردگار برحق ہے، اور جب یہ حق ہی تو حق کے ظہور کے بعد اُسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہی؟ (افسوس تمہاری سمجھ پر!) تم (حقیقت سے منہ پھرائے) کہاں جا رہے ہو؟

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا

وہ کون ہی جس نے آسمان اور زمین پیدا کیئے اور جس نے آسمان سے تمہارے لیئے پانی برسایا، پھر اس آبپاشی سے خوشنما باغ اُگا دیئے، حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اُگاتے؟ کیا (ان کاموں کا

كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(۲۷: ۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵)

کرنے والا) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (افسوس ان لوگوں کی سمجھ پر! حقیقت حال کتنی ہی ظاہر ہو) مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی ہے! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جس نے زمین کو (زندگی و معیشت کا) ٹھکانا بنا دیا، اُس کے درمیان نہریں جاری کر دیں، اس (کی درستگی) کے لیے پہاڑ بلند کر دیئے، اور دو دریاؤں میں (یعنی دریا اور سمندر میں ایسی) دیوار حائل کر دی (کہ دونوں اپنی اپنی جگہ میں محدود رہتے ہیں) کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس، کتنی واضح بات ہے) مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جو بیقرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ (ہر طرف سے مایوس ہو کر) اُسے پکارتے ہیں اور اُن کا دُکھ ٹال دیتا ہے؟ اور وہ کون ہے کہ اُس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہے؟ (افسوس انسان کی غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کرے! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے، اور وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں!) اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک و منزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھہرا رہے ہیں! اچھا، بتلاؤ، وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانہ ہائے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو اگر تم (اپنے رویہ میں) سچے ہو (اور انسانی عقل و بصیرت کی اس عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے) تو اپنی دلیل پیش کرو!

ان سوالات میں سے ہر سوال اپنی جگہ ایک مستقل دلیل ہے، کیونکہ ان میں سے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ فطرت انسانی کا عالمگیر اور مسلمہ اذعان ہے۔ ہمارے متکلمین کی نظر اس پہلو پر نہ تھی، اس لیے قرآن کا اسلوب استدلال اُن پر واضح نہ ہو سکا اور دور دراز گوشوں میں نکل گئے۔

بہرحال قرآن کے وہ بے شمار مقامات، جن میں کائنات ہستی کے سرو سامان پرورش اور نظام ربوبیت کی

کارسازیوں کا ذکر کیا گیا ہے، دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں :-

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۙ اِنَّا
صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ
شَقًّا ۙ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا
وَّقَضْبًا ۙ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ
غُلْبًا ۙ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ مَّتَاعًا لَّكُمْ
وَلِاَنْعَامِكُمْ ؕ

(۸۰ : ۲۴ - ۳۲)

(تم اگر) انسان (اتنا ہی کرے کہ) اپنی غذا پر نظر ڈالے (جو شب و روز اُسکے استعمال میں آتی رہتی ہے) ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں پھر اُسکی سطح شق کر دیتے ہیں (پھر جو بیج اس میں ڈالا گیا تھا وہ نشوونما پاکر اُبھرتا اور بارآور ہو جاتا ہے) پھر اُس روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں: اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، کھجور کے خوشے، سبزی ترکاری، زیتوں کا تیل، درختوں کے جھنڈ، قسم قسم کے میوے، طرح طرح کا چارہ، (اور یہ سب کچھ کس کیلئے؟) تمہارے فائدے کیلئے اور تمہارے چارپایوں کیلئے۔

اِن آیات میں فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ کے زور پر غور کرو۔ انسان کتنا ہی غافل ہو جائے اور کتنا ہی اعراض کرے، لیکن دلائل حقیقت کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ حال ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اُس سے اوجھل نہیں ہو سکتے۔ ایک انسان تمام دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلے، لیکن بہرحال اپنی شب و روز کی غذا سے تو آنکھیں بند نہیں کر سکتا؟ جو غذا اُسکے سامنے دھری ہے، اُسی پر نظر ڈالے۔ یہ کیا ہے؟ گیہوں کا دانہ ہے۔ اچھا، گیہوں کا ایک دانہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لو، اور اُسکی پیدائش سے لیکر اُسکی پختگی و تکمیل تک کے تمام احوال و ظروف پر غور کرو۔ کیا یہ حقیر سا ایک دانہ بھی وجود میں آسکتا تھا، اگر تمام کارخانۂ ہستی ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ اِسکی تکوین میں سرگرم نہ رہتا؟ اور اگر دنیا میں ایک ایسا نظامِ ربوبیت موجود ہے، تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟

سورۂ نحل میں یہی استدلال ایک دوسرے پیرایہ میں کیا گیا ہے :

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ
فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ
وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا
وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى
النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ

اور (دیکھو یہ) چارپائے (جنہیں تم پالتے ہو) ان میں تمہارے لیے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی بڑی ہی عبرت ہے۔ انکے جسم سے ہم خون و کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے خلل و غش مشروب ہوتا ہے (اسی طرح نباتات کی بخشایشوں پر غور کرو) پھلوں میں کھجور اور انگور پیدا ہوتے ہیں جن سے نشہ آور عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو۔ بلاشبہ اس بات میں اربابِ عقل کیلئے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے! اور (پھر دیکھو یہ بھی) تمہارے پروردگار (ہی کی پروردگاری ہے کہ اُس) نے شہد کی مکھی کو

بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۙ
ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ
سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ
لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ؁

(۱۶: ۶۸ — ۶۹)

طبیعت میں یہ بات ڈالدی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اُن ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلند کردی جاتی ہیں اپنے لیئے گھر بنائے پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے پھر اپنے پروردگار کے ٹھیرائے ہوئے طریقوں پر کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو، (چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ) اسکے شکم سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے (جو تمہارے کھانے میں آتا ہے اور) جس میں انسان کیلیئے شفا ہی۔ بلاشبہ اس بات میں اُن لوگوں کیلیئے جو غور و فکر کرتے ہیں (ربوبیت الٰہی کی عجائب آفرینیوں کی) بڑی ہی نشانی ہے[1]

جس طرح اُس نے جا بجا خلقت سے استدلال کیا ہی یعنی دنیا میں ہر چیز مخلوق ہے، اس لیئے ضروری ہے کہ خالق بھی ہو، اسی طرح وہ ربوبیت سے بھی استدلال کرتا ہی یعنی دنیا میں ہر چیز مربوب ہے اس لیئے ضروری ہے کہ کوئی رب بھی ہو۔ اور دنیا میں ربوبیت کامل اور بے داغ ہی، اسلیئے ضروری ہے کہ کامل اور بے عیب رب بھی موجود ہو۔

زیادہ واضح لفظوں میں اسے یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، دنیا میں ہر چیز ایسی ہی کہ اُسے پرورش کی احتیاج ہے، اور اُسے پرورش مل رہی ہے۔ پس ضروری ہی کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو۔ یہ پرورش کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ نہیں ہوسکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو۔ قرآن میں جہاں کہیں اس طرح کے مخاطبات ہیں جیساکہ سورۂ واقعہ کی مندرجۂ ذیل آیت میں ہے، وہ اسی استدلال پر مبنی ہیں:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ
اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ
حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝

اچھا، تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو کچھ تم کشت کاری کرتے ہو اُسے تم اگاتے ہو، یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اُسے چورا چورا کردیں اور تم صرف یہ کہنے کے لیئے رہجاؤ کہ

[1] اس موقع پر یہ اصل پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح کائنات خلقت کی ہر چیز نظر و اعتبار کے مختلف پہلو رکھتی ہے، اُسی طرح قرآن کا استشہاد بھی بیک وقت مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو کے لیئے ہوتا ہی مثلاً شہد کی پیدائش اور شہد کی مکھی کے اعمال کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ بات کہ ایک نہایت مفید اور لذیذ غذا پیدا ہو جاتی ہے، ربوبیت ہی۔ یہ بات کہ ایک حقیر سا جانور اس دانشمندی و دقت کے ساتھ یہ کام انجام دیتا ہے، فہم و ادراک کی بخشش کا عجیب و غریب منظر ہے اور اسلیئے حکمت و قدرت کا پہلو رکھتا ہی۔ ان آیات کا سیاق و سباق تبلاتا ہی کہ یہاں زیادہ تر توجہ ربوبیت پر دلائی گئی ہی، لیکن ساتھ ہی حکمت و قدرت کے پہلوؤں پر بھی روشنی پڑ رہی ہی۔ اسی طرح اکثر مقامات میں ربوبیت، رحمت، حکمت، اور قدرت کے مشترک مظاہر بیان کیئے گئے ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ زور کسی ایک ہی پہلو پر ہے ۱۲

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝

(۵۶ : ۶۷ - ۷۳)

افسوس ہمیں اس نقصان کا تاوان دینا پڑے گا، اتنا ہی نہیں بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں سے محروم ہو گئے" اچھا، تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے تو اسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے (سمندر کے پانی کی طرح) تلخ کر دیں۔ پھر کیا اس نعمت کیلئے ضروری نہیں کہ تم شکرگزار ہو؟ اچھا، تم نے یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اسکے لیے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں؟

اسی طرح وہ نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے جو رب العالمین تمام کائنات ہستی کی پرورش کر رہا ہے، اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشہ میں موجود ہے اُسکے سوا کون اسکا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اسکے آگے جھکایا جائے؟:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(۲ : ۲۱)

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اُس پروردگار کی جس نے تمہیں پیدا کیا، اور ان سب کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، اور اسلیے پیدا کیا تاکہ تم برائیوں سے بچو۔ وہ پروردگارِ عالم جس نے تمہارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی، اور آسمان چھت کی طرح بنا دیا، اور پھر جس کی پروردگاری آسمان سے پانی برساتی ہے اور اس سے طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کیلئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس جب خالقیت اُسی کی خالقیت ہے، اور ربوبیت اُسی کی ربوبیت ہے تو ایسا نہ کرو کہ کسی دوسری ذات کو اسکا ہم پلہ ٹھہراؤ، اور تم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو!

یا مثلاً سورہ فاطر میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝

(۳۵ : ۳)

اے افرادِ نسلِ انسانی! اللہ نے اپنی جن نعمتوں سے تمہیں فیض یاب کیا ہے اُن پر غور کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں زمین اور آسمان کی بخششوں سے رزق دے رہا ہے؟ نہیں کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات!

اسی طرح وہ نظامِ ربوبیت کے اعمال سے انسانی سعادت و شقاوت کے معنوی قوانین اور وحی و رسالت کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جس رب العالمین نے تمہاری پرورش کیلئے ربوبیت کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے، کیا ممکن ہے کہ اُس نے تمہاری روحانی فلاح و سعادت کیلئے کوئی قانون، کوئی نظام، کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو؟ جس طرح تمہارے جسم کی ضرورتیں ہیں، اسی طرح تمہاری رُوح کی بھی ضرورتیں ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جسم کی نشو و نما کے لیے تو اسکے پاس سب کچھ ہو، لیکن رُوح کی نشو و نما کے لیے اُسکے پاس کوئی پروردگاری نہ ہو۔

اگر وہ رب العالمین ہے، اور اُسکی ربوبیت کے فیضان کا یہ حال ہو کہ ہر ذرہ کے لیے سیرابی، اور ہر چیونٹی کے لیے کارسازی رکھتی ہے، تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی روحانی سعادت کے لئے اُسکے پاس کوئی سرچشمگی نہ ہو؟ اُسکی پروردگاری اجسام کی پرورش کیلئے آسمان سے پانی برسائے، لیکن ارواح کی پرورش کیلئے ایک قطرۂ فیض بھی نہ رکھے؟ تم دیکھتے ہو کہ جب زمین شادابی سے محروم ہو کر مردہ ہو جاتی ہے، تو یہ اُس کا قانون ہے کہ بارانِ رحمت نمودار ہوتی ہے، اور زندگی کی برکتوں سے زمین کا ایک ایک ذرہ مالامال ہو جاتا ہے۔ پھر کیا ضروری نہیں ہے کہ جب عالمِ انسانیت، ہدایت و سعادت کی شادابیوں سے محروم ہو جائے، تو اُسکی بارانِ رحمت نمودار ہو کر ایک ایک رُوح کو پیامِ زندگی پہنچا دے؟ روحانی سعادت کی یہ بارش کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، وحی الٰہی ہے۔ تم اس منظر پر کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ پانی برسا اور مردہ زمین زندہ ہو گئی۔ پھر اس بات پر کیوں چونک اُٹھو کہ وحی الٰہی ظاہر ہوئی اور مُردہ روحوں میں زندگی کی جنبش پیدا ہو گئی؟

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ

یہ اللہ کی طرف سے کتاب (ہدایت) نازل کی جاتی ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔ بلاشبہ ایمان رکھنے والوں کے لیے آسمانوں اور زمین میں (معرفت حق کی) بے شمار نشانیاں ہیں۔ نیز تمہاری پیدائش میں، اور اُن چارپایوں میں جنہیں اُس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے ارباب یقین کیلئے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے میں، اور اس سرمایۂ رزق میں جسے وہ آسمان سے برساتا ہے اور زمین مرنے کے بعد پھر جی اُٹھتی ہے اور ہواؤں کے ردّ و بدل میں ارباب دانش کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں (اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو فی الحقیقت

اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡكَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ (۴۵: ۵-۶)

تم پر نازل کی گئی ہیں، اور اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد کونسی چیز رہ گئی ہے جسے سُن کر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟"

سورۂ انعام میں اُن لوگوں کا جو وحیِ الٰہی کے نزول پر متعجب ہوتے ہیں، اِن لفظوں میں ذکر کیا ہے :-

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ (۶ : ۹۱)

اور اللہ کے کاموں کی انہیں جو قدر شناسی کرنی تھی، یقیناً اُنہوں نے نہیں کی، جب اُنہوں نے یہ بات کہی کہ "اللہ نے اپنے کسی بندے پر کوئی چیز نازل نہیں کی"۔

پھر تورات اور قرآن کے نزول کے ذکر کے بعد حسبِ ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰی ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ مُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ۝ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیۡلَ سَكَنًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝ الخ

(۶ : ۹۵-۹۸)

یقیناً یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے، اور اُس سے ہر چیز کا درخت پیدا کر دیتا ہے، وہ زندہ کو مُردہ چیز سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ اشیاء سے نکالنے والا ہے۔ ہاں وہی تمہارا خدا ہے، پھر تم اُس سے روگردانی کرکے کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟ ہاں وہی پردۂ شب چاک کرکے صبح کی روشنی نمودار کرنے والا ہے، وہی ہے جس نے رات کو راحت و سکون کا ذریعہ بنا دیا ہے اور وہی ہے کہ اُسنے سورج اور چاند کی گردش اس درستگی کے ساتھ قائم کر دی ہے کہ حساب کا معیار بن گئی ہے۔ یہ اُس عزیز و علیم کا ٹھیرایا ہوا اندازہ ہے۔ اور (پھر دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت، جس نے تمہارے لیے ستارے پیدا کر دیئے، تاکہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں اُن سے رہنمائی پاؤ۔ بلاشبہ اُن لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ہم نے دلیلیں کھول کر بیان کر دی ہیں۔

یعنی جس پروردگارِ عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ تمام فیضان شب و روز دیکھ رہے ہو، کیا ممکن ہے کہ وہ تمہاری جسمانی پرورش و ہدایت کیلئے تو یہ سب کچھ کرے، لیکن تمہاری روحانی پرورش و ہدایت کے لیئے اُسکے پاس کوئی سر و سامان نہو؟ وہ زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ پھر کیا وہ تمہاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دیگا؟ وہ ستاروں کی روشن علامتوں سے خشکی و تری کی ظلمتوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ تمہاری روحانی زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی کی کوئی روشنی نہ ہو؟ تم، جو کبھی اِس پر متعجب نہیں ہوتے کہ زمین پر کھیت لہلہا رہے ہیں، اور آسمان میں تارے چمک رہے ہیں،

کیوں اس بات پر متعجب ہوتے ہو کہ خدا کی وحی نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہو رہی ہے؟ اگر تمہیں تعجب ہوتا ہے، تو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم نے خدا کو اسکی صفتوں میں اس طرح نہیں دیکھا ہے، جسطرح دیکھنا چاہیے۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات تو آجاتی ہے کہ وہ ایک چیونٹی کی پرورش کیلئے یہ پورا کارخانۂ حیات سرگرم رکھے، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نوع انسانی کی ہدایت کے لیے سلسلۂ وحی و تنزیل قائم ہو!

اسی طرح وہ اعمال ربوبیت سے معاد اور آخرت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ جو چیز جتنی زیادہ نگرانی اور اہتمام سے بنائی جاتی ہے، اتنی ہی زیادہ قیمتی استعمال اور اہم مقصد بھی رکھتی ہے، اور بہتر صنّاع وہی ہے جو اپنی صنعت گری کا بہتر استعمال اور مقصد رکھتا ہو۔ پس انسان جو کرۂ ارضی کی بہترین مخلوق اور اسکے تمام سلسلۂ خلقت کا خلاصہ ہے، اور جسکی جسمانی و معنوی پرورش کیلئے فطرتِ کائنات اس قدر اہتمام کر رہی ہے کیونکر ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ہی بنایا گیا ہو، اور کوئی بہتر استعمال اور بلند تر مقصد نہ رکھتا ہو؟ اور پھر اگر خالق کائنات رب ہے، اور کامل درجہ کی ربوبیت رکھتا ہے، تو کیونکر یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ایک بہترین مربوب یعنی پروردہ ہستی کو محض اسلیئے بنایا ہو کہ مہمل اور بے نتیجہ چھوڑ دے؟

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا	کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہو کہ ہم نے تمہیں بغیر کسی مقصد و نتیجہ کے پیدا کیا ہے
وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝	اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟ اللہ جو اس کائنات ہستی کا حقیقی
فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا	حکمراں ہے، اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بیکار و عبث فعل کرے،
إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ	کوئی معبود نہیں ہے مگر وہ جو جہانداری کے اعرش بزرگ کا
(۲۳ : ۱۱۵)	پروردگار ہے!

ہم نے یہ مطلب اسی سادہ طریقہ پر بیان کر دیا جو قرآن کے بیان خطاب کا طریقہ ہے لیکن یہی مطلب علمی بحث و تقریب کے پیرایہ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ وجود انسانی کرۂ ارضی کے سلسلۂ خلقت کی آخری اور اعلیٰ ترین کڑی ہے، اور اگر پیدائش حیات سے لیکر انسانی وجود کی تکمیل تک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایک ناقابل شمار مدت کے مسلسل نشو و ارتقا کی تاریخ ہوگی۔ گویا فطرت نے ہزاروں لاکھوں برس کی کارفرمائی و صنّاعی سے کرۂ ارضی کا جو اعلیٰ ترین جوہر تیار کیا ہے، وہ انسان ہے!

ماضی کے ایک نقطۂ بعید کا تصور کرو۔ جب ہمارا یہ کرّہ سورج کے ملتہب کرّہ سے الگ ہوا تھا۔ نہیں معلوم کتنی مدت اسکے ٹھنڈے اور معتدل ہونے میں گزر گئی، اور یہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے عناصر اس میں نشو و نما پا سکیں۔ اسکے بعد وہ وقت آیا جب اسکی سطح پر نشو و نما کی سب سے پہلی داغ بیل پڑی، اور پھر نہیں

معلوم کتنی مدت کے بعد زندگی کا وہ اوّلین بیج وجود میں آسکا جسے پروٹو پلاسم PROTOPLASM کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر حیات عضوی کے نشوونما کا دور شروع ہوا، اور نہیں معلوم کتنی مدت اس پر گزر گئی کہ اس دور نے بسیط سے مرکب تک اور ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے تک ترقی کی منزلیں طے کیں یہاں تک کہ حیوانات کی ابتدائی کڑیاں ظہور میں آئیں، اور پھر لاکھوں برس اس میں نکل گئے کہ یہ سلسلۂ ارتقا وجود انسانی تک مرتفع ہو۔ پھر انسان کے جسمانی ظہور کے بعد اسکے ذہنی ارتقا کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک طول طویل مدّت اس پر گزر گئی۔ بالآخر سیکڑوں ہزاروں برس کے اجتماعی اور ذہنی ارتقا کے بعد وہ انسان ظہور پذیر ہو سکا جو کرۂ ارضی کے تاریخی عہد کا متمدن اور عقیل و عاقل انسان ہے!

گویا زمین کی پیدائش سے لے کر ترقی یافتہ انسان کی تکمیل تک، جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ بنتا سنورتا رہا ہے، وہ تمام تر انسان کی پیدائش و تکمیل ہی کی سرگزشت ہے!

سوال یہ ہے کہ جس وجود کی پیدائش کیلئے فطرت نے اس درجہ اہتمام کیا ہے، کیا یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا کہ وہ پیدا ہو، کھائے پیئے اور مر کر فنا ہو جائے؟ فتعلے اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم!

قدرتی طور پر یہاں ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وجود حیوانی اپنے ماضی میں ہمیشہ یکے بعد دیگرے متغیر ہوتا اور ترقی کرتا رہا ہے تو مستقبل میں بھی یہ تغیر و ارتقا کیوں جاری نہ رہے؟ اگر اس بات پر ہمیں بالکل تعجب نہیں ہوتا کہ ماضی میں بیشمار صورتیں مٹیں اور نئی زندگیاں ظہور میں آئیں، تو اس بات پر کیوں تعجب ہو کہ موجودہ زندگی کا مٹنا بھی بالکل مٹ جانا نہیں ہے، اس کے بعد بھی ایک اعلیٰ تر صورت اور زندگی ہے؟

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝	کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہوگی؟) کیا اس پر یہ حالت نہیں گزر چکی ہے کہ پیدائش سے پہلے نطفہ تھا، پھر نطفہ سے علقہ ہوا (یعنی جونک کی سی شکل ہو گئی) پھر علقہ سے اسکا ڈیل ڈول پیدا کیا گیا، پھر اس ڈیل ڈول کو ٹھیک ٹھیک درست کیا گیا!
(۷۵: ۳۶)	

سورۂ ذاریات میں تمام تر دین یعنی جزا کا بیان ہے: إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝ اور پھر اس پر اعمال ربوبیت یعنی ہواؤں کے چلنے اور پانی برسنے کے موثرات سے استشہاد کیا گیا ہے: وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا ۝ فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا ۝ پھر آسمان اور زمین کی

بخشائشوں پر اور خود وجود انسانی کی اندرونی شہادتوں پر توجہ دلائی ہے: وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اسکے بعد فرمایا:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ	آسمان و زمین کے رب کی قسم (یعنی آسمان و زمین کے پروردگار کی پروردگاری
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝	شہادت دے رہی ہے) کہ بلا شبہ وہ معاملہ (یعنی جزاو سزا کا معاملہ)
(۵۱ : ۲۳)	حق ہے۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح یہ بات کہ تم گویائی رکھتے ہو۔

اس آیت میں اثباتِ جزا کیلئے خدا نے خود اپنے وجود کی قسم کھائی ہے، لیکن رب کے لفظ سے اپنے آپ کو تعبیر کیا ہے۔ عربی میں قسم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بات پر کسی بات سے شہادت لائی جائے پس مطلب یہ ہوا کہ پروردگار عالم کی پروردگاری شہادت دے رہی ہے کہ یہ بات حق ہے۔ یہ شہادت کیا ہے؟ وہی ربوبیت کی شہادت ہے۔ اگر دنیا میں پرورش موجود ہے، پروردہ موجود ہے، اور اسلیئے پروردگار بھی موجود ہے، تو ممکن نہیں کہ جزا کا معاملہ بھی موجود نہ ہو۔ اور وہ بغیر کسی نتیجہ کے انسان کو چھوڑ دے۔ چونکہ لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی۔ اسلیئے اس آیت میں قسم اور مقسم بہ کا ربط صحیح طور پر متعین نہ کرسکے۔

قرآنِ حکیم کے دلائل و براہین پر غور کرتے ہوئے یہ اصل ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کے استدلال کا طریقہ منطقی بحث و تقریر کا طریقہ نہیں ہے جسکے لیئے چند در چند مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اثبات مدعا کی شکلیں ترتیب دینی پڑتی ہیں، بلکہ وہ ہمیشہ براہ راست تلقین کا قدرتی اور سیدھا سادا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ عموماً اسکے دلائل اسکے اسلوب بیان و خطاب میں مضمر ہوتے ہیں۔ وہ یا تو کسی مطلب کیلئے اسلوب خطاب ایسا اختیار کرتا ہے کہ اسی سے استدلال کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے، یا پھر کسی مطلب پر زور دیتے ہوئے کوئی ایک لفظ ایسا بول جاتا ہے کہ اسکی تعبیر ہی میں اسکی دلیل بھی موجود ہوتی ہے، اور خود بخود مخاطب کا ذہن دلیل کی طرف پھر جاتا ہے۔ چنانچہ اسکی ایک واضح مثال یہی صفت ربوبیت کا بجا بجا استعمال ہے۔ جب وہ خدا کی ہستی کا ذکر کرتا ہوا اسے رب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، تو یہ بات کہ وہ رب ہے، جس طرح اسکی ایک صفت ظاہر کرتی ہے، اسی طرح اسکی دلیل بھی واضح کردیتی ہے۔ وہ رب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اسکی ربوبیت تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے، اور خود تمہارے دل کے اندر گھر بنائے ہوئے ہے۔ پھر کیونکر تم جرأت کرسکتے ہو کہ اسکی ہستی سے انکار کرو؟ وہ رب ہے، اور رب کے سوا کون ہوسکتا ہے جو تمہاری بندگی و نیاز کا مستحق ہو؟

چنانچہ قرآن کے وہ تمام مقامات جہاں اس طرح کے مخاطبات ہیں کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اُعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ، اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ، ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ، اِنَّ

ان ھذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون ، قل اتحاجوننا فی اللہ؟ وھو ربنا وربکم؛ وغیرہا، تو انہیں مجرد امر و خطاب ہی نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ وہ خطاب و دلیل دونوں ہیں، کیونکہ ربّ کے لفظ نے برہان ربوبیت کی طرف خود بخود رہنمائی کردی ہے۔ افسوس ہے کہ قرآن کے عام مفسرین و مترجمین کی نظر اس حقیقت پر نہ تھی، کیونکہ منطقی استدلال کے استغراق نے انہیں قرآن کے طریق استدلال سے بے پروا کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان مقامات کے ترجمہ و تفسیر میں قرآن کے اسلوبِ بیان کی حقیقی روح واضح نہ ہوسکی اور استدلال کا پہلو طرح طرح کی توجیہات میں گم ہوگیا۔

(۴) اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الرحمٰن اور الرحیم "الرحمٰن" اور "الرحیم" دونوں رحم سے ہیں۔ عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقّت و نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیئے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آجائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل، احسان، سب کا مفہوم داخل ہے، اور محبت و لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔

اگرچہ یہ دونوں اسم رحمت سے ہیں، لیکن رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ عربی میں فعلان کا باب عموماً ایسے صفات کیلیئے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں۔ فعلی ظہور انکے لیئے ضروری نہیں ہوتا۔ جیسے پیاسے کیلیئے عطشان۔ غضبناک کیلیئے غضبان۔ سرمستی کے لیئے حیران مست کیلیئے سکران۔ لیکن فعیل کے وزن میں صفاتِ قائمہ و فاعلہ کا خاصہ ہے یعنی عموماً ایسے صفات کے لیئے بولا جاتا ہے جو جذبات و عوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں، اور اپنا فعلی ظہور بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً کریم کرم کرنے والا، عظیم بڑائی رکھنے والا، علیم علم رکھنے والا حکیم حکمت رکھنے والا۔ پس الرحمٰن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے، اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس کی رحمت اپنا فعلی ظہور بھی رکھتی ہے اور تمام کائناتِ خلقت اُس سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

رحمت کو دو الگ الگ اسموں سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ اسلیئے کہ قرآن خدا کے تصوّر کا جو نقشہ ذہن نشین کرنا چاہتا ہے، اُس میں سب سے زیادہ نمایاں اور چھائی ہوئی صفت، رحمت ہی کی صفت ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ تمام تر رحمت ہی ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷: ۱۵۵) اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے!

پس ضروری تھا کہ خصوصیت کے ساتھ اسکی صفتی اور فعلی دونوں حیثیتیں واضح کردی جائیں یعنی اُس میں رحمت ہو کیونکہ وہ الرحمٰن ہے، اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ اس سے رحمت کا ظہور بھی ہورہا ہے، کیونکہ الرحمٰن کے ساتھ وہ الرحیم بھی ہے!

رحمت

لیکن اللہ کی رحمت کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی و کمال ہے وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمتِ الٰہی کی صفت و فعل کا ظہور ہے!

جب ہم کائنات ہستی کے اعمال و مظاہر پر غور کرتے ہیں تو سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے، وہ اُس کا نظام ربوبیت ہے کیونکہ فطرت سے ہماری پہلی شناسائی ربوبیت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن جب علم و ادراک کی راہ میں چند قدم آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ربوبیت سے بھی ایک زیادہ وسیع اور عام حقیقت تمام کائناتِ ہستی میں کارفرما ہے، اور خود ربوبیت بھی اُسی کے فیضان کا ایک گوشہ ہے۔ ربوبیت اور اُس کا نظام کیا ہے؟ کائناتِ ہستی کی پرورش ہے، لیکن کائناتِ ہستی میں صرف پرورش ہی نہیں ہے، بلکہ پرورش سے بھی ایک زیادہ بنانے، سنوارنے، اور فائدہ پہنچانے کی حقیقت کام کررہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی فطرت میں بناؤ ہے، اُسکے بناؤ میں خوبی ہے، اُسکے مزاج میں اعتدال ہے، اُسکے افعال میں خواص ہیں، اُسکی صورت میں حسن ہے، اسکی صداؤں میں نغمہ ہے، اُسکی بُو میں عطر بیزی ہے اور اُسکی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ کی تعمیر و درستگی کے لیئے مفید نہ ہو۔ پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی زیادہ وسیع اور عام ہے، قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہے، اور خالق کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے!

زندگی اور حرکت کا یہ عالمگیر کارخانہ وجود ہی میں نہ آتا، اگر اپنے ہر فعل میں بننے بنانے، سنورنے سنوارنے، اور ہر طرح بہتر و اصلح ہونے کا خاصہ نہ رکھتا۔ فطرتِ کائنات میں یہ خاصہ کیوں ہے؟ اسلیئے کہ بناؤ ہو، بگاڑ نہ ہو۔ درستگی ہو، برہمی نہ ہو۔ لیکن کیوں ایسا ہوا کہ فطرت بنائے اور سنوارے، بگاڑے اور اُلجھائے نہیں؟ یہ کیا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، درست اور بہتر ہی ہوتا ہے۔ خراب اور بدتر نہیں ہوتا؟ انسان کے علم و دانش کی کاوشیں آجتک یہ عقدہ حل نہ کرسکیں۔ فلسفہ و نظر کا قدم جب کبھی اس حد تک پہنچا، دم بخود ہوکر رہ گیا، لیکن قرآن کہتا ہے، یہ اسلیئے ہے کہ فطرتِ کائنات میں رحمت ہے، اور رحمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ خوبی اور درستگی ہو، بگاڑ اور خرابی نہ ہو!

انسان کے علم و دانش کی کاوشیں بتلاتی ہیں کہ کائناتِ ہستی کا یہ بناؤ اور سنوار عناصر اولیہ کی

ترکیب اور ترکیب کے اعتدال و تسویہ کا نتیجہ ہے۔ مادۂ عالم کی کمیت میں بھی اعتدال ہے اور کیفیت میں بھی اعتدال ہے۔ یہی اعتدال ہے جس سے سب کچھ بنتا ہے، اور جو کچھ بنتا ہو خوبی اور کمال کے ساتھ بنتا ہے۔ یہی اعتدال و تناسب، دنیا کے تمام تعمیری اور ایجابی حقائق کی اصل ہے۔ وجود، زندگی، تندرستی، حُسن، خوشبو، نغمہ، بناؤ اور خوبی کے بہت سے نام ہیں مگر حقیقت ایک ہی ہے، اور وہ اعتدال ہے۔

لیکن فطرتِ کائنات میں یہ اعتدال و تناسب کیوں ہے؟ کیوں ایسا ہوا کہ عناصر کے دقائق جب ملیں تو اعتدال و تناسب کے ساتھ ملیں، اور مادّہ کا خاصہ یہی ٹھیرا کہ اعتدال و تناسب ہو، انحراف اور تجاوز نہ ہو؟ انسان کا علم دم بخود اور متحیر ہے، لیکن قرآن کہتا ہے، یہ اسلیئے ہوا کہ خالقِ کائنات میں رحمت ہے، اور اسلیئے کہ اُسکی رحمت اپنا ظہور بھی رکھتی ہے، اور جسمیں رحمت ہو، اور اُسکی رحمت ظہور بھی رکھتی ہو، تو جو کچھ اُس سے صادر ہوگا، اُس میں خوبی و بہتری ہی ہوگی، حُسن و جمال ہی ہوگا، اعتدال و تناسب ہی ہوگا۔ اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا!

فلسفہ ہمیں بتلاتا ہے کہ تعمیر اور تحسین فطرت کا خاصّہ ہے۔ خاصّہ تعمیر یہ چاہتا ہے کہ بناؤ ہو، خاصّہ تحسین یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے خوبی و کمال کے ساتھ بنے، اور یہ دونوں خاصّے قانونِ ضرورت کا نتیجہ ہیں۔ کائناتِ ہستی کے ظہور و تکمیل کیلیئے ضرورت تھی کہ تعمیر ہو، اور ضرورت تھی کہ جو کچھ تعمیر ہو حُسن و خوبی کے ساتھ تعمیر ہو۔ یہی "ضرورت" بجائے خود ایک علّت ہوگئی، اور اسلیئے فطرت سے جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے، ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا ہونا ضروری تھا۔

لیکن اس تعلیل سے بھی تو یہ عقدہ حل نہیں ہوا؟ سوال جس منزل میں تھا، اُس سے صرف ایک منزل اور آگے بڑھ گیا۔ تم کہتے ہو یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسلیئے ہے کہ "ضرورت" کا قانون موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "ضرورت" کا قانون کیوں موجود ہے؟ کیوں یہ ضروری ہوا کہ جو کچھ ظہور میں آئے "ضرورت" کے مطابق ہو اور "ضرورت" اسی بات کی مقتضی ہوئی کہ خوبی اور درستگی ہو، بگاڑ اور برہمی نہ ہو؟ انسانی علم کی کاوشیں اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ ایک مشہور فلسفی کے لفظوں میں، "جس جگہ سے یہ "کیوں" شروع ہوجائے سمجھ جاؤ کہ فلسفہ کے غور و خوض کی سرحد ختم ہوگئی۔" لیکن قرآن اسی سوال کا جواب دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے یہ "ضرورت" رحمت و فضل کی "ضرورت" ہے۔ رحمت چاہتی ہے کہ جو کچھ ظہور میں آئے بہتر ہو اور نافع ہو، اور اس لیئے جو کچھ ظہور میں آتا ہی بہتر ہوتا ہے اور نافع ہوتا ہے!

پھر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ دنیا میں زندگی اور بقا کے لیئے جن چیزوں کی ضرورت تھی، جمال و زیبائی اُن سے ایک زائد تر فیضان ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جمال و زیبائش موجود ہے۔ پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ

یہ سب کچھ قانونِ ضرورت ہی کا نتیجہ ہے۔ ضرورت، زندگی اور بقا کا سروسامان چاہتی ہے، لیکن زندہ اور باقی رہنے کیلئے جمال وزیبائش کی ضرورت کیا ہے؟ اگر جمال وزیبائش بھی یہاں موجود ہے تو یقیناً یہ فطرت کا ایک مزید لطف و احسان ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت صرف زندگی ہی نہیں بخشتی بلکہ زندگی کو حسین و لطیف بھی بنانا چاہتی ہے۔ پس یہ محض زندگی کی ضرورت کا قانون نہیں ہوسکتا۔ یہ اس "ضرورت" سے بھی کوئی بالاتر "ضرورت" ہے جو چاہتی ہے کہ رحمت اور فیضان ہو۔ قرآن کہتا ہے، یہ رحمت کی "ضرورت" ہے، اور رحمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ وہ سب کچھ ظہور میں آئے جو رحمت سے ظہور میں آنا چاہیئے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ — آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کے لیئے ہے؟ (اے پیغمبر!) کہو اللہ کیلئے

لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۶ : ۱۲) — ہے جس نے اپنے لیئے ضروری ٹھیرالیا ہے کہ رحمت ہو۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷ : ۱۵۵) — اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کا احاطہ کیئے ہوئے ہے!

افادہ و فیضانِ فطرت

اس سلسلہ میں سب سے پہلی حقیقت جو ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے، وہ کائنات ہستی اور اسکی تمام اشیا کا افادہ و فیضان ہے۔ یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ فطرت کے تمام کاموں میں، کامل نظم و یکسانیت کے ساتھ، مفید اور بکارآمد ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے، اور اگر بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا یہ تمام کارگاہ عالم صرف اسی لیئے بنا ہے کہ ہمیں فائدہ پہنچائے، اور ہماری حاجت روائیوں کا ذریعہ ہو:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۵ : ۱۱)

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ نے تمہارے لیئے مسخر کردیا ہے (یعنی اُن کی قوتیں اور تاثیریں اس طرح تمہارے تصرف میں دیدی گئی ہیں کہ جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو) بلاشبہ ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس بات میں (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں![1]

---

[1] اس آیت میں اور اسکی تمام ہم معنی آیات میں "تسخیر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی تمام چیزیں تمہارے لیئے مسخر کردی گئی ہیں۔ عربی میں تسخیر ٹھیک اسی معنی میں بولا جاتا ہے، جس معنی میں ہم اردو میں بولا کرتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کا قہراً و حکماً اس طرح مطیع ہوجانا کہ جس طرح چاہیں اُس سے کام لیں۔ غور کرو، انسانی قوٰی کی عظمت و سروری کے اظہار کے لیئے اس سے زیادہ بلند اور موزوں تعبیر اور کیا ہوسکتی تھی؟ قرآن کے نزول سے پہلے اقوامِ عالم کی دینی ذہنیت انسان کی عقلی امنگوں کے قطعاً خلاف تھی لیکن قرآن نے صرف یہی نہیں کیا کہ اسکی عقلی امنگوں کی جرأت افزائی کردی، بلکہ اسکی ہمت عقل اور اولوالعزمی عمل کے لیئے ایک ایسی بلند نظری کا نقشہ کھینچ دیا جس سے بہتر نقشہ آج بھی نہیں کھینچا جاسکتا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس لیئے ہے کہ انسان کے آگے مسخر ہوکر رہے اور انسان اُن میں تصرف کرے۔ انسانی عقل و فکر کے لیئے اس سے زیادہ بلند نصب العین اور کیا ہوسکتا ہے!

پھر غور کرو، "تسخیر" کا لفظ انسانی عقل کی حکمرانیوں کے لیئے کس درجہ موزوں لفظ ہے! اس تسخیر کا قدیم منظر یہ تھا کہ انسان کا چھوٹا سا بچہ لکڑی کے دو گز تختے جوڑ کر سمندر کے سینے پر سوار ہوجاتا تھا، اور نیا منظر یہ ہے کہ آگ، پانی، ہوا، بجلی تمام عناصر پر حکمرانی کررہا ہے!

البتہ یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جہاں کہیں اس تسخیر کا ذکر کیا ہے اُس کا تعلق صرف کرۂ ارضی کی کائنات خلقت سے ہے (بقیہ بر ص ۴۳)

ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات عالم میں جو کچھ بھی موجود ہے، اور جو کچھ بھی ظہور میں آتا ہے، اُس میں سے ہر چیز کوئی نہ کوئی خاصہ رکھتی ہے، اور ہر حادثہ کی کوئی نہ کوئی تاثیر ہے، اور پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ تمام خواص و مؤثرات کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ہر خاصہ ہماری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کرتا، اور ہر تاثیر ہمارے لیئے کوئی نہ کوئی فیضان رکھتی ہے۔ سورج، چاند، ستارے، ہوا، بارش، دریا، سمندر، پہاڑ، سب کے خواص و فوائد ہیں، اور سب ہمارے لیئے طرح طرح کی راحتوں اور آسایشوں کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں:

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِىَ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (۱۴ : ۳۰)

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (پھر زمین کی روئیدگی کا ایسا انتظام کر دیا کہ) آسمان سے پانی برستا ہے، اور اُسکی تاثیر سے طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لیئے پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اس نے یہ بات بھی ٹھیرا دی ہے کہ سمندر (کی خوفناک موجوں) میں جہاز تمہارے زیر فرمان رہتے ہیں، اور حکم الٰہی سے چلتے رہتے ہیں، اور اسی طرح دریا بھی تمہاری کارگزاریوں کیلیئے مسخر کر دیئے گئے ہیں، اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ غور کرو تو) سورج اور چاند بھی تمہارے لیئے مسخر کر دیئے گئے ہیں کہ ایک خاص ڈھنگ پر گردش میں ہیں، اور رات اور دن کا اختلاف بھی (تمہارے فائدہ ہی کے لیئے) مسخر ہے۔ غرضکہ جو کچھ تمہیں مطلوب تھا، وہ سب کچھ اُس (کے فضل و رحمت) نے عطا کر دیا، اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو، تو وہ اتنی ہیں کہ ہرگز شمار نہ کر سکو گے!

زمین کو دیکھو، اُس کی سطح پھلوں اور پھولوں سے لدی ہوئی ہے، تہ میں آب شیریں کی سوتیں بہ رہی ہیں، گہرائی سے چاندی سونا نکل رہا ہے، وہ اپنی جسامت میں اگرچہ مدوّر ہے، لیکن اسکا ہر حصہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک مسطح فرش بچھا دیا گیا ہے!

اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۴۳ : ۹)

وہ پروردگار جس نے تمہارے لیئے زمین فرش کی طرح بچھا دی، اور تمہارے لیئے اس میں قطع مسافت کی (ہموار) راہیں پیدا کر دیں۔

(بقیہ صفحہ ۴۲) یا آسمان کے اُن مؤثرات سے ہو جنہیں ہم یہاں محسوس کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہا ہے کہ تمام موجودات ہستی اُسکے لیئے مسخر کر دی گئی ہیں یا تمام موجودات ہستی میں وہ اشرف و اعلیٰ مخلوق ہے۔ یہ ظاہر ہو کہ ہماری دنیا کائنات ہستی کے بے کنار سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں، وما یعلم جنود ربك الا هو۔ اور انسان کو جو کچھ بھی برتری حاصل ہو وہ صرف اسی دنیا کی مخلوقات میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

(۱۳ : ۳)

اور یہ اُسی پروردگار کی پروردگاری ہے کہ اُس نے زمین کو (تمہاری سکونت کے لیے) پھیلا دیا، اور اُس میں پہاڑ اور نہریں بنا دیں، نیز ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کر دیں، اور پھر یہ اُسی کی کارفرمائی ہے کہ (رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور) رات کی تاریکی دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ بلاشبہ اُن لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اسمیں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! اور (پھر دیکھو) زمین کی سطح اس طرح بنائی گئی ہے کہ اسمیں ایک دوسرے سے قریب (آبادی کے) قطعات بن گئے، اور انگوروں کے باغ، غلہ کی کھیتیاں، کھجوروں کے جھنڈ، پیدا ہو گئے۔ ان درختوں میں بعض درخت زیادہ ٹہنیوں والے ہیں، بعض اکہرے، اور اگرچہ سب کو ایک ہی طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے، لیکن انکے پھل ایک ہی طرح کے نہیں ہوتے۔ ہم نے بعض درختوں کو بعض درختوں پر بلحاظ اُنکے ثمرات کے برتری دی ہے۔ بلاشبہ ارباب دانش کے لیے اس میں (معرفت حقیقت) کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۷ : ۹)

اور (دیکھو) ہم نے زمین میں تمہیں طاقت و تصرف کے ساتھ جگہ دی اور زندگی کے تمام سامان پیدا کر دیئے (مگر افسوس) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ لوگ نعمت الٰہی کے شکر گزار ہوں!

سمندر کی طرف نظر اٹھاؤ، اُس کی سطح پر جہاز تیر رہے ہیں، تہ میں مچھلیاں اُچھل رہی ہیں، قعر میں موتی اور مروارید نشو و نما پا رہے ہیں!

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(۱۶ : ۱۴)

اور (دیکھو) یہ اُسی کی کارفرمائی ہے کہ اُس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ اپنی غذا کے لیے تر و تازہ گوشت حاصل کرو اور زیور کی قیمتی چیزیں نکالو جو تمہارے پہننے میں کام آتی ہیں نیز سیر و سیاحت کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تم دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر میں موجیں چیرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں!

حیوانات کو دیکھو، زمین کے چارپائے، فضا کے پرند، پانی کی مچھلیاں، سب اُسی لیئے ہیں کہ

اپنے اپنے وجود سے ہمیں فائدہ پہنچائیں۔ غذا کے لیئے اُن کا دودھ اور گوشت، سواری کے لیئے اُنکی پیٹھ، حفاظت کے لیئے ان کی پاسبانی، پہننے کے لیئے اُن کی کھال اور اُون، برتنے کے لیئے اُن کے جسم کی ہڈیاں تک مفید ہیں!

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۝ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(۱۶ : ۵)

اور (دیکھو) یہ اُسی کی کارسازی ہے کہ طرح طرح کے چارپائے پیدا کردیئے جن میں تمہارے لیئے بے شمار فوائد ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ اُن کی کھال اور اُون میں جاڑے کا سامان ہو، اور گوشت میں غذا کا۔ اور (پھر دیکھو) جب اُنکے غول شام کو چرکر واپس آتے ہیں، اور جب چراگاہوں کیلیے نکلتے ہیں، تو اُنکے منظر میں کیسی خوشنمائی اور رونق ہوتی ہے؟ اور انہی میں وہ جانور بھی ہیں جو تمہارا بوجھ اُٹھا کر اُن (دور دراز) شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تم بغیر سخت مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا اور صاحبِ رحمت ہے۔ اور (دیکھو) گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کیئے گئے تاکہ تم اُن سے سواری کا کام لو اور خوشنمائی کا بھی موجب ہوں۔ اور (دیکھو) وہ اسیطرح (طرح طرح کی چیزیں) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝

(۱۶ : ۶۸)

اور (دیکھو) چارپایوں کے وجود میں تمہارے لیے فہم و بصیرت کی بڑی ہی عبرت ہے۔ انہی جانوروں کے جسم سے ہم خون اور کثافتوں کے درمیان پاک و صاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیئے بے غل و غش مشروب ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ (۱۶ : ۸۲)

اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیئے سکونت کی جگہ بنایا، اور (جو لوگ شہروں میں نہیں بستے اُنکے لیئے ایسا سامان کر دیا کہ) چارپایوں کی کھال کے خیمے بنا دیئے۔ سفر اور اقامت دونوں حالتوں میں اُنھیں ہلکا پاتے ہو۔ اسی طرح جانوروں کی اُون، رُوؤں اور بالوں سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیں، جن سے ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ پہنچتا ہے۔

ایک انسان کتنی ہی محدود اور غیر متمدن زندگی رکھتا ہو، لیکن اس حقیقت سے بیخبر نہیں ہو سکتا کہ اُس کا گرد و پیش اُسے فائدہ پہنچا رہا ہے۔ ایک لکڑہارا بھی اپنے جھونپڑے میں بیٹھا ہوا نظر اُٹھاتا ہے تو گو

اپنے احساس کیلئے بہتر تعبیر نہ پائے، لیکن یہ حقیقت ضرور محسوس کر لیتا ہے۔ وہ جب بیمار ہوتا ہے تو جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا لیتا ہے، دھوپ تیز ہوتی ہے تو درختوں کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، بیکار ہوتا ہے تو پتوں کی سرسبزی اور پھولوں کی خوشنمائی سے آنکھیں سینکتا ہے۔ پھر یہی درخت ہیں جو اپنی شادابی میں اُسے پھل بخشتے ہیں، پختگی میں لکڑی کے تختے بن جاتے ہیں، اور کہنگی میں آگ کے شعلے بھڑکا دیتے ہیں ایک ہی مخلوق بناتی ہے جو اپنے منظر سے نزہت و سرور بخشتا ہے، اپنی بو سے ہوا کو معطر کرتا ہے، اپنے پھل میں طرح طرح کی غذائیں رکھتا ہے، اپنی لکڑی سے سامانِ تعمیر مہیا کرتا ہے، اور پھر خشک ہو جاتا ہے تو اُسکے جلانے سے آگ بھڑکتی، چولھے گرم کرتی، موسم کو معتدل بناتی، اور اپنی حرارت سے بیشمار اشیاء کے پکنے، پگھلنے اور بننے کا ذریعہ بنتی ہے!

اِلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (۳۶ : ۸۰)

(اور دیکھو) وہ کارفرمائے قدرت، جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کر دی۔ اب تم اسی سے (اپنے چولھوں کی) آگ سلگا لیتے ہو!

اور پھر یہ وہ فوائد ہیں، جو تمہیں اپنی جگہ محسوس ہو رہے ہیں، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ فطرت نے یہ تمام چیزیں کن کن کاموں اور کن کن مصلحتوں کیلئے پیدا کی ہیں؟ اور کارفرمائے عالم کارگاہ ہستی کے بنانے اور سنوارنے کیلئے ان سے کیا کیا کام نہیں لے رہا ہے؟

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ (۷۴ : ۳۴)

اور تمہارا پروردگار اس کارزار ہستی کی کارفرمائیوں کے لیئے جو فوجیں رکھتا ہے اُن کا حال اُسکے سوا کون جانتا ہے؟

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ فطرت نے کائنات ہستی کے افادہ و فیضان کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ وہ بیک وقت، ہر مخلوق کو یکساں طور پر نفع پہنچاتا اور ہر مخلوق کی رعایت یکساں طور پر ملحوظ رکھتا ہے۔ اگر ایک انسان اپنے عالی شان محل میں بیٹھ کر محسوس کرتا ہے کہ تمام کارخانۂ ہستی صرف اسی کی کاربراریوں کیلئے بنا ہے، تو ٹھیک اُسی طرح ایک چیونٹی بھی اپنے بل میں کہہ سکتی ہے کہ فطرت کی ساری کارفرمائیاں صرف اُسی کی کاربراریوں کے لیئے ہیں، اور کون ہے جو اُسے جھٹلانے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کیا فی الحقیقت سورج اسلیئے نہیں ہے کہ اُسکے لیئے حرارت بہم پہنچائے؟ کیا بارش اسلیئے نہیں ہے کہ اُسکے لیئے رطوبت مہیا کرے؟ کیا ہوا اسلیئے نہیں ہے کہ اسکی ناک تک شکر کی بو پہنچا دے؟ کیا زمین اسلیئے نہیں ہے کہ ہر موسم اور ہر حالت کے مطابق، اُسکے لیئے مقام و منزل بنے؟ دراصل فطرت کی بخشایشوں کا قانون کچھ ایسا عام اور ہمہ گیر واقع ہوا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں، ایک ہی طریقہ سے، ایک ہی نظام کے ماتحت ہر مخلوق کی

نگہداشت کرتا، اور ہر مخلوق کو یکساں طور پر فائدہ اٹھانے کا موقع دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہر وجود اپنی جگہ محسوس کرسکتا ہے کہ یہ پورا کارخانہ عالم صرف اسی کی کام جوئیوں اور آسائشوں کیلئے سرگرم کار ہے!

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم (۶: ۳۸)

اور زمین کے تمام جانور اور (پرواز) بازوؤں سے اڑنے والے تمام پرند دراصل تمہاری ہی طرح امتیں ہیں (اور پروردگار عالم نے انہیں اسی طرح زندگی و معیشت کا سر و سامان دے رکھا ہے جس طرح تمہیں دے رکھا ہے)

البتہ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ دنیا عالم کون و فساد ہے۔ یہاں ہر بننے کے ساتھ بگڑنا ہے، اور ہر سمٹنے کے ساتھ بکھرنا۔ لیکن جس طرح سنگ تراش کا توڑنا پھوڑنا بھی اسلیئے ہوتا ہے، تاکہ خوبی و دلآویزی کا ایک پیکر تیار کردے، اسی طرح کائنات عالم کا تمام بگاڑ بھی اس لیئے ہے، تاکہ بناؤ اور خوبی کا فیضان ظہور میں آئے تم ایک عمارت بناتے ہو، لیکن اس "بنانے" کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ بہت سی بنی ہوئی چیزیں "بگڑ گئیں"؟ چٹانیں اگر نہ کاٹی جاتیں، بھٹے اگر نہ سلگائے جاتے، درختوں پر آرہ اگر نہ چلتا، تو ظاہر ہے، عمارت کا بناؤ بھی ظہور میں نہ آتا۔ پھر یہ راحت و سکون جو تمہیں ایک عمارت کی سکونت سے حاصل ہوتا ہے، کس صورتِ حال کا نتیجہ ہے؟ یقیناً اسی شور و شر اور ہنگامہ تخریب کا، جو سر و سامان تعمیر کی جد و جہد نے عرصہ تک جاری رکھا تھا۔ اگر تعمیر کا یہ شور و شر نہ ہوتا، تو عمارت کا عیش و سکون بھی وجود میں نہ آتا۔ پس یہی حال فطرت کی تعمیری سرگرمیوں کا بھی سمجھو۔ وہ عمارتِ ہستی کا ایک ایک گوشہ تعمیر کرتی رہتی ہے، وہ اس کارخانہ کا ایک ایک کیل پرزہ ڈھالتی رہتی ہے، وہ اسکی درستگی و خوبی کی حفاظت کیلیئے ہر نقصان کا دفعیہ اور ہر فساد کا ازالہ چاہتی ہے۔ تعمیر و درستگی کی یہی سرگرمیاں ہیں جو تمہیں بعض اوقات تخریب و نقصان کی ہولناکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ حالانکہ یہاں تخریب کب ہے؟ جو کچھ ہے، تعمیر ہی تعمیر ہے۔ سمندر میں تلاطم، دریا میں طغیانی، پہاڑوں میں آتش فشانی، جاڑوں میں برف باری، گرمیوں میں سموم، بارش میں ہنگامہ ابر و باد؛ تمہارے لیئے خوش آیند مناظر نہیں ہوتے۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے ہر حادثہ کائناتِ ہستی کی تعمیر و درستگی کے لیئے اتنا ہی ضروری ہے جس قدر تمہاری نگاہ میں دنیا کی کوئی مفید سے مفید چیز ہوسکتی ہے۔ اگر سمندر میں طوفان نہ اٹھتے، تو میدانوں کو زندگی و شادابی کیلیئے ایک قطرہ بارش میسر نہ آتا۔ اگر بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک نہ ہوتی، تو بارانِ رحمت کا فیضان بھی نہ ہوتا۔ اگر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں نہ پھٹتیں، تو زمین کے اندر کا کھولتا ہوا مادہ کرہ کی سطح پارہ پارہ کر دیتا۔ تم بول اٹھو گے، یہ مادہ پیدا ہی کیوں کیا گیا؟ لیکن تمہیں جاننا چاہیئے کہ اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو زمین کی قوتِ نشو و نما کا ایک ضروری عنصر مفقود ہو جاتا۔ یہی حقیقت ہے جسکی

طرف قرآن نے جابجا اشارات کیے ہیں۔ مثلاً سورۂ روم میں ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (۳۰ : ۲۴)	اور (دیکھو) اُسکی (قدرت وحکمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہو کہ بجلی کی چمک اور کڑک نمودار ہوتی ہو، اور اُس سے تم پر خوف اور امید دونوں کی حالتیں طاری ہو جاتی ہیں، پھر ایسا ہوتا ہو کہ وہ آسمان سے پانی برسا دیتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہو۔ بلاشبہ اس صورتِ حال میں اُن لوگوں کیلئے جو عقل وبینش رکھتے ہیں (حکمتِ الٰہی کی، بڑی ہی) نشانیاں ہیں!

جمالِ فطرت! لیکن فطرت کے افادہ وفیضان کی سب سے بڑی بخشائش اُسکا عالمگیر حسن وجمال ہو۔ فطرت صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں، بلکہ اس طرح بناتی سنوارتی ہے کہ اُسکے ہر بناؤ میں حسن وزیبائی کا جلوہ اور اُسکے ہر ظہور میں نظر افروزی وروح پروری کی نمود پیدا ہوگئی ہے۔ کائنات ہستی کو اُسکی مجموعی حیثیت میں دیکھو، یا اُسکے ایک ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو، اُس کا کوئی رُخ نہیں جس پر حسن رعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو۔ ستاروں کا نظام اور انکی سیر وگردش، سورج کی روشنی اور اسکی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اُتار چڑھاؤ، فضاءِ آسمانی کی وسعت اور اُسکی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اُسکے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور اُن کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ وچمن کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب؛ غرضکہ تمام تماشاگاہِ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی وجلوہ آرائی کی ایک قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے، حسن وزیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے، اور کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے نشاط، سامعہ کیلئے سرور، اور روح کیلئے راحت وسکون کا سامان بن جائے!

دراصل کائناتِ ہستی کا مایۂ خمیر ہی حسن وزیبائی ہے۔ فطرت نے جس طرح اُسکے بناؤ کے لیے مادی عناصر پیدا کیے، اُسی طرح اسکی خوبروئی ورعنائی کے لیے معنوی عناصر کا بھی رنگ وروغن آراستہ کر دیا۔ روشنی، رنگ، خوشبو، اور نغمہ؛ حسن رعنائی کے وہ عناصر ہیں جن سے مشاطۂ فطرت چہرۂ وجود کی آرائش کر رہی ہے!

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (۲۷ : ۹۰)	یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوبی اور درستگی کے ساتھ بنایا ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (۳۲ : ۷)

یہ اللہ ہے۔ محسوسات اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا، طاقت والا، رحمت والا، جس نے جو چیز بنائی حسن و خوبی کے ساتھ بنائی!

بلا شبہ کاروبار فطرت کے بعض مظاہر ایسے بھی ہیں جن میں تمہیں حُسن و خوبی کی کوئی گیرائی محسوس نہیں ہوتی۔ تم کہتے ہو، قمری و بلبل کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور و غوغا کیوں ہے؟ لیکن تم بھول جاتے ہو کہ ارغنونِ ہستی کا نغمہ کسی ایک آہنگ ہی سے نہیں بنا ہے، اور نہ بننا چاہیئے تھا۔ جس طرح تمہارے آلاتِ موسیقی کے پردوں میں زیر و بم کے تمام آہنگ موجود ہوتے ہیں، اُسی طرح سازِ فطرت کے تاروں میں بھی اُتار چڑھاؤ کے تمام آہنگ موجود ہیں۔ اُس میں ہلکے سے ہلکے سُر بھی ہیں، جن سے باریک اور سُریلی صدائیں نکلتی ہیں، موٹے سے موٹے سُر بھی ہیں جو بلند سے بلند اور بھاری سے بھاری صدائیں پیدا کرتے ہیں۔ اِن تمام سُروں کے ملنے سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہی موسیقی کی حلاوت ہے کیونکہ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح موسیقی کی حقیقت بھی مختلف اجزاء کے امتزاج و تالیف سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک ہی سُر سے نغمہ کی حلاوت پیدا ہو جائے۔ اگر تم بین یا ستار اُٹھا کر صرف اُس کے چڑھاؤ کا کوئی ایک پردہ چھیڑ دو گے، یا پیانو کی بھاری کنجیوں میں سے کوئی ایک کنجی ہی بجانے لگو گے تو یہ نغمہ نہ ہوگا، بھاں بھاں کی ایک کرخت آواز ہو گی۔ یہی حال موسیقیٔ فطرت کے زیر و بم کا بھی ہے۔ تمہیں کوّے کی کائیں کائیں اور چیل کی چیخ میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی، لیکن موسیقیٔ فطرت کی تالیف کیلئے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سُر ضروری تھا، اُسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سُر بھی ناگزیر تھا۔ بلبل و قمری کو اس سرگم کا اُتار سمجھو، اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ:

بر اہلِ ذوق درِ فیض در نمی بندد
نوائے بلبل اگر نیست صوتِ زاغ شنو!

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ (۱۷ : ۴۵)

ساتوں آسمان اور زمین، اور جو کوئی بھی اُن میں ہے، سب (اپنی بناوٹ کی خوبی اور صنعت کے کمال میں) اللہ کی بڑائی اور پاکی کا (زبان حال سے) اعتراف کر رہے ہیں، اور (اتنا ہی نہیں بلکہ کائنات خلقت میں) کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو (زبانِ حال سے) اُسکی تسبیح و تحمید نہ کر رہی ہو، مگر افسوس کہ تم (اپنے جہل و غفلت سے) اس ترانۂ تسبیح کے لیے فہم و دانش نہیں رکھتے!

آؤ، چند لمحوں کیلئے پھر اُن سوالات پر غور کرلیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ فطرتِ کائنات کی یہ تمام حسن فروزیاں اور جلوہ آرائیاں کیوں ہیں؟ یہ کیوں ہے کہ فطرت حسین ہے، اور جو کچھ اُس سے ظہور میں آتا ہے، وہ حسن و جمال ہی ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ کارخانۂ ہستی ہوتا، لیکن رنگ کی نظر افروزیاں، بُو کی عطر بیزیاں، نغمہ کی جاں نوازیاں نہ ہوتیں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ سب کچھ ہوتا، لیکن سبزۂ گل کی رعنائیاں اور قمری و بلبل کی نغمہ سنجیاں نہ ہوتیں؟ یقیناً دنیا اپنے بننے کیلئے اِسکی محتاج نہ تھی کہ تتلی کے پروں میں عجیب و غریب نقش و نگار ہوں اور رنگ برنگ کے دلفریب پرند درختوں کی شاخوں پر چہچہا رہے ہوں؟ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ درخت ہوتے مگر قامت کی بلندی، پھیلاؤ کی موزونیت، شاخوں کی ترتیب، پتّوں کی سبزی، پھولوں کی رنگا رنگی نہ ہوتی؟ پھر یہ کیوں ہے کہ تمام حیوانات اپنی اپنی حالت اور گرد و پیش کے مطابق، ڈیل ڈول کی موزونیت، اور اعضا کا تناسب ضرور ہی رکھیں۔ اور کوئی وجود نہ ہو جو اپنی شکل و منظر میں ایک خاص طرح کا معتدل پیمانہ نہ رکھتا ہو؟

انسانی علم و نظر کی کاوشیں آجتک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے، یہ سب کچھ اِس لیئے ہے کہ خالقِ کائنات الرّحمٰن اور الرّحیم ہے۔ یعنی اُس میں رحمت ہے، اور اُسکی رحمت اپنا ظہور و فعل بھی رکھتی ہے۔ رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ بخشش ہو، فیضان ہو، جود و احسان ہو، پس اُسنے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام احساس و عواطف بخش دیئے جو خوشنمائی اور بدنمائی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں، دوسری طرف کارگاہِ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں اور جاں فزائیوں سے اِس طرح آراستہ کردیا کہ اُس کا ہر گوشہ نگاہ کے لیئے سرور، سامعہ کے لیئے شیرینی، اور روح کے لیئے سرمایۂ عیش و نشاط بن گیا!

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ بس کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی، بنانے والوں میں سب سے زیادہ حسن و خوبی کے ساتھ بنانے والا! (۲۳ : ۱۴)

ہم زندگی کی بناوٹی اور خود ساختہ آسائشوں میں اس درجہ منہمک ہو گئے ہیں کہ ہمیں قدرتی راحتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، اور بسا اوقات تو ہم اُنکی قدر و قیمت کے اعتراف سے بھی انکار کر دیتے ہیں، لیکن اگر چند لمحوں کیلئے اپنے آپ کو اس غفلت سے بیدار کرلیں، تو ہمیں معلوم ہو جائے کہ کائناتِ ہستی کا حسن و جمال فطرت کی ایک عظیم اور بے پایاں بخشش ہے، اور اگر یہ نہ ہوتی یا ہم میں اسکا احساس نہ ہوتا، تو زندگی زندگی نہ ہوتی، نہیں معلوم کیا چیز ہو جاتی۔ ممکن ہے، موت کی بدحالیوں کا ایک تسلسل ہوتا!

ایک لمحہ کے لیئے تصور کرو کہ دنیا موجود ہے، مگر حسن و زیبائی کے تمام جلوؤں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پرور نیلگونی نہیں ہے، ستارے ہیں مگر اُنکی درخشندگی و جہانتابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے، درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے، پھول ہیں مگر بغیر رنگ و بُو کے، اشیاء کا اعتدال، اجسام کا تناسب، صداؤں کا ترنم، روشنی و رنگت کی بوقلمونی، اِن میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی، یا یوں کہا جائے کہ ہم میں اِن کا احساس نہیں ہے۔ غور کرو، ایک ایسی دنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کیسا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے! ایسی زندگی جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو نہ حُسن کی جلوہ آرائی، نہ نگاہ کے لیئے سرور ہو نہ سامعہ کے لیئے حلاوت، نہ جذبات کی رقت ہو نہ محسوسات کی لطافت، یقیناً عذاب و جانکاہی کی ایک ایسی حالت ہوتی جسے ہمارا تصوّر زندگی کے لفظ سے تعبیر کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا!

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی، اُس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت یعنی حسن و زیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے۔ اُس نے ایک ہاتھ سے تو ہمیں حسن کا احساس دیا۔ دوسرے ہاتھ سے تمام دنیا کو جلوۂ حسن بنا دیا۔ یہی حقیقت ہے جو ہمیں رحمت کی موجودگی کا یقین دلاتی ہے۔ اگر پردۂ ہستی کے پیچھے صرف خالقیت ہی ہوتی، رحمت نہ ہوتی۔ یعنی پیدا کرنے یا پیدا ہو جانے کی قوت ہوتی مگر افادہ و فیضان کا ارادہ نہ ہوتا، تو یقیناً کائناتِ ہستی میں فطرت کے فضل و احسان کا یہ عالمگیر مظاہرہ بھی نہ ہوتا!

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ (۳۱ : ۱۹)	کیا تم نے کبھی اِس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب تمہارے لیئے خدا نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی، پوری کر دی ہیں! (یعنی اگر ایک ربوبیت و رحمت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ دنیا میں فضل و رحمت کا یہ ظہور رہتا؟) با ایں ہمہ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اسکے کہ اُنکے پاس کوئی علم ہو، یا ہدایت ہو، یا کوئی کتاب روشن۔

انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا، اُسکی قدر و قیمت کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا۔ تم گنگا کے کنارے بستے ہو، اسلیئے تمہارے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے، لیکن اگر کبھی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اُسکی قدر و قیمت کا کیا حال ہے؟ یہی حال فطرت کے فیضانِ جمال کا بھی ہے۔ اُسکے عام اور بے پردہ جلوے شب و روز تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں، اسلیئے تمہیں انکی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح اپنی ساری جلوہ آرائیوں کے ساتھ روز آتی ہے، اسلیئے تم بستر سے سر اُٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

چاندنی اپنی ساری حسن افروزیوں کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی ہے، اسلیئے تم کھڑکیاں بند کر کے سو جاتے ہو، لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت، تمہاری نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں، یا تم میں انکے نظارۂ سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی، تو غور کرو، اُس وقت تمہارے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم الشان نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو، جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے، کیا سورج کی کرنوں سے بڑھکر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھو جو نقل و حرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہے، وہ بتلائے گا کہ آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ، راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے؟ ایک اندھا جو پیدائشی اندھا نہ تھا، تمہیں تبلا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و چمن کی بہار دیکھے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابل برداشت مصیبت ہے؟ تم بسا اوقات زندگی کی مصنوعی آسائشوں کیلئے ترستے ہو، اور خیال کرتے ہو کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت چاندی سونے کا ڈھیر اور جاہ و حشم کی نمایش ہے، لیکن تم بھول جاتے ہو کہ زندگی کی حقیقی مسرتوں کا جو خوان سامان فطرت نے ہر مخلوق کے لیئے پیدا کر رکھا ہے، اُس سے بڑھکر دنیا کی دولت و حشمت کونسا سامان نشاط مہیا کر سکتی ہے، اور اگر ایک انسان کو وہ سب کچھ میسّر ہو، تو پھر اُسکے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟ جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزیّن، اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب ہی ہو، جس کی بہار سبزہ و گل سے لدی ہوئی، اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گرانبار ہوں! جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگ اپنی بوقلمونی، خوشبو اپنی عطر بیزی، اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو، کیا اُس دنیا کا کوئی باشندہ آسائش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے؟ کیا کسی آنکھ کیلئے جو دیکھ سکتی ہو اور کسی دماغ کے لیئے جو محسوس کر سکتا ہو، ایک ایسی دنیا میں نامرادی و بدبختی کا گلہ جائز ہے؟ قرآن نے جابجا انسان کو اُسکے اسی کفران نعمت پر توجہ دلائی ہے:

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ	اور اُس نے تمہیں وہ تمام چیزیں دے دیں جو تمہیں مطلوب تھیں،
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا	اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی شمار نہیں کر سکو گے۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (۱۴: ۳۴)	بلاشبہ انسان بڑا ہی نا انصاف اور ناشکرا ہے!

جمالِ معنوی

پھر فطرت کی بخشایش جمال کے اس گوشہ پر بھی نظر ڈالو، کہ اسنے جس طرح جسم و صورت کو حسن و زیبائی بخشی ہے، اُسی طرح اسکی معنویت کو بھی جمال معنوی سے آراستہ کر دیا۔ جسم و صورت کا جمال یہ ہے کہ ہر وجود کے ڈیل ڈول اور اعضاء و جوارح میں تناسب ہو۔ معنویت کا جمال یہ ہے کہ ہر چیز کی کیفیت اور باطنی

قویٰ میں اعتدال ہے۔ اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور فوائد پیدا ہوئے ہیں، اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک و حواس کی قوتیں بیدار کردیں، اور پھر انسان کے درجہ میں پہنچکر جوہر عقل و فکر کا چراغ روشن کردیا!

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (۱۶: ۸۰)

اور (دیکھو) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہو کہ تم اپنی ماؤں کے شکم سے پیدا ہوتے ہو اور کسی طرح کی سمجھ بوجھ تم میں نہیں ہوتی، لیکن اُس نے تمہارے لیے دیکھنے سننے کے حواس بنا دیئے اور سوچنے سمجھنے کیلئے عقل دیدی تاکہ اُسکی اس نعمت کے شکر گزار رہو۔

کائنات ہستی کے اسرار و غوامض بے شمار ہیں، لیکن روح حیوانی کا جوہر ادراک، زندگی کا سب سے زیادہ لاینحل عقدہ ہے۔ حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک، ہر طرح کا احساس و ادراک رکھتے ہیں، اور انسانی دماغ کے نہاں خانہ میں عقل و تفکر کا چراغ روشن ہو۔ یہ قوت احساس، یہ قوت ادراک، یہ قوت عقل! کیونکر پیدا ہوئی؟ مادی عناصر کی ترکیب امتزاج سے ایک ماورائے مادہ جوہر کس طرح ظہور میں آگیا؟ چیونٹی کو دیکھو، اُسکے دماغ کا حجم سوئی کی نوک سے شاید ہی کچھ زیادہ ہوگا۔ لیکن مادہ کے اس حقیر ترین عصبی ذرہ میں بھی احساس و ادراک، محنت و استقلال، ترتیب و تناسب، نظم و ضبط، اور صنعت و اختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں، اور وہ اپنے اعمال حیات کی کرشمہ سازیوں سے ہم پر رعب اور حیرت کا عالم طاری کردیتی ہے۔ شہد کی مکھی کی کارفرمائیاں ہر روز تمہاری نظروں سے گزرتی رہتی ہیں۔ یہ کون ہے جس نے ایک چھوٹی سی مکھی میں تعمیر و تحسین کی ایسی منتظم قوت پیدا کردی ہے؟ قرآن کہتا ہے یہ اسلیے ہو کہ رحمت کا مقتضا جمال تھا، اور ضروری تھا کہ جس طرح اُس نے جمال صوری سے دنیا آراستہ کردی ہے، اُسی طرح جمال معنوی کی بخشائشوں سے بھی اُسے مالامال کردیتی!

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (۵:۳۲)

یہ محسوسات اور غیر محسوسات کا جاننے والا عزیز و رحیم ہو جس نے جو چیز بھی بنائی، حسن و خوبی کے ساتھ بنائی۔ چنانچہ یہ اُسی کی قدرت و حکمت ہو کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اُسکے توالد و تناسل کا سلسلہ (خون کے) خلاصہ سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہو قائم کردیا۔ پھر اُسکی تمام قوتوں کی درستگی کی، اور اپنی رُوح (میں سے ایک روح) پھونک دی، اور (اسطرح) اُسکے لیے سُننے، دیکھنے اور فکر کرنے کی قوتیں پیدا کردیں (لیکن افسوس انسان کی غفلت پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہو کہ تم اللہ کی نعمتوں

بقاءِ انفع

لیکن کائناتِ ہستی کا یہ بناؤ، یہ حُسن، یہ ارتقاء، قائم نہیں رہ سکتا تھا اگر اس میں خوبی کے بقاء اور خرابی کے ازالہ کیلئے ایک اٹل قوت سرگرمِ کار نہ رہتی۔ یہ قوت کیا ہے؟ فطرت کا انتخاب ہے۔ فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے۔ وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور بہتری ہی باقی رکھتی ہے۔ فساد اور نقص محو کر دیتی ہے۔ ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہم اِسے "بقاءِ اصلح" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ "اصلح" یعنی Fittest. لیکن قرآن "بقاءِ اصلح" کی جگہ "بقاءِ انفع" کا ذکر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے اس کارگاہ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے، جس میں نفع ہو۔ کیونکہ یہاں رحمت کارفرما ہے اور رحمت چاہتی ہے کہ اِفادہ و فیضان ہو۔ وہ نقصان و برہمی گوارا نہیں کر سکتی۔ تم سونا کٹھالی میں ڈالکر آگ پر رکھتے ہو۔ کھوٹ جل جاتا ہے۔ خالص سونا باقی رہجاتا ہے۔ یہی مثال فطرت کے انتخاب کی ہے کھوٹ میں نفع نہ تھا۔ نابود کر دیا گیا۔ سونے میں نفع تھا۔ باقی رہ گیا:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ (۱۳ : ۱۷)

جب اس پروردگار کی کارفرمائی آسمان سے پانی برساتی ہے تو (دیکھو) ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے، اُسکے مطابق وہ بہہ نکلتے ہیں۔ (لیکن زمین کی کثافت کی آمیزش سے جسقدر جھاگ اُٹھتا ہے، وہ ٹھہر نہیں سکتا۔ پانی کی رَو اُسے اٹھا کر بہا لے جاتی ہے۔ اسی طرح جب زیور بنانے یا اور کسی طرح کا سامان بنانے کیلئے (مختلف قسم کی دھاتیں) آگ میں تپاتے ہیں، تو اُس میں بھی جھاگ اُٹھتا ہے اور میل کچیل کٹ کر نکل جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کر دیتا ہے۔ جھاگ رائیگاں گیا۔ کیونکہ اس میں نفع نہ تھا۔ جس چیز میں نفع تھا، وہ باقی رہ گیا۔

تدریج و امہال

پھر اگر دقتِ نظر سے کام لو تو افادہ و فیضانِ فطرت کی حقیقت کچھ انہی مظاہر پر موقوف نہیں ہے بلکہ کارخانۂ ہستی کے تمام اعمال و قوانین کا یہی حال ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ فطرت کے تمام قوانین اپنی نوعیت میں کچھ اس طرح واقع ہوئے ہیں اگر لفظوں میں اُسے تعبیر کرنا چاہو تو صرف فطرت کے فضل و رحمت ہی سے تعبیر کر سکتے ہو۔ مثلاً اُسکے قوانین کا عمل کبھی فوری اور اچانک نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتی ہے، آہستہ آہستہ اور بتدریج کرتی ہے، اور اس تدریجی طرزِ عمل نے دنیا کیلئے مہلت اور ڈھیل کا فائدہ پیدا کر دیا ہے۔ یعنی اُس کا ہر قانون فرصتوں پر فرصتیں دیتا ہے، اور اُسکا ہر فعل عفو و درگزر کا دروازہ آخر تک کھلا رکھتا ہے۔ بلاشبہ اُسکے قوانین اپنے نفاذ میں اٹل ہیں۔ اُن میں ردّ و بدل کا امکان نہیں:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ - ہمارے یہاں جو بات ایک مرتبہ ٹھہرا دی گئی، اُس میں پھر کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (۵۰ : ۲۸)

اور اسلیئے تم خیال کرنے لگتے ہو کہ انکی قطعیت بے رحمی سے خالی نہیں، لیکن تم نہیں سوچتے کہ جو قوانین اپنے نفاذ میں اسدرجہ قطعی اور بے پرواہیں وہی اپنی نوعیت میں کس درجہ عفوو درگزر اور مہلت بخشی و اصلاح کوشی کی روح رکھتے ہیں؟ اسی لیئے آیت مندرجہ صدر میں "مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ" کے بعد ہی فرمایا:

وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ لیکن ساتھ ہی، یہ بھی نہیں ہے کہ ہم بندوں کے لیئے زیادتی کرنے والے ہوں! (۵۰ : ۲۸)

فطرت اگر چاہتی تو ہر حالت بیک دفعہ ظہور میں آجاتی اور اُسکے قوانین کا نفاذ فوری اور ناگہانی ہوتا، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہر حالت، ہر تاثیر، ہر انفعال کے ظہور و بلوغ کے لیئے ایک خاص مدت مقرر کردی گئی ہے، اور ضروری ہے کہ بتدریج، درجہ بدرجہ، مختلف منزلیں پیش آئیں۔ پھر ہر منزل اپنے آثار و انذار رکھتی ہے، اور آنے والے نتائج سے خبردار کرتی رہتی ہے۔ زندگی اور موت کے قوانین پر غور کرو کس طرح زندگی بتدریج نشوونما پاتی، اور درجہ بدرجہ مختلف منزلوں سے گزرتی ہے؟ اور کس طرح موت کمزوری و فساد کا ایک طول طویل سلسلہ ہے، جو اپنے ابتدائی نقطوں سے شروع ہوتا، اور یکے بعد دیگرے، مختلف منزلیں طے کرتا ہوا، آخری نقطۂ بلوغ تک پہنچا کرتا ہے؟ تم بد پرہیزی کرتے ہو تو یہ نہیں ہوتا کہ فوراً ہی ہلاک ہوجاؤ بلکہ بتدریج موت کی طرف بڑھنے لگتے ہو، اور بالآخر ایک خاص مدت کے اندر، جو ہر صورت حال کیلئے یکساں نہیں ہوتی، درجہ بدرجہ اُترتے ہوئے، موت کے آغوش میں جاگرتے ہو۔ نباتات کو دیکھو۔ درخت اگر آبیاری سے محروم ہوجاتے ہیں، یا نقصان و فساد کا کوئی دوسرا سبب عارض ہوجاتا ہے، تو یہ نہیں ہوتا کہ ایک ہی دفعہ مُرجھا کر رہجائیں، یا کھڑے کھڑے اچانک گر جائیں۔ بلکہ بہ تدریج، شادابی کی جگہ پژمردگی کی حالت طاری ہونا شروع ہوجاتی ہے، اور پھر ایک خاص مدت کے اندر جو مقرر کردی گئی ہے، یا تو بالکل مرجھا کر رہ جاتے ہیں، یا جڑ کھوکھلی ہوکر گر پڑتے ہیں۔ یہی حال کائناتِ خلقت کے تمام تغیرات و انفعالات کا ہے۔ کوئی تغیر ایسا نہیں جو اپنا تدریجی دور نہ رکھتا ہو۔ ہر چیز بتدریج بنتی ہے، اور اسی طرح بتدریج بگڑتی ہے۔ بناؤ ہو یا بگاڑ، ممکن نہیں کہ ایک خاص مدت گزرے بغیر، کوئی حالت بھی اپنی کامل صورت میں ظاہر ہوسکے۔ یہ مدت جو ہر حالت کے ظہور کے لیئے اسکی "اجل" یعنی مقررہ وقت ہے، مختلف گوشوں اور مختلف حالتوں میں مختلف مقدار رکھتی ہے، اور بعض حالتوں میں تو اسکی مقدار اتنی طویل ہوتی ہے کہ ہم اپنے نظام اوقات سے اُسکا حساب بھی نہیں لگا سکتے۔ قرآن نے اِسے یوں تعبیر کیا ہے کہ جس مدت کو تم اپنے حساب میں ایک دن سمجھتے ہو

اگر اُسے ایک ہزار برس یا پچاس ہزار برس تصور کر لو، تو ایسے دنوں سے جو مہینے اور برس بنیں گے اُنکی مقدار کتنی ہوگی؟

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (۲۲: ۴۶)

اور بلاشبہ تمہارے پروردگار کے حساب میں ایک دن کی مدت اتنی ہی ہے جیسے تمہارے حساب کا ایک ہزار برس!

فطرت کا یہی تدریجی طرزِ عمل ہے جسے قرآن نے "تکویر" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنی لپیٹنے سے۔ وہ کہتا ہے، بجائے اِسکے کہ اچانک دن کی روشنی نکل آتی اور ناگہاں رات کی اندھیری اُبل پڑتی، فطرت نے رات اور دن کے ظہور کو اس طرح تدریجی بنا دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے، رات آہستہ آہستہ دن پر لپیٹی جاتی ہے اور دن درجہ بدرجہ، رات پر لپٹتا آتا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ (۳۹: ۷)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اُس نے رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آتے رہنے کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹتی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹتا آتا ہے۔ اور (یہ اسلیے ہو کہ) سورج اور چاند دونوں کو اُسکی قدرت نے (ایک خاص انتظام کے ماتحت) مسخر کر رکھا ہے۔ سب (اپنی اپنی جگہ) اپنے مقررہ وقت تک کے لیے حرکت میں ہیں!

قرآن اس تدریجی رفتارِ عمل کو فائدہ اُٹھانے کا موقع دینے، ڈھیل دینے، عفو و درگزر کرنے اور ایک خاص مدت تک فرصتِ حیات بخشنے سے تعبیر کرتا ہے، اور کہتا ہے، یہ اسلیے ہے کہ کائناتِ ہستی میں فضل و رحمت کی مشیت کام کر رہی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ ہر غلطی کو درستگی کے لیے، ہر نقصان کو تلافی کے لیے، ہر لغزش کو سنبھل جانے کے لیے، زیادہ سے زیادہ اور بار بار مہلتِ اصلاح جو مل سکتی ہے، اُس کا دروازہ بند نہ ہو۔

وہ کہتا ہے، اگر تدریج و امہال کی یہ فرصتیں اور بخششیں نہ ہوتیں تو دنیا میں ایک وجود بھی فرصتِ حیات سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ ہر غلطی، ہر کمزوری، ہر نقصان، ہر فساد، اچانک "بیک دفعہ" بربادی و ہلاکت کا باعث ہو جاتا:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ

اور انسان جو کچھ اپنے اعمال سے کمائی کرتا ہے، اگر اللہ اُس پر (فوراً) مواخذہ کرتا، تو یقین کرو، زمین کی سطح پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا۔ لیکن (یہ اسکی رحمت ہو کہ) اُس نے ایک مقررہ وقت تک فرصتِ حیات دے رکھی ہے۔ البتہ جب وہ مقررہ وقت آ جائیگا تو پھر (یاد رہے کہ) اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے

كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ (۳۵:۴۵) بے خبر نہیں ہے۔ اسکی آنکھیں ہر وقت اور ہر حال میں سب کچھ دیکھ رہی ہیں!

قدرتی طور پر یہ ڈھیل اچھائی اور برائی دونوں کیلئے ہے۔ اچھائی کے لیئے اسلیئے تاکہ اور زیادہ نشوونما پائے۔ برائی کیلئے اسلیئے، تاکہ متنبہ اور خبردار ہو کر اصلاح و تلافی کا سامان کرلے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ ان لوگوں کو بھی اور اُن لوگوں کو بھی، (یعنی اچھوں کو بھی اور بروں کو بھی) سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش میں سے حصہ مل رہا ہے اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں! (۱۷:۲۱)

اگر قوانین فطرت کی ان مہلت بخشیوں سے فائدہ اٹھا کر نقصان و فساد کی اصلاح کرلی جائے مثلاً تم نے بد پرہیزی کی تھی۔ اُسے ترک کردو۔ گیہوں کھانے کی جگہ مٹی پھانکنے لگتے تھے۔ اس سے باز آجاؤ تو پھر اُسی فطرت کا یہ بھی قانون ہے کہ اصلاح و تلافی کی ہر کوشش قبول کرلیتی ہے، اور نقصان و فساد کے جو نتائج نشوونما پانے لگے تھے، اُن کا مزید نشوونما فوراً رُک جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ اگر اصلاح بر وقت اور ٹھیک ٹھیک کی گئی ہے، تو پچھلے مضر اثرات بھی اس طرح محو ہو جائینگے، گویا کوئی خرابی پیش ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن اگر فطرت کی تمام مہلت بخشیاں رائگاں گئیں۔ اُسکا بار بار اور درجہ بدرجہ انتظار بھی کوئی نتیجہ پیدا نہ کرسکا۔ تو پھر بلاشبہ وہ آخری حد نمودار ہو جاتی ہے؛ جہاں پہنچکر فطرت کا آخری فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب اُسکا فیصلہ صادر ہو جائے، تو نہ تو اُس میں چشم زدن کی تاخیر ہوسکتی ہے، نہ کسی حال میں بھی تنزل اور تبدیلی:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ پھر جب اُن کا مقررہ وقت آگیا، تو اُس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (یعنی نہ تو اُسکے نفاذ میں تاخیر ہوسکتی ہے نہ تقدیم۔ ٹھیک ٹھیک اپنے وقت میں ہو جاتا ہے) (۱۶:۶۳)

تسکین حیات

یا مثلاً ہم دیکھتے ہیں، انسان کی معیشت، قیام و بقاء کی جد و جہد اور کشاکش کا نام ہے؛ اس لیئے قدرتی طور پر اُس کا ہر گوشہ طرح طرح کی محنتوں اور کاوشوں سے گھرا ہوا ہے، اور بہ حیثیت مجموعی زندگی اضطراری ذمہ داریوں کا بوجھ اور مسلسل مشقتوں کی آزمائش ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اُسکی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے! (۹۰:۴)

لیکن باایں ہمہ، فطرت نے کارخانۂ معیشت کا ڈھنگ کچھ اس طرح بنا دیا ہے، اور طبیعتوں میں کچھ اس طرح کی خواہشیں، ولولے، اور انفعالات ودیعت کردیئے ہیں کہ زندگی کے ہر گوشہ میں ایک عجیب

طرح کی دلبستگی، مشغولیت، اہماہمی، اور سرگرمی پیدا ہوگئی ہے، اور یہی زندگی کا انہماک و سرگرمی ہے جس کی وجہ سے ہر فردِ حیات نہ صرف زندگی کی مشقتیں برداشت کر رہا ہے، بلکہ انہی مشقتوں میں زندگی کی بڑی سے بڑی لذت و راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ مشقتیں جسقدر زیادہ ہوتی ہیں، اتنی ہی زیادہ زندگی کی دلچسپی اور محبوبیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر ایک انسان کی زندگی اِن مشقتوں سے خالی ہوجائے، تو وہ محسوس کرے گا کہ زندگی کی ساری لذتوں سے محروم ہوگیا ہے اور اب زندہ رہنا اُس کے لیئے ناقابلِ برداشت بوجھ ہے!

پھر دیکھو، کارسازِ فطرت کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ حالات متفاوت ہیں، طبائع متنوع ہیں، اشغال مختلف ہیں، اغراض متضاد ہیں، لیکن معیشت کی دلبستگی اور سرگرمی سب کے لیئے یکساں ہے، اور سب ایک ہی طرح اُسکی مشغولیتوں کے لیئے جوش و طلب رکھتے ہیں۔ مرد و عورت، طفل و جوان، امیر و فقیر، عالم و جاہل، قوی و ضعیف، تندرست و بیمار، مجرد و متاہل، حاملہ و مرضعہ، سب اپنی اپنی حالتوں میں منہمک ہیں، اور کوئی نہیں جس کے لیئے زندگی کی کاوشوں میں محویت نہ ہو۔ امیر اپنے محل کے عیش و نشاط میں اور فقیر اپنی بے سروسامانیوں کی فاقہ مستی میں زندگی بسر کرتا ہے، لیکن دونوں کے لیئے زندگی کی مشغولیتوں میں دلبستگی ہوتی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کون زیادہ مشغول ہے۔ ایک تاجر جس انہماک کے ساتھ اپنی لاکھوں کروڑوں روپیوں کی آمدنی کا حساب کرتا ہے اُسی طرح ایک مزدور بھی اپنی دن بھر کی محنت کے چند پیسے گن لیا کرتا ہے، اور دونوں کے لیئے یکساں طور پر زندگی محبوب ہوتی ہے۔ ایک حکیم کو دیکھو جو اپنے علم و دانش کی کاوشوں میں غرق ہے، اور ایک دہقان کو دیکھو جو دوپہر کی دھوپ میں برہنہ سر ہل جوت رہا ہے، اور پھر بتلاؤ، کس کیلیئے زندگی کی مشغولیتوں میں زیادہ دلبستگی ہے؟

پھر دیکھو، بچہ کی پیدائش ماں کے لیئے کیسی جانکاہی مصیبت ہوتی ہے؟ اور اُسکی پرورش و نگرانی کس طرح خود فروشانہ مشقتوں کا ایک طول و طویل سلسلہ ہے؟ لیکن یہ سارا معاملہ کچھ ایسی خواہشوں اور جذبوں کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہے کہ ہر عورت میں ماں بننے کی قدرتی طلب ہے، اور ہر ماں پرورشِ اولاد کے لیئے مجنونانہ خود فراموشی رکھتی ہے۔ وہ زندگی کا سب سے بڑا دُکھ سہیگی، اور پھر اُسی دُکھ میں زندگی کی سب سے بڑی مسرت محسوس کرے گی! وہ جب اپنی معیشت کی ساری آسائشیں اور راحتیں قربان کردیتی ہے، اور اپنی رگوں کے خون کا ایک ایک قطرہ دودھ بنا کر پلادیتی ہے، تو اُسکے دل کا ایک ایک ریشہ زندگی کے سب سے بڑے احساسِ مسرت سے معمور ہوجاتا ہے!

پھر کاروبارِ فطرت کے یہ تصرفات دیکھو کہ کس طرح نوعِ انسانی کے منتشر افراد اجتماعی زندگی کے

بندھنوں سے باہم گر مربوط کر دیئے گئے ہیں ؟ اور کس طرح صلۂ رحمی کے رشتہ نے ہر فرد کو سینکڑوں ہزاروں افراد کے ساتھ جوڑ رکھا ہے ؟

فرض کرو، زندگی معیشت اِن تمام موثرات سے خالی ہوتی ؟ لیکن قرآن کہتا ہے کہ خالی نہیں ہوسکتی تھی، اسلیئے کہ فطرتِ کائنات میں رحمت کارفرما ہے، اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ معیشت کی مشقتوں کو خوشگوار بنا دے، اور زندگی کے لیئے تسکین و راحت کا سامان پیدا کر دے۔ یہ رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں جنہوں نے رنج میں راحت، الم میں لذت اور سختیوں میں دلپذیری کی کیفیت پیدا کر دی ہے!

چنانچہ قرآن نے تسکینِ حیات کے مختلف پہلوؤں پر جا بجا توجہ دلائی ہے۔ ازانجملہ کائناتِ خلقت کے مناظر و اشیاء کا اختلاف و تنوّع ہے۔ حیوانی طبیعت کا خاصّہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی و تنوّع میں خوشگواری و کیفیت محسوس کرتی ہے۔ پس اگر کائناتِ عالم میں محض یکسانی و یکرنگی ہی ہوتی، تو یہ دلچسپی اور خوشگواری پیدا نہ ہو سکتی جو اُسکے ہر گوشہ میں ہمیں نظر آ رہی ہے۔ اوقات کا اختلاف، موسموں کا اختلاف، خشکی و تری کا اختلاف، مناظرِ طبیعت اور اشیاءِ خلقت کا اختلاف؛ جہاں بیشمار مصلحتیں اور فوائد رکھتا ہے، وہاں ایک بڑی مصلحت دنیا کی زیب و زینت اور معیشت کی تسکین و راحت بھی ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اِس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے!

چنانچہ اِسی سلسلہ میں وہ رات اور دن کے اختلاف کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے، اگر غور کرو تو اِس اختلاف میں حکمتِ الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ یہ بات کہ شب و روز کی آمد و شد کی دو مختلف حالتیں ٹھہرا دی گئی ہیں، اور وقت کی نوعیت ہر معین مقدار کے بعد بدلتی رہتی ہے، زندگی کیلیئے بڑی ہی تسکین و دلبستگی کا ذریعہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، اور وقت ہمیشہ ایک ہی حالت پر برقرار رہتا تو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا۔ اگر تم قطبین کے اطراف میں جاؤ جہاں روز و شب کا اختلاف اپنی نمود نہیں رکھتا، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اختلاف گزرانِ حیات کے لیے کیسی عظیم الشان نعمت ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (۳ : ۱۸۷)	بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں ارباب دانش کے لیئے (حکمتِ الٰہی) کی بڑی ہی نشانیاں ہیں!

رات اور دن کے اختلاف نے معیشت کو دو مختلف حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دن کی روشنی جد و جہد کی

سرگرمی پیدا کرتی ہے۔ رات کی تاریکی راحت و سکون کا بستر بچھا دیتی ہے۔ ہر دن کی محنت کے بعد رات کا سکون ہوتا ہے، اور ہر رات کے سکون کے بعد نئے دن کی نئی سرگرمی!

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۲۸: ۷۳)

اور (دیکھو) یہ اُسکی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن (الگ الگ) ٹھہرا دیئے گئے تاکہ رات کے وقت راحت پاؤ، اور دن میں اُس کا فضل تلاش کرو (یعنی کاروبار معیشت میں سرگرم ہو)

پھر رات اور دن کا اختلاف، صرف رات اور دن ہی کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ ہر دن مختلف حالتوں سے گزرتا، اور ہر رات مختلف منزلیں طے کرتی ہے۔ اور ہر حالت ایک خاص طرح کی تاثیر رکھتی ہے" اور ہر منزل کے لیے ایک خاص طرح کا منظر ہوتا ہے۔ صبح طلوع ہوتی ہے' اور اسکی ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ دن ڈھلتا ہے، اور اُس کا ایک خاص منظر ہوتا ہے۔ اوقات کا یہ روزانہ اختلاف ہمارے احساسات کا ذائقہ تبدیل کرتا رہتا ہے، اور یکسانیت کی افسردگی کی جگہ تبدّل و تجدّد کی لذّت اور سرگرمی پیدا ہوتی رہتی ہے!

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ (۳۰: ۱۶)

پس پاکی ہے اللہ کے لیئے، اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیئے حمد و ستائش ہے، جبکہ تم پر شام آتی ہے، اور جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے؛ اور جب دن کا آخری وقت ہو، اور جب دوپہر شروع ہو جائے!

اسی طرح انسان خود اپنے وجود کو دیکھے' اور تمام حیوانات کو دیکھے۔ فطرت نے کس طرح طرح طرح کے اختلافات سے اسمیں تنوع اور دلپذیری پیدا کر دی ہے؟

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ! (۳۵: ۲۷)

اور انسان، جانور، چارپائے، طرح طرح کی رنگتوں کے!

عالم نباتات کو دیکھو۔ درختوں کے مختلف ڈیل ڈول ہیں، مختلف رنگتیں ہیں، مختلف خوشبوئیں ہیں، مختلف خواص ہیں، اور پھر دانہ اور پھل کھاؤ تو مختلف قسم کے ذائقے ہیں!

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (۲۶: ۶)

کیا ان لوگوں نے کبھی زمین پر نظر نہیں ڈالی اور غور نہیں کیا کہ ہم نے نباتات کی ہر دوہ بہتر قسموں میں سے کتنے (بے شمار) درخت پیدا کر دیئے ہیں!

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور (دیکھو) اللہ نے جو پیدا وار تمہارے لیئے مختلف رنگتوں کی زمین میں پھیلا دی ہے، سو اس میں بھی عبرت پذیر طبیعتوں کے لیئے حکمت

لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ (۱۶ : ۱۳) — الٰہی کی) بڑی ہی نشانی ہے!

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ (۶ : ۱۴۲) — اور وہ (حکیم و قدیر) جس نے (طرح طرح کے) باغ (زمین میں) پیدا کر دیئے۔ ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور (طرح طرح کی) کھیتیاں جن کے دانے اور پھل کھانے میں مختلف ذائقہ رکھتے ہیں۔

حیوانات اور نباتات ہی پر موقوف نہیں، جمادات میں بھی یہی قانونِ فطرت کام کر رہا ہے:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (۲۷ : ۳۵) — اور پہاڑوں کو دیکھو۔ گوناگون رنگتوں کے ہیں۔ کچھ سفید، کچھ سرخ کچھ کالے کلوٹے!

اسی قانونِ اختلاف کا ایک گوشہ وہ بھی ہے جسے قرآن نے "تزویج" سے تعبیر کیا ہے اور ہم اُسے قانونِ تثنیہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے، یا متقابل و متماثل ہونے کا قانون۔ کائناتِ خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو، تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی ہر چیز میں جفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور رکھتی ہے۔ رات کیلئے دن ہے، صبح کے لئے شام ہے، نر کے لئے مادہ ہے، مرد کیلئے عورت ہے، زندگی کے لئے موت ہے[۱]:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (۵۱ : ۴۹) — اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کر دیئے (یعنی دو دو اور متقابل اشیاء پیدا کیں)

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (۳۶ : ۳۶) — پاکی اور بزرگی ہے اُس ذات کے لیے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں، اور اُن تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں، دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں!

یہی قانونِ فطرت ہے جس نے انسان کو دو مختلف جنسوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کر دیا، اور پھر

---

[۱] قرآن حکیم نے آخرت کے وجود کا جن جن دلائل سے اذعان پیدا کیا ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے دنیا میں ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متقابل وجود یا مثنیٰ ضرور رکھتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے لیے بھی کوئی متقابل اور مثنیٰ زندگی ہو۔ دنیوی زندگی کی متقابل زندگی آخرت کی زندگی ہے:

والشمس وضحٰها، والقمر اذا تلٰها، والنهار اذا جلّٰها، والليل اذا يغشٰها، والسماء وما بنٰها، والارض وما طحٰها۔ الخ (۹۱ : ۱-۶)

اُن میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کے کچھ ایسے احساسات و دلیعت کردیے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے اور دونوں کے ملنے سے ازدواجی زندگی کی ایک کامل معیشت پیدا ہو جاتی ہے!

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا (۴۲: ۹)

وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنا دیئے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اسی طرح چارپایوں میں بھی جوڑے پیدا کر دیئے۔

قرآن کہتا ہے، یہ اسلیئے ہے تاکہ محبت اور سکون ہو، اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت اور اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل اور گوارا ہو جائیں:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۳۰: ۲۰)

اور (دیکھو، اُسکی رحمت کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کیلئے مرد) تاکہ اسکی وجہ سے تمہیں سکون حاصل ہو اور (پھر اُسکی کارفرمائی دیکھو کہ) تمہارے درمیان (یعنی مرد اور عورت کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنیوالے ہیں اسمیں (حکمت الٰہی کی) نشانیاں ہیں!

پھر اسی ازدواجی زندگی سے توالد و تناسل کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو گیا ہے کہ ہر وجود پیدا ہوتا ہے، اور ہر وجود پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف وہ نسب کا رشتہ رکھتا ہے جو اُسے پچھلوں سے جوڑتا ہے۔ دوسری طرف صہر یعنی دامادی کا بھی رشتہ رکھتا ہے جو اُسے آگے آنے والوں سے مربوط کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر وجود کی فردیت ایک وسیع دائرہ کی کثرت میں پھیل گئی ہے، اور رشتوں قرابتوں کا ایسا منظم حلقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ مربوط ہے!

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (۲۵: ۵۶)

اور وہی (حکیم و قدیر) ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) انسان کو پیدا کیا، پھر (اسی رشتہ پیدائش کے ذریعہ) اُسے نسب اور صہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا!

اور پھر دیکھو، اس نسب اور صہر کے رشتہ سے کس طرح خاندان اور قبیلہ کا نظام قائم ہو گیا ہے، اور کس عجیب و غریب طریقہ سے صلۂ رحمی یعنی قرابت داری کی گیرائیاں ایک وجود کو دوسرے وجود سے جوڑتیں اور معاشرتی زندگی کی باہمی الفتوں اور معاونتوں کیلئے محرک ہوتی ہیں؟ دراصل انسان کی اجتماعی زندگی کا سارا کارخانہ اسی صلۂ رحمی کے سررشتہ نے قائم کر رکھا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی نافرمانی سے بچو (اور اُسکے ٹھہرائے ہوئے

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا

(۴ : ۱)

رشتوں سے بے پروا نہ ہو جاؤ) وہ پروردگار جس نے (تمہاری پیدائش کا ایسا نظام مقرر کردیا کہ ایک فرد کی اکیلی ہستی سے رشتوں قرابتوں کا ایک پورا خاندان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے اُس کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ دیکھو، اُس نے) تمہیں ایک فرد واحد سے پیدا کیا (یعنی باپ پیدا کیا) اور اُسی سے اُسکا جوڑا بھی پیدا کردیا (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوا لڑکی بھی پیدا ہوئی) پھر اُن کی نسل سے ایک بڑی تعداد مرد اور عورت کی پیدا ہو گئی، اور (توالد و تناسل) سے پھیل گئی (اسطرح فرد واحد کے رشتہ نے ایک بڑے خاندان اور قبیلہ کی صورت پیدا کرلی پس اللہ کی نافرمانی سے بچو جسکے نام پر باہدگر (مہر و شفقت کا) سوال کرتے ہو اور قطع رحمی کے توڑنے سے (جسکے نام پر باہدگر ایک دوسرے سے چشمداشت اعانت رکھتے ہو)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً

(۱۶ : ۷۲)

اور (دیکھو) یہ اللہ ہو جس نے تمہاری ہی جنس میں سے تمہارے لئے جوڑا بنا دیا، (یعنی مرد کیلئے عورت اور عورت کیلئے مرد) پھر تمہارے باہمی ازدواج سے بیٹوں اور پوتوں کا سلسلہ قائم کردیا (جسمیں تمہارے لیئے زندگی کی بڑی ہی مسرت ہے) اور

اسی طرح ایام حیات کے تغیر و تنوع میں بھی تسکین حیات کی ایک بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ہر زندگی طفولیت، شباب، جوانی، کہولت، اور بڑھاپے کی مختلف منزلوں سے گزرتی ہے، اور ہر منزل اپنے نئے نئے احساسات اور نئی نئی کاوشیں رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی عالم ہستی کی ایک دلچسپ مسافرت بن گئی ہے۔ ایک منزل کی کیفیتوں سے ابھی جی سیر نہیں ہو چکتا کہ دوسری منزل نمودار ہو جاتی ہے، اور اس طرح عرصہ حیات کی طوالت محسوس ہی نہیں ہوتی:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ ۖ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○

(۴۰ : ۶۹)

وہ (پروردگار) جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر علقہ سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو، پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو۔ اسکے بعد تمہارا جینا اسلیئے ہوتا ہے تاکہ بڑھاپے کی منزل تک پہنچو۔ پھر تم میں سے کوئی تو ان منزلوں سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور کوئی چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کرلے۔

اسی طرح طرح طرح کی خواہشیں اور جذبے، زینت و تفاخر کے ولولے، مال و متاع کی محبت، آل اولاد کی وابستگیاں، زندگی کی دلچسپی و انہماک کیلئے پیدا کردی گئی ہیں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

انسان کے لیئے مرد و عورت کے تعلق میں، اولاد میں، چاندی سونے کے اندوختوں میں، اچھے ہوئے گھوڑوں میں، مویشیوں میں، اور کھیتی باڑی میں وابستگی پیدا کردی گئی ہے، اور یہ

وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳ : ۱۴)

جو کچھ بھی ہے، دنیوی زندگی کی پونجی ہے اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے!

اسی طرح معیشت کا اختلاف اور اسکی وجہ سے مختلف درجوں اور حالتوں کا پیدا ہو جانا بھی انہماکِ حیات کا ایک بہت بڑا محرک ہے، کیونکہ اسکی وجہ سے زندگی میں تزاحم پیدا ہو گیا ہے، اور تزاحم کے استغراق سے زندگی کی مشقتوں کا جھیلنا آسان ہو گیا ہے، بلکہ یہی مشقتیں راحت و سرور کا سامان بن گئی ہیں:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (۶ : ۱۶۵)

اور یہ اُسی (حکیم و قدیر) کی کارفرمائی ہے کہ اُس نے تمہیں زمین میں (پچھلوں کا) جانشین بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر، درجوں میں، فوقیت دیدی، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اُسمیں تمہارے عمل و تصرف کی آزمایش کرے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار (پاداشِ) عمل کی سزا دینے میں تیز ہے (یعنی اُس کا قانونِ مکافات نتائجِ عمل میں سُست رفتار نہیں) لیکن ساتھ ہی بخشدینے والا، رحمت رکھنے والا بھی ہے (اسلیے اگر ایک طرف نتائجِ اعمال کا قانون کام کر رہا ہے تو دوسری طرف آزمایشِ حیات میں تمہارے لیے طرح طرح کے فائدوں اور برکتوں کا سامان بھی کر دیا گیا ہے!)

برہانِ فضل و رحمت

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن نے ربوبیّت کے اعمال و مظاہر سے استدلال کیا ہے، اُسی طرح وہ رحمت کے آثار و مناظر سے بھی جا بجا استدلال کرتا ہے، اور برہانِ ربوبیت کی طرح برہانِ فضل و رحمت بھی اُسکی دعوت و ارشاد کا ایک عام اسلوبِ خطاب ہے۔ وہ کہتا ہے، کائناتِ خلقت کی ہر شے میں، ایک مقرّرہ نظام کے ساتھ رحمت و فضل کے مظاہر کا موجود ہونا، قدرتی طور پر انسان کو یقین دلاتا ہے کہ ایک رحمت رکھنے والا خالقِ کائنات موجود ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو، اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائناتِ خلقت کے افادہ و فیضان، زینت و جمال، موزونیت و اعتدال، تسویہ و قوام، اور خوبی و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے، دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں:

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا

اور (دیکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر اُسی کی ایک ذات، رحمت والی، اور اپنی رحمت کی بخشایشوں سے فیضیاب کرنے والی! بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں، اور کشتی میں جو انسان کی کاربراریوں کیلئے سمندر میں چلتی ہے اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس (کی آبپاشی) سے زمین

أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲: ۱۵۸)

مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے، اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین میں منتشر کر رکھے ہیں، نیز ہواؤں کے (مختلف جانب) پھیرنے میں، اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (اپنی مقررہ جگہ کے اندر) بندھے رُکے ہیں، عقل رکھنے والوں کے لئے (اللہ کی ہستی اور اُس کے قوانین فضل و رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اسی طرح اُن مقامات کا مطالعہ کرو جہاں خصوصیت کے ساتھ جمالِ فطرت سے استدلال کیا ہے:

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ (۵۰: ۶)

کیا کبھی ان لوگوں نے آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس خوبی کے ساتھ ہم نے یہ فضائے سماوی اور اُسکے ستارے بنائے ہیں اور کس طرح اُسکے منظر میں خوشنمائی پیدا کر دی ہے، اور پھر کس عمدگی کے ساتھ تمہارے سروں پر یہ شامیانہ تنا ہوا ہے کہ کہیں بھی اسمیں شگاف نہیں؟ اور اسیطرح زمین کو دیکھو، کسطرح ہم نے اُسے (فرش کیطرح) پھیلا دیا، اور اسمیں پہاڑوں کے لنگر ڈالدیئے، اور پھر کسطرح قسم قسم کے خوبصورت نباتات اگا دیئے؟ ہر اس بندے کیلئے جو حق کیطرف رجوع کرنیوالا ہو، اسمیں بصیرت و عبرت ہے!

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ (۱۵: ۱۶)

اور (دیکھو) ہم نے آسمان میں (ستاروں کی گردش کے لیے) برج بنائے اور اس طرح بنائے کہ دیکھنے والوں کیلئے اُن میں خوشنمائی پیدا کر دی۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (۶۷: ۵)

اور (دیکھو) ہم نے دنیا کے آسمان (یعنی کرۂ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا!

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (۱۶: ۵)

اور (دیکھو اُس نے چارپائے پیدا کیے، اور ایسے خوبصورت پیدا کیے کہ) تمہارے لیے اُنکے منظر میں جب شام کے وقت چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب صبح کو لیجاتے ہو، ایکطرح کا حسن اور نظر افروزی ہے!

جس چیز کو ہم "جمال" کہتے ہیں، اُسکی حقیقت کیا ہے؟ موزونیت اور تناسب۔ یہی موزونیت اور تناسب ہے جو بناؤ اور خوبی کے تمام مظاہر کی اصل ہے:

وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ (۱۵: ۱۹) اور (دیکھو) ہم نے زمین میں ہر ایک چیز موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی!

اِسی معنی میں قرآن "تسویہ" کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے۔ "تسویہ" کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اِس طرح، ٹھیک ٹھیک، درست کر دینا، کہ اُسکی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیْ ۙ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیْ ۙ (۸۷: ۲-۳)	وہ پروردگار، جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر ٹھیک ٹھیک خوبی و مناسبت کے ساتھ اُسے درست کر دیا، پھر اُسکے لیئے ایک اندازہ ٹھیرا دیا، پھر اُس پر (زندگی و معیشت کی) راہ کھول دی!
الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ (۸۲: ۷)	وہ پروردگار، جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا، پھر (تمہارے ظاہری و باطنی قوٰی میں) اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنانی چاہی، اُسکے مطابق ترکیب دیدی!

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے "اتقان" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنی کائنات خلقت کی ہر چیز کا درستگی و استواری کے ساتھ ہونا کہ کہیں بھی اسمیں خلل، نقصان، بے ڈھنگا پن، اونچ نیچ، ناہمواری نظر نہیں آسکتی:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ (۲۷: ۹۰)	یہ اللہ کی کاریگری ہے، جس نے ہر چیز درستگی و استواری کے ساتھ بنائی!
مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝ (۶۷: ۳)	تم (اِس) رحمٰن کی بناوٹ میں (رحمٰن کی بناوٹ میں کیونکہ یہ اُسکی رحمت ہی کا ظہور ہے) کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں پاؤ گے۔ (اچھا نظر اُٹھاؤ، اور اِس کارگاہِ صنعت کا مطالعہ کرو) ایک بار نہیں، بار بار دیکھو، کیا تمہیں کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟ تم اسی طرح یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو، تمہاری نگاہ اُٹھے گی، اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آجائے گی، لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے گی!

"فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ" فرمایا۔ یعنی یہ خوبی و اتقان اسلیئے ہے کہ رحمت رکھنے والے کی کاریگری ہے اور رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ حسن و خوبی ہو، اتقان و کمال ہو، نقص اور ناہمواری نہ ہو!

خدا کی ہستی اور اُسکی توحید و صفات کی طرح، آخرت کی زندگی پر بھی وہ رحمت سے استدلال کرتا ہے۔ اگر رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں اِس خوبی و کمال کے ساتھ زندگی کا ظہور ہو، تو کیونکر یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اُسکا فیضان ختم ہو جائے، اور خزانۂ رحمت میں انسان کی زندگی اور بناؤ کے لیئے کچھ باقی نہ رہے؟

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَأَبَى الظّٰلِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ۝ قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۚ (١٧ : ١٠١)

کیا ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس (کی قدرت وحکمت) نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں، یقیناً اس بات سے عاجز نہیں ہو سکتا کہ ان جیسے (آدمی دوبارہ) پیدا کر دے، اور یہ کہ انکے لیے اس نے ایک ایک مقررہ وقت ٹھرا دیا ہے جسمیں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں؟ (افسوس انکی شقاوت پر!) اس پر بھی ان ظالموں نے اپنے لیے کوئی راہ پسند نہ کی مگر حقیقت سے انکار کرنے کی! (اے پیغمبر ان سے) کہدو، اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے، تو اس حالت میں یقیناً تم خرچ ہو جانیکے ڈر سے ہاتھ روکے رکھتے، (لیکن یہ اللہ ہی ہے جسکے خزائن رحمت نہ تو کبھی ختم ہو سکتے ہیں اور نہ اسکی بخشایش رحمت کی کوئی انتہا ہے)

اس طرح وہ رحمت سے وحی و تنزیل کی ضرورت پر بھی استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، جو رحمت کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے کیونکر ممکن تھا کہ انسان کی معنوی ہدایت کیلئے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا، اور وہ انسان کو نقصان و ہلاکت کیلئے چھوڑ دیتی؟ اگر تم دس گوشوں میں فیضان رحمت محسوس کر رہے ہو، تو کوئی وجہ نہیں کہ گیارھویں گوشے میں اس سے انکار کر دو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جابجا نزول وحی، ترسیل کتب، اور بعثت انبیاء کو رحمت سے تعبیر کیا ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝ (١٧ : ٨٨)

اور (اے پیغمبر!) اگر ہم چاہیں تو جو کچھ تم پر وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے اسے اٹھا لیجائیں (یعنی سلسلۂ تنزیل و وحی باقی نہ رہے) اور پھر تمہیں کوئی بھی ایسا کارساز نہ ملے جو ہم پر زور ڈال سکے۔ لیکن یہ جو سلسلۂ وحی جاری ہے تو یہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کی رحمت ہے، اور یقین کرو، تم پر اسکا بڑا ہی فضل ہے (کہ نزول رحمت کا تمہیں مورد و مہبط ٹھرا دیا ہے)

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ۝ (٣٦ : ٢)

(یہ قرآن) عزیز و رحیم کیطرف سے نازل کیا گیا ہے، تاکہ ان لوگوں کو، جن کے آباؤ اجداد (کسی پیغمبر کی زبانی نتائج ضلالت سے) نہیں ڈرائے گئے ہیں اور اسلیئے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (بدعملیوں کے نتیجوں سے) ڈراؤ!

توریت و انجیل اور قرآن کی نسبت جابجا تصریح کی کہ ان کا نزول "رحمت" ہے:

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبُ مُوسٰى إِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ (١١ : ٢٠)

اور اس سے پہلے (یعنی قرآن سے پہلے) موسیٰ کی کتاب (امت کے لیے) پیشوا اور رحمت!

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ

اے افراد نسل انسانی! یقیناً یہ تمہارے پروردگار کیطرف سے موعظت

مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُورِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝

جو تمہارے لیئے آگئی ہے، اور اُن تمام بیماریوں کیلئے جو انسان کے دل کی بیماریاں ہیں نسخۂ شفا ہے، اور رہنمائی اور رحمت ہے ایمان رکھنے والوں کیلئے۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دو کہ یہ جو کچھ ہے، اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔ پس چاہیئے کہ (اسمیں غور و فکر کرو اور) اپنی فیضیابی پر خوش ہو۔ یہ (اپنی برکتوں میں) اُن تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم (اپنی زندگی کی کامرانیوں کے لیئے) فراہم کرتے ہو!

(۱۰ : ۵۷)

هَٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

یہ (قرآن) لوگوں کے لیئے واضح دلیلوں کی روشنی ہے، اور ہدایت و رحمت ہے یقین رکھنے والوں کے لیئے!

(۴۵ : ۱۹)

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(یہ منکرینِ حق معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لیکن) کیا ان لوگوں کے لیئے یہ (معجزہ) کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے جو انہیں (برابر) سنائی جارہی ہے؟ یقین کرو، جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں، انکے لیئے تو بلاشبہ اس (معجزہ) میں سرتاسر رحمت اور فہم و بصیرت ہے (اور جنکے دل ایمان و یقین کی طلب سے خالی ہیں تو اُنکے لیئے کوئی معجزہ بھی کارگر نہیں ہو سکتا!)

(۲۹ : ۵۰)

چنانچہ اسی بنا پر اُس نے داعیٔ اسلام کے ظہور کو بھی فیضانِ رحمت سے تعبیر کیا ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ۝ (۲۱ : ۱۰۷)

(اے پیغمبر!) تمہاری نبوّت کا ظہور اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام جہان کے لیئے ہماری رحمت کا ظہور ہے!

اسی طرح وہ "رحمت" کے مادّی مظاہر سے انسانی اعمال کے معنوی قوانین پر بھی استدلال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، جس "رحمت" کا مقتضا یہ ہوا کہ دنیا میں "بقاءِ انفع" کا قانون نافذ ہے، یعنی وہی چیز باقی رہتی ہے جو نافع ہوتی ہے، کیونکر ممکن تھا کہ وہ انسانی اعمال کیطرف سے غافل ہو جاتی، اور نافع اور غیر نافع اعمال میں امتیاز نہ کرتی؟ پس مادّیات کی طرح معنویات میں بھی یہ قانون نافذ ہے، اور ٹھیک ٹھیک اُسی طرح اپنے احکام و نتائج رکھتا ہے، جس طرح مادّیات میں تم دیکھ رہے ہو۔

اس سلسلہ میں وہ دو لفظ استعمال کرتا ہے "حق" اور "باطل"۔ سورۂ رعد میں جہاں قانونِ "بقاءِ انفع" کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس بیان سے مقصود "حق" اور "باطل" کی حقیقت واضح کرنی ہے:

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ اس طرح اللہ "حق" اور "باطل" کی ایک مثال بیان کرتا ہے۔ (۱۳ : ۱۸)

ساتھ ہی مزید تصریح کردی:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۚ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ اسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۚ (۱۳ : ۱۸)

پس (دیکھو) سیل کجھیل سے جو جھاگ اٹھتا ہے، وہ رائگاں جاتا ہے، کیونکہ اسمیں انسان کیلئے نفع نہ تھا، لیکن جس چیز میں انسان کیلئے نفع ہے، وہ زمین میں باقی رہجاتی ہے۔ اسی طرح اللہ (اپنے قوانین عمل کی) مثالیں دیتا ہے۔ (سو) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا اُنکے لیے خوبی و بہتری ہے، اور جن لوگوں نے قبول نہ کیا (اور حق کی جگہ باطل کی راہ اختیار کی) اُنکے لیے (اپنے اعمال بد کا) سختی کے ساتھ حساب دینا ہے اور اگر ان لوگوں کے قبضے میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اُسپر اور بڑھادیں اور بدلہ میں دیکر (نتائج عمل سے) بچنا چاہیں (جب بھی نہ بچ سکینگے)

عربی میں "حق" کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے۔ یعنی جو بات ثابت ہو، اپنی جگہ اٹل ہو، اَمٹ ہو، اُسے "حق" کہیں گے۔ "باطل" ٹھیک ٹھیک اُس کا نقیض ہے۔ ایسی چیز جس میں ثبات و قیام نہ ہو۔ ٹل جانے والی مٹ جانے والی، باقی نہ رہنے والی۔ چنانچہ خود قرآن میں جابجا ہے۔ ليحق الحق ويبطل الباطل (۸ : ۸)

وہ کہتا ہے، جس طرح تم مادیات میں دیکھتے ہو کہ فطرت چھانٹتی رہتی ہے۔ جو چیز نافع ہوتی ہے، باقی رکھتی ہے، جو نافع نہیں ہوتی، اُسے محو کردیتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک ایسا ہی عمل معنویات میں بھی جاری ہے۔ جو عمل حق ہوگا، قائم اور ثابت رہیگا، جو باطل ہوگا، مٹ جائیگا، اور جب کبھی حق اور باطل متقابل ہونگے تو بقاء حق کے لیے ہوگی، نہ کہ باطل کیلئے۔ وہ اسے "قضاء بالحق" سے تعبیر کرتا ہے یعنی فطرت کا فیصلہ حق، جو باطل کے لیے نہیں ہوسکتا:

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (۴۰ : ۷۸)

پھر جب وہ وقت آگیا کہ حکم الٰہی صادر ہو، تو (خدا کا) فیصلہ حق نافذ ہوگیا، اور اُس وقت اُن لوگوں کے لیے جو سربسر باطل تھے، تباہی ہوئی!

اُس نے اس حقیقت کی تعبیر کے لیے "حق" اور "باطل" کا لفظ اختیار کرکے مجرد تعبیر ہی سے حقیقت کی نوعیت واضح کردی۔ کیونکہ حق اُسی چیز کو کہتے ہیں جو ثابت و قائم اور اٹل ہو، اور باطل کے معنی ہی یہ ہیں کہ مٹ جانا اور قائم و باقی نہ رہنا۔ پس جب وہ کسی بات کیلئے کہتا ہے کہ یہ "حق" ہے تو یہ صرف دعوی ہی نہیں ہوتا، بلکہ دعوے کے ساتھ اُسکے جانچنے کا ایک معیار بھی پیش کردیتا ہے۔ یہ بات حق ہے یعنی

نہ ٹلنے والی اور نہ مٹنے والی بات ہے۔ یہ بات باطل ہے۔ یعنی نہ ٹک سکنے والی اور مٹ جانے والی بات ہے۔ پس جو بات اٹل ہوگی، اُسکا اٹل ہونا کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ جو بات مٹ جانے والی ہے، اُسکا مٹنا ہر آنکھ دیکھ لے گی!

چنانچہ وہ اللہ کی نسبت بھی "الحق" کی صفت استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ اُسکی ہستی سے بڑھکر اور کونسی حقیقت ہے جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے؟

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ (۱۰ : ۳۲) پس یہ ہے تمہارا پروردگار "الحق"!

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (۲۰ : ۱۱۳) پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا، الملک (یعنی فرمانروا) الحق (یعنی ثابت)

وحی و تنزیل کو بھی وہ "الحق" کہتا ہے، کیونکہ وہ دنیا کی ایک قائم و ثابت حقیقت ہے۔ جن قوتوں نے اُسے مٹانا چاہا تھا، وہ خود مٹ گئیں، حتیٰ کہ آج اُن کا نام و نشان بھی باقی نہیں، لیکن وحی و تنزیل کی حقیقت ہمیشہ قائم رہی، اور آجتک قائم ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۭ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

(۱۰ : ۱۰۸)

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اے افرادِ نسل انسانی! بلاشبہ تمہارے پروردگار کی طرف سے وہ چیز تمہارے لیئے آگئی جو "حق" ہے (اور اُس نے فلاح سعادت کی راہ آشکارا کردی) پس اب جس کسی نے سیدھی راہ اختیار کی تو یہ راست روی اُسی کی بھلائی کے لیئے ہے، اور جس نے گمراہی اختیار کی، تو اُسکی گمراہی کا نقصان بھی اُسی کے لیئے ہے، اور (میرا کام تو صرف راہِ حق دکھلا دینا ہے) میں تم پر نگہبان مقرر نہیں کیا گیا ہوں (کہ تم کو پکڑکر زبردستی کسی راہ پر لگادوں)۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ (۱۷ : ۱۰۶)

اور (اے پیغمبر!) ہماری طرف سے اُس کا (یعنی قرآن کا) نازل ہونا حق ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل بھی ہوا ہے۔

اسی طرح جب وہ علامت تعریف کے ساتھ کسی بات کو "الحق" کہتا ہے تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہوتی ہے، اور اسی لیئے وہ اکثر حالتوں میں صرف "الحق" کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے، اور اس سے زیادہ کہنا ضروری نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اگر فطرت کائنات کا یہ قانون ہے کہ وہ حق اور باطل کی نزاع میں "حق" ہی کو باقی رکھتی ہے، تو کسی بات کے امر حق ہونے کے لیئے صرف اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ وہ "حق" ہے یعنی باقی و قائم رہنے والی حقیقت ہے۔ اُس کا بقا و قیام خود ہی فیصلہ کردیگا کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط۔ چنانچہ

سورۂ بقرہ میں جہاں تحویل قبلہ کے معاملہ کا ذکر کیا ہے، وہاں اہل کتاب کی متعصبانہ مخالفتوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (۲: ۱۴۲)	یہ (یعنی تحویل قبلہ کا معاملہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امر حق ہے، پس دیکھو، ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ

چونکہ عام مفسرین کی نظر اس اصل پر نہ تھی، اسلیئے اس خطاب کا صحیح محل متعین نہ کرسکے۔ اور "فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ اُس معاملہ کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک نہ کرو۔ حالانکہ داعی اسلام کا قلب جو خود محل حق تھا، اس بارے میں شک کا محل کیونکر ہو سکتا تھا؟ درحقیقت اس خطاب کا مقصد ہی دوسرا ہے۔ تحویل قبلہ کے معاملہ میں کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ایمان کے لیئے بہت بڑی آزمائش تھی مٹھی بھر مظلوم و مقہور انسانوں کی جماعت نے دنیا کی دو سب سے بڑی مذہبی قوتوں کے قبلوں کے خلاف، اپنا ایک نیا قبلہ مقرر کیا تھا، اور یروشلیم کا عظیم الشان اور صدیوں کا مسلمہ ہیکل چھوڑ کر ریگستان عرب کے ایک گمنام اور بے شان و شوکت معبد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ یہ بے باکانہ جرأت کامیاب ہو سکے گی؟ اور دنیا کی قوموں کا رخ اچانک پھر جائیگا؟ یہی حقیقت ہے جس کی طرف اِن لفظوں میں اشارہ کیا گیا کہ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ (۲: ۱۳۸) پس ضرورت تھی کہ کمزور دلوں کی تقویت کے لیئے واضح کر دیا جائے کہ یہ معاملہ کتنی ہی بے سروسامانیوں کے ساتھ ظہور میں آیا ہو اور ناکامیابی کے اسباب بظاہر کتنے ہی قوی نظر آتے ہوں، تاہم کامیابی و فتحمندی اسی کے لیئے ہے، اور اس کا نتیجہ ہر طرح کے شک شبہ سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرایا ہوا "امر حق" ہے، اور جو حق ہو، وہ قائم و باقی رہنے کے لیئے ہوتا ہے، مٹنے کیلئے نہیں ہوتا۔ ہر وہ چیز جو اس سے مقابل ہوگی اور اس کی راہ روکے گی، محو اور فنا ہو جائے گی!

اسی طرح سورۂ آل عمران میں جہاں الوہیت مسیح کے اعتقاد کا رد کیا ہے، فرمایا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (۳: ۵۳)	یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے، پس دیکھو، ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

الوہیت مسیح کا اعتقاد مسیحی کلیسا کا بنیادی اعتقاد بن گیا تھا، اور اس قوت و وسعت کے ساتھ دنیا میں اُس کی منادی کی گئی تھی کہ اب اُس کے خلاف کسی دعوت کا کامیاب ہونا قریباً محال معلوم ہوتا تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اُس دعوت کے پیچھے ایک نو زائیدہ اور بے سروسامان

جماعت کے سوا کوئی طاقت و شوکت نظر نہ آتی ہو۔ پس فرمایا "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ"۔ الوہیت مسیح کے باطل اعتقاد نے کتنی ہی عظمت و سعت حاصل کر لی ہو، لیکن عبدیت مسیح کی دعوت ایک امر حق ہے اور اسلیئے جب کبھی "حق" اور "باطل" میں مقابلہ ہوگا، تو بقاؤ ثبات حق ہی کے لیئے ہوگا باطل کے لیئے نہیں ہوگا، باطل کا تو خاصہ ہی یہی ہے کہ وہ مٹ جانے والی چیز ہوتی ہے۔ سر دست یہ دعوت کتنی ہی کمزور معلوم ہوتی ہو، لیکن وہ وقت دور نہیں جب یہ اپنی فتحمندی کا علم بلند کر دیگی!

اسی طرح "الحق" کے تمام مقامات استعمال پر غور کرنا چاہیئے۔

یہ جو قرآن جا بجا حق اور باطل کی نزاع کا ذکر کرتا ہے اور پھر بطور اصل اور قاعدہ کے اس پر زور دیتا ہے کہ کامیابی حق کے لیئے ہے اور ہزیمت و خسران باطل کے لیئے، تو یہ تمام مقامات بھی اسی قانون "قضاء بالحق" کی تصریحات ہیں، اور اسی حقیقت کی روشنی میں ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ (۲۱: ۱۸)	اور ہمارا قانون یہ ہے کہ حق باطل سے ٹکراتا ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے، اور پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہو گیا!
وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۱۷: ۸۱)	اور کہدو حق نمودار ہو گیا اور باطل نابود ہوا، اور یقیناً باطل اسی لیئے تھا کہ نابود ہو جائے!

اور پھر حق و صداقت کے لیئے یہی اللہ کی وہ **شہادت** ہے جو اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہوتی ہے اور بتلا دیتی ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا۔ یعنی "قضاء بالحق" کا قانون حق کو ثابت و قائم رکھکر اور اسکے حریف کو محو و متلاشی کر کے حقیقت حال کا اعلان کر دیتا ہے:

قُلْ كَفٰي بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ (۲۹: ۵۱)	ان لوگوں سے کہدو، اب کسی اور رد و کد کی ضرورت نہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ آسمان زمین میں جو کچھ ہے، سب اس کے علم میں ہے۔ پس جو لوگ حق کی جگہ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کی صداقت کے منکر ہیں، تو یقیناً ناکامی و تباہی انہی کے لیئے ہے!

ایک دوسرے موقع پر فیصلۂ امر کے لیئے اسے سب سے بڑی شہادت قرار دیا ہے:

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ (۶: ۱۹)	کون سی بات سب سے بڑی گواہی ہے؟ اے پیغمبر! کہدو اللہ کی گواہی وہی میرے اور تمہارے درمیان (فیصلۂ امر کیلیئے) گواہی دینے والا ہے!

وہ کہتا ہے، اس قانون سے تم کیونکر انکار کر سکتے ہو، جبکہ زمین و آسمان کا تمام کارخانہ اسی کی کارفرمائیوں پر قائم ہے؟ اگر فطرتِ کائنات نقصان اور برائی چھانٹتی نہ رہتی، اور بقاء و قیام صرف اچھائی اور خوبی ہی کے لئے نہ ہوتا، تو ظاہر ہے، تمام کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جاتا۔ جب تم جسمانیات میں اس قانونِ فطرت کا مشاہدہ کر رہے ہو، تو معنویات میں تمہیں کیوں انکار ہو؟

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ؕ (۲۳ : ۷۳)	اور اگر حق اُن کی خواہشوں کی پیروی کرے، تو یقین کرو، یہ آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے، سب کچھ درہم برہم ہو کر رہ جائے!

قرآن میں جہاں کہیں انتظار اور تربّص پر زور دیا ہے، اور کہا ہے، جلدی نہ کرو، انتظار کرو، عنقریب حق و باطل کا فیصلہ ہو جائیگا۔ مثلاً قُلْ فَانْتَظِرُوٓا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ (۱۰ : ۱۰۲) تو اس سے بھی مقصود یہی حقیقت ہے۔

لیکن کیا قضاء بالحق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر باطل عمل فوراً نابود ہو جائے، اور ہر عملِ حق فوراً فتحمند ہو جائے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، اور "رحمت" کا مقتضا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو۔ جس "رحمت" کا مقتضا یہ ہوا کہ مادیات میں "تدریج و امہال" کا قانون نافذ ہے، اسی رحمت کا مقتضا یہ ہوا کہ معنویات میں بھی تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے، اور عالم مادیات ہو یا معنویات، کائناتِ ہستی کے ہر گوشہ میں قانونِ فطرت ایک ہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ دنیا میں کوئی انسانی جماعت اپنی بدعملیوں کے ساتھ مہلتِ حیات پا سکتی:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ؕ (۱۰ : ۱۲)	اور جس طرح انسان فائدے کے لئے جلدباز ہوتا ہے، اگر اسی طرح اللہ انسان کو سزا دینے کے لئے جلدباز ہوتا، تو انسان کی لغزشوں خطاؤں کا یہ حال ہے کہ کبھی کا فیصلہ ہو چکتا اور انکا مقررہ وقت فوراً نمودار ہو جاتا۔

وہ کہتا ہے، جس طرح مادیات میں ہر حالت بہ تدریج نشوونما پاتی ہے، اور ہر نتیجہ کے ظہور کے لئے ایک خاص مقدار، ایک خاص مدت، اور ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح اعمال کے نتائج کے لئے بھی مقدار و اوقات کے احکام مقرر ہیں۔ اور ضروری ہے کہ ہر نتیجہ ایک خاص وقت کے بعد اور ایک خاص مقدار کی نشوونما کے بعد ظہور میں آئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس تدریج و امہال سے عملِ حق اور عملِ باطل، دونوں کے لئے تاجیل کی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی دونوں کے نتائج فوراً ظاہر نہیں ہو جاتے۔ اپنی مقررہ اجل، یعنی وقت ہی پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ البتہ حق کیلئے تاجیل

اِس لیئے ہوتی ہے تاکہ اُسکی فتحمند قوّت نشوو نما پائے، اور باطل کے لیئے اس لیئے ہوتی ہے، تاکہ اُس کی فنا پذیر کمزوری تکمیل تک پہنچ جائے۔ اس تاجیل کے لیئے کوئی ایک ہی مقرّرہ مدّت نہیں ہے۔ ہر حالت کا ایک خاص خاصّہ ہے، اور ہر گردوپیش اپنا ایک خاص مقتضار کھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک خاص حالت کیلئے مقرّرہ مدّت کی مقدار بہت تھوڑی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ ہو:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ	پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اِن سے کہدو، میں نے تم سب کو یکساں
وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا	طور پر (حقیقت حال کی) خبر دے دی، اور میں نہیں جانتا اعمال بد کے
تُوْعَدُوْنَ ۰ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ	جس نتیجہ کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا وقت قریب ہے یا ابھی دیر ہے۔ بلاشبہ
مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ	اللہ ہر بات کی خبر رکھتا ہے خواہ علانیہ تمہاری زبان پر ہو یا تمہارے دلوں میں
وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ	چھپی ہوئی ہو، اور مجھے کیا معلوم، ہو سکتا ہے کہ یہ تاخیر اسلیئے ہو تاکہ تمہاری
وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ (۲۱ : ۱۰۹)	آزمائش کی جائے، یا اسلیئے کہ ایک خاص وقت تک تمہیں فائدہ اٹھانے کا (مزید) موقع دیا جائے

قرآن کہتا ہے، تم اپنی اوقات شماری کے پیمانے سے قوانینِ فطرت کی رفتارِ عمل کا اندازہ نہ لگاؤ۔ فطرت کا دائرۂ عمل تو اتنا وسیع ہے کہ تمہارے معیارِ حساب کی بڑی سے بڑی مدت اُسکے لیئے ایک دن کی مدت سے زیادہ نہیں!

وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ	اور یہ لوگ عذاب کے لیئے جلد بازی کر رہے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ
یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۰ وَاِنَّ یَوْمًا	سے کہتے ہیں، اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو وہ کہاں ہے؟)
عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا	سو یقین کرو، خدا اپنے وعدہ میں کبھی خلاف کرنے والا نہیں، لیکن
تَعُدُّوْنَ ۰ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ	بات یہ ہے کہ خدا (کے قوانینِ عمل) کا ایک دن ایسا ہوتا ہے جیسا
اَمْلَیْتُ لَهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ	اِن کے حساب کا ہزار برس۔ چنانچہ کتنی بستیاں ہیں جنھیں دعرصۂ دراز
اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ	تک ڈھیل دی گئی حالانکہ وہ ظالم تھیں، پھر (جب ظہور نتائج کا وقت آگیا)
(۲۲ : ۴۶ : ۴۷)	تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا۔

اِن آیات میں فکرِ انسانی کی جس گمراہی کو "استعجال بالعذاب" سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ صرف اُنہی منکرینِ حق کی گمراہی نہ تھی جو ظہورِ اسلام کے وقت اُسکی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے تھے بلکہ ہر زمانہ میں انسان کی ایک عالمگیر کج اندیشی رہی ہے۔ وہ بسا اوقات فطرت کی اس مہلت بخشی سے فائدہ اُٹھانے کی جگہ اور زیادہ شر و فساد میں نڈر اور جری ہو جاتا ہے، اور کہتا ہے، اگر فی الحقیقت حق و باطل کیلئے اُن کے نتائج و عواقب ہیں، تو وہ نتائج کہاں ہیں؟ اور کیوں فوراً ظاہر نہیں ہو جاتے؟ قرآن جا بجا

منکرینِ حق کا یہ خیال نقل کرتا ہے" اور کہتا ہے ، اگر کائناتِ ہستی میں اُس حقیقتِ اعلیٰ کا ظہور نہ ہوتا جسے "رحمت" کہتے ہیں ، تو یقیناً یہ نتائج یکایک اور بیک دفعہ ظاہر ہو جاتے ، اور انسان اپنی بدعملیوں کے ساتھ کبھی زندگی کا سانس نہ لے سکتا ، لیکن یہاں سارے قانونوں اور حکموں سے بھی بالاتر "رحمت" کا قانون ہے ، اور اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ حق کی طرح باطل کو بھی زندگی و معیشت کی مہلتیں دے ، اور توبہ و رجوع اور عفو و درگزر کا دروازہ ہر حال میں باز رکھے ، فطرتِ کائنات میں اگر یہ "رحمت" نہ ہوتی ، تو یقیناً وہ جزاءِ عمل میں جلد باز ہوتی ، لیکن اُسمیں رحمت ہے ، اسلیئے نہ تو اُسکی مہلت بخشیوں کی کوئی حد ہے ، اور نہ اُسکے عفو و درگزر کے لیئے کوئی کنارہ !

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ

(۲۷ : ۷۳)

اور (اے پیغمبر) یہ (حقیقت فراموش) کہتے ہیں ، اگر تم (نتائجِ ظلم و طغیان سے ڈرانے میں) سچے ہو تو وہ بات کب پوری ہوگی ہے ؟ (اور کیوں نہیں ہو چکتی ؟) ان سے کہہ دو (گھبراؤ نہیں) جس بات کیلئے تم جلدی مچا رہے ہو ، عجب نہیں اس کا ایک حصہ بالکل قریب آ گیا ہو (اور بہت جلد اسکا ظہور اپنے سامنے دیکھ لو) اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار انسان کے لیئے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے (کہ ہر حال میں اصلاح و تلافی کی مہلت دیتا ہے) لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر) بیشتر ایسے ہیں کہ اسکے فضل کی

[illegible]

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

(۲۹ : ۵۳)

اور یہ لوگ عذاب کیلئے جلدی کرتے ہیں (یعنی انکار و شرارت کی راہ سے کہتے ہیں کہ اگر وہ اتنی عذاب آنیوالا ہے تو کیوں نہیں آچکتا ؟) اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک خاص وقت ٹھہرا دیا گیا ہوتا تو کب کا عذاب آچکا ہوتا ، اور (یقین رکھو جب وہ آئیگا تو اس طرح آئیگا کہ یکایک ان پر آ گریگا اور اسکا وہم و گمان بھی انہیں نہ ہوگا !

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۝

(۱۱ : ۱۰۶)

اور (یاد رکھو) اگر ہم اس معاملہ میں تاخیر کرتے ہیں تو صرف اسلیئے کہ اسے ایک گنی ہوئی مدت کے لیئے تاخیر میں ڈالدیں۔

وہ کہتا ہے ، یہاں زندگی و عمل کی مہلتیں سب کے لیئے ہیں ، کیونکہ "رحمت" کا مقتضا یہی تھا پس اِس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے ، اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نتائجِ اعمال کے قوانین موجود نہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ نتیجہ کی کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے ، اور آخرکار کون بہرہ مند ہوتا ہے ؟

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

(اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہہ دو کہ دیکھو (اب میرے اور تمہارے معاملہ کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے) تم جو کچھ کر رہے ہو اپنی جگہ کیے جاؤ ، اور میں بھی اپنی جگہ کام میں لگا ہوں ، عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کون ہے جسکے لیئے آخرِ کار (کامیابی)

الظّٰلِمُوْنَ ○ (۶ : ۱۳۵) ٹھکانا ہو۔ بلاشبہ (یہ اسکا قانون ہو کہ) ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے !

اِس موقع پر یہ **قاعدہ** بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ قرآن میں جہاں کہیں ظلم و فساد اور فسق و کفر وغیرہ اعمالِ بد کیلئے کامیابی و فلاح کی نفی کی گئی ہے، اور نیک عملی کے لیئے فتحمندی و کامرانی کا اثبات کیا ہے، تو اِن تمام مقامات میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۶ : ۲۱) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۰ : ۱۷) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳ : ۱۱۸) لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰ : ۸۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۹ : ۳۸) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (۳ : ۸۶) وغیرہا۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں دیتا۔ یعنی اُس کا قانون ہو کہ ظلم کے لیئے کامیابی و فلاح نہ ہو۔ اللہ ظالم کرنے والوں پر راہ نہیں کھولتا۔ یعنی اُس کا قانون یہی ہے کہ ظلم کرنے والوں پر کامیابی و سعادت کی راہ نہیں کھلتی۔ افسوس ہے کہ قرآن کے عام مترجمین نے اِن مقامات کا ترجمہ کافی غور و فکر کے ساتھ نہیں کیا، اور اسلیئے مطالب اپنی اصلی شکل میں واضح نہ ہو سکے۔

اور پھر اصطلاحِ قرآنی میں یہی وہ "تمتّع" ہے یعنی زندگی سے فائدہ اٹھانے کی مہلت ہو جسکا وہ بار بار ذکر کرتا ہے، اور جو یکساں طور پر سب کو دی گئی ہے:

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ط — بلکہ بات یہ ہو کہ ہم نے ان لوگوں کو اور انکے آبا و اجداد کو مہلتِ حیات سے بہرہ مند ہونیکے موقعے دیئے، یہانتک کہ (خوشحالی کی) اُنپر بڑی بڑی عمریں گزر گئیں۔

(۲۱ : ۴۴)

اسی طرح وہ جا بجا مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (۱۰ : ۹۸) مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (۳۶ : ۴۴) فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۶ : ۵۵) وغیرہ تعبیرات سے بھی اسی حقیقت پر زور دیتا ہے۔

اسی طرح وہ قانونِ قضاء بالحق کو جماعتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بھی منطبق کرتا ہے اور کہتا ہے، جس طرح فطرت کا قانونِ انتخاب، اجسام میں جاری ہو، اسی طرح اقوام و جماعات میں بھی جاری ہے۔ جس طرح فطرت، نافع اشیاء کو باقی رکھتی، غیر نافع کو چھانٹ دیتی ہے، ٹھیک اسی طرح جماعتوں میں بھی صرف اُسی جماعت کیلئے بقاء و ثبات ہوتا ہے، جسمیں دنیا کے لیئے نفع ہو۔ جو جماعت غیر نافع ہو جاتی ہے، چھانٹ دیجاتی ہے۔ وہ کہتا ہے، یہ اُسکی "رحمت" ہو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا میں انسانی ظلم و طغیان کے لیئے کوئی روک تھام نظر نہ آتی:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ — اور (دیکھو) اگر اللہ (نے جماعتوں اور قوموں میں باہم کر تزاحم پیدا نہ کر دیا ہوتا اور وہ) بعض آدمیوں کے ذریعہ بعض آدمیوں کو راہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً زمین میں

اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲: ۲۵۲)

خرابی پھیل جاتی۔ لیکن اللہ کائنات عالم کے لیے فضل و رحمت رکھنے والا ہے (اسلئے اس نے انسانی ظلم و فساد کے انسداد کا سامان کر دیا ہے)۔

ایک دوسرے موقع پر یہی حقیقت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (۲۲: ۴۱)

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ بعض جماعتوں کے ذریعے بعض جماعتوں کو ہٹاتا رہتا، تو (یقین کرو دنیا میں انسان کے ظلم و فساد کیلئے کوئی روک باقی نہ رہتی اور) یہ تمام خانقاہیں، گرجے، عبادتگاہیں، اور مسجدیں، جنہیں اس کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے منہدم ہو کر رہ جاتیں۔ (لیکن یہ اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری ظالم جماعت کو ہٹا دینے کا سامان کر دیا ہے)

لیکن وہ کہتا ہے، جس طرح فطرتِ کائنات کے تمام کاموں میں تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے معاملہ میں بھی وہ جو کچھ کرتی ہے، بہ تدریج کرتی ہے اور اصلاح و درستگی اور رجوع و انابت کا دروازہ آخر وقت تک کھلا رکھتی ہے۔ کیونکہ "رحمت" کا مقتضا یہی ہے:

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۷: ۱۶۷)

اور ہم نے ایسا کیا کہ اُن کے الگ الگ گروہ زمین میں پھیل گئے۔ ان میں سے بعض تو نیک عمل تھے۔ بعض اَور طرح کے، پھر ہم نے انہیں اچھائیوں اور برائیوں، دونوں طرح کی حالتوں سے آزمایا تاکہ نافرمانی سے باز آجائیں۔

جس طرح اجسام کے تغیر کے لیے فطرت نے اسباب و علل کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر کر دی ہے، اسی طرح اقوام کے زوال و ہلاکت کے لیے بھی موجبات ہلاکت کی ایک خاص مقدار اور مدت مقرر ہے، اور یہ "اُن کی اَجل" ہے۔ جب تک یہ اجل نہیں آجاتی، قانونِ الٰہی یکے بعد دیگرے اُنہیں تنبہ و اعتبار کی مہلتیں دیتا رہتا ہے:

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ (۹: ۱۲۷)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اُن پر کوئی برس ایسا نہیں گزرتا کہ ہم انہیں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائشوں میں نہ ڈالتے ہوں (یعنی انکے اعمال بد کے نتائج پیش نہ آتے ہوں) پھر بھی یہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ حالات سے نصیحت پکڑتے ہیں!

لیکن اگر تنبیہ و اعتبار کی یہ تمام مہلتیں رائگاں گئیں اور اُن سے فائدہ نہ اٹھایا گیا، تو پھر فیصلہ امر کا آخری وقت نمودار ہو جاتا ہے، اور جب وہ وقت آجائے، تو پھر یہ فطرت کا آخری، اٹل، اور بے پناہ فیصلہ ہے۔ نہ تو اس میں ایک لمحہ کے لئے تاخیر ہو سکتی ہے۔ نہ یہ اپنے مقررہ وقت سے ایک لمحہ پہلے آسکتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (۷: ۳۴)

اور (دیکھو) ہر اُمت کے لئے ایک مقررہ وقت ہے، سو جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے، تو اُس سے نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں!

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝ مَّا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ (۱۵: ۴)

اور (دیکھو) کبھی ہم نے ایسا نہیں کیا کہ ایک بستی ہلاک ہو، مگر یہ کہ اُس کے لئے (ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) ایک مقررہ میعاد موجود تھی۔ کوئی اُمت نہ تو اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے!

اس طرح "بقاء انفع" اور "قضاء بالحق" کا قانون پچھلی قوم کو چھانٹ دیتا ہے، اور اُسکی جگہ ایک دوسری قوم لا کھڑی کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اسلئے ہوتا ہے کہ "رحمت" کا مقتضا یہی ہے:

ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنشَأَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝ (۶: ۱۳۱)

یہ (تبلیغ و ہدایت کا تمام سلسلہ) اسلئے ہے کہ تمہارے پروردگار کا یہ شیوہ نہیں کہ بستیوں کو ظلم و ستم سے ہلاک کر ڈالے۔ اور اُنکے بسنے والے حقیقت حال سے بیخبر ہوں (اس کا قانون تو یہ ہے کہ) جیسا کچھ جس کا عمل ہے، اُسکے مطابق اسکا ایک درجہ ہے (اور اسی درجہ کے مطابق اسکے اچھے برے نتائج ظاہر ہوتے ہیں) اور یاد رکھو، جو کچھ اور جیسے کچھ لوگوں کے اعمال ہیں، تمہارا پروردگار اُن سے بیخبر نہیں ہے! نیز تمہارا پروردگار رحمت والا، بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہے، تو تمہیں راہ سے ہٹا دے، اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ اُسی طرح، جس طرح ایک دوسری جماعت کی نسل سے تمہیں (غلبہ و طاقت دے کر) ایک کامران جماعت بنا دیا ہے!

اسی طرح وہ کہتا ہے، یہ بات کہ انفرادی زندگی کے اعمال کی جزا و سزا دنیوی زندگی سے تعلق نہیں رکھتی۔ آخرت پر اٹھا رکھی گئی ہے، اور دنیا میں نیک و بد، سب کے لئے یکساں طور پر مہلت حیات اور فیضانِ معیشت ہے، اسی حقیقت کا نتیجہ ہے کہ یہاں "رحمت" کی کارفرمائی ہے۔ "رحمت" کا مقتضا یہی

تھا کہ اُسکے فیضان و بخشش میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہو، اور مہلتِ حیات سب کو پوری طرح ملے اُسنے انسان کی انفرادی زندگی کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ دنیوی زندگی کا ہے، اور سرتاسر مہلت ہے۔ دوسرا حصہ مرنے کے بعد کا ہے، اور جزا و سزا کا دن اُسی سے تعلق رکھتا ہے:

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ‎(۱۸ : ۵۷)

اور (اے پیغمبر! یقین کرو) تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا صاحبِ رحمت ہے۔ اگر وہ اِن لوگوں سے اُنکے اعمال کے مطابق مواخذہ کرتا، تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن (یہ اسکی رحمت ہے کہ ایسا نہیں ہوتا، اور) اُنکے لیے ایک میعاد مقرر کر دی گئی ہے (جیسے کچھ بھی اُنہیں پاداشِ عمل ملنی ہے، اُسیوقت ملیگی۔ البتہ اُس مقررہ میعاد کا آنا اٹل ہے) یہ اُس سے بچنے کیلئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکیں گے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۖ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَهُ ‎(۶ : ۲)

(اور دیکھو) یہ وہی حکیم و قدیر ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا، اور اسیطرح اسکے نزدیک ایک اور بھی ٹھیرائی ہوئی میعاد ہے (یعنی قیامت کا دن)

وہ کہتا ہے، جس طرح عالمِ اجسام میں تم دیکھتے ہو کہ فطرت نے ہر کمزوری و فساد کے لیے اُسکا ایک لازمی نتیجہ ٹھہرا دیا ہے، لیکن پھر بھی اصلاحِ حال کا دروازہ بند نہیں کرتی، اور مُہلتوں پر مہلتیں دیتی رہتی ہے اور اگر بروقت اصلاح ظہور میں آجائے تو اُسے قبول کر لیتی ہے، ٹھیک ٹھیک اُسی طرح یہاں بھی اُسنے توبہ و انابت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ کوئی بدعملی، کوئی گناہ، کوئی جرم، کوئی فساد ہو، اور اپنی نوعیت میں کتنا ہی سخت اور اپنی مقدار میں کتنا ہی عظیم ہو، لیکن جونہی توبہ و انابت کا احساس انسان کے اندر جنبش میں آجاتا ہے، رحمتِ الٰہی قبولیت کا دروازہ کھول دیتی ہے، اور اشکِ ندامت کا ایک قطرہ، بدعملیوں، گناہوں کے بیشمار داغ دھبے اس طرح دھو دیتا ہے گویا اُسکے دامنِ عمل پر کوئی دھبہ لگا ہی نہ تھا!

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ‎(۲۵ : ۷۰)

ہاں، مگر جس کسی نے توبہ کی، ایمان لایا، اور آیندہ کیلئے نیک عملی اختیار کی، تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے!

اِس بارے میں قرآن نے رحمتِ الٰہی کی وسعت اور اُسکی مغفرت و بخشش کی فراوانی کا جو نقشہ کھینچا ہے، اُسکی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ کتنے ہی گناہ ہوں، کتنے ہی سخت گناہ ہوں، کتنی ہی مدت کے گناہ ہوں، لیکن ہر اُس انسان کے لیے جو اُسکے دروازۂ رحمت پر دستک دے، محبت و قبولیت کے سوا اور کوئی صدا نہیں ہو سکتی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۹ : ۵۴﴾

(اے پیغمبر! تم) اللہ کا یہ فرمان (اسکے بندوں تک) پہنچادو کہ (اللہ فرماتا ہی) اے میرے وہ بندو! جنہوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر (بدعملیاں کرکے) زیادتی کی ہی، دیکھو، (تمہاری بدعملیاں کتنی ہی سخت اور کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں مگر) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے!

اسلامی عقائد کا دینی تصور اور "رحمت"

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے انسان کے لیئے دینی عقائد و اعمال کا جو تصور قائم کیا ہی، اسکی بنیاد بھی تمام تر رحمت و محبت ہی پر رکھی ہے، کیوں کہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائناتِ فطرت کے عالمگیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے۔ اور اسلیئے کہتا ہی، جس کارسازِ فطرت نے تمام کارخانۂ ہستی کی بنیاد "رحمت" پر رکھی ہی، ضروری تھا کہ اس گوشہ میں بھی اُسکے تمام احکام سر تا سر "رحمت" کی تصویر ہوں!

چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہی کہ خدا اور اُسکے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے، اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہی، جسکے لیئے معبود، صرف معبود ہی نہو، بلکہ محبوب بھی ہو:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ ﴿۲ : ۱۶۰﴾

اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اُنہیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے۔ حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اُن کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لیئے ہوتی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳ : ۲۹﴾

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہدو، اگر واقعی تم اللہ سے محبت رکھنے والے ہو تو چاہیئے کہ میری پیروی کرو (میں تمہیں محبتِ الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں) اگر تم نے ایسا کیا تو (صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو جاؤ گے بلکہ خود) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا!

وہ جابجا اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۔ ﴿۵۹:۵﴾

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائیگا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ دعوتِ حق کو اس سے کچھ نقصان پہنچے گا) عنقریب اللہ ایک گروہ ایسے خدا پرستوں کا پیدا کر دیگا جنہیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہونگے

لیکن بندے کیلئے خدا کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے، خدا کی محبت کی راہ اُسکے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے۔ جو انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے، اُسے چاہیئے، خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے:

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ (۲: ۱۷۷)

اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں!

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ
مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ
جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (۷۶: ۸)

اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، (اور کہتے ہیں) ہمارا یہ کھانا کھلانا، اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لیے ہے۔ نہ تو ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ کسی طرح کی شکرگزاری!

ایک حدیث قدسی میں یہی حقیقت نہایت مؤثر پیرائے میں واضح کی گئی ہے:

يا ابن آدم، مرضت فلم تعدني؟
قال كيف اعودك وانت رب العالمين!
قال اما علمت ان عبدي فلانا
مرض فلم تعده، اما علمت انك
لو عدته لوجدتني عنده؟ يا ابن
آدم، استطعمتك فلم تطعمني فلم
تطعمني، قال يا رب كيف اطعمك
وانت رب العالمين؟ قال اما علمت
انه استطعمك عبدي فلان فلم
تطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت
ذلك عندي؛ يا ابن آدم، استسقيتك
فلم تسقني قال كيف اسقيك وانت
رب العالمين! قال استسقاك عبدي
فلان فلم تسقه اما انك لو سقيته
لوجدت ذلك عندي (مسلم عن ابی ہریرۃ)

قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہیگا، اے ابنِ آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہیگا بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائیگا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا۔ اور تو نے اُس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اُس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا (یعنی اُس کی خدمت کرنے ہی میں میرے لیے خدمتگزاری تھی) اسی طرح خدا فرمائے گا، اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا، کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اسے کھلاتا تو تو مجھے اُسکے پاس پاتا۔

اسی طرح قرآن نے اعمالِ عبادات کی جو شکل و نوعیت قرار دی ہے، اخلاق و خصائل میں

جن جن باتوں پر زور دیا ہے، اوامر و نواہی میں جو جو اصول و مبادی ملحوظ رکھے ہیں، ان سب میں بھی یہی حقیقت کام کر رہی ہے۔ اور یہ چیز اس درجہ واضح و معلوم ہے کہ بحث و بیان کی ضرورت نہیں۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ قرآن نے خدا کی کسی صفت کو بھی اس کثرت کے ساتھ نہیں دُہرایا ہے اور نہ کوئی مطلب اس درجہ اُسکے صفحات میں نمایاں ہے، جسقدر رحمت ہے۔ اگر قرآن کے وہ تمام مقامات جمع کیئے جائیں جہاں "رحمت" کا ذکر کیا گیا ہے، تو تین ۳۰۰ سو سے زیادہ مقامات ہونگے، اور اگر وہ تمام مقامات بھی شامل کر لیئے جائیں۔ جہاں اگرچہ لفظ رحمت استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن ان کا تعلق رحمت ہی سے ہے، مثلاً ربوبیت، مغفرت، رافت، کرم، حلم، عفو، وغیرہا، تو پھر یہ تعداد اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ بعض مفسرین کے لفظوں میں "قرآن اول سے لیکر آخر تک، اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمت الٰہی کا پیام ہے"!

ہم اس موقع پر وہ تمام تصریحات قصداً چھوڑ رہے ہیں، جن کا ذخیرہ احادیث میں موجود ہے۔ کیونکہ یہ جگہ مفسرانہ تفصیل و بحث کی متحمل نہیں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے قول و عمل سے اسلام کی جو حقیقت ہمیں تبلائی ہے وہ تمام تر یہی ہے کہ خدا کی موحدانہ پرستش اور اُسکے بندوں پر شفقت و رحمت۔ ایک مشہور حدیث جو ہر مسلمان واعظ و معلّم کی زبان پر ہے، ہمیں تبلاتی ہے کہ انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء[۵۱] خدا کی رحمت اُنہی بندوں کے لیئے ہے، جو اُسکے بندوں کیلئے رحمت رکھتے ہیں! حضرت مسیح (علیہ السلام) کا مشہور کلمۂ وعظ "زمین پر رحم کرو، تاکہ وہ، جو آسمان پر ہے، تم پر رحم کرے" بجنسہٖ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان پر بھی طاری ہوا ہے۔ الرحمٰن تبارک وتعالیٰ۔ ارحموا من فی الارض، یرحمکم من فی السماء[۵۲]! اتنا ہی نہیں، بلکہ اسلام نے انسانی رحمت و شفقت کی جو ذہنیت پیدا کرنی چاہی ہے، وہ اسقدر وسیع ہے کہ بے زبان جانور بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ ایک سے زیادہ حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اللہ کی رحمت رحم کرنے والوں کیلئے ہے۔ اگرچہ یہ رحم ایک چڑیا ہی کے لیئے کیوں نہ ہو۔ من رحم، ولوذ بیحة عصفور، رحمه الله یوم القیٰمة[۵۳]!

اصل یہ ہے کہ قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبہ پر رکھی ہے کہ انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے۔ وہ انسان کے وجود کو ایک ایسی سرحد قرار دیتا ہے جہاں حیوانیت کا درجہ ختم ہوتا اور

---

[۵۱] طبرانی و ابن جریر بسند صحیح" [۵۲] امام احمد نے مسند میں، ترمذی اور ابو داؤد نے صحیح میں، اور حاکم نے مستدرک میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ ورویناہ مسلسلاً من طریق الشیخ محمود شکری الالوسی العراقی، وایضاً عن والدی المرحوم عن الشیخ صدر الدین الدہلوی من طریق الشیخ احمد ولی اللہ رحمہم اللہ ۱۲ [۵۳] رواہ البخاری فی الادب المفرد و الطبرانی عن ابی امامة وصححه السیوطی فی الجامع الصغیر ۱۲

ایک مافوق حیوانیت درجہ شروع ہوجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے، انسان کا جوہر انسانیت جو اُسے حیوانات کی سطح سے بلند و ممتاز کرتا ہے، اِسکے سوا کچھ نہیں کہ صفات الٰہی کا پرتو ہے، اور اسلیئے انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ اُنہیں زیادہ سے زیادہ، صفاتِ الٰہی سے تخلّق و تشبّہ پیدا ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے جہاں کہیں بھی انسان کے مخصوص صفات کا ذکر کیا ہے، اُنہیں براہِ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے حتیٰ کہ جوہرِ انسانیت کو خدا کی روح پھونک دینے سے تعبیر کیا: ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۳۲ : ۸) پس اگر وہ خدا کی رحمت کا تصور ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے، تو یہ اِس لیئے ہی کہ وہ چاہتا ہے، ہم بھی سرتاپا رحمت و محبت ہوجائیں۔ اگر وہ اُسکی ربوبیت کا مرقع بار بار ہماری نگاہوں کے سامنے لاتا ہی، تو یہ اسلیئے ہی کہ وہ چاہتا ہے ہم بھی اپنے چہرۂ اخلاق میں ربوبیّت کے خال و خط پیدا کرلیں۔ اگر وہ اُسکی رافت و شفقت کا ذکر کرتا ہے، اُسکے لطف و کرم کا جلوہ دکھاتا ہے، اُس کے جود و احسان کا نقشہ کھینچتا ہے، تو اسی لیئے، کہ وہ چاہتا ہے، ہم میں بھی ان الٰہی صفتوں کا جلوہ نمودار ہوجائے وہ بار بار ہمیں سُناتا ہے کہ خدا کی بخشش و درگزر کی کوئی انتہا نہیں اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اُسکے بندوں کیلیے بخشش و درگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہوجانا چاہیئے۔ اگر ہم اُسکے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کیلئے اسکی بخشائشوں کا انتظار کریں؟

جہاں تک احکام و شرائع کا تعلق ہی، بلاشبہ اُس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو، کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی۔ مجاز ہوتا لیکن اُسنے کہا کہ دشمنوں کو بھی بخش دو، اور جو دشمن کو بخشدینا سیکھ لیگا، اُس کا دل خود بخود انسانی بغض و نفرت کی آلودگیوں سے پاک ہوجائے گا:

الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ	اور (خدا کے وہ نیک بندے) جو غصہ ضبط کرنے والے، اور انسانوں کے
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۳ : ۱۳۳)	قصور بخشدینے والے ہیں، اور (یقین کرو) اللہ کی محبت انہی کیلیے ہے جو احسان کرنیوالے ہیں
وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ	اور جن لوگوں نے اللہ کی محبت میں (تلخی و ناگواری) برداشت کرلی،
أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	نماز قائم کی، خدا کی دی ہوئی روزی پوشیدہ و علانیہ (اس کے
سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ	بندوں کے لیئے) خرچ کی، اور بُرائی کا جواب بُرائی سے نہیں۔ نیکی
السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۱۳ : ۲۲)	سے دیا، تو (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جن کے لیئے آخرت کا بہتر ٹھکانا ہے۔
وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ	اور (دیکھو) جو کوئی بُرائی پر صبر کرے اور بخش دے، تو یقیناً یہ بڑی ہی
الْأُمُورِ (۴۲ : ۴۳)	اولوالعزمی کی بات ہی!
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ	اور (دیکھو) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی (اگر کوئی برائی کرے تو)

بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ	برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا طریقہ ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا
وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝	تو تم دیکھو گے کہ جس شخص سے تمہاری عداوت تھی، وہ یکایک تمہارا
وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا	دلی دوست ہو گیا ہو! البتہ یہ ایسا مقام ہے جو اُسی کو مل سکتا ہو جو اپنے سلوک کی
یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۴۱: ۳۴)	سہہ لینے کی برداشت رکھتا ہو، اور جسے (نیکی و سعادت کا) حصہ وافر ملا ہو

بلا شبہ اُس نے بدلہ لینے سے بالکل روک نہیں دیا، اور وہ کیونکر روک سکتا تھا جبکہ طبیعت حیوانی کا یہ فطری خاصہ ہے اور حفاظتِ نفس اسپر موقوف ہے لیکن جہاں کہیں بھی اُس نے اِسکی اجازت دی ہے، ساتھ ہی عفو و بخشش اور بدی کے بدلے نیکی کرنے کی ایسی مؤثر ترغیب بھی دیدی ہے، کہ ممکن نہیں، ایک خدا پرست انسان اُس سے متاثر نہ ہو:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا	اور (دیکھو) اگر تم بدلہ لو، تو چاہیئے کہ جتنی اور جیسی کچھ بُرائی تمہارے ساتھ کیگئی ہو
عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ	اُسی کے مطابق ٹھیک ٹھیک بدلہ بھی لیا جائے (یہ نہو کہ زیادتی کر بیٹھو) لیکن اگر تم
خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ۝ (۱۶: ۱۲۷)	برداشت کر جاؤ اور بدلہ نہ لو تو (یاد رکھو) برداشت کرنیوالوں کیلئے برداشت کر جانے ہی میں بہتری ہے!
وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۚ	اور بُرائی کے لیئے ویسا ہی اور اُتنا ہی بدلہ ہے جیسی اور جتنی بُرائی کی گئی ہے لیکن
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ۭ	جس کسی نے درگزر کیا، اور معاملہ کو بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا، تو اُس کا اجر اللہ
(۴۲: ۴۱)	پر ہے (وہ تمہیں اس بدلہ لینے سے کہیں بہتر اجر دے گا!)

انجیل اور قرآن ہم نے قرآن کی آیاتِ عفو و بخشش نقل کرتے ہوئے ابھی کہا ہے کہ "اُس نے یہ نہیں کہا کہ دشمنوں کو پیار کرو۔ کیونکہ ایسا کہنا حقیقت نہ ہوتی۔ مجاز ہوتا"۔ ضروری ہے کہ اسکی مختصراً تشریح کردی جائے۔ حضرت مسیح (علیہ السلام) نے یہودیوں کی ظاہر پرستیوں اور اخلاقی محرومیوں کی جگہ، رحم و محبت اور عفو و بخشش کی اخلاقی قربانیوں پر زور دیا تھا، اور اُنکی دعوت کی اصلی روح یہی ہے۔ چنانچہ ہم انجیل کے مواعظ میں جا بجا اس طرح کے خطابات پاتے ہیں "تم نے سُنا ہو گا کہ اگلوں سے کہا گیا، دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ، لیکن میں کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا"۔ یا "اپنے ہمسائیوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی پیار کرو"۔ یا مثلاً "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو چاہیئے کہ دوسرا گال بھی آگے کردو"۔ سوال یہ ہے کہ ان خطابات کی نوعیت کیا تھی؟ یہ اخلاقی فضائل و ایثار کا ایک مؤثر پیرایۂ بیان تھا یا تشریع تھی، یعنی قوانین وضع کرنا تھا؟ افسوس ہے کہ انجیل کے معتقدوں اور نکتہ چینوں دونوں نے یہاں ٹھوکر کھائی۔ دونوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ تشریع تھی، اور اسلیئے دونوں کو تسلیم کر لینا پڑا کہ یہ ناقابلِ عمل احکام ہیں۔ معتقدوں نے خیال کیا کہ اگرچہ ان احکام پر عمل نہیں کیا جا سکتا، تاہم

مسیحیت کے احکام یہی ہیں، اور عملی نقطۂ خیال سے اسقدر کافی ہے کہ اوائل عہد میں چند ولیوں اور شہیدوں نے اِن پر عمل کر لیا تھا۔ نکتہ چینیوں نے کہا کہ یہ سرتاسر ایک نظری اور ناقابلِ عمل تعلیم ہے، اور کہنے میں کتنی ہی خوشنما ہو لیکن عملی نقطۂ خیال سے اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہ فطرتِ انسانی کے صریح خلاف ہے +

فی الحقیقت نوعِ انسانی کی یہ بڑی ہی درد انگیز ناانصافی ہے جو تاریخ انسانیت کے اِس عظیم الشان معلم کے ساتھ جائز رکھی گئی۔ جس طرح بے درد نکتہ چینیوں نے اُسے سمجھنے کی کوشش نہ کی، اسیطرح نادان معتقدوں نے بھی فہم و بصیرت سے انکار کر دیا!

لیکن کیا کوئی انسان جو قرآن کی سچائی کا معترف ہو، ایسا خیال کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی تعلیم فطرت انسانی کے خلاف تھی اور اسلیئے ناقابلِ عمل تھی؟ ہرگز نہیں، قرآن کی تصدیق کے ساتھ ایسا منکرانہ خیال جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ایک لمحہ کیلئے بھی ایسا تسلیم کر لیں تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ ہم حضرت مسیحؑ کی تعلیم کی سچائی سے انکار کر دیں۔ کیونکہ جو تعلیم فطرت انسانی کے خلاف ہو، وہ کبھی انسان کے لیئے سچی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایسا اعتقاد نہ صرف قرآن کی روح کے خلاف ہوگا، بلکہ اسکی دعوت کی اصلی بنیاد ہی متزلزل ہو جائے گی۔ اسکی دعوت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام رہنماؤں کی یکساں طور پر تصدیق کرتا، اور سب کو خدا کی ایک ہی سچائی کا پیامبر قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی تفریق بین الرسل ہے۔ یعنی ایمان و تصدیق کے لحاظ سے خدا کے رسولوں میں تفریق کرنا۔ کسی ایک کو ماننا اور دوسروں کو جھٹلانا، یا سب کو ماننا، اور کسی ایک کا انکار کرنا۔ اور اسی لیئے اُس نے جا بجا اسلام کی راہ یہ بتلائی ہے کہ:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ۝ — ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ ایک کو نہ مانیں باقی سب کو مانیں یا سب کو نہ مانیں کسی ایک ہی کو مانیں) ہم تو خدا کے آگے جھکے ہوئے ہیں (اسکی سچائی کہیں بھی آئی ہو اور کسی کی زبانی آئی ہو، ہمارا اُس پر ایمان ہے!)

(۳ : ۸۴)

علاوہ بریں خود قرآن نے حضرت مسیحؑ کی دعوت کا یہی پہلو جا بجا نمایاں کیا ہے کہ وہ رحمت و محبت کے پیامبر تھے، اور یہودیوں کی اخلاقی خشونت و قساوت کے مقابلہ میں مسیحی اخلاق کی رقّت و رافت کی بار بار مدح کی ہے:

وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا — اور تاکہ ہم اُسکو (یعنی مسیح کے ظہور کو) لوگوں کے لیئے ایک الٰہی نشانی اور اپنی رحمت

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (۱۹: ۲۲) کا فیضان بنائیں، اور یہ بات (مشیت الٰہی میں) طے شدہ ہے +

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ اور اُن لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے (مسیح کی) پیروی کی، ہم نے شفقت

رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ط (۵۷: ۲۸) اور رحمت ڈال دی +

اِس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن نے جسقدر اوصاف خود اپنی نسبت بیان کیے ہیں، پوری فراخ دلی کے ساتھ وہی اوصاف تورات و انجیل کے لیے بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً وہ جس طرح اپنے آپ کو ہدایت کرنے والا، روشنی رکھنے والا، نصیحت کرنے والا، قوموں کا امام، متقیوں کا راہنما، قرار دیتا ہے، ٹھیک اُسی طرح پچھلے صحیفوں کو بھی اِن تمام اوصاف سے متصف قرار دیتا ہے۔ چنانچہ انجیل کی نسبت ہم جابجا پڑھتے ہیں: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۵: ۴۷) یہ ظاہر ہے کہ جو تعلیم فطرتِ بشری کے خلاف اور ناقابلِ عمل ہو، وہ کبھی نور و ہدایت اور مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ نہیں ہو سکتی +

اصل یہ ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی ان تمام تعلیمات کی وہ نوعیت ہی نہ تھی جو غلطی سے سمجھ لی گئی، اور دنیا میں ہمیشہ انسان کی سب سے بڑی گمراہی اُسکے انکار سے نہیں بلکہ کج اندیشانہ اعتراف و اعتقاد ہی سے پیدا ہوئی ہے +

حضرت مسیح کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا، جبکہ یہودیوں کا اخلاقی تنزل انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا، اور دل کی نیکی اور اخلاق کی پاکیزگی کی جگہ محض ظاہری احکام و رسوم کی پرستش، دینداری و خدا پرستی سمجھی جاتی تھی۔ یہودیوں کے علاوہ جسقدر متمدن قومیں قرب و جوار میں موجود تھیں، مثلاً رومی، مصری، آشوری، وہ بھی انسانی رحم و محبت کی روح سے یکسر ناآشنا تھیں۔ لوگوں نے یہ بات تو معلوم کر لی تھی کہ جرموں گناہوں پر مجرموں کو سزائیں دینی چاہیئیں، لیکن اس حقیقت سے بے بہرہ تھے کہ رحم و محبت اور عفو و بخشش کی چارہ سازیوں سے جرموں اور گناہوں کی پیدائش روک دینی چاہیئے۔ انسانی قتل و ہلاکت کا تماشا دیکھنا، طرح طرح کے ہولناک طریقوں سے مجرموں کو ہلاک کرنا، زندہ انسانوں کو درندوں کے سامنے ڈالدینا، آباد شہروں کو بلا وجہ جلا کر خاکستر کر دینا، اپنی قوم کے علاوہ تمام انسانوں کو غلام سمجھنا اور غلام بنا کر رکھنا، رحم و محبت اور حلم و شفقت کی جگہ قلبی قساوت و بے رحمی پر فخر کرنا، رومی تمدن کا اخلاق اور مصری اور آشوری دیوتاؤں کا پسندیدہ طریقہ تھا!

ضرورت تھی کہ نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے ایک ایسی ہستی مبعوث ہو جو سرتاسر رحمت و محبت کا پیام ہو، اور جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے قطع نظر کر کے، صرف اُسکی قلبی و معنوی حالت کی اصلاح

تزکیہ پر اپنی تمام پیغمبرانہ ہمت مبذول کر دے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت میں وہ ہستی نمودار ہوگئی اُس نے جسم کی جگہ روح پر، زبان کی جگہ دل پر، اور ظاہر کی جگہ باطن پر نوعِ انسانی کو توجہ دلائی، اور انسانیتِ اعلیٰ کا فراموش شدہ سبق تازہ کر دیا!

معمولی سے معمولی کلام بھی بشرطیکہ بلیغ ہو، اپنی بلاغت کے مجازات رکھتا ہے۔ قدرتی طور پر اس الہامی بلاغت کے بھی مجازات تھے جو اُسکی تاثیر کا زیور اور اُسکی دلنشینی کی خوبروئی ہیں، لیکن افسوس کہ وہ دنیا جو اقانیم ثلاثہ اور کفّارہ جیسے دور از کار عقائد پیدا کر لینے والی تھی، اُنکے مواعظ کا مقصد و محل نہ سمجھ سکی، اور مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی۔

اُنہوں نے جہاں کہیں یہ کہا ہے کہ "دشمنوں کو پیار کرو" تو یقیناً اسکا یہ مطلب نہ تھا کہ ہر انسان کو چاہیئے، اپنے دشمنوں کا عاشقِ زار ہو جائے، بلکہ سیدھا سادہ مطلب یہ تھا کہ تم میں غیظ و غضب اور نفرت انتقام کی جگہ رحم و محبت کا پرجوش جذبہ پیدا ہونا چاہیئے، اور ایسا ہونا چاہیئے کہ دوست تو دوست دشمن تک کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آؤ۔ اس مطلب کے لئے کہ رحم کرو، بخشدو، انتقام کے پیچھے نہ پڑو، یہ ایک نہایت ہی بلیغ اور موثر پیرایۂ بیان ہے کہ "دشمنوں تک کو پیار کرو"۔ ایک ایسے گرد و پیش میں جہاں اپنوں عزیزوں کے ساتھ بھی رحم کا محبت کا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو، یہ کہنا کہ اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہ کرو، رحم و محبت کی ضرورت کا ایک اعلیٰ اور کامل ترین تخیّل پیدا کر دیتا تھا:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا   دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام   کہ با دوستانت خلاف ست جنگ

یا مثلاً اگر اُنہوں نے کہا "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو" تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ سچ مچ کو تم اپنا گال آگے کر دیا کرو، بلکہ صریح مطلب یہ تھا کہ انتقام کی جگہ عفو و درگزر کی راہ اختیار کرو۔ بلاغتِ کلام کے یہ وہ مجازات ہیں جو ہر زبان میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں، اور یہ ہمیشہ بڑی ہی جہالت اور نادانی کی بات سمجھی جاتی ہے کہ اُنکے مقصود و مفہوم کی جگہ اُن کے منطوق پر زور دیا جائے۔ اگر ہم اس طرح کے مجازات کو اُنکے ظواہر پر محمول کرنے لگیں گے تو نہ صرف تمام الہامی تعلیمات ہی درہم برہم ہو جائیں گی، بلکہ انسان کا وہ تمام کلام جو ادب و بلاغت کے ساتھ دنیا کی تمام زبانوں میں کہا گیا ہے، یک قلم مختل ہو جائے گا!

باقی رہی یہ بات کہ حضرت مسیحؑ نے سزا کی جگہ بخشش رحم و درگزر ہی پر زور دیا، تو اُنکے مواعظ کی اصلی نوعیت سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ شریعت نے تعزیر و عقوبت کا حکم دیا تھا

لیکن اسلئے نہیں کہ تعزیر و عقوبت فی نفسہٖ کوئی مستحسن عمل ہے، بلکہ اسلئے کہ معیشت انسانی کی بعض ناگزیر حالتوں کے لیئے یہ ایک ناگزیر علاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک کم درجہ کی برائی تھی جو اس لیئے گوارا کر لی گئی کہ بڑے درجے کی برائیاں روکی جاسکیں۔ لیکن دنیا نے اسے علاج کی جگہ ایک پسندیدہ مشغلہ بنا لیا اتنا ہی نہیں، بلکہ رفتہ رفتہ انسان کی تعذیب و ہلاکت کا ایک خوفناک آلہ بن گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی قتل و غارتگری کی کوئی ہولناکی ایسی نہیں ہے جو شریعت اور قانون کے نام سے نہ کی گئی ہو، اور جو فی الحقیقت اسی بدلہ لینے اور سزا دینے کے حکم کا ظالمانہ استعمال نہ ہو۔ اگر تاریخ سے پوچھا جائے کہ انسانی ہلاکت کی سب سے بڑی قوتیں، میدانہائے جنگ سے باہر کون کون سی رہی ہیں؟ تو یقیناً اسکی انگلیاں ان عدالت گاہوں کی طرف اٹھ جائیں گی جو مذہب اور قانون کے ناموں سے قائم کی گئیں، اور جنھوں نے ہمیشہ اپنے ہمجنسوں کی تعذیب و ہلاکت کا عمل اسکی ساری وحشت انگیزیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ جاری رکھا۔[۱] پس اگر حضرت مسیح نے تعزیر و عقوبت کی جگہ سرتاسر رحم و درگزر پر زور دیا، تو یہ اس لیئے نہیں تھا کہ وہ نفس تعزیر و سزا کے خلاف کوئی نئی تشریع کرنی چاہتے تھے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس ہولناک غلطی سے انسان کو نجات دلائیں جس میں تعزیر و عقوبت کے غلو نے مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ دنیا کو بتلانا چاہتے تھے کہ اعمال انسانی میں اصل عمل، رحم و محبت ہے۔ نفرت و انتقام نہیں ہے۔ اور اگر تعزیر و سیاست جائز رکھی گئی ہے تو صرف اس لیئے کہ بطور ایک ناگزیر علاج کے عمل میں لائی جائے۔ یہ مقصود نہ تھا کہ تمہارے دل رحم و محبت کی جگہ سرتاسر نفرت و انتقام کا آشیانہ بن جائیں!

شریعت موسوی کے پیرووں نے شریعت کو صرف سزا دینے کا آلہ بنا لیا تھا۔ حضرت مسیح نے بتلایا کہ شریعت سزا دینے کے لیئے نہیں بلکہ نجات کی راہ دکھانے آتی ہے، اور نجات کی راہ سرتاسر رحمت و محبت کی راہ ہے!

دراصل اس بارے میں انسان کی بنیادی غلطی یہ رہی ہے کہ وہ عمل میں اور عامل میں امتیاز قائم نہیں رکھتا، حالانکہ جہاں تک مذہب کی تعلیم کا تعلق ہے، اس بات میں کہ ایک عمل کیسا ہے؟ اور اس میں کہ کرنے والا کیسا ہے، بہت بڑا فرق ہے، اور دونوں کا حکم ایک نہیں۔ بلاشبہ تمام مذاہب کا یہ عالمگیر مقصد رہا ہے کہ بدعملی اور گناہ کی طرف سے انسان کے دل میں نفرت پیدا کر دیں، لیکن یہ انہوں نے کبھی گوارا نہیں کیا

---

۵ شاید انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی کہ جس انجیل کی تعلیم کا یہ مطلب سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ کسی حال میں بدلہ لینے اور سزا دینے کی اجازت نہیں دیتی، اسی انجیل کے پیرووں نے نوع انسانی کی تعذیب و ہلاکت کا عمل ایسی وحشت و بیرحمی کے ساتھ صدیوں تک جاری رکھا کہ آج ہم اسکا تصور بھی بغیر دہشت و ہراس کے نہیں کر سکتے، اور پھر یہ جو کچھ کیا گیا، انجیل اور اسکے مقدس حکم کے نام پر [illegible]

کہ خود انسان کی طرف سے انسان کے اندر نفرت پیدا ہوجائے۔ یقیناً اُنھوں نے اِس بات پر زور دیا ہے کہ گناہ سے نفرت کرو، لیکن یہ کبھی نہیں کہا ہے کہ گنہگار سے نفرت کرو۔ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک طبیب ہمیشہ لوگوں کو بیماریوں سے ڈراتا رہتا ہے، اور بسا اوقات اُنکے مہلک نتائج کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ دیکھنے والے سہم کر رہجاتے ہیں، لیکن یہ تو وہ کبھی نہیں کرتا کہ جو لوگ بیمار ہو جائیں اُن سے ڈرنے اور نفرت کرنے لگے، یا لوگوں سے کہے کہ ڈرو اور نفرت کرو؟ اتنا ہی نہیں، بلکہ اُسکی تو ساری توجہ اور شفقت کا مرکز بیمار ہی کا وجود ہوتا ہے۔ جو انسان جتنا زیادہ بیمار ہوگا، اُتنا ہی زیادہ اُسکی توجہ اور شفقت کا مستحق ہوجائے گا!

پس جس طرح جسم کا طبیب بیماریوں کیلئے نفرت لیکن بیمار کیلئے شفقت و ہمدردی کی تلقین کرتا رہی، ٹھیک اُسی طرح روح و دل کے طبیب بھی گناہوں کے لیئے نفرت لیکن گنہگاروں کے لیئے سرتا پا رحمت و شفقت کا پیام ہوتے ہیں۔ یقیناً وہ چاہتے ہیں کہ گناہوں سے (جو روح و دل کی بیماریاں ہیں) ہم میں دہشت و نفرت پیدا کردیں، لیکن گناہوں سے پیدا کردیں، گنہگار انسانوں سے نہیں، اور یہی وہ نازک مقام ہے جہاں ہمیشہ پیروان مذاہب نے ٹھوکر کھائی ہے۔ مذاہب نے چاہا تھا کہ اُنہیں بُرائی سے نفرت کرنا سکھلائیں لیکن بُرائی سے نفرت کرنے کی جگہ اُنھوں نے اُن انسانوں سے نفرت کرنا سیکھ لیا جنھیں وہ اپنے خیال میں بُرائی کا مجرم تصور کرتے ہیں!

حضرت مسیح کی تعلیم سرتا سر اسی حقیقت کی دعوت تھی۔ گناہوں سے نفرت کرو، مگر اُن انسانوں سے نفرت نہ کرو جو گناہوں میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اگر ایک انسان گنہگار ہے، تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اُسکی روح و دل کی تندرستی باقی نہ رہی۔ لیکن اگر اُس نے بدبختانہ اپنی تندرستی ضائع کردی ہی تو تم اُس سے نفرت کیوں کرو؟ وہ تو اپنی تندرستی کھوکر اور زیادہ تمہارے رحم و شفقت کا مستحق ہوگیا ہے۔ تم اپنے بیمار بھائی کی تیمارداری کروگے، یا اُسے جلاد کے تازیانے کے حوالے کردوگے؟ وہ موقع یاد کرو، جس کی تفصیل ہمیں سینٹ لوقا کی زبانی معلوم ہوئی ہے۔ جب ایک گناہگار عورت حضرت مسیح کی خدمت میں آئی اور اُس نے اپنے بالوں کی لٹوں سے اُن کے پاؤں پونچھے، تو اس پر ریاکار فریسیوں کو (اور اب فریسیت کے معنی ہی ریاکاری کے ہوگئے ہیں Pharisaism) سخت تعجب ہوا، لیکن اُنھوں نے کہا طبیب بیماروں کے لیئے ہوتا ہے، نہ کہ تندرستوں کے لیئے۔ پھر خدا اور اُسکے گناہگار بندوں کا رشتۂ رحمت واضح کرنیکے لیئے ایک نہایت ہی مؤثر اور دلنشین مثال بیان کی۔ فرض کرو، ایک ساہوکار کے دو قرضدار تھے۔ ایک پچاس ۵۰ روپیہ کا، ایک ہزار روپیہ کا۔ ساہوکار نے دونوں کا قرض معاف کردیا۔ بتلاؤ، کس قرضدار پہ

اُس کا احسان زیادہ ہوا، اور کون اُس سے زیادہ محبت کرے گا؟ وہ جسے پچاس روپے معاف کردیئے گئے، یا وہ جسے ہزار روپے؟ سب کو جواب میں کہنا پڑا "وہ جسے زیادہ رقم معاف کردی گئی"!

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گناہگارانند

یہی حقیقت ہے جسکی طرف بعض ائمہ تابعین نے اشارہ کیا ہے: انکسار العاصین احب الی اللہ من صولۃ المطیعین۔ خدا کو فرمانبردار بندوں کی تمکنت سے کہیں زیادہ گناہگار بندوں کا عجز وانکسار محبوب ہے!

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

اور پھر یہی حقیقت ہے کہ ہم قرآن میں دیکھتے ہیں، جہاں کہیں خدا نے گناہگار انسانوں کو مخاطب کیا ہے، یا انکا ذکر کیا ہے، تو عموماً یائے نسبت کے ساتھ کیا ہے جو تشریف و محبت پر دلالت کرتی ہے۔ قل یٰعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم (۳۹: ۵۴) ءانتم اضللتم عبادی (۲۵: ۱۸) وقلیل من عبادی الشکور (۳۴: ۱۲) اسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک باپ جوش محبت میں اپنے بیٹے کو پکارتا ہے، تو خصوصیت کے ساتھ اپنے رشتۂ پدری پر زور دیتا ہے۔ "اے میرے بیٹے! اے میرے فرزند!" حضرت امام جعفر صادق (علیہ علیٰ آبائہ واجدادہ الصلوٰۃ والسلام) نے سورۂ زمر کی آیۂ رحمت کی تفسیر کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے "جب ہم اپنی اولاد کو اپنی طرف نسبت دیکر مخاطب کرتے ہیں تو وہ بے خوف و خطر ہماری طرف دوڑنے لگتے ہیں، کیونکہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہم اُنپر غضبناک نہیں ہیں، اگر غضبناک ہوتے تو اس طرح نہ پکارتے۔ قرآن میں خدا نے بیس سے زیادہ موقعوں پر ہمیں عبادی کہکر اپنی طرف نسبت دی ہے، اور سخت سے سخت گناہگار انسانوں کو بھی یٰعبادی کہکر پکارا ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھکر اسکی رحمت و آمرزش کا کوئی پیام ہو سکتا ہے؟"

صحیح مسلم کی مشہور حدیث کا مطلب کس طرح واضح ہو جاتا ہے جب ہم اس روشنی میں اسکا مطالعہ کرتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ، لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم ولجاء بقوم یذنبون فیستغفرون (مسلم	اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم لوگوں سے گناہ بالکل سرزد نہ ہو، تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے، اور تمہاری جگہ ایک دوسری قوم پیدا کرے جنکا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا

عن ابی ھریرۃ (رضؓ) لہ — ہوں اور پھر خدا سے بخشش و مغفرت کے طلبگار ہوں!

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباسِ بہار
بعذر خواہیٔ رندانِ بادہ نوش آمد!

پس فی الحقیقت حضرت مسیح (علیہ السلام) کی تعلیم میں اور قرآن کی تعلیم میں اصلاً کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا معیارِ احکام ایک ہی ہے۔ فرق صرف محلِ بیان اور پیرایۂ بیان کا ہو۔ حضرت مسیحؑ نے صرف اخلاق اور تزکیۂ قلب پر زور دیا، کیونکہ شریعت موسوی موجود تھی اور وہ اُسکا ایک نقطہ بھی بدلنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن قرآن کو اخلاق اور قانون، دونوں کے احکام بہ یک وقت بیان کرنے تھے اس لیے قدرتی طور پر اُس نے پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا جو مجازات و متشابہات کی جگہ احکام و قوانین کا صاف صاف جچا تُلا پیرایۂ بیان تھا۔ اُس نے سب سے پہلے عفو و درگزر پر زور دیا، اور اُسے نیکی و فضیلت کی اصل قرار دیا۔ ساتھ ہی بدلہ لینے اور سزا دینے کا دروازہ بھی کُھلا رکھا۔ کہ ناگزیر حالتوں میں اسکے بغیر چارہ نہیں لیکن نہایت قطعی اور واضح لفظوں میں بار بار کہہ دیا کہ بدلے اور سزا میں کسی طرح کی نا انصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہیئے۔ یقیناً دنیا کے تمام نبیوں اور شریعتوں کے احکام کا ماحصل یہی تین اصول رہے ہیں:

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ۭ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ۭ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَمَنْ

اور (دیکھو) بُرائی کے لیئے بدلہ ہو۔ ٹھیک ٹھیک ویسا ہی اور اتنا ہی جیسی کچھ بُرائی کی گئی ہو۔ لیکن جو کوئی بخشدے اور بگاڑنے کی جگہ سنوار دے تو یقین کرو، اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بلا شبہ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ مگر جس کسی کا طرزِ عمل ایسا ہو کہ اُس پر ظلم کیا گیا ہو، اور وہ ظلم کے بعد اس کا بدلہ لے تو اُس کے لیئے کوئی الزام نہیں۔ الزام اُن لوگوں کے لیئے ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی حق کے نا انصافی و فساد کا باعث ہوتے ہیں یقیناً یہی لوگ ہیں جو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔ لیکن جو کوئی

لہ وایضاً عن انس قال قال صلی اللہ علیہ وسلم "والذی نفسی بیدہ" لو اخطأتم حتی تملأ خطایاکم ما بین السماء والارض" ثم استغفرتم اللہ" یغفر لکم۔ والذی نفسی بیدہ، لو لم تخطئون، لجاء اللہ بقوم یخطئو ثم یستغفرون فیغفر لھم۔ اخرجہ احمد وابو یعلی باسنادٍ رجالہ ثقات۔ وعن ابن عمرو مرفوعاً "لو لم تذنبوا لخلق اللہ خلقاً یذنبون ثم یغفر لھم" اخرجہ احمد والبزار ورجالھم ثقات۔ واخرج البزار من حدیث ابی سعید نحو حدیث ابی ھریرۃ فی الصحیح، وفی اسنادہ یحیی بن بکیر وھو ضعیف۔

صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؕ بدلہ لینے کی جگہ برائی برداشت کر جائے اور بخش دے، تو یقیناً یہ بڑی ہی اولوالعزمی کی بات ہے!

(۴۲ : ۴۳)

اسلوب بیان پر غور کرو، اگرچہ ابتدا میں صاف صاف کہدیا تھا کہ "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" اور بظاہر عفو و درگزر کیلئے اتنا کہدینا کافی تھا، لیکن آخر میں پھر دوبارہ اس پہ زور دیا: "وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" یہ تکرار اسلیئے ہے کہ عفو و درگزر کی اہمیت واضح ہو جائے یعنی یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے کہ اگرچہ بدلے اور سزا کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے، لیکن نیکی و فضیلت کی راہ عفو و درگزر ہی کی راہ ہے!

ایک اعتراض | ممکن ہے، بعض طبیعتیں یہاں ایک خدشہ محسوس کریں۔ اگر فی الحقیقت قرآن کی تمام تعلیم کا اصل اصول رحمت ہی ہے، تو پھر اس نے اپنے مخالفوں کی نسبت زجر و توبیخ کا سخت پیرایہ کیوں اختیار کیا؟ اسکا مفصّل جواب تو اپنے محل میں آئے گا، لیکن تکمیل بحث کیلئے ضروری ہے کہ یہاں مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔ بلاشبہ قرآن میں ایسے مقامات موجود ہیں جہاں اُس نے مخالفین کیلئے شدت و غلظت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کن مخالفین کیلئے؟ اُن مخالفین کیلئے جن کی مخالفت محض اختلافِ فکر و اعتقاد کی مخالفت تھی؟ یعنی ایسی مخالفت جو معاندانہ اور جارحانہ نوعیت نہیں رکھتی تھی؟ ہمیں اس سے قطعاً انکار ہے۔ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تمام قرآن میں شدت و غلظت کا ایک لفظ بھی نہیں مِلسکتا جو اس طرح کے مخالفین کیلئے استعمال کیا گیا ہو۔ اس نے جہاں کہیں بھی مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے سختی کا اظہار کیا ہے، اُس کا تمام تر تعلق اُن مخالفین سے ہے، جنکی مخالفت بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی جارحانہ معاندت تھی، اور ظاہر ہے کہ اصلاح و ہدایت کی کوئی تعلیم بھی اس صورتِ حال سے گریز نہیں کر سکتی۔ اگر ایسے مخالفین کے ساتھ بھی نرمی و شفقت ملحوظ رکھی جائے تو بلاشبہ یہ رحمت کا سلوک ہوگا، مگر انسانیت کیلئے نہیں ہوگا۔ ظلم و شرارت کیلئے ہوگا، اور یقیناً سچی رحمت کا معیار یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ ظلم و فساد کی پرورش کرے۔ ابھی چند صفحوں کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن نے صفات الٰہی میں رحمت کے ساتھ عدالت کو بھی اُسکی جگہ دی ہے، اور سورۂ فاتحہ میں ربوبیت اور رحمت کے بعد عدالت ہی کی صفت جلوہ گر ہوئی ہے۔ یہ اسی لیئے ہے کہ وہ رحمت سے عدالت کو الگ نہیں کرتا، بلکہ اُسے عین رحمت کا مقتضا قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، تم انسانیت کے ساتھ رحم و محبت کا برتاؤ نہیں کر سکتے اگر ظلم و شرارت کیلئے تم میں سختی نہیں ہے۔ انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح بھی

اپنے مخالفوں کو سانپ کے بچو اور ڈاکوؤں کا مجمع کہنے پر مجبور ہوئے۔

قرآن نے "کفر" کا لفظ انکار کے معنی میں استعمال کیا ہے، اور انکار دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ انکار محض ہو، ایک یہ کہ جارحانہ ہو۔ انکار محض سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص تمہاری تعلیم قبول نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ اسکی سمجھ میں نہیں آتی، یا اسلیئے کہ اسمیں طلب صادق نہیں ہے، یا اسلیئے کہ جو راہ وہ چل رہا ہے، اسی پر قانع ہے۔ بہر حال کوئی وجہ ہو، لیکن وہ تم سے متفق نہیں ہے۔ جارحانہ انکار سے مقصود وہ حالت ہے جو صرف اتنے ہی پر قناعت نہیں کرتی، بلکہ انہیں تمہارے خلاف ایک طرح کی کد اور ضد پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر یہ ضد بڑھتے بڑھتے بغض و عناد اور ظلم و شرارت کی سخت سے سخت صورتیں اختیار کرلیتی ہے۔ اس طرح کا مخالف صرف یہی نہیں کرتا کہ تم سے اختلاف رکھتا ہے، بلکہ اسکے اندر تمہارے لیئے بغض و عناد کا ایک غیر محدود جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی اور زندگی کی ساری قوتوں کے ساتھ تمہاری بربادی و ہلاکت کے درپے ہو جائیگا۔ تم کتنی ہی اچھی بات کہو، وہ تمہیں جھٹلائیگا۔ تم کتنا ہی اچھا سلوک کرو، وہ تمہیں اذیت پہنچائیگا۔ تم اگر کہو، روشنی تاریکی سے بہتر ہے، تو وہ کہے، تاریکی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ تم اگر کہو کڑواہٹ سے مٹھاس اچھی ہے، تو وہ کہے، نہیں، کڑواہٹ ہی میں دنیا کی سب سے بڑی لذت ہے۔ یہی حالت ہے جسے قرآن انسانی فکر و بصیرت کے تعطل سے تعبیر کرتا ہے، اور اسی نوعیت کے مخالفین ہیں جن کے لیئے اسکے تمام زواجر و قوارع ظہور میں آئے ہیں:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (۷ : ۱۷۸)

ان کے پاس دل ہیں، مگر سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں، مگر دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں، مگر سنتے نہیں۔ انکی حالت ایسی ہے جیسے چارپائے ہوتے ہیں۔ نہیں، بلکہ چارپایوں سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔ بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوب گئے ہیں!

مفسرین اسی دوسری حالت کو "کفر جحود" سے تعبیر کرتے ہیں۔

دنیا میں جب کبھی سچائی کی کوئی دعوت ظاہر ہوئی ہے، تو کچھ لوگوں نے اسے قبول کرلیا ہے، کچھ نے انکار کیا ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں، جنہوں نے اسکے خلاف طغیان و جحود اور ظلم و شرارت کی جتھا بندی کرلی ہے۔ قرآن کا جب ظہور ہوا، تو اس نے بھی یہ تینوں جماعتیں اپنے سامنے پائیں۔ اس نے پہلی جماعت کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا، دوسری کو دعوت و تذکیر کا مخاطب بنایا، مگر تیسری کے ظلم و طغیان پر حسب حالت و ضرورت زجر و توبیخ کی۔ اگر ایسے گروہ کے لیئے بھی اسکے لب و لہجہ کی سختی "رحمت" کے

کے خلاف ہو، تو بلاشبہ اس معنی میں قرآن رحمت کا معترف نہیں، اور یقیناً اس ترازو سے اُسکی رحمت نہیں تولی جاسکتی۔ تم بار بار سُن چکے ہو کہ وہ دینِ حق کے معنوی قوانین کو کائنات فطرت کے عام قوانین سے الگ نہیں قرار دیتا، بلکہ انہی کا ایک گوشہ قرار دیتا ہے۔ فطرتِ کائنات کا اپنے فعل و ظہور کے ہر گوشہ میں کیا حال ہو؟ یہ حال ہے کہ وہ اگرچہ سرتا سر رحمت ہو، لیکن رحمت کے ساتھ عدالت، اور بخشش کے ساتھ جزاء و سزا کا قانون بھی رکھتی ہے۔ پس قرآن کہتا ہے، میں فطرت سے زیادہ کچھ نہیں دیسکتا۔ تمہاری جس مزعومہ رحمت سے فطرت کا خزانہ خالی ہے، یقیناً تمہیں میرے آستینِ دامن میں نہیں مل سکتی:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا	اللہ کی فطرت، جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ	میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی (اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت)
الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	سچا اور ٹھیک ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو اس
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰ : ۲۹﴾	حقیقت سے بے خبر ہیں!

قرآن کے اُن تمام مقامات پر اگر نظر ڈالی جائے جہاں اُس نے سختی کے ساتھ مخالفین کا ذکر کیا ہے تو یہ یک نظر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی۔ سورۂ انفال کے مقدمہ میں ہم قرآن کے احکامِ جنگ پر نظر ڈالیں گے اور اُس سلسلہ میں بحث کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑجائے گی۔

(۵) مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

ربوبیت اور رحمت کے بعد جس صفت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ عدالت ہو، اور اس کے لیے "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

الدّین "دین" کے معنی عربی میں بدلہ اور مکافات کے ہیں۔ خواہ اچھائی کا بدلہ ہو خواہ بُرائی کا:

ستعلم لیلی ای دین تداینت
وای غریم فی التقاضی غریمها

پس "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کے معنی ہوئے، وہ، جو جزاء و سزا کے دن کا حکمران ہو یعنی روزِ قیامت کا۔

اِس سلسلہ میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں:

اوّلاً قرآن نے نہ صرف اس موقع پر بلکہ عام طور پر جزاء و سزا کے لیئے "الدّین" کا لفظ اختیار کیا ہے، اور اسی لیئے وہ قیامت کو بھی عموماً "یوم الدّین" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ تعبیر اسلیئے اختیار کیگئی کہ جزاء و سزا کے بارے میں جو اعتقاد پیدا کرنا چاہتا تھا، اُسکے لیئے یہی تعبیر سب سے زیادہ موزوں اور واقعی تعبیر تھی

وہ جزاؤ سزا کو اعمال کا قدرتی نتیجہ اور مکافات قرار دیتا ہے۔

نزول قرآن کے وقت تمام پیروان مذاہب کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ جزاؤ سزا محض خدا کی خوشنودی اور اُسکے قہر و غضب کا نتیجہ ہے۔ اعمال کے نتایج کو اسمیں کوئی دخل نہیں۔ الوہیّت اور شاہیّت کا تشابہُ، تمام مذہبی تصوّرات کی طرح، اس معاملہ میں بھی گمراہیٔ فکر کا موجب ہوا تھا۔ لوگ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہوکر انعام و اکرام دینے لگتا ہی، کبھی بگڑکر سزائیں دینے لگتا ہے، اسلیئے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ وہ کبھی ہم سے خوش ہو جاتا ہے۔ کبھی غیظ و غضب میں آجاتا ہے۔ طرح طرح کی قربانیوں اور چڑھاؤوں کی رسم اسی اعتقاد سے پڑی تھی۔ لوگ دیوتاؤں کا جوش غضب ٹھنڈا کرنیکے لیۓ قربانیاں کرتے، اور اُنکی نظر التفات حاصل کرنے کیلئے نذریں چڑھاتے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا عام تصوّر دیوتاؤں کے باقی تصوّرات سے بلند ہو گیا تھا، لیکن جہانتک اس معاملہ کا تعلق ہے، اُن کے تصوّر نے بھی کوئی وسیع ترقی نہیں کی تھی۔ یہودی بہت سے یونانی دیوتاؤں کی جگہ خاندان اسرائیل کے ایک خدا کو مانتے تھے، لیکن پرانے دیوتاؤں کی طرح یہ خدا بھی شاہی اور مطلق العنانی کا خدا تھا۔ وہ کبھی خوش ہوکر اُنہیں اپنی چہیتی قوم بنا لیتا۔ کبھی جوش انتقام میں آکر بربادی و ہلاکت کے حوالہ کردیتا۔ عیسائیوں کا اعتقاد تھا کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اُسکی پوری نسل مغضوب ہوگئی، اور جب تک خدا نے اپنی صفت ابنیت کو بشکل مسیح قربان نہیں کردیا، اُسکے نسلی گناہ اور مغضوبیت کا کفارہ نہ ہوسکا!

لیکن قرآن نے جزاؤ سزا کا اعتقاد ایک دوسری ہی شکل و نوعیت کا پیش کیا ہے۔ وہ اُسے خدا کا کوئی ایسا فعل نہیں قرار دیتا جو کائنات خلقت کے عام قوانین و نظام سے الگ ہو، بلکہ اُسی کا ایک قدرتی گوشہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہی کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے، اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ ممکن نہیں، یہاں کوئی شے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات و نتایج کے سلسلہ سے باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتایج رکھے ہیں، اُسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتایج ہیں، اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں، اُسی طرح روح انسانی کے لیئے بھی قدرتی انفعالات ہیں۔ جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں، معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اعمال کے بھی قدرتی خواص و نتایج ہیں جنہیں جزاؤ سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے۔ برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور یہ عذاب ہے۔

ثواب اور عذاب کے اِن اثرات کی نوعیت کیا ہوگی ؟ وحیِ الٰہی نے ہماری فہم و استعداد کے مطابق اُس کا نقشہ کھینچا ہے ۔ اِس نقشہ میں ایک مرقع بہشت کا ہے ۔ ایک دوزخ کا ۔ بہشت کے نعائم اُنکے لیئے ہیں جن کے اعمال بہشتی ہونگے ۔ دوزخ کی عقوبتیں اُن کے لیئے ہیں جن کے اعمال دوزخی ہونگے :

لَا يَسْتَوِىٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُونَ ۝ (۵۹ : ۲۰) — اصحابِ جنت اور اصحاب دوزخ (اپنے اعمال و نتائج میں) یکساں نہیں ہوسکتے ۔ کامیاب انسان وہی ہیں جو اصحابِ جنت ہیں !

وہ کہتا ہے ، تم دیکھتے ہو کہ فطرت ہر گوشۂ وجود میں اپنا قانونِ مکافات رکھتی ہے ۔ ممکن نہیں کہ اسمیں تغیر یا تساہل ہو ۔ فطرت نے آگ میں یہ خاصّہ رکھا ہے کہ جلائے ۔ اب سوزش و تپش فطرت کی وہ مکافات ہوگئی جو ہر اُس انسان کے لیئے ہے جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈالدے گا ۔ ممکن نہیں کہ تم آگ میں کودو اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ ۔ پانی کا خاصّہ ٹھنڈک اور رطوبت ہے ۔ یعنی ٹھنڈک اور رطوبت وہ مکافات ہے جو فطرت نے پانی میں ودیعت کردی ہے ۔ اب ممکن نہیں کہ تم دریا میں اترو ، اور اس مکافات سے بچ جاؤ ۔ پھر جو فطرت کائناتِ ہستی کی ہر چیز اور ہر حالت میں مکافات رکھتی ہے ، کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال کیلئے مکافات نہ رکھے ؟ یہی مکافات جزاؤ سزا ہے ۔

آگ جلاتی ہے ، پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے ، سنکھیا کھانے سے موت ، دودھ سے طاقت ، اور کونین سے بخار رُک جاتا ہے ۔ جب اشیاء کی اِن تمام مکافات پر تمہیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمہاری زندگی کی یقینیات ہیں ، تو پھر اعمال کے مکافات پر کیوں تعجب ہوتا ہے ؟ افسوس تم پر ، تم اپنے فیصلوں میں کتنے ناہموار ہو !

تم گیہوں بوتے ہو ، اور تمہارے دل میں کبھی یہ خدشہ نہیں گزرتا کہ گیہوں پیدا نہیں ہوگا ۔ اگر کوئی تم سے کہے ، ممکن ہے گیہوں کی جگہ جوار پیدا ہوجائے ' تو تم اُسے پاگل سمجھوگے ۔ کیوں ؟ اس لیئے کہ فطرت کے قانونِ مکافات کا یقین تمہاری طبیعت میں راسخ ہوگیا ہے ۔ تمہارے وہم و گمان میں بھی یہ خطرہ نہیں گزر سکتا کہ فطرت گیہوں لیکر اُسکے بدلے میں جوار دیدیگی ۔ اتنا ہی نہیں ، بلکہ تم یہ بھی نہیں مان سکتے کہ اچھے قسم کا گیہوں لیکر بُرے قسم کا گیہوں دیدے گی ۔ تم جانتے ہو کہ وہ بدلہ دینے میں قطعی اور شک شبہ سے بالاتر ہے ۔ پھر بتلاؤ ، جو فطرت گیہوں کے بدلے گیہوں اور جوار کے بدلے جوار دے رہی ہے کیونکر ممکن ہے کہ اچھے عمل کے بدلے اچھا اور بُرے عمل کے بدلے بُرا نتیجہ نہ رکھتی ہو ؟

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ — جو لوگ برائیاں کرتے ہیں ، کیا وہ سمجھتے ہیں ، ہم انہیں اُن لوگوں

اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۴۵ : ۲۰)

جیسا کر دینگے جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے اعمال اچھے ہیں ؟ دونوں برابر ہو جائیں۔ زندگی میں بھی اور موت میں بھی ؟ اگر ان لوگوں کی فہم دانش کا یہی فیصلہ ہے، تو افسوس انکے فیصلے پر! اور (ایسا کیونکر ہو سکتا ہے) جبکہ اللہ نے آسمان و زمین کو بیکار و عبث نہیں بنایا ہے بلکہ حکمت و مصلحت کے ساتھ بنایا ہے اور اسلیئے بنایا ہے کہ ہر جان کو اسکی کمائی کے مطابق مکافات ملے (اور کوئی چیز بغیر بدلے اور نتیجے کے نہ رہے) اور (یاد رکھو) یہ مکافات ٹھیک ٹھیک ہوگی اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جزاؤ سزا کے لیئے اَلدِّیْن کا لفظ اختیار کیا، کیونکہ مکافاتِ عمل کا مفہوم ادا کرنے کیلئے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اُس نے اچھے بُرے کام کرنے کو جابجا "کسب" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے؛ "کسب" کے معنی عربی میں ٹھیک ٹھیک وہی ہیں جو اُردو میں کمائی کے ہیں۔ یعنی ایسا کام جسکے نتیجہ سے تم کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہو، اگرچہ فائدہ کی جگہ نقصان بھی ہو جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے لیئے جزا، اور سزا، خود انسان ہی کی کمائی ہے۔ جیسی کسی کی کمائی ہوگی ویسا ہی نتیجہ پیش آیگا۔ اگر ایک انسان نے اچھے کام کرکے اچھی کمائی کرلی ہے، تو اسکے لیئے اچھائی ہے۔ اگر کسی نے برائی کرکے برائی کمالی ہے تو اُسکے لیئے برائی ہے:

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ (۵۲ : ۲۱) ہر انسان اُس نتیجے کے ساتھ جو اسکی کمائی ہے بندھا ہوا ہے!

سورۂ بقرہ میں جزاؤ سزا کا قاعدۂ کلیہ بتلا دیا:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲ : ۲۸۶) ہر انسان کیلئے وہی ہے جیسی کچھ اسکی کمائی ہوگی جو کچھ اسے پانا ہے وہ بھی اسکی کمائی سے ہے اور جسکے لیئے اُسے جوابدہ ہونا ہے وہ بھی اسکی کمائی ہے۔

اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی نسبت بھی ایک عام قاعدہ بتلا دیا:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲ : ۱۳۵) یہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی۔ اُس کے لیئے وہ نتیجہ تھا جو اُس نے کمایا۔ اور تمہارے لیئے وہ نتیجہ ہے جو تم کماؤ گے۔

علاوہ بریں، صاف صاف لفظوں میں جابجا یہ حقیقت واضح کردی کہ اگر دینِ الٰہی نیک عملی کی ترغیب دیتا ہے، اور بدعملی سے روکتا ہے، تو یہ صرف اسلیئے ہے کہ انسان نقصان و ہلاکت سے بچے اور نجات و سعادت حاصل کرے۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کا غضب و قہر اُسے عذاب دینا چاہتا ہو اور

اُس سے بچنے کیلئے مذہبی ریاضتوں اور عبادتوں کی ضرورت ہو:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ط وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (۴۱ : ۴۶)

جس کسی نے نیک کام کیا، تو اپنے لیئے کیا، اور جس کسی نے بُرائی کی تو خود اُسی کے آگے آئیگی، اور (یاد رکھو) تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے لیئے ظالم نہیں ہے۔ (کہ انہیں اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنائے)

ایک مشہور حدیثِ قدسی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

یا عبادی لو ان اوّلکم و اٰخرکم وانسکم وجنّکم کانوا علی اتقیٰ قلب رجل واحد منکم، ما زاد فی مُلکی شیئًا۔ یا عبادی، لو ان اوّلکم واٰخرکم وانسکم وجنّکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم، ما نقص ذٰلک من مُلکی شیئًا۔ یا عبادی، لو ان اوّلکم واٰخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان مسئلته، ما نقص ذٰلک مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر۔ یا عبادی انّما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثمّ اوفیکم ایّاھا، فمن وجد خیرًا فلیحمد اللہ، ومن وجد غیر ذٰلک فلا یلومنّ الا نفسه۔ (مسلم عن ابی ذرؓ)

اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب انسان جو پہلے گزر چکے اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے، اور تمام انس اور تمام جن، اُس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، تو یاد رکھو، اِس سے میری خداوندی میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا۔ اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے، اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہوں گے، اور تمام انس اور تمام جن اُس شخص کی طرح بدکار ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے، تو اس سے میری خداوندی میں کچھ بھی نقصان ہوتا۔ اے میرے بندو! اگر وہ سب جو پہلے گزر چکے، اور وہ سب جو بعد کو پیدا ہونگے، ایک مقام پر جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے، اور میں ہر انسان کو اُسکی مُنہ مانگی مراد بخشدیتا، تو میری رحمت و بخشش کے خزانہ میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی جتنی کمی سوئی کے ناکے جتنا پانی نکل جانے سے سمندر میں ہوسکتی ہے۔ اے میرے بندو! یاد رکھو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنھیں میں تمہارے لیئے انضباط اور نگرانی میں رکھتا ہوں، اور پھر انہیں کے نتائج بغیر کسی کمی بیشی کے تمہیں واپس دیدیتا ہوں پس جو کوئی تم میں اچھائی پائے، چاہیئے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے، اور جس کسی کو بُرائی پیش آئے تو چاہیئے کہ خود اپنے وجود کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

یہاں یہ خدشہ کسی کے دل میں واقع نہ ہو کہ خود قرآن نے بھی تو جا بجا خدا کی خوشنودی اور نارضامندی کا ذکر کیا ہے؟ بلاشبہ کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انسان کی نیک عملی کا اعلیٰ درجہ یہی

قرار دیتا ہے کہ جو کچھ کرے، صرف اللہ کی خوشنودی ہی کے لیئے کرے۔ لیکن خدا کے جس رضا و غضب کا وہ اثبات کرتا ہے، وہ جزاؤ سزا کی علت نہیں ہے بلکہ جزاؤ سزا کا قدرتی نتیجہ ہے۔ یعنی یہ نہیں کہتا کہ جزاؤ سزا محض خدا کی خوشنودی اور ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ نیک و بد اعمال کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے جزاؤ سزا تمام تر انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے، اور خدا نیک عملی سے خوشنود ہوتا ہے۔ بد عملی ناپسند کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ تعلیم قدیم اعتقاد سے نہ صرف مختلف ہے، بلکہ یکسر متضاد ہے۔

بہر حال جزاؤ سزا کی اس حقیقت کیلئے "الدِّین" کا لفظ نہایت موزوں لفظ ہے، اور ان تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دیتا ہے جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورۂ فاتحہ میں مجرد اس لفظ کے استعمال نے جزاؤ سزا کی اصلی حقیقت آشکارا کر دی۔

ثانیًا، یہی وجہ ہے کہ مذہب اور قانون کے لیئے بھی "اَلدِّین" کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافاتِ عمل کا اعتقاد ہے، اور قانون کی بنیاد بھی تعزیر و سیاست پر ہے سورۂ یوسف میں جہاں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روک لیا تھا، وہاں فرمایا: مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (۱۲ : ۷۶) یہاں بادشاہ مصر کے دین سے مقصود اسکا قانون ہے۔

ثالثًا، یہاں ربوبیت اور رحمت کے بعد صفات قہر و جلال میں سے کسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی صفت بیان کیگئی، جس سے عدالت الٰہی کا تصور ہمارے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے اس میں قہر و غضب کے لیئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ البتہ عدالت ضرور ہے، اور صفات قہریہ جس قدر بیان کی گئی ہیں، در اصل اسی کی مظاہر ہیں۔ اگر یہاں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی جگہ کوئی ایسی صفت نمودار ہوتی جو صفاتِ سلبِ قہر پر دلالت کرتی، تو ظاہر ہے کہ یہ حقیقت واضح نہ ہوتی، اور خدا کا تصور قہر و غضب سے آلودہ ہو جاتا۔

فی الحقیقت صفاتِ الٰہی کے تصور کا یہی مقام ہے جہاں فکر انسانی نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرتِ کائنات، ربوبیت و رحمت کے ساتھ، اپنے مجازات بھی رکھتی ہے، اور اگر ایک طرف اس میں پرورش و بخشش ہے تو دوسری طرف مواخذہ و مکافات بھی ہے۔ فکر انسانی کے لیئے فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ فطرت کے مجازات اُسکے قہر و غضب کا نتیجہ ہیں یا عدل و قسط کے؟ اسکا فکر نارسا عدل و قسط کی حقیقت معلوم نہ کر سکا۔ اُس نے مجازات کو قہر و غضب پر محمول کر لیا، اور یہیں سے خدا کی صفات میں

خوف و دہشت کا تصور پیدا ہوگیا۔ حالانکہ اگر وہ فطرتِ کائنات کو زیادہ قریب ہو کر دیکھ سکتا، تو معلوم کر لیتا کہ جن مظاہر کو قہر و غضب پر محمول کر رہا ہے، وہ قہر و غضب کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ عین مقتضائے رحمت ہیں۔ اگر فطرتِ کائنات میں مکافات کا مواخذہ نہ ہوتا، یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کیلئے تخریب نہ ہوتی، تو میزانِ عدل قائم نہ رہتا، اور تمام نظامِ ہستی درہم و برہم ہو جاتا۔

رابعاً، جس طرح کارخانۂ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیئے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے، اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے۔ یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت و ہستی کا قوام ظہور میں آیا ہے۔ ربوبیت پرورش کرتی ہے، رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے، اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی اور نقصان و فساد سے محفوظ رہتی ہے۔

تم نے ابھی ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اگر ایک قدم آگے بڑھو، تو اسی طرح عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے۔ تم دیکھو گے کہ اس کارخانۂ ہستی میں بناؤ، سلجھاؤ، خوبی اور جمال میں سے جو کچھ بھی ہے، وہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہے۔ ایجاب و تعمیر کو تم اسکی بے شمار شکلوں میں دیکھتے ہو، اور اسلیئے بیشمار ناموں سے پکارتے ہو، لیکن اگر حقیقت کا سراغ لگاؤ، تو دیکھ لو کہ ایجابی حقیقت یہاں صرف ایک ہی ہے، اور وہ عدل و اعتدال ہے!

عدل کے معنی یہ ہیں کہ برابر ہونا، کم زیادہ نہ ہونا۔ اسی لیئے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دو فریقوں کی باہمدگر زیادتیاں دور کر دیتا ہے۔ ترازو کی تول کو بھی معادلہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں پلّوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔ یہی عدالت جب اشیاء میں نمودار ہوتی ہے تو انکی کمیّت اور کیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے۔ ایک جزء کا دوسرے جزء سے کمیّت و کیفیت میں مناسب و موزوں ہونا، عدالت ہے۔

اب غور کرو، کارخانۂ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جسقدر بھی مظاہر ہیں، کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آتے ہیں؟ وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے۔ اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے، وجود کی نمود معدوم ہو جائے۔ جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے۔ اگر اسکا کوئی ایک جزء بھی غیر معتدل ہو جائے، جسم کی ہیئت ترکیبی بگڑ جائے۔ صحت و تندرستی کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے۔ جہاں اسکا قوام بگڑا، صحت میں انحراف ہو گیا۔ حسن و جمال کیا ہے؟ تناسبِ اعتدال کی ایک کیفیت ہے۔ اگر انسان میں ہے، تو خوبصورت انسان ہے۔ نباتات میں ہے تو خوشنما پھول ہے۔ عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سُروں کی ترکیب کا

تناسب و اعتدال ہے۔ اگر ایک سُر بھی بے میل ہوا، نغمہ کی کیفیت جاتی رہی!

پھر کچھ اشیاء و اجسام ہی پر موقوف نہیں ہے۔ کارخانۂ ہستی کا تمام نظام ہی عدل و توازن پر قائم ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیئے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے، تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ کیا بات ہی کہ نظامِ شمسی کا ہر کُرّہ اپنی اپنی جگہ معلّق ہے، اپنے اپنے دائروں میں حرکت کر رہا ہے، اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ذرا بھی انحراف و میلان واقع ہو؟ یہی عدالت کا قانون ہے جس نے سب کو ایک خاص نظم کے ساتھ جکڑ بند کر رکھا ہے۔ تمام کُرّے اپنی اپنی کشش رکھتے ہیں، اور اُن کے مجموعی جذب و انجذاب کے توازن سے ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر کُرّہ اپنی جگہ قائم و معلّق ہے۔ اگر کوئی کُرّہ اس قانونِ عدالت سے باہر ہو جائے، تو معًا دوسرے کُرّوں سے ٹکرا جائے اور تمام نظامِ شمسی مختل ہو جائے۔

اعداد کے تناسب کی عظیم الشان صداقت جس پر ریاضی اور حساب کے تمام حقائق کا دارومدار ہے، کیا ہے؟ یہی عدل و تعادل کی حقیقت ہی۔ جس دن یہ حقیقت ذہنِ انسانی پر کھلی تھی، علوم و معارف کے تمام دروازے باز ہو گئے تھے۔

چنانچہ قرآن نے اِس حقیقت کی طرف جابجا اشارات کیئے ہیں:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ (۵۵: ۶) — اور آسمان کو دیکھو، جسے اُس نے بلند کر دیا، اور (اجرام سماویہ کے قیام کے لیئے قانون عدالت کا) میزان بنا دیا!

یہ "اَلْمِيزَانَ" یعنی ترازو کیا ہے؟ تعادل و توازن کا قانون ہے، جو تمام اجرام سماویّہ کو اُنکی مقرّرہ جگہ میں تھامے ہوئے ہی، اور کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُسکے توازن کا پلّہ کسی ایک طرف ہی کو جھک پڑے۔ اجرام سماویّہ کا یہی وہ غیر مرئی ستون ہے جسکی نسبت سورۂ رعد میں فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۱۳: ۲) — اللہ، جس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویہ کو تم پر) بغیر کسی ستون کے بلند کر دیا ہے اور تم (اُسکی یہ حکمت) دیکھ رہے ہو!

اور سورۂ لقمان میں بھی اِسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۳۱: ۹) — اُس نے آسمانوں کو (یعنی اجرام سماویّہ کو) پیدا کر دیا، اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون اُنہیں تھامے ہوئے نہیں ہے!

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عدل و تعادل کی حقیقت سمجھانے کیلئے میزان یعنی ترازو سے بہتر کوئی عام فہم اور واضح تعبیر نہیں ہو سکتی تھی۔

اِسی طرح سورۂ آلِ عمران کی مشہور آیت شہادت میں قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (۳: ۱۶) کہہ کر اسی

حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی کائنات خلقت میں اسکے تمام کام عدالت کے ساتھ قائم ہیں اور اس نے قیام ہستی کے لیئے یہی قانون ٹھہرا دیا ہے۔

قرآن کہتا ہے، جب عدالت کا یہ قانون کائنات خلقت کے ہر گوشہ میں نافذ ہے، تو کیونکر ممکن ہو کہ انسان کے افکار و اعمال کے لیئے بے اثر ہو جائے؟ پس اس گوشہ میں بھی وہی فکر اور عمل مقبول ہوتا ہے جو افراط و تفریط اور میل و انحراف کی جگہ فطرت کے عدل و قسط پر مبنی ہوتا ہے اور اسی کو وحی الٰہی قولِ ثابت اور عمل صالح کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔ اگر تعبیر و جمال کے سینکڑوں ناموں سے تمہیں مغالطہ نہیں ہو جاتا، اور یہ بات پا لیتے ہو کہ ان سب میں اصل حقیقت ایک ہی ہے اور وہ عدالت ہے، تو اس گوشہ میں ایمان و عمل کی اصطلاح سے تمہیں کیوں توحش ہو؟ اور کیوں بے تحاشا انکار کر بیٹھو؟

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣: ٨٢﴾	کیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا ٹھرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین تلاش کریں؟ حالانکہ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، سب اُسی کے حکم کی اطاعت کر رہے ہیں۔ خوشی سے ہو یا ناخوشی سے (مگر سب کے لیئے چلنا اُسی کے ٹھرائے ہوئے قانون پر ہے) اور بالآخر سب اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بد عملی اور برائی کے لیئے جتنی تعبیرات اختیار کی ہیں، سب ایسی ہیں کہ اگر اُنکے معانی پر غور کیا جائے تو عدل و توازن کی ضد اور مخالف ثابت ہونگی۔ گویا قرآن کے نزدیک بُرائی کی حقیقت اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ حقیقتِ عدل سے انحراف ہو۔ مثلاً ظلم، طغیان، اسراف، تبذیر، افساد، اعتدا، عدوان، وغیر ذٰلک۔

ظلم کے معنی وضع الشئ فی غیر موضعہ کے ہیں۔ یعنی جو بات جس جگہ ہونی چاہیئے اگر وہاں نہ ہو، بے محل ہو، تو لغت میں اس حالت کو ظلم کہیں گے۔ اسی لیئے قرآن نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بے محل بات نہیں ہو سکتی، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کا اپنی صحیح جگہ میں نہ ہونا ایک ایسی حالت ہی، جو حقیقت عدل کے عین منافی ہے۔

طغیان کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کا اپنی حد سے گزر جانا۔ دریا کا پانی اپنی حد سے بلند ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں طغی الماء۔ ظاہر ہے کہ حد سے تجاوز عین عدالت کی ضد ہے۔

اسراف "سرف" سے ہے۔ سرف کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جتنی مقدار میں جہاں خرچ کرنی چاہیئے اُس سے زیادہ خرچ کر دی جائے۔

تبذیر کے معنی کسی چیز کو ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جہاں خرچ نہ کرنا چاہیئے، اسراف و تبذیر میں مقدار اور محل کا فرق ہے۔ کھانے میں خرچ کرنا، خرچ کا صحیح محل ہے، لیکن اگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہوگا۔ دریا میں روپیہ پھینک دینا روپیہ خرچ کرنے کا صحیح محل نہیں ہے۔ اگر تم روپیہ پانی میں پھینک دو تو یہ فعل تبذیر ہوگا۔ دونوں صورتیں عدالت کے منافی ہیں۔ کیوں کہ حقیقتِ عدل، مقدار اور محل، دونوں میں تناسب چاہتی ہے۔

فساد کے معنی ہی خروج الشئ عن الاعتدال کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کا حالتِ اعتدال سے باہر ہو جانا۔

اعتداء اور عدوان ایک ہی مادہ سے ہیں، اور دونوں کے معنی حد سے گزر جانا ہے۔

قرآن اور صفاتِ الٰہی کا تصور

قرآن نے خدا کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے، سورۂ فاتحہ اس کی سب سے پہلی رونمائی ہے۔ ہم اس مرقع میں وہ شبیہ دیکھ لے سکتے ہیں جو قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کی ہے۔ یہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کی شبیہ ہے۔ انہی تین صفتوں کے تفکّر سے ہم اُس کے تصورِ الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

خدا کا تصور ہمیشہ انسان کی روحانی و اخلاقی زندگی کا محور رہا ہے۔ یہ بات کہ ایک مذہب کا معنوی اور نفسیاتی مزاج کیسا ہے، اور وہ اپنے پیروؤں کے لئے کس طرح کے اثرات رکھتا ہے؟ صرف یہ بات دیکھ کر معلوم کر لی جا سکتی ہے کہ اُس کے تصورِ الٰہی کی نوعیت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ علم الاجتماع کے مفکّرین خصوصیت کے ساتھ اس پہلو پر زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کسی جماعت کی ذہنی و اخلاقی رفتارِ ترقی معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس بات کا سُراغ لگاؤ کہ اُس نے اپنے خدا کو کس شکل و شباہت میں دیکھا تھا؟ اسی شکل و شباہت میں تمہیں خود اُس جماعت کے ذہن و اخلاق کی صورت نظر آجائے گی!

جب ہم نوعِ انسانی کے تصوّراتِ الوہیت کا اُنکے مختلف عہدوں میں مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے تغیّرات کی کچھ عجیب رفتار رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا انسان کے ذہنی تصورات کی طرح اُس کے خدا پرستانہ تصوّر میں بھی ایک طرح کے تدریجی ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا، اور بتدریج ادنٰے سے اعلٰے اور پستی سے بلندی کی طرف ترقی ہوتی رہی۔ بلاشبہ یہ مشکل ہے کہ ہم اس سلسلہ کی

سب سے ابتدائی کڑیاں متعین کر سکیں، کیونکہ جس قدر ماضی کی طرف بڑھتے ہیں، تاریخ کی روشنی دھندلی پڑتی جاتی ہے، اور وحی و نبوّت کی زبانیں بھی تفصیلات سے خاموش ہیں۔ تاہم اقوام و جماعات کے مختلف عہد ہمارے سامنے ہیں، اور اُن سے اِس سلسلہ کی مختلف کڑیاں بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔ اگر یہ تمام کڑیاں تاریخی ترتیب کے ساتھ یکجا کر دی جائیں، تو صاف نظر آجاتے کہ اِس سلسلہ کی سب سے آخری اور اِس لیے سب سے زیادہ ترقی یافتہ کڑی وہی ہے جو قرآن نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کی ہے۔

لیکن یاد رہے، یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُسکی صفات کا تصور ہے۔ اُسکی ہستی کا اعتقاد نہیں ہے۔ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کے ذہن کی پیداوار نہ تھا کہ ذہنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدلتا رہتا، بلکہ وہ اُسکی فطرت کا ایک وجدانی احساس تھا۔ وجدانی احساسات میں نہ تو ذہن و فکر کے موثرات مداخلت کر سکتے ہیں، نہ باہر کے اثرات سے ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

لیکن انسان کی عقل "ذات مجرّد" کے تصور سے عاجز ہے۔ وہ جب کسی چیز کا تصوّر کرنا چاہتی ہے تو گو تصور ذات کا کرنا چاہے لیکن تصوّر میں صفات و عوارض ہی آتے ہیں، اور صفات ہی کے جمع و تفرقہ سے وہ ہر چیز کا تصوّر آراستہ کرتی ہے۔ پس جب فطرت کے اندرونی جذبہ نے ایک بالاتر ہستی کے اعتراف کا ولولہ پیدا کیا، تو ذہن نے چاہا، اُسکا تصوّر آراستہ کرے، لیکن جب تصوّر کیا، تو یہ اُسکی ذات کا تصوّر نہ تھا۔ اُسکی صفات کا تصوّر تھا۔ اور صفات میں سے بھی اُنہی صفات کا، جن کا ذہن انسانی کا تخیّل کر سکتا تھا۔ یہیں سے خدا پرستی کے فطری جذبہ میں ذہن و فکر کی مداخلت شروع ہو گئی۔

عقلِ انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ اسلیئے اس کا تصوّر اِس دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتا۔ وہ جب کسی اَن دیکھی اور غیر محسوس چیز کا تصوّر کرے گی، تو ناگزیر ہے کہ تصور میں وہی صفات آئیں، جنہیں وہ دیکھتی اور سُنتی ہے، اور جو اُسکے حاسۂ ذوق و لمس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں پھر اُسکے ذہن و تفکّر کی جتنی بھی رسائی ہے، یہ یکدفعہ ظہور میں نہیں آئی ہے، بلکہ ایک طول طویل عرصہ کے نشوؤ ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ ابتدا میں اُسکا ذہن عہدِ طفولیت میں تھا۔ اسلیئے اُس کے تصوّرات بھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے۔ پھر جوں جوں اُسمیں اور اُسکے ماحول میں ترقی ہوتی گئی، اُسکا ذہن بھی ترقی کرتا گیا، اور ذہن کی ترقی و تزکیہ کے ساتھ، اُسکے تصوّرات میں بھی شائستگی اور بلندی آتی گئی۔

اِس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ انسانی ذہن نے ہمیشہ خدا کی ویسی ہی صورت بنائی جیسی صورت خود اُس نے اور اُسکے ماحول نے پیدا کر لی تھی۔ جوں جوں اُسکا معیارِ فکر بدلتا گیا، وہ اپنے معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ اُسے اپنے آئینۂ تفکّر میں ایک صورت نظر آتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا، یہ اُس کے

معبود کی صورت ہے۔ حالانکہ وہ اُسکے معبود کی صورت نہ تھی، خود اُسی کے ذہن و صفات کا عکس تھا!

فکرِ انسانی کی سب سے پہلی درماندگی یہی ہے جو اس راہ میں پیش آئی!

حرم جویاں درے را می پرستند ۔۔۔ فقیہاں دفترے را می پرستند!

برافگن پردہ تا معلوم گردد ۔۔۔ کہ یاراں دیگرے را می پرستند!

بہرحال انسان کے تمام تصورات کی طرح صفاتِ الٰہی کا تصور بھی اسکی ذہنی و معنوی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے۔ انبیاءِ کرام (علیہم السلام) کی دعوت کی ایک بنیادی اصل یہ رہی ہے کہ اُنہوں نے ہمیشہ خدا پرستی کی تعلیم ویسی ہی شکل و اُسلوب میں دی، جیسی شکل و اُسلوب کے فہم و تحمل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ مجمع انسانی کے معلم و مربی تھے۔ معلم کا فرض ہے کہ متعلمین میں جس درجہ کی استعداد پائی جائے، اُسی درجہ کا سبق دے۔ پس انبیاءِ کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی صفات کیلئے جو پیرایۂ تعلیم اختیار کیا، وہ اس سلسلۂ ارتقاء سے باہر نہ تھا۔ بلکہ اُسی کی مختلف کڑیاں مہیا کرتا ہے۔

اس سلسلۂ ارتقاء کی تمام کڑیوں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور اُنکے فکری عناصر کی تحلیل کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اُنکی بے شمار نوعیتیں قرار دی جاسکتی ہیں، لیکن ارتقائی نقطے ہمیشہ تین ہی رہے ہیں، اور انہی سے اس سلسلہ کی بدایت و نہایت معلوم کی جاسکتی ہے:

(۱) تجسّم[1] سے تنزیہہ کی طرف۔

(۲) تعدّد و اشتراک سے توحید کی طرف۔

(۳) صفاتِ قہر و جلال سے صفاتِ رحمت و جمال کی طرف۔

یعنی تجسّم اور صفاتِ قہریہ کا تصور اسکا ابتدائی درجہ ہے، اور تنزّہ اور صفاتِ رحمت و جمال سے اتّصاف، اعلیٰ و کامل درجہ۔ جو تصور جس قدر ابتدائی اور کم ترقی یافتہ ہے، اُتنا ہی تجسّم اور صفاتِ قہریہ کا عنصر اسمیں زیادہ ہے۔ جو تصور جس قدر زیادہ ترقی یافتہ ہے، اُتنا ہی زیادہ منزّہ اور صفاتِ رحمت و جلال سے متّصف ہے۔

انسان کا تصورِ صفات قہریہ و سلبیہ کے تخیّل سے کیوں شروع ہوا؟ اسکی علّت واضح ہے۔ فطرتِ کائنات کی تعمیر، تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ انسانی فکر کی طفولیت تعمیر کا حُسن نہ دیکھ سکی۔ تخریب کی

---

[1] تجسّم سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی نسبت ایسا تصور قائم کرنا کہ وہ مخلوق کی طرح جسم و صورت رکھتا ہے، یا اسکی صفات بھی ویسی ہی ہیں جیسی مخلوقات کی ہیں۔ تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ اُن تمام باتوں سے جو اُسے مخلوقات سے مشابہ کرتی ہوں، یا اُس کی پاکی و قدوسیت اور عظمت و کبریائی کے خلاف ہوں، اُسے منزّہ یقین کرنا۔

ہولناکیوں سے سہم گئی۔ تعمیر کا حسن و جمال دیکھنے کیلئے عقل کی وہ دوررس نگاہ مطلوب تھی، اور وہ ابھی اُسکی آنکھوں نے پیدا نہیں کی تھی۔

دنیا میں ہر چیز کی طرح ہر فعل کی نوعیت بھی اپنا مزاج رکھتی ہے۔ بناؤ ایک ایسی حالت ہے جس کا مزاج سرتاسر سکون اور خاموشی ہے، اور بگاڑ ایک ایسی حالت ہے کہ اُسکا مزاج سرتاسر شورش اور ہولناکی ہے۔ بناؤ ایجاب ہے، نظم ہے، جمع و ترتیب ہے۔ بگاڑ، سلب ہے، برہمی ہے، تفرقہ و اختلال ہے۔ جمع و نظم کی حالت ہی سکون کی حالت ہوتی ہے، اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و انفجار کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو تمہیں کوئی شورش محسوس نہیں ہوتی، لیکن جب گرتی ہے تو دھماکا ہوتا ہے، اور تم بے اختیار چونک اُٹھتے ہو۔ اِس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ حیوانی طبیعت سلبی افعال سے فوراً متاثر ہو جاتی ہے کیونکہ اُنکی نمود میں شورش اور ہولناکی ہے، لیکن ایجابی افعال سے متاثر ہونے میں دیر لگاتی ہے کیونکہ اُن کا حسن و جمال یکایک مشاہدہ میں نہیں آجاتا اور اُن کا مزاج شورش کی جگہ خاموشی اور سکون ہے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ انسان کے بچے ہوں یا حیوان کے، ڈرتے زیادہ ہیں اور اُنس دیر میں پکڑتے ہیں۔ پہلا اثر جو وہ قبول کرینگے، خوف کا ہوگا۔ اُنس و محبت کا نہ ہوگا۔

اِسی بنا پر عقل انسانی نے جب اپنے عہدِ طفولیت میں آنکھیں کھولیں، تو فطرتِ کائنات کے سلبی مظاہر کی دہشت سے معاً متاثر ہو گئی، کیونکہ زیادہ نمایاں اور پرشور تھے، اور ایجابی و تعمیری حقیقت سے متاثر ہونے میں بہت دیر لگ گئی، کیونکہ اُن میں شورش اور ہنگامہ نہ تھا۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا زلزلہ، آسمان کی ژالہ باری، دریا کا سیلاب، سمندر کا تلاطم: اِن تمام سلبی مظاہر میں اُسکے لیئے رعب و ہیبت تھی، اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈراونی صورت دیکھنے لگا تھا۔ اُسے بجلی کی کڑک میں کوئی حسن محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج میں کوئی شانِ محبوبیت نہیں پاتا تھا۔ وہ آتش فشاں پہاڑوں کی سنگ باری سے پیار نہیں کر سکتا تھا، اور اُسکی عقل ابھی خدا کے اِنہی کاموں سے آشنا ہوئی تھی!

خود اُسکی ابتدائی معیشت کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی کہ اُنس و محبت کی جگہ خوف و وحشت کے جذبات برانگیختہ ہوتے۔ وہ کمزور اور نہتا تھا، اور دنیا کی ہر چیز اُسے دشمنی اور ہلاکت پر تُلی نظر آتی تھی۔ دلدل کے مچھروں کے جھنڈ چاروں طرف منڈلا رہے تھے، زہریلے جانور ہر طرف رینگ رہے تھے، درندوں کے حملوں سے ہر وقت مقابل رہنا پڑتا تھا۔ سر پر سورج کی تپش بے پناہ تھی، اور چاروں طرف موسم کے اثرات ہولناک تھے۔ غرضکہ اُسکی زندگی سرتاسر جنگ اور محنت تھی، اور اِس ماحول کا قدرتی نتیجہ تھا کہ اُس کا

ذہن، خدا کا تصور کرتے ہوئے، خدا کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا، رحمت و فیضان کا ادراک نہ کر سکتا۔

لیکن جوں جوں انسان اور اُسکے ماحول میں تبدیلی ہوتی گئی، اُسکے تصور میں بھی بیاس و دہشت کی جگہ امید و رحمت کا عنصر شامل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ معبودیت کے تصور میں صفات رحمت و جمال نے بھی ویسی ہی جگہ پالی، جیسی صفات قہر و جلال کے لئے تھی۔ چنانچہ اگر قدیم اقوام کے اصنام پرستانہ تصورات کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اُن کی ابتدا ہر جگہ صفات قہر و غضب کے تصور ہی سے ہوتی ہے، اور پھر آہستہ آہستہ صفات رحمت و جمال کی طرف قدم اٹھا ہے۔ آخری کڑیاں وہ نظر آئیں گی جن میں صفات قہر و غضب کے ساتھ رحمت و جمال کا تصور بھی مساویانہ حیثیت سے قائم ہو گیا ہے۔ مثلاً قہر و ہلاکت کے دیوتاؤں اور قوتوں کے ساتھ زندگی، رزق و دولت اور حسن و علم کے دیوتاؤں کی بھی پرستش شروع ہو گئی ہے۔ یونان کا علم الاصنام اپنے لطافت تخیل کے لحاظ سے تمام اصنامی تخیلات میں اپنی خاص جگہ رکھتا ہے، لیکن اُسکی پرستش کے بھی قدیم معبود وہی تھے جو قہر و غضب کی خوفناک قوتیں سمجھی جاتی تھیں۔ ہندوستان میں اس وقت تک زندگی اور بخشش کے دیوتاؤں سے کہیں زیادہ ہلاکت کے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی ہے۔

بہرحال ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ ظہورِ قرآن کے وقت خدا کے تصور کی عام نوعیت کیا تھی؟ اور قرآن نے جو تصور پیش کیا، اُسکی حیثیت کیا ہے؟

نزول قرآن کے وقت چار مذہبی تصور فکر انسانی پر حکمراں تھے: ہندوستانی، مجوسی، یہودی، اور مسیحی۔

ہندوستانی تصور میں سب سے پہلے اوپنشدوں کا فلسفۂ الٰہی نمایاں ہوتا ہے۔ اوپنشدوں[۱] کے مطالب کی نوعیت کے بارے میں زمانہ حال کے شارحوں اور نقادوں کی رائیں متفق نہیں ہیں[۲]، تاہم ایک بات بالکل واضح ہے۔ یعنی اوپنشد مسئلہ وحدۃ الوجود کا سب سے قدیم سرچشمہ ہیں، اور گیتا کا زمانۂ تصنیف کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن وہ بھی اوپنشد ہی کی صداؤں کی بازگشت ہے۔ مسئلہ وحدۃ الوجود خدا کی ہستی و صفات کا جو تصور پیدا کرتا ہے، اُسکی نوعیت کچھ عجیب طرح کی واقع ہوتی ہے۔ ایک طرف

سلہ اوپنشدوں کے متعلق ہماری جسقدر بھی معلومات ہیں، تمام تر مستشرقین یورپ کی تحقیقات سے ماخوذ ہیں۔ مستشر گف کی رائے میں اوپنشد روحانیت سے خالی ہیں، لیکن پال ڈیوسن میکس ملر، اور ناعث انھیں روحانیت کا سرچشمہ کہتے ہیں۔ مشہور جرمن حکیم شوپن ہار تو اس درجہ معترف ہوا کہ اس کا یہ جملہ مشہور ہو گیا ہے: "اوپنشد زندگی بھر میری تشفی کرتے رہے ہیں، اور دم آخر بھی مجھے انہی سے تشفی ملے گی!" ۱۲

تو وہ ہر وجود کو خدا قرار دیتا ہے کیونکہ وجود حقیقی کے علاوہ اور کوئی وجود موجود ہی نہیں دوسری طرف خدا کے لیئے کوئی محدود اور مقید تخیل بھی قائم نہیں کرتا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ تصور اپنی نوعیت میں اس درجہ فلسفیانہ قسم کا تھا کہ کسی عہد اور ملک میں بھی عامۃ الناس کا عقیدہ نہ بن سکا۔ خود ہندوستان میں بھی اسکی حیثیت فلسفۂ الٰہیات کے ایک مذہب (اسکول) سے زیادہ نہیں رہی۔ بہترین تعبیر جو اس صورتِ حالات کی کی گئی ہو، یہ ہے کہ عوام کے لیئے اصنام پرستی قرار دی گئی تھی اور خواص کیلئے وحدۃ الوجود کا اعتقاد تھا۔

اوپنشدوں کے بعد بدھ مذہب کی تعلیم نمایاں ہوتی ہے، اور ظہور قرآن کے وقت ہندوستان کا عام مذہب یہی تھا۔ بدھ مذہب کی بھی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ مستشرقین کا ایک گروہ اُسے اوپنشدوں کی تعلیم ہی کی ایک عملی شکل قرار دیتا ہے اور کہتا ہے "نروان" میں جذب وانفصال کا عقیدہ پوشیدہ ہے۔ یعنی جس سرچشمۂ الوہیت سے ہستیٔ انسانی نکلی ہے، پھر اُسی میں واصل ہو جانا نروان ہے لیکن دوسرا گروہ اس سے انکار کرتا ہے۔ اس گروہ کی رائے میں بدھ مذہب خدا کی ہستی کا کوئی تصور ہی نہیں رکھتا وہ دنیا کا تنہا مذہب ہے جس نے فلسفیانہ عقائد کو مذہب کا جامہ پہنا دیا۔ وہ صرف پراکرتی یعنی مادۂ ازلی کا ذکر کرتا ہے۔ جسے طبیعت اور نفس حرکت میں لاتے ہیں۔ "نروان" سے مقصود یہ ہے کہ ہستی کی انانیت فنا ہو جائے، اور زندگی کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ ہم جب اُن تصریحات کا مطالعہ کرتے ہیں جو براہ راست گوتم بدھ کی طرف منسوب ہیں، تو ہمیں دوسری تفسیر ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

جہاں تک فطرتِ کائنات کی صفات کا تعلق ہے، گوتم بدھ دنیا میں درد و اذیت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ زندگی اُسکے نزدیک سرتاسر عذاب ہے۔ وہ کہتا ہے، زندگی کی بڑی اذیتیں چار ہیں: پیدائش، بڑھاپا، بیماری، موت، اور نجات کی راہ اشٹانگ مارگ ہے۔ یعنی آٹھ راہوں کا سفر۔ ان آٹھ عملوں سے مقصود علم صحیح، رحم و شفقت، قربانی، ہوا و ہوس سے آزادی، اور انانیت فنا کر دینا ہے۔[1]

عملی نقطۂ خیال سے بدھ مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس نے تعزیر و سزا کی جگہ سرتاسر رحم و ہمدردی پر زور دیا۔ "کسی جاندار کو دُکھ نہ پہنچاؤ" اسکی بنیادی تعلیم ہے۔

مجوسی تصور کی بنیاد شنویت پر ہے یعنی خیر و شر کی دو الگ الگ قوتیں تسلیم کی گئی ہیں۔

[1] ڈیوڈز آر۔ بی۔ بدھ ازم ۱۲

یزدان نور اور خیر کا خدا ہے۔ اہرمن تاریکی و بدی کا۔ عبادت کی بنیاد آتش پرستی اور آفتاب پرستی پر رکھی گئی کہ روشنی یزدانی صفت کی سب سے بڑی مظہر ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایران نے خیر و شر کی کشمکش کی گتھی یوں سلجھائی کہ اُلوہیت کی قوت دو متقابل خداؤں میں تقسیم کر دی۔

یہودیوں کا تصورِ تجسّم اور تنزّہ کے بین بین تھا، اور صفاتِ الٰہی میں غالب عنصر قہر و غضب کا تھا۔ خدا کا گاہ گاہ متشکل ہو کر نمودار ہونا، مخاطبات الابراھیم کا سرتاسر انسانی صفات و جذبات پر مبنی ہونا، قہر و انتقام کی شدّت، اور ادنیٰ درجہ کا تمثیلی اُسلوب، تورات کے صفحات کا عام تصوّر ہے۔

مسیحی تصوّر رحم و محبت کا پیام تھا، اور خدا کے لیئے باپ کی محبّت و شفقت کا تصوّر پیدا کرنا چاہتا تھا۔ تجسّم و تنزّہ کے لحاظ سے اُس نے کوئی قدم آگے نہیں بڑھایا۔ گویا اسکی سطح وہیں تک رہی، جہاں تک تورات کا تصوّر پہنچ چکا تھا۔ لیکن حضرت مسیح کے بعد جب مسیحی عقائد کا رومی اصنام پرستی کے تخیلات سے امتزاج ہوا، تو اقانیم ثلاثہ، کفّارہ، اور مریم پرستی کے عقائد پیدا ہو گئے۔ نزولِ قرآن کے وقت بہ حیثیت مجموعی مسیحی تصوّر، ترحم و محبت کے ساتھ، کفّارہ، تجسّم، اور مریم پرستی کا مخلوط تصوّر تھا۔

اِن تصوّرات کے علاوہ، ایک تصوّر فلاسفۂ یونان کا بھی ہے جو اگرچہ مذاہب کے تصوّرات کی طرح قوموں کا تصوّر نہ ہو سکا، تاہم اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تقریباً پانچ سَو برس قبل از مسیح یونان میں توحید و تنزیہہ کا اعتقاد نشوو نما پانے لگا تھا۔ اسکی سب سے بڑی معلّم شخصیت سقراط کی حکمت میں نمایاں ہوئی۔ سقراط کے تصوّر الٰہی کا جب ہم سراغ لگاتے ہیں، تو ہمیں افلاطون کی شہرہ آفاق کتاب جمہوریّت میں حسبِ ذیل مکالمہ ملتا ہے[1]:

---

[1] افلاطون کی جمہوریّت مکالمہ کے پیرایہ میں ہے۔ مکالمہ یوں شروع ہوتا ہے کہ ایک عید کے موقع پر سقراط اور گلوکن سیفالس کے مکان میں جمع ہوئے۔ سیفالس کا لڑکا پولی مارکس، اڈیمنٹس، اور تھریسی ماکس بھی موجود تھے۔ اثنائے گفتگو میں سوال پیدا ہو گیا کہ عدالت کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر پولی مارکس اور بعض حاضرین نے یکے بعد دیگرے عدالت کی تعریف بیان کی لیکن سقراط انہیں رد کرتا رہا۔ پھر بات میں سے بات نکلتے ہوئے حکومت و قوانین کی نوعیت تک پہنچ گئی اور یہی کتاب کا اصلی موضوع ہے۔ پوری کتاب دس ابواب میں منقسم ہے۔

اشخاص مکالمہ میں گلوکن اور اڈیمنٹس افلاطون کے بھائی ہیں۔ گلوکن کا ذکر خود افلاطون نے اپنے مقالات میں کیا ہے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد کے مترجمین نے جمہوریت کا بھی ترجمہ کیا تھا، چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں ابن رشد نے اسکی شرح لکھی۔ شرح کے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ "میں نے ارسطو کی کتاب السیاستہ کی شرح لکھنی چاہی تھی لیکن اندلس میں اسکا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ مجبوراً افلاطون کی کتاب شرح کے لیئے منتخب کرتا ہوں"۔ ابو نصر فارابی نے گو تصریح نہیں کی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ المدینۃ الفاضلہ کا تخیل اُسے افلاطون کی جمہوریت ہی سے ہوا تھا۔ ابن رشد کی شرح کے عبرانی اور لاطینی تراجم یورپ کے (بقیہ آئندہ)

"اڈمنٹس نے سوال کیا کہ شعراء کو الوہیت کا ذکر کرتے ہوئے کیا پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہیئے"؟

سقراط: ہر حال میں خدا کی ایسی توصیف کرنی چاہیئے جیسی کہ وہ اپنی ذات میں ہے۔ خواہ قصصی شعر ہو، خواہ غنائی۔ علاوہ بریں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا کی ذات صالح ہے پس ضروری ہے کہ اسکی صفات بھی صلاح و حق پر مبنی ہوں۔

اڈمنٹس: یہ درست ہے۔

سقراط: اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو وجود صالح ہوگا، اس سے کوئی بات مُضر صادر نہیں ہو سکتی، اور جو ہستی غیر مُضر ہوگی، وہ کبھی شر کی صانع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جو ذات صالح ہوگی، ضروری ہے کہ نافع بھی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا صرف خیر کی علت ہے۔ شر کی علت نہیں ہو سکتا۔

اڈمنٹس: درست ہے۔

سقراط: اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خدا کا تمام حوادث و افعال کی علت ہونا ممکن نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، بلکہ وہ انسانی حالات کے بہت ہی تھوڑے حصہ کی علت ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں، ہماری بُرائیاں بھلائیوں سے کہیں زیادہ ہیں، اور برائیوں کی علت خدا کی صالح و نافع ہستی نہیں ہو سکتی۔ پس چاہیئے کہ صرف اچھائی ہی کو اسکی طرف نسبت دیں اور بُرائی کی علت کسی دوسری جگہ ڈھونڈھیں۔

اڈمنٹس: میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ امر بالکل واضح ہے۔

سقراط: تو اب ضروری ہوا کہ ہم شعراء کے ایسے خیالات سے متفق نہ ہوں جیسے خیالات ہومر کے حسب ذیل اشعار میں ظاہر کیئے گئے ہیں: "مشتری[۱] کی ڈیوڑھی میں دو پیالے رکھے ہیں۔ ایک خیر کا ہے

(بقیہ صفحہ ۱۰۹) کتب قانون میں موجود ہیں، لیکن اصل عربی ناپید ہے۔ یورپ کی زبانوں کے موجودہ تراجم براہ راست یونانی سے ہوتے ہیں۔ ہمارے پیش نظر اے۔ ای ٹیلر کا انگریزی ترجمہ ہے۔

یاد رہے کہ "ری پبلک" کے لیے "جمہوریہ" کا لفظ موجودہ عہد کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ اسی عہد کے مترجمین کے اختیارات میں سے ہے"

[۱] مشتری (Jupitor) یونان کے صنمامی عقائد میں رب الارباب یعنی سب سے بڑا دیوتا تھا۔ ہومر نے ایلیڈ میں دیوتاؤں کی جو مجلس آراستہ کی ہے، اسمیں تخت نشین ہستی مشتری ہی کی ہے۔ اسکی بیوی (Junon) ہوائی ممتلہ اور ازدواج کی دیبی تھی۔ اپالون (Apallon) روشنی کا دیوتا تھا۔ ایتھنر یا منروا (Minerve) حکمت کی دیبی تھی۔ مریخ (Mars) جنگ کا دیوتا تھا۔ زہرہ (Venus) حسن و عوام کی دیبی تھی۔ ہیڈس (Hades) تاریکی اور موت کا دیوتا تھا اور جہنم کا پاسبان یقین کیا جاتا تھا۔ عطارد یا ہرمیس (Hermes) کی نسبت ان کا خیال تھا کہ دیوتاؤں کا پیغامبر ہے"

ایک شر کا، اور وہی انسان کی بھلائی اور برائی کی تمام تر علت ہیں جس انسان کے حصہ میں پیالۂ خیر کی شراب آگئی، اُسکے لیئے تمام تر خیر ہے۔ جسکے حصہ میں شر کا گھونٹ آگیا، اُسکے لیئے تمام تر شر ہے۔ اور پھر جس کسی کو دونوں پیالوں کا ملا جلا گھونٹ مل گیا، اُسکے حصہ میں اچھائی بھی آگئی، برائی بھی آگئی[1]

پھر آگے چلکر تجسّم کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس سے انکار کیا ہے کہ "خدا ایک بازیگر اور بہروپیئے کی طرح کبھی ایک بھیس میں نمودار ہوتا ہے، کبھی دوسرے بھیس میں[2]"۔

حکماء یونان کے تصوّر الٰہی کی یہ سب سے بہتر شبیہ ہے جو افلاطون کے قلم سے نکلی ہو۔ یہ خدا کے تشکّل سے انکار کرتی ہے، اور صفاتِ ردیہ و خسیسہ سے بھی ایک منزّہ تخیل پیش کرتی ہو لیکن بہ حیثیت مجموعی صفاتِ حسنہ کا کوئی ارفع و اعلیٰ تصور نہیں رکھتی، اور خیر و شر کی گتھی سلجھانے سے یک قلم عاجز ہے۔ اسے مجبوراً یہ اعتقاد پیدا کرنا پڑا کہ حوادثِ عالم اور افعالِ انسانی کا غالب حصہ خدا کے دائرہ تصرف سے باہر ہے، کیونکہ دنیا میں غلبہ شر کو ہے۔ نہ کہ خیر کو، اور خدا کو شر کا مصدر نہیں ہونا چاہیئے!

بہرحال چھٹی صدی مسیحی میں دنیا کی خداپرستانہ زندگی کے تصوّرات اس حد تک پہنچے تھے کہ قرآن کا نزول ہوا۔

اب غور کرو کہ قرآن کے تصوّر الٰہی کا کیا حال ہے؟ جب ہم ان تمام تصوّرات کے مطالعہ کے بعد قرآن کے تصوّر پر نظر ڈالتے ہیں، تو صاف نظر آجاتا ہے کہ تصوّر الٰہی کے تمام عناصر میں اُسکی جگہ

---

[1] یہ اشعار الیڈ کے ہیں۔ سلیمان بستانی نے اپنے عدیم النظیر ترجمہ عربی میں ان کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے:

فبا عتاب زفس قارورتان ۔۔۔ ذی لخیر وذی لشر الهوان

فیهما کل قسمة الانسان

فالذی منهما مزیجا أنالا ۔۔۔ زفس یلقی خیرا ویلقی وبالا

والذی لاینال الا من الشر ۔۔۔ فتنتابه الخطوب انتیابا

بطواه یطوی البلاد کلیلا ۔۔۔ تائها فی عرض الفلاة ذلیلا

من بنی الخالدین الی صحد ولا ۔۔۔ (الیاذه نشید ۲۴ صفحه ۱۱۳۱)

ان اشعار میں "زفس" سے مقصود مشتری ہے ۱۲

[2] دی ری پبلک ترجمہ ٹیلر۔ باب دوم ۱۲

سب سے الگ اور سب سے بلند تر ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابلِ غور ہیں:

اوّلاً، تجسّم اور تنزیہہ کے لحاظ سے قرآن کا تصوّر تنزیہہ کی ایسی تکمیل ہے جس کی کوئی نمود اُس وقت دنیا میں موجود نہیں تھی۔ قرآن سے پہلے تنزیہہ کا بڑے سے بڑا مرتبہ جس کا ذہن انسانی متحمّل ہو سکا تھا، یہ تھا کہ اصنام پرستی کی جگہ ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کی جائے، لیکن جہاں تک صفاتِ الٰہی کا تعلق ہے، انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت اور جسم و ہیئت کے تمثّل سے کوئی تصوّر بھی خالی نہ تھا۔ یہودی تصوّر جس نے اصنام پرستی کی کوئی شکل بھی جائز نہیں رکھی تھی، اس طرح کے تشبیہ و تمثّل سے یکسر آلودہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خدا کو ممرے کے بلوطوں میں دیکھنا، خدا کا حضرت یعقوبؑ سے کشتی لڑنا، مصر سے خروج کے وقت بدلی اور آگ کا ستون بنکر رہنمائی کرنا، کوہ طور پر شعلوں کے اندر نمودار ہونا، حضرت موسیٰؑ کا خدا کو پیچھے سے دیکھنا، خدا کا جوشِ غضب میں آ کر کوئی کام کر بیٹھنا اور پھر پچھتانا، بنی اسرائیل کو اپنی چہیتی بیوی بنا لینا اور پھر اُسکی بدچلنی پر ماتم کرنا، ہیکل کی تباہی پر اُس کا نوحہ، اُسکی انتڑیوں میں درد کا اُٹھنا اور کلیجہ میں سوراخ پڑ جانا، تورات کا عام اُسلوب بیان ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے فکر انسانی اس درجہ بلند نہیں ہوا تھا کہ تمثیل کا پردہ ہٹا کر صفاتِ الٰہی کا جلوہ دیکھ لیتا۔ اسلیئے ہر تصوّر کی بنیاد تمام تر تمثیل و تشبیہ ہی پر رکھنی پڑی۔ مثلاً تورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف زبور کے ترانوں اور امثالِ سلیمان میں خدا کے لیئے شائستہ صفات کا تخیّل موجود ہے، لیکن دوسری طرف خدا کا کوئی مخاطبہ ایسا نہیں جو سرتاسر انسانی اوصاف و جذبات کی تشبیہ سے مملو نہ ہو۔ حضرت مسیحؑ نے جب چاہا کہ رحمتِ الٰہی کا عالمگیر تصوّر پیدا کریں، تو وہ بھی مجبور ہوئے کہ خدا کے لیئے باپ کی تشبیہ سے کام لیں۔ اسی تشبیہ سے ظاہر پرستوں نے ٹھوکر کھائی، اور ابنیتِ مسیح کا عقیدہ پیدا کر لیا۔

لیکن ان تمام تصوّرات کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رُخ کرتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اچانک فکر و تصوّر کی ایک بالکل نئی دنیا سامنے آ گئی۔ یہاں تمثیل و تشبیہ کے تمام پردے بہ یک دفعہ اُٹھ جاتے ہیں، انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت مفقود ہو جاتی ہے، ہر گوشہ میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہو جاتا ہے، اور تجسّم کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ تنزیہہ اس مرتبۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے کہ:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (۴۲ : ۹) اُس کے مثل کوئی شے نہیں کسی چیز سے بھی تم اُسے مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے!

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۶: ۱۰۳)	انسان کی نگاہیں اُسے نہیں پاسکیں، لیکن وہ انسان کی نگاہوں کو دیکھ رہا ہے!
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۞ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞ (۱۱۲: ۱-۴)	اللہ کی ذات یگانہ ہے، بے نیاز ہے، اُسے کسی کی احتیاج نہیں۔ نہ تو اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی ہستی اُس کے درجہ اور برابری کی ہے!

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، قرآن کا اُسلوب بیان اُس تمثیلی اُسلوب سے بالکل مختلف ہے جو تورات و انجیل وغیرہا میں پایا جاتا ہے۔ وہ ہر موقع پر تمثیل و مجاز کی جگہ حقیقت کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے، اور تشبیہ کی جگہ تنزیہہ کے اعتقاد پر زور دیتا ہے۔ وہ نہ تو خدا کی ہستی کو مادہ کی طرح اجسام و اشکال کی اصل قرار دیتا ہے، نہ تورات کی طرح شوہر کی تشبیہ اختیار کرتا ہے، نہ انجیل کی طرح باپ کے رشتہ سے مشابہت پیدا کرتا ہے، بلکہ براہ راست ایک خالق اور مالک ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے اور پھر اسکی ربوبیت و رحمت اور صفات کاملہ و حسنہ کا ایک مکمل نقشہ کھینچ دیتا ہے۔ یہ گویا اس تعلیم کا سب سے اعلیٰ سبق تھا۔ پچھلے دوروں میں نوع انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شائستہ نہیں ہوئی تھی کہ تمثیلوں کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کر سکتی۔ لامحالہ پیرایۂ تعلیم بھی تمام تر تشبیہ و مجاز پر مبنی ہوتا تھا لیکن جب تعلیم اپنے درجۂ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلوں کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہِ راست اپنا جلوہ دکھلا دے!

تورات اور قرآن کے جو مقامات مشترک ہیں، وقتِ نظر کے ساتھ ان کا مطالعہ کرو۔ تورات میں جہاں کہیں خدا کی براہِ راست نمود کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن وہاں خدا کی تجلی کا ذکر کرتا ہے۔ تورات میں جہاں یہ پاؤ گے کہ خدا متشکل ہو کر اُترا، قرآن اُس موقع کی یوں تعبیر کرے گا کہ خدا کا فرشتہ متشکل ہو کر نمودار ہوا۔ بطور مثال کے صرف ایک مقام پر نظر ڈال لی جائے۔ تورات میں ہے:

"خداوند نے کہا، اے موسیٰ دیکھ، یہ جگہ میرے پاس ہے، تو اس چٹان پر ٹھہر رہ، اور یوں ہوگا کہ جب میرے جلال کا گزر ہوگا تو میں تجھے اُس چٹان کی دراڑ میں رکھوں گا، اور جب تک گزر لونگا، تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپے رہونگا۔ پھر ایسا ہوگا کہ میں ہتھیلی اٹھالونگا اور تو میرا پیچھا دیکھ لیگا، لیکن تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا" (خروج ۳۳: ۲۰)

"تب خداوند بدلی کے ستون میں ہو کر اُترا اور خیمہ کے دروازے پر ٹھہرا رہا........

.... اُس نے کہا کہ میرا بندہ موسیٰ اپنے خداوند کی شبیہ دیکھے گا" (گنتی ۱۲: ۵)

اِسی معاملہ کی تعبیر قرآن نے یوں کی ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ (۷ : ۱۳۹)

موسیٰ نے کہا، اے پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف نگاہ کر سکوں۔ فرمایا نہیں، تو کبھی مجھے نہیں دیکھے گا، لیکن ہاں، اِس پہاڑ کی طرف دیکھ۔

البتہ یاد رہے کہ تنزیہہ اور تعطیل میں فرق ہے۔ تنزیہہ سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک عقل بشری کی پہنچ ہے، صفاتِ الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت سے پاک اور بلند رکھا جائے۔ تعطیل کے معنی یہ ہیں کہ تنزیہہ کے منع و نفی کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ فکرِ انسانی کے تصور کے لیے کوئی بات باقی ہی نہ رہے۔ قرآن کا تصورِ تنزیہہ کی تکمیل ہے تعطیل کی ابتدا نہیں ہے۔

اگر خدا کے تصور کے لیے صفات و اعمال کی کوئی ایسی صورت باقی ہی نہ رہے جس کا فکرِ انسانی ادراک کر سکتی ہے، تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ تنزیہہ کے معنی نفی وجود کے ہو جائیں گے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ خدا کیلئے کوئی صفت نہیں قرار دی جا سکتی، اسلیے کہ جو صفت بھی قرار دی جائیگی اُس میں مخلوقات کے اوصاف سے مشابہت پیدا ہو جائے گی، تو ظاہر ہے کہ عقل انسانی کسی ایسی ذات کا تصور ہی نہیں کر سکتی، یا مثلاً اگر نفی مماثلت میں اس درجہ غلو کیا جائے کہ خدا کی ہستی اثبات کی جگہ سرتاسر نفی ہو جائے، تو عقل انسانی کے لیے بجز اِسکے کیا رہ جائے گا کہ وجود کی جگہ عدم کا تصوّر کرے؟ پس قرآن نے تنزیہہ کا جو مرتبہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ فرداً فرداً تمام صفات و افعال کا اثبات کرتا ہے، مگر ساتھ ہی اصلاً مماثلت کی نفی بھی کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، خدا خوبی و جمال کی تمام صفتوں سے متصف ہے۔ وہ زندہ ہے، قادر ہے، پرورش کنندہ ہے، رحیم ہے، سُننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ انسان کی بول چال میں قدرت و اختیار اور ارادہ و فعل کی جتنی شائستہ تعبیرات ہیں، اُنہیں بھی بلا تامل استعمال کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے خدا کے ہاتھ کشادہ ہیں: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (۵ : ۶۹) اُسکے تختِ حکومت کے تصرف سے کوئی گوشہ باہر نہیں: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲ : ۲۵۵) وہ اپنے عرشِ جلال پر متمکن ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (۲۰ : ۵) لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ جتنی چیزیں کائنات ہستی میں موجود ہیں یا جتنی چیزوں کا بھی تم تصور کر سکتے ہو، اُن میں سے کوئی چیز نہیں جو اُسکے مثل ہو: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (۶ : ۱۰۳) تمہاری نگاہ اُسے پا ہی نہیں سکتی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۶ : ۱۰۳) نیز یہ ہے کہ اُس کا زندہ ہونا ہمارے زندہ ہونے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اُسکی ربوبیت ہماری ربوبیت کی سی

نہیں ہو سکتی۔ اُس کا جاننا، دیکھنا، سننا ویسا نہیں ہو سکتا جیسا ہمارا جاننا، دیکھنا، اور سننا ہے۔ اسکی قدرت و بخشش کا ہاتھ اور کبریائی و جلال کا عرش ضرور ہے، لیکن یقیناً انکا مطلب وہ نہیں ہو سکتا جو ان الفاظ سے ہمارے ذہن میں متشکل ہو جاتا ہے!

اسلامی فرقوں میں سے جہمیہ اور باطنیہ نے جو صفات کی نفی کی تھی، تو وہ اسی غلطی کے مرتکب ہوئے تھے۔ وہ تنزیہہ اور تعطیل میں فرق نہ کر سکے[1]

ثانیاً تنزیہہ کی طرح صفاتِ رحمت و جمال کے لحاظ سے بھی قرآن کے تصور پر نظر ڈالی جائے، تو اسکی شانِ تکمیل نمایاں ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہودی تصور میں قہر و غضب کا عنصر غالب تھا۔ مجوسی تصور نے نور و ظلمت کی دو مساویانہ قوتیں الگ الگ بنالی تھیں۔ مسیحی تصور نے رحم و محبت پر زور دیا تھا۔ لیکن جزاؤ سزا کی حقیقت مستور ہو گئی تھی۔ اسی طرح بدھ مذہب نے بھی صرف رحم و محبت پر زور دیا۔ عدالت پر اسکی نظر نہیں پڑی۔ گویا جہاں تک رحمت و جمال کا تعلق ہے، یا تو قہر و غضب کا عنصر غالب تھا، یا مساوی تھا، یا پھر رحمت و محبت آئی تھی، تو اس طرح آئی تھی، کہ عدالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔

لیکن قرآن نے ایک طرف تو رحمت و جمال کا ایسا کامل تصور پیدا کر دیا کہ قہر و غضب کے لیے کوئی جگہ ہی نہ رہی، دوسری طرف جزاؤ سزا کا سر رشتہ بھی ہاتھ سے نہیں دیا، کیونکہ جزاؤ سزا کا اعتقاد قہر و غضب کی بنا پر نہیں بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کر دیا۔ چنانچہ صفاتِ الٰہی کے بارے میں اس کا عام اعلان یہ ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (۱۷: ۱۱۰)	اے پیغمبر، ان سے کہدو، تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس صفت سے بھی پکارو، اسکی ساری صفتیں حسن و خوبی کی صفتیں ہیں!

یعنی وہ خدا کی تمام صفتوں کو "اسماءِ حسنیٰ" قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت نہیں جو حسن و خوبی کی صفت نہ ہو۔ یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے پوری وسعت کے ساتھ انہیں جا بجا بیان کیا ہے۔ ان میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو قہر و جلال کی صفتیں ہیں۔ مثلاً جبار، قہار، لیکن قرآن کہتا ہے

---

[1] مسئلہ صفات میں محدثین و سلفیہ کا متکلمین سے اختلاف بھی دراصل اسی اصل پر مبنی تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ وہ تجسیم کی طرف مائل تھے جیسا کہ ان کے متعصب مخالفوں نے مشہور کیا۔ متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس مسئلہ پر نہایت دقت نظر کے ساتھ بحث کی ہے۔ انکے شاگرد امام ابن قیم کی اجتماع جیوش اسلامیہ بھی اسی موضوع پر ہے اور اس باب میں کفایت کرتی ہے!!

ان کی پوجا کی ہو۔ لیکن اس بات سے وہ بھی نہ بچ سکے کہ اپنے نبیوں کی قبروں پر ہیکل تعمیر کرکے اُنھیں عبادت گاہوں کی سی شان و تقدیس دیدیتے تھے۔ گو تم بُدھ کی نسبت معلوم ہے کہ اُسکی تعلیم میں اصنام پرستی کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اُسکی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے، یہ ہے "ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کردو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو، نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی" لیکن اس وصیت پر جیسا کچھ عمل کیا گیا، وہ دُنیا کے سامنے ہے۔ نہ صرف بُدھ کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کیے گئے، بلکہ مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھا گیا کہ اُسکے مجسموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسّمے نہیں بنائے گئے، جتنے گوتم بُدھ کے بنائے گئے ہیں۔ حد ہوگئی کہ فارسی زبان میں بودھ (بُت) کا لفظ ہی صنم کے معنوں میں بولا جانے لگا۔ اسی طرح ہمیں معلوم ہے کہ مسیحیت کی حقیقی تعلیم سرتا سر توحید کی تعلیم تھی، لیکن ابھی اُسکے ظہور پر پورے سو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ اُلوہیتِ مسیح کا عقیدہ نشو و نما پا چکا تھا۔

لیکن قرآن نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا کہ اس طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہوگئے۔ اُس نے صرف توحید ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ شرک کی بھی راہیں مسدود کردیں، اور یہی اس باب میں اسکی خصوصیت ہے۔

وہ کہتا ہے، ہر طرح کی عبادت اور نیاز کی مستحق صرف خدا ہی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا، تو توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ وہ کہتا ہے یہ اُسی کی ذات ہے جو انسانوں کی پکار سُنتی اور اُنکی دعائیں قبول کرتی ہے۔ پس اگر تم نے اپنی دعاؤں اور طلبگاریوں میں کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کرلیا، تو گویا تم نے اُسے خدا کی خدائی میں شریک کرلیا۔ وہ کہتا ہے، دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل، اور اس طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال، وہ اعمال ہیں جو خدا اور اُسکے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں۔ پس اگر ان اعمال میں تم نے کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کرلیا، تو خدا کے رشتۂ معبودیت کی یگانگی باقی نہ رہی۔ اسی طرح عظمتوں، کبریائیوں، کارسازیوں، اور بے نیازیوں کا جو اعتقاد تمہارے اندر خدا کی ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے، وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیئے۔ اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے بھی پیدا کرلیا، تو تم نے اُسے خدا کا "ند" یعنی شریک ٹھہرا لیا، اور توحید کا اعتقاد درہم برہم ہوگیا!

لہ آر بی بودھ ازم ۱۲

یہی وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؕ کی تلقین کی گئی۔ اِسمیں اوّل تو عبادت کے ساتھ استعانت کا بھی ذکر کیا گیا، پھر دونوں جگہ مفعول کو مقدم کیا جو مفید اختصاص ہے۔ یعنی "صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں"۔ اسکے علاوہ تمام قرآن میں اِس کثرت کے ساتھ توحید فی الصفات اور ردِّ اشراک پر زور دیا گیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورۃ بلکہ کوئی صفحہ اس سے خالی ہو۔

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقامِ نبوت کی حد بندی کا تھا۔ یعنی معلم کی شخصیت کو اسکی اصلی جگہ میں محدود کر دینا تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سد باب ہو جائے۔ اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جابجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے، محتاج بیان نہیں۔ ہم یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلائیں گے۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے، وہ سب کو معلوم ہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی "میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد (صلعم) خدا کے بندے اور اسکے رسول ہیں"۔ اِس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اسلیے کہ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل و اساس بن جائے، اور اس کا کوئی موقع باقی ہی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اِس معاملہ کا تحفظ کیا کیا جا سکتا تھا؟ کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے!

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، پیغمبر اسلام (صلعم) کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے، لیکن انکی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔ ابھی ان کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے برسرِ منبر اعلان کر دیا تھا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ! (بخاری)

جو کوئی تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا، سو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد نے وفات پائی۔ اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا، تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے۔ اسکے لیے موت نہیں!

رابعاً، قرآن سے پہلے علوم و فنون کی طرح مذہبی عقائد میں بھی خاص و عام کا امتیاز

ملحوظ رکھا جاتا تھا، اور خیال کیا جاتا تھا کہ خدا کا ایک تصوّر تو حقیقی ہے اور خواص کے لیئے ہی، ایک تصور عملی ہے اور عوام کے لیئے ہی۔ چنانچہ ہندوستان میں خدا شناسی کے تین درجے قرار دیئے گئے تھے: عوام کیلئے دیوتاؤں کی پرستش، خواص کیلئے براہ راست خدا کی پرستش، اخصّ الخواص کیلئے وحدۃ الوجود کا مشاہدہ۔ یہی حال فلاسفۂ یونان کا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک غیر مرئی اور غیر مجسّم خدا کا تصور صرف اہلِ علم و حکمت ہی کر سکتے ہیں۔ عوام کیلئے اسی میں امن ہے کہ دیوتاؤں کی پرستاری میں مشغول رہیں۔

لیکن قرآن نے حقیقت و عمل یا خاص و عام کا کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ اُس نے سب کو خدا پرستی کی ایک ہی راہ دکھائی، اور سب کے لیئے صفاتِ الٰہی کا ایک ہی تصور پیش کیا۔ وہ حکماء و عرفاء سے لیکر جُہّال و عوام تک، سب کو حقیقت کا ایک ہی جلوہ دکھاتا ہے، اور سب پر اعتقاد و ایمان کا ایک ہی دروازہ کھولتا ہے۔ اس کا تصور جس طرح ایک حکیم و عارف کے لیئے سرمایۂ تفکر ہے، اسی طرح ایک چرواہے اور دہقان کے لیئے سرمایۂ تسکین!

خامساً، قرآن نے تصورِ الٰہی کی بنیاد نوعِ انسانی کے عالمگیر وجدانی احساس پر رکھی ہے یہ نہیں کیا ہے کہ اُسے نظر و فکر کی کاوشوں کا ایک ایسا معمّا بنا دیا ہو جسے کسی خاص گروہ اور طبقہ کا ذہن ہی حل کر سکے۔ انسان کا عالمگیر وجدانی احساس کیا ہے؟ یہ ہے کہ کائناتِ ہستی خود بخود پیدا نہیں ہو گئی، پیدا کی گئی ہے۔ اور اسلیئے ضروری ہے کہ ایک صانع ہستی موجود ہو۔ بس قرآن بھی اس بارے میں جو کچھ بتلاتا ہے، صرف اتنا ہی ہے۔ وہ نہ تو توحید وجودی کا ذکر کرتا ہے نہ توحید شہودی کا۔ وہ صرف ایک خالقِ کائناتِ ہستی کا ذکر کرتا ہے جو خوبی و کمال کی تمام صفتوں سے متصف اور نقص و زوال کی تمام باتوں سے منزّہ ہے، اور اس سے زیادہ فکرِ انسانی پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتا!

---

۱۵ توحید وجودی سے مقصود وحدۃ الوجود کا عقیدہ ہے۔ یعنی خدا کی ہستی کے سوا کوئی ہستی وجود نہیں رکھتی، وجود ایک ہی ہے۔ باقی جو کچھ ہے، تعیّنات کا فریب ہے:

مگو کہ کثرتِ اشیاء نقیضِ وحدت ہست
تو در حقیقتِ اشیا نظر فگن، ہمہ اوست!

توحید شہودی یہ ہے کہ موجوداتِ خلقت کو بحیثیت موجودات تسلیم کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں جب انہیں وجودِ الٰہی کی نمود میں دیکھا جاتا ہے تو اُنکی ہستی یک قلم ناپید ہو جاتی ہے۔ اسلیئے نہیں کہ وہ غیر موجود ہیں، بلکہ اسلیئے کہ سورج نکل آیا اور اسکی سلطانِ تجلّی میں ستارے ناپید ہو گئے!

فلما استبان الصبح ادرج ضوئہ   باسفارہ اضواء نور الکواکب!

سادساً جس ترتیب کے ساتھ سورۂ فاتحہ میں یہ تینوں صفتیں بیان کی گئی ہیں، دراصل فکر انسانی کے طلب معرفت کی قدرتی منزلیں ہیں، اور اگر غور کیا جائے، تو اسی ترتیب سے پیش آتی ہیں۔ سب سے پہلے ربوبیت کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ کائنات ہستی میں سب سے زیادہ ظاہر نمود اسی صفت کی ہے، اور ہر وجود کو سب سے زیادہ اسی کی احتیاج ہے۔ ربوبیت کے بعد رحمت کا ذکر کیا گیا، کیونکہ اسکی حقیقت بمقابلہ ربوبیت کے مطالعہ و تفکر کی محتاج ہے، اور ربوبیت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے تب رحمت کا جلوہ نمودار ہوتا ہے۔ رحمت کے بعد عدالت کی صفت بیان کی گئی، کیونکہ یہ اس سفر کی آخری منزل ہے رحمت کے مشاہدات سے جب نظر آگے بڑھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عدالت کی بھی نمود ہر جگہ موجود ہے، اور اسلئے موجود ہے کہ ربوبیت اور رحمت کا مقتضا یہی ہے۔

(۶) اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ

ہدایت | **ہدایت** کے معنی رہنمائی کرنے، راہ دکھانے، راہ پر لگا دینے کے ہیں۔ اجمالاً اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں، ہدایت کے مختلف مراتب و اقسام پر نظر ڈالیں جن کا قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں سے ایک خاص مرتبہ "وحی و نبوت کی ہدایت" کا ہے۔

تم ابھی پڑھ چکے ہو کہ خدا کی ربوبیت نے جس طرح مخلوقات کو انکے مناسب حال جسم و قویٰ دئیے ہیں، اسی طرح انکی ہدایت کا فطری سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ فطرت کی یہی ہدایت ہے جو ہر وجود کو زندگی و معیشت کی راہ پر لگاتی اور ضروریات زندگی کی جستجو میں رہنما ہوتی ہے۔ اگر فطرت کی یہ ہدایت موجود نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ کوئی مخلوق بھی زندگی و بقا کا سامان بہم پہنچا سکتی۔ چنانچہ قرآن نے جابجا اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے۔ وہ کہتا ہے، ہر وجود کے بننے اور درجۂ تکمیل تک پہنچنے کے مختلف مراتب ہیں، اور ان میں آخری مرتبہ ہدایت کا مرتبہ ہے۔ سورۂ اعلیٰ میں بالترتیب چار مرتبوں کا ذکر کیا ہے:

الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ (۸۷ : ۲) — وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر اسے درست کیا، پھر ہر وجود کے لئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر راہ (عمل) کھولدی!

یعنی تکوین وجود کے چار مرتبے ہوئے: تخلیق، تسویہ، تقدیر، ہدایت۔

تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ یہ بات کہ کائنات خلقت اور اس کے ہر وجود کا مواد عدم سے وجود میں آگیا، تخلیق ہے۔

تسویہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کو جس طرح ہونا چاہیئے، ٹھیک ٹھیک اسی طرح درست اور آراستہ کردینا۔

تقدیر کے معنی اندازہ ٹھہرا دینے کے ہیں، اور اسکی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

ہدایت سے مقصود یہ ہے کہ ہر وجود پر اسکی زندگی و معیشت کی راہ کھول دی جائے، اور اسکی تشریح بھی ربوبیت کے بحث میں گزر چکی ہے۔

مثلاً مخلوقات میں ایک خاص قسم پرندکی ہے۔ یہ بات کہ انکا مادہ خلقت ظہور میں آگیا تخلیق ہے، یہ بات کہ اُنکے تمام ظاہری و باطنی قویٰ اس طرح بنا دیئے گئے کہ ٹھیک ٹھیک قوام و اعتدال کی حالت پیدا ہوگئی، تسویہ ہے۔ یہ بات کہ انکے ظاہری و باطنی قویٰ کے اعمال کے لیئے ایک خاص طرح کا اندازہ ٹھہرا دیا گیا ہے جس سے وہ باہر نہیں جا سکتے، تقدیر ہے۔ مثلاً یہ کہ ہوا میں اُڑینگے۔ مچھلیوں کیطرح پانی میں تیرینگے نہیں۔ یہ بات کہ اُنکے اندر وجدان و حواس کی روشنی پیدا ہوگئی جو انہیں زندگی و بقا کی راہیں دکھاتی، اور سامانِ حیات کے طلب و حصول میں رہنمائی کرتی ہے، ہدایت ہے!

قرآن کہتا ہے، خدا کی ربوبیت کا مقتضا یہی تھا کہ جس طرح اُس نے ہر وجود کو اُسکا جامۂ ہستی عطا فرمایا، اور اُسکے ظاہری و باطنی قویٰ درست کردیئے، اور اُسکے اعمال کے لیئے ایک مناسب حال اندازہ ٹھہرا دیا اسی طرح اسکی ہدایت کا بھی سر و سامان کردیتا:

رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (۲۰: ۵۲) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی بناوٹ دی، پھر اسپر راہِ عمل کھول دی!

قرآن نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور اُن کی قوم کا جو مکالمہ جا بجا نقل کیا ہے، اُس میں حضرت ابراہیم اپنے عقیدہ کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ ○ (۴۳: ۲۵)

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے کہا تھا "یاد رکھو تم جن (دیوتاؤں) کی پرستش کرتے ہو، مجھے اُن سے کوئی سروکار نہیں میرا رشتہ صرف اُس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور وہی میری رہنمائی کرے گی۔

"الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ" یعنی جس خالق نے مجھے جسم و وجود عطا فرمایا ہے، ضروری ہے کہ اُس نے میری ہدایت کا بھی سامان کردیا ہو۔ سورۂ شعراء میں یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۙ وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ۙ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۙ (۲۶: ۷۹)	جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میری ہدایت کرے گا اور پھر وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب بیمار ہوجاتا ہوں تو شفا بخشتا ہے۔

یعنی جس پروردگار کی پروردگاری نے میری تمام ضروریاتِ زندگی کا سامان کردیا ہے' جو مجھے بھوک کے لیئے غذا، پیاس کے لیئے پانی، اور بیماری میں شفا عطا فرماتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ اُس نے مجھے پیدا تو کردیا ہو، لیکن میری ہدایت کا سامان نہ کیا ہو؟ اگر اُس نے مجھے پیدا کیا ہے' تو یقیناً وہی ہے جو طلب وسعی میں میری رہنمائی بھی کرے۔ سورۂ صافات میں یہی مطلب اِن لفظوں میں ادا کیا گیا ہے:

اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ (۳۷: ۹۷)	میں (ہرطرف سے کٹ کر) اپنے پروردگار کا رخ کرتا ہوں۔ وہ وہ میری ہدایت کرے گا!

"رَبِّی" کے لفظ پر غور کرو، وہ میرا "رب" ہے، اور جب وہ "رب" ہے تو ضروری ہے کہ وہی مجھ پر راہِ عمل بھی کھولدے!

ہدایت کے ابتدائی تین مرتبے

پھر ہدایت کے بھی مختلف مراتب ہیں جو ہم حیوانات میں محسوس کرتے ہیں۔ سب سے پہلا مرتبہ **وجدان** کی ہدایت کا ہے۔ وجدان طبیعتِ حیوانی کا فطری اور اندرونی الہام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کے لیئے رونے لگتا ہے' اور بغیر اسکے کہ خارج کی کوئی رہنمائی اُسے ملی ہو' ماں کی چھاتی مُنہ میں لیتے ہی اُسے چوستا اور اپنی غذا حاصل کرلیتا ہے۔

وجدان کے بعد **حواس** کی ہدایت کا مرتبہ ہے، اور وہ اِس سے بلند تر ہے۔ یہ ہمیں دیکھنے' سُننے، چکھنے، چُھونے، اور سُونگھنے کی قوتیں بخشتی ہے، اور انہی کے ذریعہ ہم خارج کا علم حاصل کرتے ہیں۔

ہدایتِ فطرت کے یہ دونوں مرتبے انسان اور حیوان، سب کے لیئے ہیں، لیکن جہانتک انسان کا تعلق ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تیسرا مرتبہ' ہدایت بھی موجود ہے، اور وہ **عقل** کی ہدایت ہے۔ فطرت کی یہی ہدایت ہے جس نے انسان کے آگے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیا ہے، اور اُس نے کائناتِ ارضی میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔

وجدان کی ہدایت اُس میں سعی وطلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے، حواس اسکے لیئے معلومات بہم پہنچاتے ہیں، اور عقل نتائج واحکام مرتب کرتی ہے۔ حیوانات کو اِس آخری مرتبہ کی ضرورت نہ تھی، اِس لیئے اُن کا قدم وجدان اور حواس سے آگے نہیں بڑھا۔ لیکن انسان میں یہ تینوں مرتبے جمع ہوگئے۔

جوہر عقل کیا ہے؟ دراصل اُسی قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہو جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی پیدا کردی ہے۔ جس طرح انسان کا جسم اجسام ارضی کی سب سے اعلیٰ کڑی ہے، اُسیطرح اسکی معنوی قوت بھی تمام معنوی قوتوں کا برترین جوہر ہے۔ روح حیوانی کا وہ جوہر ادراک، جو نباتات میں مخفی، اور حیوانات کے وجدان و مشاعر میں نمایاں تھا، انسان کے درجہ میں پہنچکر درجہ کمال تک پہنچ گیا، اور جوہر عقل کے نام سے پکارا گیا!

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایتِ فطرت کے ان تینوں مرتبوں میں سے ہر مرتبہ اپنی قوت و عمل کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے۔ اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور اگر اس مرتبہ سے ایک دوسرا مرتبہ موجود نہ ہوتا، تو ہماری معنوی قوتیں اُس حد تک ترقی نہ کر سکتیں، جس حد تک فطرت کی رہنمائی سے ترقی کررہی ہیں۔ وجدان کی ہدایت ہم میں طلب و سعی کا جوش پیدا کرتی ہے اور مطلوباتِ زندگی کی راہ پر لگاتی ہے۔ لیکن ہمارے وجود سے باہر جو کچھ موجود ہے، اسکا ادراک حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ کام مرتبہ حواس کی ہدایت کا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے۔ زبان چکھتی ہے۔ ہاتھ چھوتا ہے۔ ناک سونگھتی ہے، اور اس طرح ہم اپنے وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیاء کا ادراک حاصل کرلیتے ہیں۔

لیکن حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد تک ہی کام دے سکتی ہے۔ اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آنکھ دیکھتی ہے مگر صرف اُسی حالت میں جبکہ دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں۔ اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے۔ مثلاً روشنی نہ ہو، یا فاصلہ زیادہ ہو، تو ہم آنکھ رکھتے ہوئے بھی ایک موجود چیز کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے۔ علاوہ بریں حواس کی ہدایت صرف اتنا ہی کر سکتی ہے کہ اشیاء کا احساس پیدا کردے، لیکن مجرد احساس کافی نہیں ہے۔ ہمیں استنباط و استنتاج کی ضرورت ہی، احکام کی ضرورت ہے، کلیات کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام عقل کی ہدایت کا ہے۔ وہ ان تمام مُدرکات کو جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، ترتیب دیتی ہے، اور انسے احکام و کلیات کا استنباط کرتی ہے۔

علاوہ بریں جس طرح وجدان کی تکمیل کے لیے حواس و مشاعر کی ضرورت تھی، اُسی طرح حواس کی تصحیح و نگرانی کے لیے عقل کی ضرورت تھی۔ حواس کا ذریعہ ادراک نہ صرف محدود ہی ہے، بلکہ بسا اوقات غلطی و گمراہی سے بھی محفوظ نہیں۔ ہم دور سے ایک چیز دیکھتے ہیں، اور محسوس کرتے ہیں کہ ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ حجم نہیں رکھتی۔ حالانکہ وہ ایک عظیم الشان گنبد ہوتا ہے۔ ہم بیماری کی حالت میں شہد جیسی میٹھی چیز چکھتے ہیں، لیکن ہمارا حاسۂ ذوق یقین دلاتا ہے کہ مزہ کڑوا ہے۔ ہم تالاب میں ایک لکڑی کا عکس دیکھتے ہیں۔ لکڑی مستقیم ہوتی ہے لیکن عکس میں ٹیڑھی دکھائی دیتی ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ

کسی عارضہ کی وجہ سے کان بجنے لگتے ہیں، اور ہمیں ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ اگر مرتبۂ حواس سے ایک بلند تر مرتبۂ ہدایت موجود نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ہم حواس کی ان درماندگیوں میں حقیقت کا سراغ پا سکتے۔ لیکن ان تمام حالتوں میں عقل کی ہدایت نمودار ہوتی ہے وہ حواس کی درماندگیوں میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ سورج ایک عظیم الشان کرہ ہے۔ اگرچہ ہماری آنکھ اُسے سنہری تھالی سے زیادہ محسوس نہیں کرتی۔ وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ شہد کا مزہ ہر حال میں میٹھا ہے، اور اگر ہمیں کڑوا محسوس ہوا ہے تو یہ اس لیے ہوا کہ ہمارے منہ کا مزہ بگڑ گیا ہے۔ اسی طرح وہ ہمیں بتلاتی ہے کہ بعض اوقات خشکی بڑھ جانے سے کان بجنے لگتے ہیں، اور اس حالت میں جو صدائیں سنائی دیتی ہیں وہ خارج کی صدائیں نہیں ہوتیں، خود ہمارے ہی دماغ کی گونج ہوتی ہے۔

هدایتِ فطرت کا چوتھا مرتبہ

لیکن جس طرح وجدان کے بعد حواس کی ہدایت نمودار ہوتی، کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، اور جس طرح حواس کے بعد عقل کی ہدایت نمودار ہوئی، کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح ہم محسوس کرتے ہیں کہ عقل کی ہدایت کے بعد بھی ہدایت کا کوئی مزید مرتبہ ہونا چاہیئے، کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اُسکے دائرۂ عمل کے بعد بھی ایک دائرہ باقی رہ جاتا ہے۔ عقل کی کارفرمائی جیسی کچھ اور جتنی کچھ بھی ہے، محسوسات کے دائرہ میں محدود ہے۔ یعنی وہ صرف اُسی حد تک کام دے سکتی ہے، جس حد تک ہمارے حواس جمع معلومات بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن محسوسات کی سرحد سے آگے کیا ہے؟ اس پردے کے پیچھے کیا ہے جس سے آگے ہماری چشمِ حواس نہیں بڑھ سکتی؟ یہاں پہنچکر عقل بالکل درماندہ و معطل ہو جاتی ہے۔ اُسکی ہدایت ہمیں کوئی روشنی نہیں دے سکتی!

علاوہ بریں جہاں تک انسان کی عملی زندگی کا تعلق ہے، عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے اور نہ ہر حال میں مؤثر۔ نفسِ انسان طرح طرح کی خواہشوں اور جذبوں سے کچھ اس طرح مقہور واقع ہوا ہے کہ جب کبھی عقل اور جذبات میں کشمکش ہو جاتی ہے، تو اکثر حالتوں میں فتح جذبات ہی کے لیے ہوتی ہے۔ بسا اوقات عقل ہمیں یقین دلاتی ہے کہ فلاں فعل مضر اور مہلک ہے۔ لیکن جذبات ہمیں ترغیب دیتے ہیں، اور ہم اُسکے ارتکاب سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتے۔ عقل کی بڑی سے بڑی دلیل بھی ہمیں ایسا نہیں بنا دے سکتی کہ غصہ کی حالت میں بے قابو نہ ہو جائیں، اور بھوک کی حالت میں مضر غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں!

اچھا، اگر خدا کی ربوبیت کے لیئے ضروری تھا کہ وہ ہمیں وجدان کے ساتھ حواس بھی دے، کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اگر ضروری تھا کہ حواس کے ساتھ عقل بھی دے

کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دے، کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور اعمال کی درستگی و انضباط کے لئے کافی نہیں؟

قرآن کہتا ہے کہ ضروری تھا، اور اسی لیئے اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیئے ایک چوتھے مرتبۂ ہدایت کا بھی سامان کر دیا۔ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جسے وہ وحی و نبوّت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، اُس نے جابجا ان مراتب ہدایت کا ذکر کیا ہے، اور انہیں ربوبیتِ الٰہی کی سب سے بڑی بخشش و رحمت قرار دیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝

(۷۶: ۲)

ہم نے انسانوں کو ملے جُلے نطفہ سے پیدا کیا جسے (ایک کے بعد ایک) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں، پھر اُسے ایسا بنا دیا کہ سننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا ہم نے اس پر راہِ عمل کھول دی ہے۔ اب یہ اُسکا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا (یعنی یا تو خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک ٹھیک کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرلے یا ان سے کام نہ لے، اور گمراہ ہوجائے)۱۲

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝

(۹۰: ۶)

کیا ہم نے اُسے ایک چھوڑ دو دو آنکھیں نہیں دی ہیں (جن سے وہ دیکھتا ہے) اور زبان اور ہونٹ نہیں دیئے ہیں (جو گویائی کا ذریعہ ہیں)؟

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

(۱۶: ۸۰)

اور اللہ نے تمہیں سننے اور دیکھنے کو حواس دیئے، اور سوچنے کے لیئے دل دیئے (یعنی عقل دی)؎ تاکہ تم شکر گزار ہو! (یعنی خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک طریقہ پر کام میں لاؤ)

ان آیات اور ان کی ہم معنی آیات میں حواس و مشاعر اور عقل و فکر کی ہدایت کی طرف اشارات کیئے گئے ہیں، لیکن وہ تمام مقامات جہاں انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کا ذکر کیا گیا ہے، وحی و نبوّت کی ہدایت سے متعلق ہیں مثلاً:

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝

بلاشبہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم رہنمائی کریں، اور یقیناً آخرت اور دنیا، دونوں ہمارے ہی لیئے ہیں (پس جو کوئی سیدھی راہ چلیگا اُسکے لیے دونوں جگہ

؎ یاد رہے کہ عربی میں قلب اور فواد کے معنی محض اُس عضو ہی کے نہیں ہیں جسے اردو میں دل کہتے ہیں، بلکہ اسکا اطلاق عقل و فکر پر بھی ہوتا ہے، قرآن میں جہاں کہیں سمع و بصر وغیرہ کے ساتھ قلب اور فواد کہا گیا ہے اُس سے مقصود جوہر عقل ہے ۱۲

(۹۲ : ۱۳)

کامیابی ہے، اور جو منحرف ہوگا، اُسکے لیے دونوں جگہ نامرادی!

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۴۱ : ۱٦)

اور باقی رہی قوم ثمود، تو اُسے بھی ہم نے راہ (حق) دکھلا دی تھی لیکن اس نے اندھے پن کا شیوہ پسند کیا، اور ہدایت کی راہ نہ چلی۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۲۹ : ٦۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں سعی و جانفشانی کی، تو ضروری ہے کہ ہم بھی اُن پر اپنی راہیں کھول دیں، اور بلاشبہ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو نیک عمل ہیں!

اَلْهُدٰى | چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اللہ کی ایک خاص ہدایت کا ذکر کرتا ہے، اور اسے "اَلْهُدٰى" کے نام سے پکارتا ہے۔ یعنی الف لام تعریف کے ساتھ:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (٦ : ۷۰)

(اے پیغمبر ان سے) کہدو، یقیناً اللہ کی ہدایت ہی "الہدیٰ" ہے (یعنی انسان کے لیے حقیقی ہدایت ہے) اور ہم سب کو (اسی بات کا) حکم دیا گیا ہے کہ تمام کائناتِ خلقت کے پروردگار کے آگے سرِ عبودیت جھکا دیں

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ (۲ : ۱۲۰)

اور (یاد رکھو) یہودی تم سے خوش ہونیوالے نہیں جب تک کہ تم انکی مِلّت کی پیروی نہ کرو، اور یہی حال نصاریٰ کا ہے۔ اے پیغمبر تم ان سے کہدو، "الہدیٰ" (یعنی حقیقی ہدایت) تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (پس تمہاری مذہبی گروہ بندیوں کی ملتوں کی ہیں کیونکر پیروی کی جا سکتا)

یہ "الہدیٰ" یعنی ہدایت کی حقیقی راہ، کونسی راہ ہے؟ قرآن کہتا ہے، وحی الٰہی کی وہ عالمگیر ہدایت ہی جو اوّل دن سے دنیا میں موجود ہے، اور بلا تفریق و امتیاز، تمام نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ وہ کہتا ہے، جس طرح خدا نے وجدان، حواس، اور عقل کی ہدایت میں نہ تو نسل و قوم کا امتیاز رکھا ہے، نہ زمان و مکان کا، اسی طرح اُسکی ہدایت وحی بھی ہر طرح کے تفرقہ و امتیاز سے پاک ہے۔ وہ سب کے لیے ہے، اور سب کو دی گئی ہے، اور اس ایک ہدایت کے سوا اور جتنی ہدایتیں بھی انسانوں نے سمجھ رکھی ہیں، سب انسانی بناوٹ کی راہیں ہیں۔ خدا کی ٹھہرائی ہوئی راہ، صرف یہی ایک راہ ہے۔

اسی لیے وہ ہدایت کی اُن تمام صورتوں سے یک قلم انکار کرتا ہے جو اس اصل سے منحرف ہو کر طرح طرح کی مذہبی گروہ بندیوں اور متخالف ٹولیوں میں بٹ گئی ہیں، اور سعادت و نجات کی عالمگیر حقیقت خاص خاص گروہوں اور حلقوں کی میراث بنالی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے، انسانی بناوٹ کی یہ الگ الگ راہیں ہدایت کی راہ نہیں ہو سکتیں۔ ہدایت کی راہ تو وہی عالمگیر ہدایت کی راہ ہے۔ اُسی عالمگیر ہدایت وحی کو وہ "الدّین"

کے نام سے پکارتا ہے یعنی نوعِ انسانی کے لیے حقیقی دین۔ اور اسی کا نام اس کی زبان میں "الاسلام" ہے

وحدتِ دین کی اصلِ عظیم اور قرآنِ حکیم

یہ اصلِ عظیم قرآن کی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے۔ وہ جو کچھ بھی بتلانا اور سکھانا چاہتا ہے، تمام تر اسی اصل پر مبنی ہے۔ اگر اس اصل سے قطع نظر کر لی جائے تو اس کا تمام کارخانۂ دعوت درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن تاریخِ عالم کے عجائبِ تصرفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس درجہ قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا، اتنا ہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے اعراض کیا حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے، آج قرآن کی کوئی بات بھی دنیا کی نظروں سے اس درجہ پوشیدہ نہیں ہے، جسقدر کہ یہ اصلِ عظیم ہے۔ اگر ایک شخص ہر طرح کے خارجی اثرات سے خالی الذہن ہو کر قرآن کا مطالعہ کرے، اور اُسکے صفحات میں جا بجا اس اصلِ عظیم کے قطعی اور واضح اعلانات پڑھے، اور پھر دنیا کی طرف نظر اُٹھائے جو قرآن کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں سمجھتی کہ بہت سے مذہبی حلقوں کی طرح وہ بھی ایک مذہبی حلقہ ہے، تو یقیناً وہ حیران ہو کر پکار اُٹھے گا، یا تو اُسکی نگاہیں اُسے دھوکا دے رہی ہیں یا دنیا ہمیشہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اپنے فیصلے صادر کر دیا کرتی ہے!

اس حقیقت کی توضیح کے لیے ضروری ہے کہ ایک مرتبہ تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی جائے کہ جہاں تک وحی و نبوت کا، یعنی دین کا تعلق ہے، قرآن کی دعوت کیا ہے، اور کس راہ کی طرف نوعِ انسانی کو لے جانا چاہتی ہے؟ بہت ممکن ہے، یہ تفصیل اس حد سے متجاوز ہو جائے جو ہم ترجمان القرآن کی توضیحات کے لیے قرار دے چکے ہیں، لیکن اس سوال کی غیر معمولی اہمیت دیکھتے ہوئے ہم محسوس کرتے ہیں، ہمیں اتنی سختی کے ساتھ عنانِ فکر نہیں کھینچنی چاہیے کہ مطالبِ قرآنی کے بنیادی مباحث تشنہ رہ جائیں۔

اس باب میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے، اُس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

وہ کہتا ہے، ابتدا میں انسانی جمعیت کا یہ حال تھا کہ لوگ قدرتی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن میں نہ تو کسی طرح کا باہمی اختلاف تھا، نہ کسی طرح کی مخاصمت۔ سب کی زندگی ایک ہی طرح کی تھی اور سب اپنی قدرتی سادگی پر قانع تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ نسلِ انسانی کی کثرت اور ضروریاتِ معیشت کی وسعت سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے، اور اختلافات نے تفرقہ و انقطاع اور ظلم و فساد کی صورت اختیار کر لی۔ ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا، اور ہر زبردست زیردست کے حقوق پامال کرنے لگا۔ جب یہ صورتِ حال پیدا ہوئی، تو ضروری ہوا کہ نوعِ انسانی کی ہدایت اور عدل و صداقت کے قیام کے لیے وحیِ الٰہی کی روشنی نمودار ہو۔ چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی، اور خدا کے رسولوں کی دعوت

وتبلیغ کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ وہ اُن تمام رہنماؤں کو جن کے ذریعہ اِس ہدایت کا سلسلہ قائم ہوا، "رسول" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی سچائی کا پیغام پہنچانے والے تھے، اور "رسول" کے معنی پیغام پہنچانے والے کے ہیں:

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (۱۰ : ۳۰)

اور ابتدا میں تمام انسانوں کا ایک ہی گروہ تھا (الگ الگ گروہوں میں متفرق نہ تھے) پھر ایسا ہوا کہ وہ باہمدگر مختلف ہو گئے۔ اور اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار نے پہلے سے ایک فیصلہ نہ کر دیا ہوتا (یعنی یہ کہ انسانوں میں اختلاف ہوگا، اور مختلف راہیں لوگ اختیار کرینگے) تو

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (۲ : ۲۱۳)

ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے (پھر اُن میں اختلاف پیدا ہوا، اور ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو مبعوث کیا۔ وہ (نیک عملی کے نتائج کی) بشارت دیتے اور (بد عملی کے نتائج سے) ڈراتے۔ نیز انکے ساتھ الکتاب (یعنی وحی الٰہی سے لکھی جانے والی تعلیم) نازل کی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے، اُن میں

یہ ہدایت کسی خاص ملک، قوم یا عہد کے لیے مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام نوعِ انسانی کیلئے تھی چنانچہ ہر زمانے اور ہر ملک میں، یکساں طور پر، اُسکا ظہور ہوا۔ قرآن کہتا ہے، دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں نسلِ انسانی آباد ہوئی ہو، اور خدا کا کوئی رسول مبعوث نہ ہوا ہو:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۳۵ : ۲۵)

اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں ہے جس میں (بد عملیوں کے نتائج سے) ڈرانے والا (خدا کا کوئی رسول) نہ گزرا ہو۔

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳ : ۹)

(اے پیغمبر) بلاشبہ تم اسکے سوا اور کیا ہو کہ (بد عملیوں کے نتائج سے) ڈرانے والے رسول ہو، اور دنیا میں ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ (۱۰ : ۴۸)

اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے، پس جب رسول (اپنی تعلیم حق کے ساتھ) ظاہر ہوتا ہے تو (اس قوم کے تمام نزاعوں اور ظلم و فساد کا) انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

وہ کہتا ہے، نسلِ انسانی کے ابتدائی عہدوں میں کتنے ہی پیغمبر گزرے ہیں جو یکے بعد دیگرے مبعوث ہوئے اور قوموں کو پیغامِ حق پہنچایا:

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي

اور کتنے ہی نبی ہیں جو ہم نے پہلوں میں (یعنی ابتدائی عہد کی قوموں)

اَلۡاَوَّلِیۡنَ ۝ ! (۴۳ : ۵) میں) مبعوث کیے !

وہ کہتا ہے، یہ بات عدلِ الٰہی کے خلاف ہی کہ ایک گروہ اپنے اعمالِ بد کیلئے جواب دہ ٹھہرایا جائے، حالانکہ اُسکی ہدایت کیلئے کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۝ (۱۷ : ۱۶)

اور (ہمارا قانون یہ ہی کہ) جب تک ہم ایک پیغمبر مبعوث کرکے راہِ ہدایت نہ دکھا دیں، اسوقت تک (پاداشِ عمل میں) عذاب دینے والے نہیں!

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى حَتّٰى يَبۡعَثَ فِىۡۤ اُمِّهَا رَسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا‌ ۚ وَمَا كُنَّا مُهۡلِكِى الۡقُرٰٓى اِلَّا وَاَهۡلُهَا ظٰلِمُوۡنَ‏ ۝ (۲۸ : ۵۹)

اور (یاد رکھو) تمہارے پروردگار کا قانون یہ ہی کہ وہ کبھی انسان کی بستیوں کو (پاداشِ عمل میں) ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ اُن میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کر دے، اور وہ خدا کی آیتیں پڑھ کر انہیں نہ سنا دے، اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنیوالے نہیں مگر صرف اُسی حالت میں کہ اُنکے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر لیا ہو (یعنی ہمارے قوانین کی رو سے صرف یہی آبادی ہلاک ہوتی)

خدا کے اِن رسولوں اور دینِ الٰہی کے داعیوں میں سے بعض کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہی بعض کا ذکر نہیں کیا گیا:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ‌ ؕ (۴۰ : ۷۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی پیغمبر مبعوث کئے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنکے حالات تمہیں سناتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جنکے حالات نہیں سنائے (یعنی قرآن میں انکا ذکر نہیں کیا گیا)

قومِ نوح اور عاد و ثمود کے بعد کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں، اور اُن میں کتنے ہی رسول مبعوث ہو چکے ہیں، جن کا ٹھیک ٹھیک حال اللہ ہی کو معلوم ہے:

اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۛ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۛؕ لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ‌ ؕ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ (۱۴ : ۹)

تم سے پہلے جو قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں، کیا تم تک انکی خبر نہیں پہنچی؟ قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، اور وہ قومیں جو انکے بعد ہوئیں جن کی ٹھیک ٹھیک تعداد اللہ ہی کو معلوم ہی۔ ان سب میں انکے پیغمبر سچائی کی روشنیوں کے ساتھ مبعوث ہوئے، مگر انہوں نے جہل و سرکشی سے انکی تعلیم اُنہی پہ لوٹا دی، اور کان دھرنے سے انکار کر دیا!

فطرتِ الٰہی کی راہ، کائناتِ ہستی کے ہر گوشہ میں ایک ہی ہے۔ وہ نہ تو ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے، نہ باہمدگر مختلف۔ پس ضروری تھا کہ یہ ہدایت بھی اوّل دن سے ایک ہی ہوتی، اور ایک ہی طرح پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتی۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے، خدا کے جتنے پیغمبر پیدا ہوئے، خواہ وہ کسی

اور ایک دوسرے سے نفرت کرتے رہو۔ ایسی حالت میں بتلاؤ، وہ رشتہ کونسا رشتہ ہے، جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے، اور انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر از سر نو آباد ہو جائے؟ وہ کہتا ہے، صرف ایک ہی رشتہ باقی رہ گیا ہے، اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو، لیکن تمہارے لیئے خدا الگ الگ نہیں ہو جا سکتے۔ تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو، تم سب کی بندگی و نیاز کے لیئے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے، تم بیشمار اختلافات رکھنے پر بھی ایک ہی رشتۂ عبودیت میں جکڑے ہوتے ہو۔ تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تمہاری کوئی قومیت ہو۔ تم کسی درجہ اور کسی حلقہ کے انسان ہو، لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سر نیاز جھکادوگے، تو یہ آسمانی رشتہ، تمہارے تمام ارضی اختلافات مٹا دے گا۔ تم سب کے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے۔ تم محسوس کروگے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے، تمام نسل انسانی تمہارا گھرانا ہے، اور تم سب ایک ہی رب العلمین کی عیال ہو!

چنانچہ وہ کہتا ہے، خدا کے جتنے رسول بھی پیدا ہوئے، سب کی تعلیم یہی تھی کہ "الدین" پر یعنی بنی نوع انسانی کے ایک ہی عالمگیر دین پر قائم رہو، اور اس راہ میں ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جاؤ!

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (۴۲ : ۱۱)

(اور دیکھو) اس نے تمہارے لیئے دین کی وہی راہ ٹھہرادی ہے جس کی وصیت نوحؑ کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا۔ (ان سب کی تعلیم یہی تھی کہ الدین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو، اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو!

اسی بنا پر وہ بطور ایک دلیل کے اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر تمہیں میری تعلیم کی سچائی سے انکار ہے، تو تم کسی مذہب کی الہامی کتاب سے بھی ثابت کر دکھاؤ کہ دین حقیقی کی راہ اسکے سوا کچھ اور بھی ہو سکتی ہے، تم جس مذہب کی بھی حقیقی تعلیم دیکھو گے، تمہیں اصل و بنیاد یہی ملے گی:

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

(اے پیغمبرؐ ان سے) کہدو (اگر تمہیں میری تعلیم سے انکار ہے، تو تم دلیل پیش کرو۔ یہ کلام الٰہی موجود ہے جس پر میرے ساتھی یقین رکھتے ہیں، اور اسی طرح وہ کلام بھی موجود ہے جو مجھ سے پہلوں پر نازل ہو چکا ہے (تم ثابت کر دکھاؤ کہ کسی نے بھی میری تعلیم کے خلاف تعلیم دی ہو! اصل یہ ہے کہ ان (منکرین حق) میں اکثر آدمی ایسے ہیں جنہیں سرے سے امر حق کی خبر ہی

اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ ٥ (٢١ : ٢٤)

نہیں، اور اسلئے حقیقت کیطرف سے گردن موڑے ہوئے ہیں۔ اے پیغمبر! یقین کرو) ہم نے تم سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں بھیجا ہو جسے اِس بات کے سوا کوئی دوسری بات بتلائی گئی ہو کہ "میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو!"

اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ کہتا ہے، کسی الہامی کتاب سے، کسی مذہب کی تعلیم سے، علم و بصیرت کے کسی قول اور روایت سے تم ثابت کردکھاؤ کہ میری تعلیم سچائی کی تعلیم نہیں ہے!

اِئْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ (٤٦ : ٤)

اگر تم اپنے انکار میں سچے ہو، تو ثبوت میں کوئی کتاب پیش کرو جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہو، یا (کم از کم) علم و بصیرت کی کوئی پچھلی روایت ہی دکھلادو جو تمہارے پاس موجود ہو!

اسی بنا پر وہ تمام مذاہب عالم کی باہمدگر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل کے پیش کرتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے، ان میں سے ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے جھٹلاتی نہیں۔ اور جب ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے، تو اس سے معلوم ہوا، ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت و قائم حقیقت ضرور کام کر رہی ہے۔ کیونکہ اگر مختلف وقتوں، مختلف گوشوں، مختلف قوموں مختلف ناموں، مختلف پیرایوں، اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو، اور باوجود ان تمام اختلافات کے بات ہمیشہ ایک ہی ہو، اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو، تو قدرتی طور پر تمہیں ماننا پڑے گا کہ ایسی بات اصلیت سے خالی نہیں ہوسکتی!

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ٥ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ (٣ : ٢)

(اے پیغمبر!) اللہ نے تم پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوچکی ہیں اور اسی طرح لوگوں کی ہدایت کیلئے اس نے تورات اور انجیل نازل کی تھی۔

وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰىۃِ (٥ : ٤٧)

اور ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی۔ اس میں انسان کے لیے ہدایت اور روشنی ہے۔ اور اس سے پہلے جو تورات نازل ہوچکی تھی وہ اسکی تصدیق کرتی ہے (اُسے جھٹلاتی نہیں)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اُسکے بیان و موعظت کا ایک بڑا موضوع پچھلے عہدوں کی ہدایتوں اور رسالتوں کا تذکرہ ہے۔ وہ اُنکی یکسانی، ہم آہنگی، اور وحدتِ تعلیم سے مذہبی صداقت کے تمام مقاصد پر استشہاد کرتا ہے۔

"الدّین" اور "شرع" | اچھا، اگر تمام نوعِ انسانی کے لیے دین ایک ہی ہے، اور تمام بانیانِ مذاہب نے

ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی ہے، تو پھر مذاہب میں اختلاف کیوں ہوا؟ کیوں تمام مذہبوں میں ایک ہی طرح کے احکام، ایک ہی طرح کے اعمال، ایک ہی طرح کے رسوم و ظواہر نہ ہوئے، کسی مذہب میں عبادت کی ایک خاص شکل اختیار کی گئی ہے، کسی میں دوسری۔ کسی مذہب کے ماننے والے ایک طرف مُنہ کرکے عبادت کرتے ہیں، کسی مذہب کے ماننے والے دوسری طرف۔ کسی کے یہاں احکام و قوانین ایک خاص طرح کی نوعیت کے ہیں، کسی کے یہاں دوسری طرح کے۔

قرآن کہتا ہے، مذاہب کا اختلاف دو طرح کا ہے۔ ایک اختلاف تو وہ ہے جو پیروانِ مذاہب نے مذہب کی حقیقی تعلیم سے منحرف ہوکر پیدا کر لیا ہے، یہ اختلاف مذاہب کا اختلاف نہیں ہے بلکہ پیروانِ مذاہب کی گمراہی کا نتیجہ ہے۔ دوسرا اختلاف وہ ہے، جو فی الحقیقت مذاہب کے احکام و اعمال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مذہب میں عبادت کی کوئی خاص شکل اختیار کی گئی ہے، دوسرے میں کوئی دوسری شکل۔ تو یہ اختلاف اصل و حقیقت کا اختلاف نہیں ہے، محض فروع و ظواہر کا اختلاف ہے، اور ضروری تھا کہ ظہور میں آتا۔

وہ کہتا ہے، مذاہب کی تعلیم دو قسم کی باتوں سے مرکب ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے جو اُن کی روح و حقیقت ہے۔ دوسری وہ ہے جن سے اُن کی ظاہری شکل و صورت آراستہ کی گئی ہے۔ پہلی چیز اصل ہے۔ دوسری فرع ہے۔ پہلی چیز کو وہ "دین" سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسری کو "شرع" اور "نُسک" سے، اور اس کے لئے "مِنہاج" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ "شرع" اور "منہاج" کے معنی راہ کے ہیں، اور "نُسک" سے مقصود عبادت کا طور طریقہ ہے۔ وہ کہتا ہے، مذاہب میں جسقدر بھی اختلاف، اُن کا اصلی اختلاف ہی، وہ "دین" کا اختلاف نہیں ہے۔ محض شرع و منہاج کا اختلاف ہے، یعنی اصل کا نہیں ہے فرع کا ہے۔ حقیقت کا نہیں ہے ظواہر کا ہے۔ روح کا نہیں ہے صورت کا ہے۔ اور ضروری تھا کہ یہ اختلاف ظہور میں آتا۔ مذہب کا مقصود انسانی جمعیت کی سعادت و اصلاح ہے، لیکن انسانی جمعیت کے احوال و ظروف ہر عہد اور ہر ملک میں یکساں نہیں رہے ہیں، اور نہ یکساں رہ سکتے تھے۔ کسی زمانے کی معاشرتی اور ذہنی استعداد ایک خاص طرح کی نوعیت رکھتی تھی، کسی زمانے میں ایک خاص طرح کی۔ کسی ملک کے حالات ایک خاص طرح کی معیشت چاہتے ہیں، کسی دوسرے ملک کے دوسری طرح کی۔ پس جس مذہب کا ظہور جیسے زمانے میں اور جیسی استعداد و طبیعت کے لوگوں میں ہوا، اُسی کے مطابق شرع و منہاج کی صورت بھی اختیار کی گئی۔ جس عہد اور جس ملک میں جو صورت اختیار کی گئی، وہی اُس عہد اور اُس ملک کیلئے موزوں تھی اس لئے ہر صورت اپنی جگہ بہتر اور حق ہے، اور یہ اختلاف اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جتنی

اہمیت نوعِ بشری کے تمام معاشرتی اور طبیعی اختلافات کو دی جا سکتی ہے:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ (۲۲ : ۶۶)

(اے پیغمبر) ہم نے ہر گروہ کے لیے عبادت کا ایک خاص طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ عمل کرتا ہے، پس لوگوں کو چاہیے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کریں۔ تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو (کہ اصلی چیز یہی ہے) یقیناً تم ہدایت کے سیدھے رستہ پر گامزن ہو۔

جب تحویلِ قبلہ کا معاملہ پیش آیا۔ یعنی پیغمبر اسلام (صلعم) بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے، تو یہ بات یہودیوں اور عیسائیوں پر بہت شاق گزری۔ اُن کے نزدیک مذہب کا تمام تر دار و مدار اسی طرح کی ظاہری اور فروعی باتوں پر تھا، اور انہی کو حق و باطل کا معیار سمجھتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے اس معاملہ کو بالکل دوسری ہی نظر سے دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے، تم اس طرح کی باتوں کو اسقدر اہمیت کیوں دیتے ہو؟ یہ نہ تو حق و باطل کا معیار ہیں اور نہ مذہب کی اصل و حقیقت میں انہیں کوئی دخل ہے۔ ہر مذہب نے اپنے اپنے حالات و مقتضیات کے مطابق کوئی ایک طریقہ عبادت کا اختیار کر لیا تھا، اور اُس پر لوگ کاربند ہو گئے۔ مقصودِ اصلی سب کا ایک ہی ہے، اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی ہے۔ پس جو شخص سچائی کا طلبگار ہے، اُسے چاہیئے کہ اصلِ مقصود پر نظر رکھے، اور اُسی کے لحاظ سے ہر بات کو جانچے اور پرکھے۔ اِن باتوں کو حق و باطل کا معیار نہ بنائے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲ : ۱۴۸)

اور (دیکھو) ہر گروہ کے لیے کوئی نہ کوئی سمت ہے جس کی طرف عبادت کرتے ہوئے وہ اپنا منہ کر لیتا ہے۔ پس (اس معاملہ کو اسقدر طول نہ دو) نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو (کہ اصلی کام یہی ہے) تم کسی جگہ بھی ہو، اللہ تم سب کو پالیگا۔ یقیناً اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!

پھر اسی سورت میں آگے چل کر، صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ اصل دین کیا ہے؟ اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے؟ وہ کہتا ہے، دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف۔ اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے، خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے؟ پھر تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں:

لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ

اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے عبادت کے وقت اپنا

ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروانِ مذاہب، مذہب کو صرف اُسکے ظواہر رسوم ہی میں دیکھتے تھے، اور مذہبی اعتقاد کا تمام جوش و خروش اسی طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا۔ ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے، کیونکہ وہ دیکھتا تھا، دوسرے کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں، جیسے خود اُس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں، یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں، نہ اُن کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچا ہے۔ لیکن روح و حقیقت اِن سے بالاتر ہے، اور وہی اصل دین ہے۔ یہ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ اُسکے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ چونکہ یہ اصل دین ہے، اس لیئے نہ تو اسمیں تغیر ہوا، اور نہ کسی طرح کا اختلاف۔ اعمال و رسوم فرع ہیں، اسلیئے ہر زمانے اور ہر ملک کی حالت کے مطابق بدلتے رہے، اور جس قدر بھی اختلاف ہوا، انھی میں ہُوا۔

پھر وہ کہتا ہے، اعمال و رسوم کے اس اختلاف کو تم اسقدر اہمیت کیوں دے رہے ہو؟ خدا نے ہر زمانے اور ہر ملک کیلیئے ایک خاص طرح کا طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جو اسکی حالت اور ضرورت کے مطابق مناسب تھا، اور وہ اُسپر کاربند ہے۔ اگر خدا چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک ہی قوم و جماعت بنا دیتا، اور فکر و عمل کا کوئی اختلاف وجود ہی میں نہ آتا، لیکن معلوم ہے کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا۔ اسکی حکمت کا مقتضا یہی ہوا کہ فکر و عمل کی مختلف حالتیں پیدا ہوں۔ پس اس اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف کیوں بنا لیا جائے؟ کیوں اس اختلاف کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت سے بر سر پیکار رہے؟ اصل چیز جس پر تمام تر توجہ مبذول کرنی چاہیئے، "خیرات" ہے۔ یعنی نیکی کے کام ہیں، اور تمام اعمال و رسوم اُنھی کے لیئے ہیں۔

غور کرو، اس آیت میں لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا کہا۔ یعنی تم میں سے ہر جماعت کے لیئے ہم نے ایک "شرع" اور "منہاج" ٹھہرا دی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ایک "دین" ٹھہرا دیا ہے۔ کیونکہ دین تو سب کے لیئے ایک ہی ہے۔ اسمیں تعدد اور تنوع نہیں ہو سکتا۔ البتہ شرع و منہاج سب کے لیئے یکساں نہیں ہو سکتے تھے۔ ضروری تھا کہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف کے مطابق الگ الگ ہوں پس مذاہب کا اختلاف، اصل کا اختلاف نہیں ہوا، محض فرع کا اختلاف ہُوا۔

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جہاں کہیں قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ "اگر خدا چاہتا تو تمام انسان ایک ہی راہ پر جمع ہو جاتے" یا "ایک ہی قوم بن جاتے" جیسا کہ آیت مندرجہ صدر میں ہے

تو ان سب سے مقصود اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ وہ چاہتا ہے، یہ بات لوگوں کے دل میں اُتار دے کہ فکر و عمل کا اختلاف طبیعت بشری کا قدرتی خاصّہ ہے، اور جس طرح ہر گوشہ میں موجود ہے، اسی طرح مذہب کے معاملہ میں بھی موجود ہے پس اس اختلاف کو حق و باطل کا معیار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے، جب خدا نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر انسان، ہر قوم، ہر عہد اپنی اپنی سمجھ، اپنی اپنی پسند، اور اپنا اپنا طور طریقہ رکھتا ہے، اور ممکن نہیں، کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی تمام انسانوں کی طبیعت ایک طرح کی ہو جائے، تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ مذہبی اعمال و رسوم کی راہیں مختلف نہ ہوتیں، اور سب ایک ہی طرح کی وضع و حالت اختیار کر لیتے؟ یہاں بھی اختلاف ہونا تھا، اور اختلاف ہوا، کسی نے ایک طریقہ سے اصل مقصود حاصل کرنا چاہا، کسی نے دوسرے طریقہ سے، لیکن اصل مقصود، یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم، تو اس میں سب متفق رہے۔ کسی مذہب نے بھی یہ تعلیم نہیں دی کہ خدا کی بندگی نہیں کرنی چاہیئے کسی نے بھی یہ نہیں سکھلایا کہ جھوٹ بولنا سچ بولنے سے بہتر ہے۔ پس جب اصل مقصود سب کا ایک ہے تو محض ظواہر و اعمال کے اختلاف سے کیوں ایک دوسرے کا مخالف معاند ہو جائے؟ کیوں ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلائے؟ کیوں مذہبی سچائی کسی ایک ہی نسل و گروہ کی میراث سمجھ لی جائے؟

چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے، تم جوشِ دعوت میں چاہتے ہو، تمام لوگوں کو راہِ حق دکھلا دو۔ لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصّہ ہے۔ تم بہ جبر کسی کے اندر ایک بات نہیں اُتار دے سکتے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۰: ۹۹)

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو زمین میں جتنے بھی انسان ہیں، سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اُسکی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو لوگوں کو مجبور کر دو کہ وہ مومن ہو جائیں؟

وہ کہتا ہے، انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی باتوں کو دوسروں کی مخالفانہ نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی۔ جس طرح تمہاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمہاری ہے، ٹھیک اسی طرح دوسروں کی نظر میں سب سے بہتر راہ اُنکی ہے۔ پس اسکے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعتِ نظر پیدا کرو:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ

اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں، تو تم اُنہیں برا نہ کہو۔ کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ لوگ بھی اندھا دھند نادانی سے خدا کو برا

عِلْمٍ ط كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥

(۶ : ۱۰۸)

بھلا کہنے لگیں گے ۔ (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا ہے ۔ پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے ، اور وہیں ہر گروہ پر اُس کے اعمال کی حقیقت کھلنے والی ہے ۔

تشیّع اور تحزّب کی گمراہی اور تجدید دعوت کی ضرورت

اچھا ، جب تمام مذاہب کا اصل مقصد ایک ہی ہے ، اور سب کی بنیاد سچائی پر ہے ، تو پھر قرآن کے ظہور کی ضرورت کیا تھی ؟

وہ کہتا ہے ، اسلیئے ، کہ اگرچہ تمام مذاہب سچے ہیں ، لیکن تمام مذاہب کے پیرو سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں ۔ اسلیئے ضروری ہے کہ سب کو اُنکی گم شدہ سچائی پر از سرِ نو جمع کر دیا جائے !

اِس سلسلہ میں اُس نے پیروانِ مذاہب کی تمام گمراہیاں ایک ایک کر کے گنائی ہیں وہ اعتقادی اور عملی دونوں طرح کی ہیں ۔ من جملہ اُنکے ایک سب سے بڑی گمراہی جس پر جا بجا زور دیتا ہے ، وہ ہے ، جسے اس نے "تشیّع" اور "تحزّب" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ۔ عربی میں "تشیّع" اور "تحزّب" کے معنی یہ ہیں کہ الگ الگ جتھے اور جماعتیں بنا لینی ، اور ان میں ایسی روح کا پیدا ہو جانا جسے اُردو میں گروہ پرستی کی روح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ط اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ٥

(۶ : ۱۶۰)

جن لوگوں نے اپنے ایک ہی دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ، اور الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ گئے ، تمہیں اُن سے کوئی واسطہ نہیں ۔ اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے ۔ جیسے کچھ اُن کے عمل رہے ہیں ، اس کا نتیجہ خدا اُنہیں بتلا دے گا ۔

فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ط كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ٥

(۲۳ : ۵۴)

پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر ، جدا جدا دین بنا لیئے ، ہر ٹولی کے پلّے جو کچھ پڑ گیا ہے ، اُسی میں مگن ہے !

"تشیّع" اور "تحزّب" کی گمراہی سے کیا مقصود ہے ؟ اُسے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیئے

وہ کہتا ہے ، خدا کے ٹھہرائے ہوئے دین کی حقیقت تو یہ تھی کہ وہ نوعِ انسانی پر خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ کھولتا تھا ۔ یعنی خدا کے اِس قانونِ عمل کا اعلان کرتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں ۔ اچھے عمل کا بدلہ اچھا ہے ، اور بُرے عمل کا بدلہ بُرا ہے ۔ لیکن لوگوں نے یہ حقیقت

فراموش کردی، اور دین و مذہب کو نسلوں، قوموں، ملکوں، اور طرح طرح کی رسموں اور رواجوں کا ایک جتھا بنالیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب انسان کی نجات و سعادت کی راہ یہ نہیں سمجھی جاتی کہ کس کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ بلکہ سارا دارومدار اسپر آکے ٹھہر گیا ہے کہ کون کس جتھے اور گروہ بندی میں داخل ہے، اور کون داخل نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی کسی خاص مذہبی گروہ بندی میں داخل ہے، تو یقین کیا جاتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے اور دین کی سچائی اُسے مل گئی ہے۔ اگر داخل نہیں ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ نجات کا دروازہ اُسپر بند ہو گیا ہے اور دین کی سچائی میں اُسکا کوئی حصہ نہیں۔ گویا دین کی سچائی، آخرت کی نجات، اور حق و باطل کا معیار تمام تر گروہ بندی اور گروہ پرستی ہو گئی۔ اعتقاد اور عمل کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر باوجودیکہ تمام مذاہب کا مقصود اصلی ایک ہی ہے، اور سب ایک ہی پروردگار عالم کی پرستش کرنے والے ہیں، لیکن ہر گروہ یقین کرتا ہے کہ دین کی سچائی صرف اُسی کے حصہ میں آئی ہے۔ باقی تمام نوع انسانی اس سے محروم ہے۔ چنانچہ ہر مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے خلاف نفرت و تعصب کی تعلیم دیتا ہے، اور دنیا میں خدا پرستی اور دین داری کی راہ، سر تا سر بُغض و عداوت، نفرت و توحّش، اور قتل و خونریزی کی راہ بن گئی ہے!

اِس سلسلہ میں قرآن نے جن مہمات پر زور دیا ہے، اُن میں تین باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں:

(۱) انسان کی نجات و سعادت کا دارومدار اعتقاد و عمل پر ہے۔ نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔

(۲) نوع انسانی کے لیئے دینِ الٰہی ایک ہی ہے، اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس یہ جو پیروانِ مذاہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت ضائع کر کے بہت سے متخالف اور متخاصم جتھے بنا لیئے ہیں، یہ صریح گمراہی ہے۔

(۳) اصلِ دین توحید ہے یعنی ایک پروردگار عالم کی براہ راست پرستش کرنی، اور تمام بانیانِ مذاہب نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ اسکے خلاف جسقدر عقائد اور اعمال اختیار کر لیئے گئے ہیں، اصلیت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔

چنانچہ آیات مندرجہ صدر کے علاوہ، حسب ذیل آیات میں بھی اسی حقیقت پر زور دیا گیا ہے:

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن
كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ
قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ
صَادِقِينَ ۞ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ
لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ

اور یہود اور نصاریٰ نے کہا، جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہودی اور نصاریٰ نہ ہو (یعنی جبتک یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو) یہ اُن لوگوں کی (جاہلانہ) اُمنگیں ہیں نہ کہ حقیقت (اے پیغمبر) اِن سے کہدو، اگر تم اِس زعم باطل میں سچے ہو تو بتلاؤ تمہاری دلیل کیا ہے؟ ہاں (بلاشبہ نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے) مگر وہ کسی

رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(۲۰ : ۱۰۶)

خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے، جس کسی نے بھی خدا کے آگے سر جھکا دیا، اور وہ نیک عمل بھی ہوا، تو خواہ وہ یہودی اور نصرانی ہو، خواہ کوئی ہو) وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر پائیگا، اور نہ اُسکے لیے کسی طرح کا کھٹکا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

سورۂ بقرہ میں یہی حقیقت زیادہ واضح لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(۲ : ۵۹)

جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لائے ہیں، وہ ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو یہودی کہلاتے ہیں۔ یا نصاریٰ، اور صابی ہوں (کوئی بھی ہو، اور کسی گروہ بندی سے تعلق رکھتا ہو، لیکن خدا کا قانونِ نجات یہ ہے کہ جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، اور اُسکے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائیگا۔ اسکے لیے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی۔ وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا۔ کوئی انسان ہو، کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے، تو دینِ الٰہی پر چلنے والا ہے اور اُسکے لیے نجات ہے۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا۔ یہودیوں نے گروہ بندی کا ایک دائرہ کھینچا اور اُس کا نام "یہودیت" رکھدیا۔ جو اس دائرہ کے اندر ہے، وہ سچائی پر ہے اور اُسکے لیے نجات ہے۔ جو اس سے باہر ہے، وہ باطل پر ہے، اور اُسکے لیے نجات نہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی ایک دائرہ کھینچ لیا، اور اُسکا نام "مسیحیت" یا کلیسا رکھدیا۔ جو اسمیں داخل ہو صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اُسی کے لیے نجات ہے۔ جو اس سے باہر ہے اُسکا سچائی میں کوئی حصہ نہیں، اور نجات سے قطعاً محروم ہے۔ باقی رہا عمل، تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہو گیا ہے۔ ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو، لیکن اگر "یہودیت" کی نسلی گروہ بندی یا "مسیحیت" کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں، تو اُسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کرسکتا۔ لیکن ایک سخت سے سخت بدعمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائیگا، اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہوگا۔ قرآن اُنکے اسی اعتقاد کو ان لفظوں میں نقل کرتا ہے: كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا۔ یعنی ہدایت کی راہ اعتقاد اور عمل کی راہ نہیں ہے، بلکہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی کی راہ ہے۔ جب تک کوئی یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے، ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اسکا رد کرتے ہوئے کہتا ہے، خدا کی ہدایت جو دنیا کا

ایک عالمگیر قانون ہے، وہ بھلا ان خود ساختہ گروہ بندیوں میں کیونکر محدود ہو جا سکتی ہے؟ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ کے زور اور عموم پر غور کرو۔ کوئی انسان ہو، کسی نسل و قوم اور گروہ بندی کا ہو لیکن جس کسی نے بھی اللہ کے آگے عبودیت کا سر جھکا دیا، اور نیک عملی کی زندگی اختیار کی، اس نے دین کی نجات و سعادت پالی، اور اُسکے لیئے کوئی غم اور کھٹکا نہیں!

غور کرو، مذہبی صداقت کی عالمگیر وسعت کا اس سے زیادہ واضح اور ہمہ گیر اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

اور یہودیوں نے کہا عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے کہا، یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں (اور دونوں کا سرچشمہ دین ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب کہ وہ بھی صرف اپنے ہی کو نجات کا وارث سمجھتے ہیں) اچھا جس بات میں یہ باہم گر جھگڑ رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ اُسکا فیصلہ کر دے گا، (اور اُس وقت حقیقت حال سب پر کھل جائے گی)

(۲ : ۱۱۳)

یعنی باوجودیکہ خدا کا دین ایک ہی ہے، اور کتاب الٰہی یعنی تورات، دونوں کے سامنے ہے، با ایں ہمہ مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ باہم گر مخالف اور مکذب جتھے قائم ہو گئے ہیں۔ ہر جتھا دوسرے جتھے کو جھٹلا رہا ہے، اور ہر جتھا صرف اپنے ہی کو نجات و سعادت کا مالک سمجھتا ہے!

سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ، ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو کہ فی الحقیقت سچائی ہے کہاں؟ قرآن کہتا ہے، سچائی اصلاً سب کے پاس ہے مگر عملاً سب نے کھو دی ہے۔ سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لیئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی، اور دین الٰہی پر مستقیم رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں۔ اب ہر گروہ دوسرے گروہ سے لڑ رہا ہے، اور سمجھتا ہے، دین کی سعادت اور نجات صرف اسی کے ورثہ میں آئی ہے۔ دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں!

سورہ بقرہ میں مندرجہ صدر آیت کے بعد ہی حسب ذیل بیان شروع ہو جاتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۲ : ۱۱۴)

اور غور کرو، اُس سے بڑھکر ظلم کرنے والا انسان کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اُسکے نام کی یاد سے مانع آئے اور اُنکی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم و شرارت کا یہ حال ہو یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں۔ بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں (اور ظلم و شرارت کی جرأت ان میں باقی نہ رہے) یاد رکھو، ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہو اور آخرت میں بھی

یعنی مذہبی گروہ بندی کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت گاہیں تک الگ ہوگئی ہیں اور باوجودیکہ تمام پیروانِ مذاہب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہیں، لیکن ممکن نہیں، ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں جاکر خدا کا نام لے سکے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ ہر گروہ صرف اپنی ہی عبادتگاہ کو خدا کی عبادت گاہ سمجھتا ہے۔ اور دوسرے گروہ کی عبادت گاہ اُسکی نظروں میں کوئی احترام نہیں رکھتی۔ حتیٰ کہ بسا اوقات وہ مذہب کے نام پر اُٹھتا ہے اور دوسروں کی عبادت گاہیں خراب و برباد کرڈالتا ہے۔ قرآن کہتا ہے، اس سے بڑھکر انسان کا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ خدا کے بندوں کو خدا کی یاد سے روکا جائے؟ اور صرف اس لیے روکا جائے کہ وہ ایک دوسرے مذہبی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ یا ایک عبادت گاہ ڈھادی جائے، اور اسلیے ڈھادی جائے کہ وہ ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے۔ دوسرے گروہ کی بنائی ہوئی ہے؟ کیا تمہارے بنائے ہوئے مذہبی جتھوں کے اختلاف سے خدا بھی مختلف ہوگئے؟ اور اس لیے ایک جتھے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ تو خدا کی عبادت گاہ ہے، مگر دوسرے کی بنائی ہوئی عبادت گاہ خدا کی خدا کی عبادت گاہ نہیں؟

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

(۳ : ۷۴)

اور (یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں، یہ بات کبھی نہ مانو کہ دین کی جو سعادت تمہیں دی گئی ہو (یعنی یہودیوں کو دی گئی ہو) ویسی اب کسی دوسرے انسان کو مل سکے، یا اللہ کے حضور تمہارے خلاف کسی کی کوئی حجت چل سکے، (اے پیغمبر، تم ان لوگوں سے کہدو) ہدایت تو وہی ہی جو اللہ کی ہدایت ہو (اور اسکی راہ سب کے لیے کھلی ہوئی ہو) محض کسی ایک گروہ ہی کے لیے نہیں ہو، اور فضل و بخشش کا سر رشتہ تمہارے ہاتھ نہیں ہو، اللہ کے ہاتھ ہو وہ جسے چاہی دیدے، اور وہ (اپنے فضل میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب

یعنی یہودیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وحی و نبوت کی ہدایت جو انہیں دی گئی ہے، وہ صرف اُنہی کے لیئے ہی، ممکن نہیں، کسی دوسرے انسان یا قوم کو یہ بات حاصل ہو سکے۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں اپنے مذہب کے آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی کی سچائی اور بزرگی تسلیم نہ کرو، اور نہ یہ بات مانو کہ تمہارے خلاف (یعنی یہودیوں کے خلاف) کسی آدمی کی کوئی دلیل خدا کے حضور مقبول ہو سکتی ہے۔ قرآن اس زعم باطل کو رد کرتا ہے، اور کہتا ہے "اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ"۔ ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ اور اللہ کا فضل کسی ایک انسان یا گروہ ہی کے لیئے نہیں ہے۔ سب کے لیئے ہے، پس جو انسان بھی ہدایت کی راہ پر چلے گا ہدایت یافتہ انسان ہوگا، خواہ یہودی ہو یا کوئی ہو۔

یہودیوں کی گروہ بندی کا غرور یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے، خدا نے دوزخ کی آگ ہم پر حرام کردی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا، تو اس لیئے نہیں کہ اسے عذاب میں ڈالا جائے، بلکہ اسلیئے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک و صاف کردیا جائے، اور وہ پھر جنت میں جا داخل ہو۔ قرآن ان کا یہ زعم باطل جا بجا نقل کرتا ہے، اور پھر اُس کا رد کرتے ہوئے پوچھتا ہے، یہ بات تمہیں کہاں سے معلوم ہوگئی کہ یہودی گروہ بندی کا ہر فرد نجات یافتہ ہے؟ اور عذاب اُخروی سے اُسے چھٹکارا مل چکا ہے؟ کیا تمہیں خدا نے غیر مشروط نجات کا کوئی پٹہ لکھکر دیدیا ہے کہ جہاں ایک انسان یہودی ہوا اور آتش دوزخ اُس پر حرام ہوگئی؟ اگر نہیں دیا ہے تو پھر بتلاؤ، ایسا اعتقاد رکھنا خدا پر افترا کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اُسکے بعد صاف صاف لفظوں میں خدا کے قانونِ عمل کا اعلان کرتا ہے، "جس کسی نے بھی اپنے عمل سے بُرائی کمائی، اُسکے لیئے بُرائی ہے، جس کسی نے بھی بھلائی کمائی، اُسکے لیئے بھلائی ہے"۔ یعنی جس طرح سنکھیا کھانے سے ہر کھانے والا ہلاک ہو جاتا ہے، خواہ یہودی ہو یا غیر یہودی ہو، اور دودھ پینے سے صحت و توانائی ملتی ہے، خواہ پینے والا کسی نسل و قوم اور گروہ سے تعلق رکھتا ہو، اسی طرح عالم معنویات میں بھی ہر عمل کا ایک خاصہ ہے، اور وہ اسلیئے بدل نہیں جا سکتا کہ عمل کرنے والے کی نسل یا گروہ بندی کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ	اور ان لوگوں نے (یعنی یہودیوں نے) کہا، ہمیں جہنم کی آگ کبھی چھونے والی نہیں، اور اگر چھوئے بھی تو اس سے زیادہ نہیں کہ چند دنوں کے لیئے چھوئے (اے پیغمبر!) ان سے کہو، یہ جو تم کہتے ہو، تو کیا تم نے خدا سے کوئی قول قرار کرا لیا ہے، اور اب خدا اپنے قول قرار سے پھر نہیں سکتا، یا پھر تم خدا کے نام سے ایک ایسی جھوٹی بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں کوئی

خَطِيۡٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ‏ ۝ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ‏ ۝ (۲ : ۸۱-۸۲)

علم نہیں؟ نہیں، (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ کسی نسل اور کسی گروہ کا انسان ہو، لیکن) جس کسی نے بھی بُرائی کمائی، اور اپنے گناہوں میں گھر گیا، وہ دوزخی گروہ میں سے ہے، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ اور جس کسی نے بھی ایمان کی راہ اختیار کی اور نیک عمل ہوا، تو بہشتی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ بہشت میں رہنے والا!

سورہ نسا میں نہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کو، بلکہ سب کو مخاطب کر کے صاف صاف اعلان کردیا ہے۔ ایسا اعلان، جسکے بعد کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی:

لَـيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِىِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ‌ؕ مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡۤءًا يُّجۡزَ بِهٖۙ وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا‏ ۝ (۴ : ۱۲۳)

(مسلمانو! یاد رکھو، نجات اور سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی بھی بُرائی کرے گا، اس کا نتیجہ اُسکے سامنے آئیگا، اور پھر نہ تو کسی کی دوستی اُسے عذاب الٰہی سے بچاسکے گی، نہ کسی طاقت کی مددگاری!

اِسی مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ تھا کہ یہودی سمجھتے تھے، سچائی اور دیانت داری کے جسقدر بھی احکام ہیں، وہ اسلیئے نہیں ہیں کہ تمام انسانوں کے ساتھ دیانت اور راستبازی برتنی چاہیئے، بلکہ محض اس لیئے ہیں کہ ایک یہودی دوسرے یہودی کے ساتھ بُرائی نہ کرے۔ وہ کہتے تھے اگر ایک آدمی ہمارا ہم مذہب نہیں ہے، تو ہمارے لیئے جائز ہے کہ جس طرح بھی چاہیں، اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔ کچھ ضروری نہیں کہ راست بازی و دیانت کے اصول ملحوظ رکھے جائیں۔ چنانچہ لین دین میں سود لینے کی ممانعت کو اُنہوں نے صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا، اور آج تک اُن کا طرزِ عمل یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک یہودی کو دوسرے یہودی سے ظالمانہ سود نہیں لینا چاہیئے، لیکن ایک یہودی، غیر یہودی سے لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ قرآن اُنکے اِس عقیدہ کا ذکر کرتا، اور اِسے اُن کی بہت بڑی گمراہی قرار دیتا ہے:

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ؕ (۴ : ۱۶۱)

اور ان کا سود کھانا، حالانکہ وہ اس سے روک دیئے گئے تھے۔ اور اُنکی یہ بات کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر کھا لیتے تھے۔

اِسی طرح جو یہودی عرب میں آباد تھے، وہ کہتے تھے، عرب کے اَن پڑھ باشندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں راست بازی و دیانت داری کچھ ضروری نہیں ہے۔ یہ لوگ بُت پرست ہیں، ہم اِن لوگوں کا مال جسطرح بھی کھالیں، ہمارے لیئے جائز ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَـيۡسَ عَلَيۡنَا

(یہودیوں کی) یہ (بدمعاملگی) اس لیئے ہے کہ وہ کہتے ہیں (عرب کے ان) اَن پڑھ

فِي الْأُمِّيِّنَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ

(۳ : ۷۰)

لوگوں سے (بدمعاملگی کرنے میں) ہمارے لیئے کوئی بازپرس نہیں ہوگی (جس طرح بھی ہم چاہیں، ان کا مال کھاسکتے ہیں حالانکہ) ایسا کہتے ہوئے وہ صریح اللہ پر افترا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے دین کا یہ حکم نہیں ہوسکتا۔ ہاں (دانستہ بازپرس ہوگی اور ضرور ہوگی کیونکہ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی اپنا قول قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہی اللہ کی ...

یعنی ایسا عقیدہ رکھنا خدا کے دین پر صریح افترا ہے۔ خدا کا دین تو یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے، اور ہر حال میں راست بازی و دیانت داری کی راہ چلنی چاہیئے، خواہ کوئی انسان ہو، اور کسی عقیدہ اور گروہ کا ہو، کیونکہ سفید ہر حال میں سفید ہے، اور سیاہ ہر حال میں سیاہ۔ کوئی سفید چیز اسلیئے کالی نہیں ہوجاسکتی کہ کس آدمی کو دی گئی ہے، اور کوئی کالی چیز اسلیئے سفید نہیں ہوجاسکتی کہ کسی خاص نسل یا کسی خاص گروہ کے ہاتھوں نکلی ہے۔ پس دیانت داری ہر حال میں دیانت داری ہے، اور بددیانتی ہر حال میں بددیانتی۔

نزول قرآن کے وقت بڑے مذہبی گروہ عرب میں تین تھے۔ یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب، اور یہ تینوں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی شخصیت کو یکساں طور پر عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، کیونکہ تینوں گروہوں کے مورث اعلیٰ وہی تھے۔ پس قرآن مذہبی گروہ بندی کی گمراہی واضح کرنے کے لیئے ایک نہایت سیدھا سادہ سوال ان تینوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر دین کی سچائی گروہ بندیوں کے ساتھ وابستہ ہے، تو بتلاؤ حضرت ابراہیم کس گروہ بندی کے آدمی تھے؟ یہ ظاہر ہے کہ اسوقت تک نہ تو یہودیت کا ظہور ہوا تھا، نہ مسیحیت کا، اور نہ کوئی دوسری گروہ بندی موجود تھی۔ پھر اگر حضرت ابراہیم کسی گروہ بندی میں داخل نہ ہونے پر بھی دین حق کی راہ پر تھے، تو بتلاؤ، وہ راہ کونسی تھی؟ قرآن کہتا ہے وہ اسی دین حقیقی کی راہ تھی جو تمہاری تمام بنائی ہوئی گروہ بندیوں سے بالاتر، اور نوع انسانی کے لیئے عالمگیر قانون نجات ہے۔ یعنی ایک خدا کی سیدھی سادی پرستش اور نیک عملی کی زندگی:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(۲ : ۱۲۹)

اور یہودی کہتے ہیں، یہودی ہوجاؤ، ہدایت پاؤگے۔ نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہوجاؤ، ہدایت پاؤگے (اے پیغمبر) تم کہو، نہیں، (اللہ کی عالمگیر ہدایت تمہاری ان گروہ بندیوں کی پابند نہیں ہوجاسکتی) ہدایت کی راہ تو وہی حنیفی راہ ہے جو ابراہیم کا طریقہ تھا، اور یقیناً وہ مشرکوں میں سے نہ تھا (اگرچہ اس کی نسل عرب میں مبتلائے شرک ہوگئی)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۳ : ۵۸)	اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ تورات اور انجیل اسکے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم اتنی موٹی بات سمجھنے کے لیئے بھی عقل نہیں رکھتے؟

یعنی وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے سوال کرتا ہے۔ تمہاری ان گروہ بندیوں کی تاریخ زیادہ سے زیادہ تورات اور انجیل کے ظہور تک جا سکتی ہے۔ اچھا، بتلاؤ، تورات سے پہلے بھی ہدایت یافتہ انسان ہو تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو اُنکی راہ کیا تھی؟ خود تمہارے اسرائیلی گھرانے کے تمام نبیوںؑ کی راہ کیا تھی؟ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو جس دین کی تلقین کی، وہ دین کونسا تھا؟ حضرت یعقوبؑ جب بستر مرگ پر تھے اور اپنے بیٹوں کو دینِ الٰہی پر قائم رہنے کی وصیت کر رہے تھے، تو اس دین سے مقصود کونسا دین تھا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ دونوں گروہ بندیاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کے نام پر کی گئی ہیں، اور وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ وغیرہم سے کئی سو برس بعد پیدا ہوئے۔ پس معلوم ہوا، تمہارے ان خود ساختہ حلقہ ہائے نجات سے بھی کوئی بالاتر راہِ نجات موجود ہے، جو اُس وقت بھی نوع انسانی کے سامنے موجود تھے۔ جب ان حلقہ بندیوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ قرآن کہتا ہے، یہی راہ نجات، دین کی اصلی راہ ہے، اور اسے حاصل کرنیکے لیئے کسی گروہ بندی کی نہیں بلکہ اعتقاد و عمل کی ضرورت ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲ : ۱۲۷)	پھر کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرھانے موت آ کھڑی ہوئی تھی، اور اس نے اپنی اولاد سے پوچھا تھا، بتلاؤ، میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ انہوں نے جواب میں کہا تھا، ہم اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جس کی تو نے عبادت کی ہے، اور تیرے بزرگوں، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اور اسحٰقؑ نے عبادت کی ہے، اور ہم خدا کے حکموں کے فرمانبردار ہیں!

وہ کہتا ہے، دینِ الٰہی کی اصل، نوع انسانی کی اخوت و وحدت ہے، نہ کہ تفرقہ و منافرت۔ خدا کے جتنے بھی رسولؑ دنیا میں آئے، سب نے یہی تعلیم دی تھی کہ تم سب اصلاً ایک ہی اُمت اور ایک ہی گروہ ہو، اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے۔ پس چاہیئے کہ سب اُسی ایک پروردگار کی بندگی کریں، اور ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مل جلکر رہیں۔ اگرچہ ہر مذہب کے داعی نے اسی راہ کی تعلیم دی تھی، لیکن ہر مذہب کے پیروؤں نے

اس سے انحراف کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل نے اپنے اپنے جتھے الگ الگ بنا لیے، اور ہر جتھا اپنے طور طریقہ میں مگن ہو گیا۔

قرآن نے پچھلے رسولوں اور مذاہب کے بانیوں میں سے جن جن رہنماؤں کے مواعظ نقل کیے ہیں، ان سب میں بھی اصل اصول یہی حقیقت ہے، اور عموماً اکثر مواعظ کا خاتمہ دین کی وحدت اور انسان کی عالمگیر اخوت کی تعلیم ہی پر ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ مومنون میں سب سے پہلے حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت کا ذکر کیا ہے:
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (۲۳:۲۳)
اس کے بعد ان دعوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت نوح کے بعد ظاہر ہوتی رہیں: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۳۲) پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کیا ہے: ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ (۴۵) حضرت موسیٰ کے بعد حضرت مسیح (علیہ السلام) کی دعوت نمایاں ہوئی: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً (۵۲) پھر ان تمام دعوتوں کے بعد یہ صدائے حق بلند ہوتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

(۲۳: ۵۳)

اور ہم نے تمام رسولوں کو یہی حکم دیا تھا کہ پاک و صاف چیزیں کھاؤ اور نیک عملی کی زندگی بسر کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے میں بےخبر نہیں ہوں اور (دیکھو) یہ تمہارا گروہ در اصل ایک ہی گروہ ہے، اور میں تم سب کا پروردگار ہوں (پس الگ الگ نہ ہو، اور) نافرمانی سے بچو! لیکن پھر ایسا ہوا کہ لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر، جدا جدا دین بنا لیے۔ ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے، وہ اسی میں مگن ہے!

یعنی تمام رسولوں نے یکے بعد دیگرے یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی بندگی کرو اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرو، تم سب خدا کے نزدیک ایک ہی اُمت اور گروہ ہو۔ اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے۔ تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کو اپنے سے الگ نہ سمجھے، نہ کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہو جائے۔ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ لیکن لوگوں نے یہ تعلیم فراموش کر دی اور اپنی الگ الگ ٹولیاں بنا لیں كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ اب ہر ٹولی اسی میں مگن ہے جو اس کے پلے پڑ گیا ہے!

مذہبی گروہ بندی کی رسموں رواجوں میں سے ایک رسم وہ ہے جو عیسائی کلیسا نے اختیار کر رکھی ہے اور جسے وہ اصطباغ (بپتسما) سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ در اصل ایک یہودی رسم تھی جو اُس وقت ادا کی جاتی تھی

جب لوگ گناہوں سے توبہ کیا کرتے تھے، اور اسلیئے فی نفسہ ایک مقررہ رسم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن عیسائیوں نے اسے انسانی نجات وسعادت کی بنیاد سمجھ لیا ہے۔ جب تک ایک شخص مسیح علیہ السلام کے نام پر اصطباغ نہ لے، وہ نیک اور دیندار انسان نہیں سمجھا جاتا، اور نہ آخرت کی نجات اُسے مل سکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے، یہ کیسی گمراہی ہے کہ انسانی نجات و سعادت جس کا دارومدار عمل پر ہے، محض ایک مقررہ رسم کے ساتھ وابستہ کردی جائے؟ انسانوں کا یہ ٹھہرایا ہوا اصطباغ اللہ کا اصطباغ نہیں ہے۔ اللہ کا اصطباغ تو یہ ہے کہ تمہارے دل خدا پرستی کے رنگ میں رنگ جائیں!

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

یہ اللہ کا رنگ ہے (یعنی دین الٰہی کا قدرتی اصطباغ ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ دینے میں اور کون ہوسکتا ہے؟ ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

(۲ : ۱۳۸)

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے، دینِ الٰہی عمل کا قانون ہے، اور ہر انسان کے لیئے وہی ہوتا ہے جو اُسکے عمل کی کمائی ہے۔ یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں، یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے، یا کسی پچھلی قوم سے رشتۂ قدامت رکھتا ہے، نجات وسعادت کے لیئے کچھ سودمند نہیں:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی، اسکے لیئے وہ تھا، جو اس نے اپنے عمل سے کمایا، اور تمہارے لیئے وہ ہے، جو تم اپنے عمل سے کماؤ۔ ان کے کاموں کے لیئے تم سے باز پرس نہیں ہوگی!

(۲ : ۱۳۸)

قرآن کی دعوت

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کوئی بات بھی قرآن کے صفحوں پر اس درجہ نمایاں نہیں ہے جسقدر یہ بات ہے۔ اُس نے بار بار صاف اور قطعی لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کردیا ہے کہ وہ کسی نئی مذہبی گروہ بندی کی دعوت لیکر نہیں آیا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے، تمام مذہبی گروہ بندیوں کی جنگ و نزاع سے دنیا کو نجات دلائے، اور سب کو اُسی ایک راہ پر جمع کردے جو سب کی مشترک اور متفقہ راہ ہے!

وہ بار بار کہتا ہے، جس راہ کی میں دعوت دیتا ہوں، وہ کوئی نئی راہ نہیں ہے، اور نہ سچائی کی راہ نئی ہوسکتی ہے۔ یہ تو وہی راہ ہے جو اوّل دن سے موجود ہے، اور تمام مذاہب کے بانیوں نے اسی کی طرف بلایا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ

اور (دیکھو) اس نے تمہارے لیئے دین کی وہی راہ ٹھہرائی ہے جس کی

نُوحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ (۴۲ : ۱۳)

وصیت نوحؑ کو کی گئی تھی، اور جس پر چلنے کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسےٰؑ کو حکم دیا تھا (ان سب کی تعلیم یہی تھی) کہ الدّین (یعنی خدا کا ایک ہی دین) قائم رکھو، اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو جاؤ!

سورۂ نسا میں ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ (۴ : ۱۶۳)

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں اُسی طرح اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے جس طرح نوحؑ کو کیا تھا، اور اُن تمام نبیوں کو کیا تھا، جو نوحؑ کے بعد ہوئے۔ نیز جس طرح ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ یعقوبؑ، اولادِ یعقوبؑ، عیسےٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ (وغیرہم) کو مخاطب کیا، اور داؤدؑ کو زبور عطا کی۔ علاوہ بریں وہ رسول جن میں سے بعض کا حال ہم تمہیں پہلے سنا چکے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جن کا حال تمہیں نہیں سنایا گیا۔

سورۂ انعام میں پچھلے رسولوں کا ذکر کر کے پیغمبر اسلام کو مخاطب کیا ہے، اور کہا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (۶ : ۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے راہِ حق دکھلائی، پس (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

اسی لیے اس کی دعوت کی پہلی بنیاد ہی یہ ہے کہ تمام بانیانِ مذاہب اور تمام آسمانی کتابوں کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے، یعنی یقین کیا جائے کہ سب حق پر تھے، سب خدا کی سچائی کے پیغامبر تھے اور سب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی ہے، اور ان سب کی متفقہ تعلیم پر کاربند ہونا ہی ہدایت و سعادت کی حقیقی راہ ہے:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

(اے پیغمبر!) کہہ دو، ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ اُس نے ہم پر نازل کیا ہے اُس پر ایمان لائے ہیں۔ نیز جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، اور اولادِ یعقوب پر نازل ہوا ہے، اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسی طرح جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو اور دنیا کے تمام نبیوں کو اُن کے پروردگار سے دیا گیا ہے، سب پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے

مِنْهُمْ ز وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ جدا نہیں کرتے (کہ اُسے نہ مانیں، دوسروں کو مانیں۔ ہم سب کی یکساں طور پر تصدیق کرتے ہیں) اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (اسکی سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کسی کی زبانی بھی آئی ہو، اُسپر ہمارا ایمان ہے)۔

(۳ : ۷۸)

قرآن نے اس آیت میں اور نیز متعدد موقعوں پر "تفریق بین الرسل" کو ایک بہت بڑی گمراہی قرار دیا ہے، اور سچائی کی راہ یہ بتلائی ہے کہ "تفریق بین الرسل" سے انکار کیا جائے۔ "تفریق بین الرسل" کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے رسولوں میں باعتبار تصدیق کے تفرقہ و امتیاز کرنا۔ یعنی ایسا سمجھنا کہ ان میں سے فلاں سچا تھا، فلاں سچا نہ تھا۔ یا کسی ایک کی تصدیق کرنی، باقی سب سے انکار کر دینا۔ یا سب کی تصدیق کرنی کسی ایک سے انکار کر دینا۔ قرآن کہتا ہے، ہر راست باز انسان کا جو خدا کے سچے دین پر چلنا چاہتا ہے فرض ہے کہ بلا کسی فرق و امتیاز کے تمام رسولوں، تمام کتابوں، تمام مذہبی دعوتوں پر ایمان لائے، اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرے۔ اسکا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ کہے، سچائی جہاں کہیں بھی ظاہر ہوئی ہے، اور جس کسی کی زبان پر بھی ظاہر ہوئی ہے، سچائی ہے، اور میرا اُسپر ایمان ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

(۲ : ۲۸۵)

اللہ کا رسول اس (کلام حق) پر ایمان رکھتا ہے جو اُسکے پروردگار کی طرف سے اُسپر نازل ہوا ہے، اور وہ لوگ بھی جو ایمان لائے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اُسکے ملائکہ پر، اُسکی کتابوں پر، اور اُسکے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اُنکے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی ایک کو مانیں۔ دوسروں کو جھٹلائیں۔ ہم سب کی یکساں طور پر تصدیق کرتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُنہیں داعی حق نے پکارا تو اُنھوں نے کہا، خدایا! ہم نے تیرا پیام حق سنا اور تیری فرمانبرداری کی، ہمیں تیری مغفرت نصیب ہو، اور ہم سب کو بالآخر تیرے ہی طرف لوٹنا ہے!

وہ کہتا ہے، خدا ایک ہے، اُسکی سچائی ایک ہے، لیکن سچائی کا پیغام بہت سی زبانوں نے پہنچایا ہے پھر اگر تم کسی ایک پیغامبر کی تصدیق کرتے ہو، دوسروں کا انکار کر دیتے ہو، تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک ہی حقیقت کو ایک جگہ مان لیتے ہو، دوسری جگہ ٹھکرا دیتے ہو۔ یا ایک ہی بات کو مانتے بھی ہو، رد بھی کرتے ہو ظاہر ہے کہ ایسا ماننا، ماننا نہیں ہے بلکہ ایک زیادہ بُری قسم کا انکار ہے!

وہ کہتا ہے، خدا کی سچائی اُسکی ساری باتوں کی طرح، اُسکی عالمگیر بخشش ہے۔ وہ نہ تو کسی خاص نسل و

وابستہ کی جاسکتی ہے، نہ کسی خاص نسل و قوم سے، اور نہ ہی کسی خاص مذہبی گروہ بندی سے۔ تم نے اپنے لیے طرح طرح کی قومیتیں اور جغرافیائی اور نسلی حدبندیاں بنالی ہیں، لیکن تم خدا کی سچائی کیلیے کوئی ایسا امتیاز نہیں گھڑ سکتے۔ اُسکی نہ تو کوئی قومیت ہے، نہ نسل ہے، نہ جغرافیائی حدبندی ہے، نہ جماعتی حلقہ بندی۔ وہ خدا کے سورج کی طرح ہر جگہ چمکتی اور نوع انسانی کے ہر فرد کو روشنی بخشتی ہے۔ اگر تم خدا کی سچائی کی ڈھونڈھ میں ہو، تو اُسکو کسی ایک ہی گوشہ میں نہ ڈھونڈھو۔ وہ ہر جگہ نمودار ہوتی ہے، اور ہر عہد میں اپنا ظہور رکھتی ہے۔ تمھیں زمانوں کا، قوموں کا، وطنوں کا، زبانوں کا، اور طرح طرح کی گروہ بندیوں کا پرستار نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ صرف خدا کا اور اُسکی عالمگیر سچائی کا پرستار ہونا چاہیئے۔ اُسکی سچائی جہاں کہیں بھی آئی ہو اور جس بھیس میں بھی آئی ہو، تمھاری متاع ہے، اور تم اُسکے وارث ہو!

چنانچہ اُس نے جابجا "تفریق بین الرسل" کی راہ کو انکار کی راہ قرار دیا ہے، اور ایمان کی راہ یہ بتلائی ہے کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کیجائے۔ وہ کہتا ہے، یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں۔ تیسری نہیں ہوسکتی۔ ایمان کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو۔ انکار کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو۔ یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے!

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ	جو لوگ اللہ اور اُس کے پیغمبروں سے برگشتہ ہیں، اور چاہتے ہیں، اللہ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ	اور اُسکے رسولوں میں تفرقہ کریں (یعنی کسی کو خدا کا رسول مانیں کسی کو
وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ	نہ مانیں) اور کہتے ہیں، ان میں سے بعض کو ہم مانتے ہیں، بعض کا انکار
بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ	کرتے ہیں، اور پھر اس طرح چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی
ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ	تیسرا راستہ اختیار کریں، تو یقین کرو، یہی لوگ ہیں کہ اپنے کفر میں کوئی
حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا	شک نہیں۔ اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے، تو ان کے لیے رسوا کن
مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ	عذاب تیار ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ اور اُسکے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے
وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ	اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا (یعنی کسی ایک کی سچائی سے
سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ	بھی انکار نہیں کیا) تو بلا شبہ یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اللہ اُن کے
غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (۴ : ۱۴۹)	اجر عطا فرمائے گا، اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے!

سورۂ بقرہ میں جو سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی پہلی سورۃ ہے، سچے مومنوں کی راہ یہ بتلائی ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ	اور وہ لوگ جو اُس سچائی پر ایمان لائے جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی ہے
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ	اور ان تمام سچائیوں پر جو اُن سے پہلے (دنیا میں) نازل ہو چکی ہیں اور نیز

هُمْ يُوقِنُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲ : ۴)

آخرت کی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ٹھہرائی ہوئی ہدایت پر ہیں، اور یہی ہیں جنھوں نے فلاح پائی۔

وہ کہتا ہے، اگر تمھیں اس بات سے انکار نہیں کہ تمام کارخانۂ ہستی کا خالق ایک ہی خالق ہے اور اُسی کی پروردگاری یکساں طور پر ہر مخلوق کو پرورش کر رہی ہے، تو پھر تمھیں اس بات سے کیوں انکار ہو کہ اس کی روحانی سچائی کا قانون بھی ایک ہی ہے؟ اور وہ ایک ہی طرح پر تمام نوعِ انسانی کو دیا گیا ہے؟ وہ کہتا ہے، تم سب کا پروردگار ایک ہے، تم سب ایک ہی خدا کے نام لیوا ہو، تم سب کے رہنماؤں نے تمھیں ایک ہی راہ دکھلائی ہے۔ پھر یہ کیسی گمراہی کی انتہا اور عقل کی موت ہو کہ رشتہ ایک ہے، مقصد ایک ہے، راہ ایک ہے؛ لیکن ہر گروہ دوسرے گروہ کا دشمن ہے، اور ہر انسان دوسرے انسان سے متنفر۔ اور پھر یہ تمام جنگ و نزاع کس کے نام پر کی جا رہی ہے؟ اُسی خدا کے نام پر، اور اُسی خدا کے دین کے نام پر، جس نے سب کو ایک ہی چوکھٹ پر جھکایا تھا، اور سب کو ایک ہی رشتۂ اخوّت میں جکڑ دیا تھا؟

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ ○ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ○ (۵ : ۶۴)

ان لوگوں سے کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم جو ہماری مخالفت میں کمربستہ ہو گئے ہو، تو بتلاؤ، اس کے سوا ہمارا جرم کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہو چکا ہے، اُس پر ایمان رکھتے ہیں؟ پھر کیا خدا پرستی اور خدا کے رسولوں کی تصدیق تمہارے نزدیک جرم اور عیب ہے؟ افسوس تم پر! تم میں اکثر ایسے ہی ہیں جو راہِ حق سے یکسر برگشتہ ہیں!

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ (۱۹ : ۳۶)

دیکھو، خدا تو میرا اور تمہارا، دونوں کا پروردگار ہے، پس اُسی کی بندگی کرو۔ یہی دین کی سیدھی راہ ہے!

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ○ (۲ : ۱۳۹)

(اے پیغمبر ان سے) کہو، کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ حالانکہ ہمارا اور تمہارا، دونوں کا پروردگار وہی ہے۔ اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں، تمہارے لیے تمہارے اعمال (یعنی ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق نتیجہ ملنا ہے۔ پھر اس بارے میں جھگڑا کیوں ہو؟)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن میں جہاں کہیں اس طرح کے مخاطبات ہیں، جیسا کہ آیاتِ مندرجۂ صدر میں ہے: إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ۔ اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے۔ یا إِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ

دَاحِدٌ - ہمارا اور تمہارا، دونوں کا خدا ایک ہی ہے "یا اَتُحَاجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ وَلَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ" کیا تم خدا کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ ہمارا تمہارا، سب کا پروردگار وہی ہے اور ہمارے لیئے ہمارے عمل ہیں تمہارے لیئے تمہارے"۔ تو ان تمام مخاطبات سے مقصود اسی حقیقت پر زور دینا ہے۔ یعنی جب سب کا پروردگار ایک ہی ہے، اور ہر انسان کے لیئے ویسا ہی نتیجہ ہے جیسا اُسکا عمل ہے، تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ عالمگیر جنگ جدال کیوں برپا ہے؟ وہ بار بار کہتا ہے، میری تعلیم اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی کیطرف بلاتا ہوں۔ میں کسی مذہب کو نہیں جھٹلاتا، میں کسی رہنما سے انکار نہیں کرتا۔ "سب کی یکساں تصدیق" اور "سب کی مشترکہ اور متفقہ تعلیم" میرا دستور العمل ہے۔ پھر میرے خلاف تمام پیروانِ مذاہب نے کیوں اعلانِ جنگ کر دیا ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اُس نے کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ یا نیا اُصول قبول کر لے، بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے۔ وہ کہتا ہے، اگر تم نے ایسا کر لیا، تو میرا کام پورا ہو گیا، کیونکہ میرا پیام کوئی نیا پیام نہیں ہے، وہی قدیم اور عالمگیر پیام ہے جو تمام بانیانِ مذاہب دے چکے ہیں:

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ (۵: ۷۳)	اے اہلِ کتاب! جبتک تم تورات اور انجیل پر اور اُن تمام صحیفوں پر جو تم پر نازل ہوئے ہیں، ٹھیک ٹھیک کاربند نہ ہو جاؤ، اُس وقت تک تمہارے پاس دین میں سے کچھ بھی نہیں ہے، اور (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اسکے کہ یہ لوگ اُس سے ہدایت حاصل کریں تم دیکھوگے کہ) ان میں سے بہتوں کا کفر و طغیان اسکی وجہ سے اور زیادہ بڑھ جائیگا، تو جن لوگوں نے (راست بازی کی جگہ) انکارِ حق کی راہ اختیار کر لی ہو (وہ کبھی ماننے والے نہیں) تم انکی حالت پر بیکار کو غم نہ کھاؤ! جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں، جو یہودی ہیں، جو صابی ہیں، جو نصاریٰ ہیں، (یہ ہوں یا کوئی ہو، خدا کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اسکے عمل بھی نیک ہوں، تو اسکے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ کسی طرح کی غمگینی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اُن راست باز انسانوں کے ایمان و عمل کا پوری فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے، جو نزولِ قرآن کے وقت مختلف مذاہب میں موجود تھے، اور جنہوں نے اپنے مذہبوں کی حقیقی روح ضائع

نہیں کی تھی۔ البتہ وہ کہتا ہے، ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جنہوں نے دینِ الٰہی کی اعتقادی اور عملی حقیقت یک قلم ضائع کر دی ہے:

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

(۳: ۱۱۱)

یہ بات نہیں ہے کہ سب ایک ہی طرح کے ہوں۔ انہی اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اصل دین پر قائم ہیں۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں اور انکے سر اسکے سامنے جھکے ہوتے ہیں! وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نیکی کی راہوں میں تیز گام ہیں، اور بلاشبہ نیک انسانوں میں سے ہیں۔ اور (یاد رکھو) یہ لوگ جو کچھ بھی نیکی کرتے ہیں، تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اسکی قدر نہ کی جائے (اور وہ رائیگاں جائے) اللہ کے علم سے انسانوں کا حال مخفی نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے (کون نہیں ہے)!

مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝

(۵: ۷۱)

ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو میانہ رو ہیں، لیکن بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے کہ جو کچھ بھی کرتے ہیں، بہت ہی برا کرتے ہیں!

یہ جو قرآن جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جھٹلانے والا نہیں ہے، اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے: وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (۲: ۳۸) اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے، تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر بھی زور دینا ہے۔ یعنی جب میری تعلیم تمہارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہیں کرتی، اور نہ ان سے تمھیں منحرف کرانا چاہتی ہے، بلکہ سرتاسر انکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہو؟ کیوں تم میرے خلاف اعلانِ جنگ کر دو؟

اور پھر یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، اس نے نیکی کے لیے "معروف" کا اور برائی کے لیے "منکر" کا لفظ اختیار کیا ہے۔ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ (۳۱: ۱۶) معروف "عرف" سے ہے، جس کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ پس "معروف" وہ بات ہوئی جو جانی پہچانی ہوئی بات ہو۔ "منکر" کے معنی انکار کرنے کے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے عام طور پر انکار کیا گیا ہو۔ پس قرآن نے نیکی اور برائی کے لیے یہ الفاظ اسلیے اختیار کیے کہ وہ کہتا ہے، دنیا میں عقائد و افکار کا کتنا ہی اختلاف ہو لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں

جن کے اچھے ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور کچھ باتیں ایسی ہیں، جنکے برے ہونے پر سب متفق ہیں۔ مثلاً اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے۔ جھوٹ بولنا برا ہے۔ اسمیں سب کا اتفاق ہے کہ دیانت داری اچھی بات ہے۔ بددیانتی برائی ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ماں باپ کی خدمت، ہمسایے سے سلوک، مسکینوں کی خبرگیری، مظلوم کی دادرسی، انسان کے اچھے اعمال ہیں، اور ظلم اور بدسلوکی برے اعمال ہیں۔ گویا یہ وہ باتیں ہوئیں، جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے، اور جنکے خلاف جانا عام طور پر قابل انکار و اعتراض ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب، دنیا کے تمام اخلاق، دنیا کی تمام حکمتیں، دنیا کی تمام جماعتیں دوسری باتوں میں کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں، لیکن جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے، سب ہم آہنگ و ہم رائے ہیں!

قرآن کہتا ہے، یہ اعمال جن کی اچھائی عام طور پر نوع انسانی نے جانی بوجھی ہوئی ہے، دین الٰہی کے مطلوبہ اعمال ہیں۔ اسی طرح وہ اعمال جن سے عام طور پر انکار کیا گیا ہے، اور جن کی برائی پر تمام مذاہب متفق ہیں، دین الٰہی کے ممنوعہ اعمال ہیں۔ یہ بات چونکہ دین کی اصل حقیقت تھی، اسلئے اسمیں اختلاف نہ ہوسکا، اور مذہبی گروہوں کی بے شمار گمراہیوں اور حقیقت فراموشیوں پر بھی ہمیشہ معلوم و مسلم رہی۔ ان اعمال کی اچھائی اور برائی پر نوع انسانی کے تمام عہدوں، تمام مذہبوں، اور تمام قوموں کا عالمگیر اتفاق، اُن کی الہامی اصلیت پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ پس جہاں تک اعمال کا تعلق ہے، میں انہی باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہوں، جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے۔ اور انہی باتوں سے روکتا ہوں جن سے عام طور پر نوع انسانی نے انکار کیا ہے۔ یعنی میں **معروف** کا حکم دیتا ہوں **منکر** سے روکتا ہوں۔ پس جب میری دعوت کا یہ حال ہے، تو پھر کسی انسان کو بھی جسے نیکی اور راستی سے اختلاف نہیں، کیوں مجھ سے اختلاف ہو؟

وہ کہتا ہے، یہی راہ عمل، نوع انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے، اور فطرت کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی "**الدّین القیّم**" ہے۔ یعنی سیدھا اور درست دین جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں۔ یہی "دین حنیف" ہے جس کی دعوت حضرت ابراہیم نے دی تھی۔ اسی کا نام میری اصطلاح میں "**الاسلام**" ہے۔ یعنی خدا کے ٹھہرائے قوانین کی فرمانبرداری:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ	دین کی راہ میں ہر طرف سے منہ پھیر کر صرف ایک خدا ہی کی طرف رخ کرلو
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ	یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اُس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بناوٹ کیلئے
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ	کبھی تبدیلی نہیں۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو

الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

(۳۰ : ۳۰-۳۱-۳۲)

نہیں جانتے۔ (دیکھو) اُسی (ایک خدا) کی طرف متوجہ رہو۔ اُس کی نافرمانی سے بچو، نماز قائم کرو، اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے جدا جدا گروہ بندیاں کر لیں۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے، وہ اسی میں مگن ہے!

وہ کہتا ہے، خدا کا ٹھہرایا ہوا دین جو کچھ ہے وہ یہی ہے۔ اِسکے سوا جو کچھ بنا لیا گیا ہے' وہ انسانی گروہ بندیوں کی گمراہیاں ہیں۔ پس اگر تم خدا پرستی کی اصل پر جو تم سب کے یہاں اصل دین ہے، جمع ہو جاؤ، اور خود ساختہ گمراہیوں سے باز آجاؤ، تو میرا مقصد پورا ہو گیا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝

(۳ : ۱۸-۱۹)

اللہ کے نزدیک دین ایک ہی ہے، اور وہ الاسلام ہے، اور یہ جو اہل کتاب نے اختلاف کیا (اور ایک دین پر مجتمع رہنے کی جگہ یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیوں میں بٹ گئے) تو یہ اسلئے ہوا کہ اگرچہ علم و حقیقت کی راہ اُن پر کھل چکی تھی، لیکن آپس کی ضد اور سرکشی سے اختلاف میں پڑ گئے۔ اور (یاد رکھو) جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے، تو اللہ (کا قانونِ مکافات بھی) حساب لینے میں سست رفتار نہیں! پھر اگر یہ لوگ تم سے اس بارے میں جھگڑا کریں، تو تم اُن سے کہو، میری اور میرے پیروؤں کی راہ تو یہ ہے کہ اللہ کے آگے سرِ اطاعت جھکا دینا، اور ہم نے سر جھکا دیا ہے۔ پھر اہل کتاب سے اور اَن پڑھ لوگوں سے (یعنی مشرکین عرب سے) پوچھو، تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ (یعنی ساری باتیں جھگڑے کی چھوڑ دو، یہ بتاؤ تمہیں خدا پرستی منظور ہے یا نہیں؟) اگر وہ جھک گئے تو (سارا جھگڑا ختم ہو گیا اور) انہوں نے راہ پالی، اگر روگردانی کریں، تو (پھر جن لوگوں کو خدا پرستی کی ایسی کھلی بات سے بھی انکار ہو، اُنسے بحث و نزاع کیا مفید ہو سکتی ہے؟) تمہارے ذمہ جو کچھ ہے وہ یہی ہے کہ پیامِ حق پہنچا دو۔ (باقی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو) اللہ کی نظروں سے بندوں کا حال پوشیدہ نہیں!

اُس نے دین کے لیے الاسلام کا لفظ اسی لیے اختیار کیا ہے کہ "اسلام" کے معنی کسی بات کے مان لینے اور فرماں برداری کرنے کے ہیں۔ وہ کہتا ہے دین کی حقیقت یہی ہے کہ خدا نے جو قانونِ سعادت انسان کے لیے ٹھہرا دیا ہے، اُس کی ٹھیک ٹھیک اطاعت کی جائے۔ وہ کہتا ہے، یہ کچھ انسان ہی کے لیے نہیں ہے، بلکہ تمام کائناتِ ہستی اسی اصل پر قائم ہے۔ سب کے بقا و قیام کے لیے خدا نے کوئی نہ کوئی قانونِ عمل ٹھہرا دیا ہے، اور سب اُس کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی روگردانی کریں، تو تمام کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جائے:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ	پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں، اللہ کا ٹھہرایا ہوا دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین
اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	ڈھونڈھ نکالیں، حالانکہ آسمان اور زمین میں جس قدر بھی مخلوق ہے
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝	سب چار و ناچار اُسی کے (ٹھہرائے ہوئے قانونِ عمل کے) آگے جھکی
(۳ : ۸۲)	ہوئی ہے اور (بالآخر) سب کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے!

وہ جب کہتا ہے، "الاسلام" کے سوا کوئی دین اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، تو اُس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دینِ حقیقی کے سوا، جو ایک ہی ہے اور تمام رسولوں کی مشترک تعلیم ہے، انسانی ساخت کی کوئی گروہ بندی مقبول نہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں جہاں یہ بات بیان کی ہے کہ دینِ حقیقی کی راہ تمام مذہبی رہنماؤں کی تصدیق اور پیروی کی راہ ہے، وہیں متصلاً یہ بھی کہہ دیا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا	اور جو کوئی اسلام کے سوا (جو عالمگیر سچائی اور تصدیق کی راہ ہے)
فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ	کوئی دوسرا دین چاہے گا، تو یاد رکھو، اُس کی راہ کبھی قبول نہ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝	کی جائے گی، اور وہ آخرت میں دیکھے گا کہ اُس کی جگہ کمانے والوں میں
(۳ : ۸۴)	نہیں بلکہ نقصان اٹھانے والوں میں ہے!

اور اسی لیے وہ تمام پیروانِ دعوت کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ دین میں تفرقہ اور گروہ بندی سے بچیں، اور اُسی گمراہی میں پھر مبتلا نہ ہو جائیں جس سے قرآن نے نجات دلائی ہے۔ وہ کہتا ہے میری دعوت نے تمام انسانوں کو جو مذہب کے نام پر ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، خدا پرستی کی راہ میں اس طرح جوڑ دیا، کہ ایک دوسرے کے جاں نثار بھائی بن گئے۔ ایک یہودی جو پہلے حضرت مسیح کا نام سنتے ہی نفرت سے بھر جاتا تھا، ایک عیسائی جو ہر یہودی کے خون کا پیاسا تھا، ایک مجوسی جس کے نزدیک تمام غیر مجوسی ناپاک تھے، ایک عرب جو اپنے سوا سب کو انسانی شرف و محاسن سے تہی دست سمجھتا تھا، ایک صابی جو یقین کرتا تھا کہ دنیا کی قدیم سچائی صرف اُسی کے حصے میں آئی ہے؛ ان سب کو دعوتِ قرآنی نے

ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے، اور اب یہ سب ایک دوسرے سے نفرت کرنے کی جگہ، ایک دوسرے کے مذہبی رہنماؤں کی تصدیق کرتے، اور سب کی بتلائی ہوئی متفقہ راہِ ہدایت پر گامزن ہیں:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ص وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ط كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

(۳ : ۹۸)

اور (دیکھو) سب مل جُل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑ لو، اور جدا جدا نہ ہو، اللہ نے تم پر جو فضل و کرم کیا ہے، اُسے یاد کرو۔ تمہارا حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں باہمدگر الفت پیدا کر دی، اور پھر ایسا ہوا کہ بھائی بھائی ہو گئے! اور (دیکھو) تمہارا تو یہ حال تھا، گویا آگ سے بھرا ہوا ایک گڑھا ہے اور اُس کے کنارے کھڑے ہو، لیکن اللہ نے تمہیں اس مصیبت سے بچا لیا (اور زندگی و کامرانی کی شاہ راہ پر پہنچا دیا) اللہ اسی طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں تم پر واضح کرتا ہے، تاکہ ہدایت پاؤ (اور گمراہی سے محفوظ رہو)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ط وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

(۳ : ۱۰۱)

اور (دیکھو) اُن لوگوں کی سی چال اختیار نہ کر لینا جو (ایک دین پر قائم رہنے کی جگہ) جدا جدا ہو گئے اور اختلافات میں پڑ گئے، باوجودیکہ روشن دلیلیں اُن کے سامنے آ چکی تھیں (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے (کامیابی و فلاح کی جگہ) بڑا (بھاری) عذاب ہے!

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ط ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(۶ : ۱۵۵)

اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے، بالکل سیدھی راہ۔ پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی۔ یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو۔

قرآن اور اُس کے مخالفوں میں بنائے نزاع

اب چند لمحوں کے لیے اُس نزاع پر غور کرو جو قرآن اور اُس کے مخالفوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ مخالف کون تھے؟ پچھلے مذاہب کے پیرو تھے۔ جن میں سے بعض کے پاس کتاب تھی، بعض کے پاس نہ تھی۔

اچھا، بنائے نزاع کیا تھی؟

کیا یہ تھی کہ قرآن نے اُن کے بانیوں اور رہنماؤں کو جھٹلایا تھا، یا اُن کی مقدس کتابوں سے انکار

کیا تھا؟ اور اس لیے وہ اسکی مخالفت میں کمربستہ ہو گئے تھے؟

کیا یہ تھی کہ اُس نے دعویٰ کیا تھا: خدا کی سچائی صرف میرے ہی حصہ میں آئی ہے اور تمام پیروانِ مذاہب کو چاہیئے، اپنے اپنے مذہبوں کی دعوت سے برگشتہ ہو جائیں؟

یا پھر اُس نے دین کے نام سے کوئی ایسی بات پیش کر دی تھی جو پیروانِ مذاہب کیلیے بالکل نئی بات تھی، اور اسلیئے قدرتی طور پر اُنھیں ماننے میں تامل تھا؟

قرآن کے صفحے کھلے ہوئے ہیں، اور اسکے نزول کی تاریخ بھی دنیا کے سامنے ہے۔ یہ دونوں ہمیں بتلاتے ہیں کہ اِن تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ تھی، اور نہ ہو سکتی تھی۔ اُس نے نہ صرف اُن تمام رہنماؤں کی تصدیق کی جنکے نام لیوا اُسکے سامنے تھے، بلکہ صاف صاف لفظوں میں کہدیا، مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول اور مذاہب کے بانی آچکے ہیں، میں سب کی تصدیق کرتا ہوں، اور اُن میں سے کسی ایک کے انکار کو بھی خدا کی سچائی کا انکار سمجھتا ہوں۔ اُس نے کسی مذہب کے ماننے والے سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے مذہب کی رہنمائی سے انکار کر دے، بلکہ جب کبھی مطالبہ کیا تو یہی کیا کہ اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جاؤ کیونکہ تمام مذہبوں کی اصل تعلیم ایک ہی ہے۔ اُس نے نہ تو کوئی نیا اصول پیش کیا، نہ کوئی نیا عمل بتلایا۔ اُس نے ہمیشہ اُنہیں باتوں پر زور دیا جو دنیا کے تمام مذاہب کی سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی باتیں رہی ہیں۔ یعنی ایک پروردگارِ عالم کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی! اُس نے جب کبھی لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی ہے تو یہی کہا ہے، اپنے اپنے مذہبوں کی حقیقی تعلیم از سرِ نو تازہ کر لو۔ تمہارا ایسا کرنا ہی مجھے قبول کر لینا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب قرآن کی دعوت کا یہ حال تھا، تو پھر آخر اُسمیں اور اُسکے مخالفوں میں وجہ نزاع کیا تھی؟ ایک شخص جو کسی کو بُرا نہیں کہتا۔ سب کو مانتا اور سب کی تعظیم کرتا ہے، اور ہمیشہ اُنہی باتوں کی تلقین کرتا ہے جو سب کے یہاں مانی ہوئی ہیں، کوئی اُس سے لڑے تو کیوں لڑے؟ اور کیوں کسی کو اُس کا ساتھ دینے سے انکار ہو؟

کہا جا سکتا ہے کہ قریشِ مکہ کی مخالفت اس بنا پر تھی کہ قرآن نے بُت پرستی سے انکار کر دیا تھا اور وہ بُت پرستی کے طریقوں سے مالوف ہو چکے تھے۔ بلاشبہ ایک وجہ نزاع یہ بھی ہے، لیکن صرف یہی وجہ نزاع نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ ہے کہ یہودیوں نے کیوں مخالفت کی جو بُت پرستی سے قطعاً کنارہ کش تھے۔ عیسائی کیوں برسرِ پیکار ہو گئے جنہوں نے کبھی بُت پرستی کی حمایت کا دعویٰ نہیں کیا؟

اصل یہ ہے کہ پیروانِ مذاہب کی مخالفت اسلیئے نہ تھی کہ وہ اُنہیں جھٹلاتا کیوں ہے۔ بلکہ اسلیئے تھی کہ جھٹلاتا کیوں نہیں؟ ہر مذہب کا پیرو چاہتا تھا کہ وہ صرف اُسی کو سچا کہے۔ باقی سب کو جھٹلائے۔ اور چونکہ وہ

یکساں طور پر سب کی تصدیق کرتا تھا، اسلیئے کوئی بھی اُس سے خوش نہیں ہو سکتا تھا۔ یہودی اس بات سے تو بہت خوش تھے کہ قرآن حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ حضرت مسیحؑ کی بھی تصدیق کرتا تھا، اور یہیں آکر اسمیں اور یہودیوں میں نزاع شروع ہو جاتی تھی۔ عیسائیوں کو اسپر کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کی پاکی و صداقت کا اعلان کیا جائے؟ لیکن قرآن صرف اتنا ہی نہیں کرتا تھا، وہ یہ بھی کہتا تھا کہ نجات کا دارو مدار عمل پر ہے نہ کہ کفارہ اور اصطباغ پر، اور قانونِ نجات کی یہ عالمگیر وسعت عیسائی کلیسا کے لیئے ناقابلِ برداشت تھی۔

اسی طرح قریشِ مکہ کے لیئے اس سے بڑھکر کوئی دلخوش کن صدا نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بزرگی کا اعتراف کیا جائے، لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن جس طرح ان دونوں کی بزرگی کا اعتراف کرتا ہے، اُسی طرح یہودیوں کے پیغمبروں اور عیسائیوں کے داعی کا بھی معترف ہے، تو اُن کے نسلی اور جاہلی غرور کو ٹھیس لگتی تھی۔ وہ کہتے تھے، ایسے لوگ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پیرو کیونکر ہو سکتے ہیں، جو انکی بزرگی اور صداقت کی صف میں دوسروں کو بھی لا کھڑا کرتے ہیں؟

مختصراً یوں سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کے تین اصول ایسے تھے، جو اُس میں اور تمام پیروانِ مذاہب میں وجہ نزاع ہو گئے:

(۱) وہ مذہبی گروہ بندی کی روح کا مخالف تھا، اور دین کی وحدت یعنی ایک ہونے کا اعلان کرتا تھا۔ اگر پیروانِ مذاہب یہ مان لیتے، تو اُنہیں تسلیم کر لینا پڑتا کہ دین کی سچائی کسی ایک ہی گروہ کے حصہ میں نہیں آئی ہے۔ سب کو یکساں طور پر ملی ہے، لیکن یہی ماننا اُنکی گروہ پرستی پر شاق گزرتا تھا۔

(۲) قرآن کہتا تھا، نجات اور سعادت کا دارو مدار عمل پر ہے۔ نسل، قوم، گروہ بندی اور ظاہری رسم و ریت پر نہیں ہے۔ اگر یہ اصل وہ تسلیم کر لیتے، تو پھر نجات کا دروازہ بلا امتیاز، تمام نوعِ انسانی پر کھل جاتا، اور کسی ایک مذہبی حلقہ کی ٹھیکیداری باقی نہ رہتی، لیکن اس بات کے لیئے اُن میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا۔

(۳) وہ کہتا تھا، اصل دین خدا پرستی ہے، اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک خدا کی براہ راست پرستش کی جائے، لیکن دنیا کے تمام مذہبی گروہوں نے کسی نہ کسی شکل میں شرک و بت پرستی کے طریقے اختیار کر لیے تھے۔ اور گو انہیں اس سے انکار نہ تھا کہ اصل دین خدا پرستی ہی ہے اور خدا ایک ہی ہے۔ لیکن یہ

بات شاق گزرتی تھی کہ اپنے مالوف و معتاد طریقوں سے دست بردار ہو جائیں۔

خلاصۂ بحث

متذکرۂ صدر تفصیلات کا ماحصل حسبِ ذیل دفعات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) نزولِ قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں، خاندانوں، اور قبیلوں کی معاشرتی حدبندیوں کی طرح، مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی۔ ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا، دین کی سچائی صرف اسی کے حصہ میں آئی ہے۔ جو انسان اس کی مذہبی حدبندی میں داخل ہے، نجات یافتہ ہے، جو داخل نہیں ہے، نجات سے محروم ہے۔

(۲) ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل و حقیقت محض اسکے ظاہری اعمال و رسوم تھے۔ جونہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا، یقین کیا جاتا کہ نجات و سعادت اسے حاصل ہو گئی۔ مثلاً عبادت کی شکل و طریقہ، قربانیوں کے رسوم و عوائد، کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع و قطع کا اختیار کرنا یا نہ کرنا۔

(۳) چونکہ یہ اعمال و رسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے۔ اسلیئے ہر مذہب کا پیرو یقین کرتا تھا کہ دوسرا مذہب مذہبی صداقت سے خالی ہے۔ کیونکہ اسکے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں، جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔

(۴) ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے، بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہتا کہ اپنی سچائی کا اعلان کرے، بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتا کہ دوسروں کے خلاف تعصب و نفرت پھیلائے۔ اس صورتِ حال نے نوع انسانی کو باہمی جنگ و جدال کی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مذہب اور خدا کے نام پر ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرتا اور اسکا خون بہانا جائز سمجھتا۔

(۵) لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا:

(الف) اس نے نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے، بلکہ صاف صاف کہدیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اس نے کہا کہ دین خدا کی عام بخشش ہے، اس لیئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو، اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(ب) اس نے کہا، خدا کے تمام قوانینِ فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے، اور سب کے لیئے ہے۔ پس پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی

یہ ہے کہ انہوں نے دینِ الٰہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں، اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔

(ج) اُس نے بتلایا کہ خدا کا دین اسلیئے تھا کہ نوعِ انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو۔ اس لیئے نہ تھا کہ تفرقہ و نزاع کی ایک علّت بن جائے۔ پس اس سے بڑھ کر گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دور کرنیکے لیے آئی تھی، اُسی کو تفرقہ کی بنیاد بنا لیا ہے؟

(د) اُس نے بتلایا کہ ایک چیز دین ہے۔ ایک شرع و منہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے، اور ایک ہی طرح پر سب کو دیا گیا ہے۔ البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا، اور یہ اختلاف ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی، اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو، ویسے ہی احکام و اعمال اُسکے لیئے اختیار کیئے جائیں۔ پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے۔ تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے۔ محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

(ھ) اُس نے بتلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور اُنکے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ جو انسان بھی ایمان اور نیک عملی کی راہ اختیار کرے گا، اُسکے لیئے نجات ہے، خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

(و) اُس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اُسکی دعوت کا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی مشترک اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے، تمام مذاہب سچے ہیں، لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کر لیں، تو میرا کام پورا ہو گیا اور اُنہوں نے مجھے قبول کر لیا۔ تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ "اَلدِّین" اور "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے۔

(ز) وہ کہتا ہے، خدا کا دین اسلیئے نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے

نفرت کرے، بلکہ اسلیئے ہے کہ ہر انسان دوسرے سے محبت کرے، اور سب ایک ہی پروردگار کے رشتہ عبودیت میں بندھ کر ایک ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے، جب سب کا پروردگار ایک ہے، جب سب کا مقصود اسی کی بندگی ہے، جب ہر انسان کیلیئے وہی ہونا ہے، جیسا اُس کا عمل ہے، تو پھر خدا اور مذہب کے نام پر یہ تمام جنگ نزاع کیوں ہے؟

(۶) مذاہب عالم کا اختلاف صرف اختلاف ہی کی حد تک نہیں رہا ہے، بلکہ باہمی نفرت و مخاصمت کا ذریعہ بن گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مخاصمت کیونکر دور ہو؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام پیروان مذاہب اپنے دعوے میں سچے مان لیے جائیں، کیونکہ ہر مذہب کا پیرو صرف اسی بات کا مدعی نہیں ہے کہ وہ سچا ہے بلکہ اسکا بھی مدعی ہے کہ دوسرے جھوٹے ہیں۔ پس اگر انکے دعاوی مان لیئے جائیں تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہر مذہب بہ یک وقت سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو جھوٹا قرار دیا جائے کیونکہ اگر تمام مذاہب جھوٹے ہیں تو پھر مذہب کی سچائی ہے کہاں؟ پس اگر کوئی صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے، تو وہ وہی ہے جس کی دعوت لیکر قرآن نمودار ہوا ہے۔ تمام مذاہب سچے ہیں کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور وہ سب کو دیا گیا ہے، لیکن تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کر دی ہے، اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں۔ اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آجائیں، اور اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائیں، تو مذاہب کی تمام نزاعات ختم ہو جائیں گی۔ ہر گروہ دیکھ لیگا کہ اُسکی راہ بھی اصلاً وہی ہے، جو اور تمام گروہوں کی راہ ہے۔ قرآن کہتا ہے، تمام مذاہب کی یہی مشترک اور متفقہ حقیقت، "الدّین" ہے۔ یعنی نوع انسانی کے لیئے حقیقی دین، اور اسی کو وہ "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہے!

(۷) نوع انسانی کی باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہو سکتے تھے، سب انسان کے ہاتھوں ٹوٹ چکے۔ سب کی نسل ایک تھی، مگر ہزاروں نسلیں ہو گئیں۔ سب کی قومیت ایک تھی، مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں۔ سب کی وطنیت ایک تھی، لیکن سیکڑوں وطنیتوں میں بٹ گئے۔ سب کا درجہ ایک تھا، لیکن امیر و فقیر، شریف و وضیع، اور ادنیٰ و اعلیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرا لیئے گئے۔ ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آ سکتا ہے اور تمام انسان ایک ہی صف میں کھڑے ہو جا سکتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا پرستی کا رشتہ۔ یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر دے سکتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اسی ایک کی چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں ایک ایسی یگانگت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے، کہ ممکن نہیں انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اُسپر غالب آسکیں۔

صراطِ مستقیم

چنانچہ اسی بنا پر سورۂ فاتحہ میں جس دعا کی تلقین کی گئی، وہ "صراطِ مستقیم" پر چلنے کی طلبگاری ہے۔ "صراط" کے معنی راہ کے ہیں، اور "مستقیم" کے سیدھا ہونے کے۔ پس "صراطِ مستقیم" ایسی راہ ہوئی جو سیدھی ہو۔ کسی طرح کا پیچ و خم نہ ہو۔ پھر اس راہ کی پہچان یہ بتلائی کہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ٥ یعنی اُن لوگوں کی راہ جن پر خدا کا انعام ہوا۔ اُن کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے، نہ اُن کی جو گمراہ ہیں۔

یہ انعام یافتہ انسان کون ہیں جن کی راہ سیدھی راہ ہوئی؟ قرآن نے جا بجا واضح کیا ہے کہ خدا کے تمام رسول اور راست باز انسان جو دنیا کے مختلف عہدوں اور گوشوں میں گزر چکے ہیں، انعام یافتہ انسان ہیں، اور انہیں کی راہ صراطِ مستقیم ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ	اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، تو بلاشبہ وہ اُن
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ	لوگوں کا ساتھی ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ اور یہ انعام
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ	یافتہ جماعت نبیوں کی ہے، صدیقوں کی ہے، شہدا کی ہے،
وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَ	نیک عمل انسانوں کی ہے، اور (جسکے ساتھی ایسے لوگ ہوں تو) کیا ہی
حَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ٥ (۴: ۷۰)	اچھی اُسکی رفاقت ہے!

اِس آیت میں بالترتیب چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اُنہیں انعام یافتہ قرار دیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ "انبیاء" سے مقصود خدا کی سچائی کے تمام پیغامبر ہیں جو نوعِ انسانی کی ہدایت کیلئے پیدا ہوئے۔ "صدیق" سے مقصود ایسے انسان ہیں جو کامل معنوں میں سچے ہوں۔ یعنی اُنکی فطرت سچائی کے سانچے میں کچھ اس طرح ڈھلی ہوئی ہو کہ سچائی کے خلاف کوئی بات اُس میں اتر ہی نہ سکے۔ "شہید" کے معنی گواہ کے ہیں۔ یعنی ایسے انسان جو اپنے قول و فعل سے حق و صداقت کا اعلان کرنے والے ہوں۔ "صالحین" سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو نیک عملی کی راہ میں استقامت رکھیں، اور برائی کی راہوں سے کنارہ کش ہوں۔ پس معلوم ہوا، انعام یافتہ انسانوں سے مقصود دنیا کے تمام رسول اور داعیانِ حق ہیں جو قرآن کے نزول سے پہلے دنیا میں پیدا ہو چکے تھے، اور تمام راست باز انسان ہیں جو نوعِ انسانی میں گزر چکے تھے۔ اِسمیں نہ تو کسی خاص نسل و قوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے، نہ کسی خاص مذہب اور اُسکے پیروؤں کی۔ دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہداء حق، تمام صالح انسان، خواہ کسی ملک و قوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک انعام یافتہ انسان ہیں، اور اُنہی کی راہ "صراطِ مستقیم" ہے۔

خدا کے اِن تمام رسولوں اور نوعِ انسانی کے راست باز افراد کی راہ کونسی راہ تھی ؟ وہی راہ جسے قرآن دینِ حقیقی کی راہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، دنیا میں جسقدر بھی سچائی کے داعی آئے، سب نے یہی تعلیم دی کہ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ! "خدا کا ایک ہی دین قائم رکھو، اور اس راہ میں جُدا جُدا نہ ہو جاؤ۔" یہی راہ سچائی کی سیدھی راہ ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا دینِ حقیقی کو صراطِ مستقیم سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں پیغمبرِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے، تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنیوالے ہو، اور صراطِ مستقیم ہی صراط اللہ ہے۔ یعنی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی راہِ عمل:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ (۴۲ : ۵۳)	اور (اے پیغمبر) بلاشبہ تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو، صراط اللہ یعنی اللہ کی راہ کی طرف۔ وہ اللہ، کہ آسمان زمین میں جو کچھ ہے سب اُسی کا ہے۔ ہاں، یاد رکھو، (کائنات خلقت کے) تمام کاموں کا مرجع اُسی کی ذات ہے!

اِسی طرح وہ جا بجا کہتا ہے کہ خدا کے تمام رسولوں کی دعوت صراطِ مستقیم کی دعوت تھی۔ سورۂ نحل میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نسبت ہے: وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۱۶ : ۱۲۱) سورۂ زخرف میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کی زبانی سُنتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۴۳ : ۶۴) سورۂ انعام میں پہلے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا ہے، پھر سلسلۂ ابراہیمی کے بہت سے نبیوں کا جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں، خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے، اِسکے بعد کہا ہے: وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۶ : ۸۷)

اصل یہ ہے کہ خدا کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیے صراطِ مستقیم سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی تھی۔ تم کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہیں نکال لو، لیکن سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہی ہوگی، اور اسی پر چلکر ہر مسافر منزلِ مقصود تک بحفاظت و امن پہنچ سکے گا۔ علاوہ بریں، سیدھی راہ ہی ہمیشہ شاہراہِ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ تمام مسافر خواہ کسی گوشہ کے رہنے والے ہوں، لیکن سب مل جُلکر وہی راہ اختیار کرینگے، اور کبھی یہ نہ کرینگے کہ الگ الگ ٹولیاں بناکر ٹیڑھی ترچھی راہوں میں متفرق ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح دین کی سیدھی راہ بھی ایک ہی ہے، بہت سی نہیں ہو سکتیں، اور وہ اوّل دن سے موجود ہے۔ ہر عہد، ہر قوم، ہر ملک، اور ہر گروہ اُسی پر چلکر منزلِ مقصود تک پہنچا ہے: بعد کو پیروانِ مذاہب نے ایسا کیا کہ بہت سی ٹیڑھی ترچھی راہیں نکال لیں، اور ایک راہ پر متفق رہنے کی

جگہ، الگ الگ ٹولیاں بناکر متفرق ہوگئے۔ وہ کہتا ہے، اب اگر تم چاہتے ہو کہ منزل مقصود کا سراغ پاؤ، تو چاہیے کہ اُسی سیدھی راہ پر اکٹھے ہو جاؤ۔ فھو طریقًا مستقیمًا، سھلًا، مسلوکًا، واسعًا، موصلًا الی المقصود!

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا	اور (دیکھو) یہ میری راہ ہے۔ بالکل سیدھی راہ۔ پس اسی ایک راہ
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ	پر چلو اور طرح طرح کے رستوں کے پیچھے نہ پڑو۔ وہ تمہیں خدا کی سیدھی
بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ	راہ سے ہٹاکر، جُدا جُدا کردیں گے۔ یہی بات ہے جس کا خدا تمہیں حکم دیتا
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۴)	ہے تاکہ (اُسکی نافرمانی سے) بچو!

چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب "صراطِ مستقیم" کی اُس تفسیر پر نظر ڈالی جائے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہے:

عن ابن مسعود رض قال خطلنا	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا، یوں
خطا بیدہ ثم قال ھذا سبیل	سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے۔ بالکل سیدھا! اسکے
اللہ مستقیمًا ثم خط خطوطًا	بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں،
عن یمین ذٰلک الخط وعن شمالہ	اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لیئے گئے ہیں، اور
ثم قال وھذہ السبل لیس منھا	ان میں کوئی رستہ نہیں جس کی طرف بلانے کیلئے ایک شیطان
سبیل الا علیہ شیطان یدعوا	موجود نہ ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا
الیہ ثم قرأ ھذہ الآیۃ (اخرجہ	الیٰ آخرہٖ۔
النسائی واحمد والبزاز وابن	
المنذر وابو الشیخ والحاکم وصححہ)	

اِس سے معلوم ہوا، تمام اِدھر اُدھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے "سُبُلِ متفرقہ" ہیں جو جمعیت بشری کو متحد کرنے کی جگہ متفرق کر دیتے ہیں، اور درمیان کی ایک ہی سیدھی راہ "صراطِ مستقیم" ہے۔ یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروانِ منزل کو ایک ہی شاہراہ پر جمع کر دیتی ہے!

یہ سُبُلِ متفرقہ کیا ہیں؟ اُسی گمراہی کا نتیجہ ہیں، جسے قرآن نے "تشیّع" اور "تحزّب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے، اور تشریح اسکی اوپر گزر چکی۔

دینِ حقیقی کی راہ کا سیدھا ہونا، اور "سُبُلِ متفرقہ" یعنی خود ساختہ گروہ بندیوں کی راہوں کا

پُرپیچ وخم ہونا، ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر انسان بغیر کسی عقلی کاوش کے سمجھ لے سکتا ہے۔ خدا کا دین اگر انسان کی ہدایت کیلئے ہے تو ضروری ہے کہ خدا کے تمام قوانین کی طرح یہ بھی صاف اور واضح ہو۔ اس میں کوئی راز نہ ہو، کوئی پیچیدگی نہ ہو، ناقابلِ حل معمّا نہ ہو۔ اعتقاد میں سہل ہو اور عمل میں ہلکا۔ ہر عقل اُسے بُوجھ لے۔ اور ہر طبیعت اُس پر مطمئن ہو جائے۔ اچھا، اب غور کرو، یہ تعریف کس راہ پر صادق آتی ہے؟ اُن مختلف راہوں پر جو پیروانِ مذاہب نے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے نکال لی ہیں یا اُس ایک ہی راہ پر جسے قرآن اصل دین کی راہ بتلاتا ہے؟ ان گروہ بندیوں میں سے کوئی گروہ بندی بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے بوجھل عقیدوں، ناقابلِ فہم عُقدوں، اور ناقابلِ برداشت عملوں کی ایک طول طویل فہرست نہ رکھتی ہو۔ ہم یہاں تفصیلات میں نہیں جائینگے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے تمام پیروان مذاہب کے مزعومہ عقائد و اعمال کا کیا حال ہے، اور اُن کی نوعیت کیسی ہے؟ مذہب کا عقل کیلئے معمّا اور طبیعت کے لیئے بوجھ ہونا، ایک ایسی بات ہو جو عام طور پر مذاہب کا خاصّہ تسلیم کر لی گئی ہے لیکن قرآن جس راہ کو دینِ حقیقی کی راہ کہتا ہے، اُس کا کیا حال ہے؟ اُسکی راہ تو اتنی واضح اتنی نیک اتنی سہل، اتنی مختصر ہے، کہ عقائد و اعمال کی پوری فہرست صرف دو لفظوں میں ختم کر دی جاسکتی ہے ایمان اور عملِ صالح یعنی خدا پرستی اور نیک عملی۔ اُسکے عقائد میں عقل کے لیئے کوئی بوجھ نہیں اسکے اعمال میں طبیعت کیلئے کوئی سختی نہیں۔ ہر طرح کے پیچ وخم سے پاک۔ ہر بستی میں اعتقاد و عمل کی سیدھی سے سیدھی بات۔ حنیفیة السمحة، لیلها کنهارها! اُسکی رات بھی اُسکے دن کی طرح روشن ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا — ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیئے ہو جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی طرح کی بھی کجی نہ رکھی۔

(۱۸ : ۱)

بہر حال، قرآن کا پیرو وہ ہے جو دین کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہے۔ وہ راہ نہیں جو کسی خاص گروہ، کسی خاص نسل، کسی خاص قوم، کسی خاص عہد کی راہ ہے، بلکہ خدا کی عالمگیر سچائی کی راہ ہے جو ہر جگہ اور ہر عہد میں نمایاں ہوئی ہے، اور ہر طرح کی جغرافیائی اور جماعتی حدبندیوں کے امتیازات سے پاک ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ — اللہ میرا اور تمہارا، دونوں کا پروردگار ہے، پس اُسکی عبادت کرو۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ — (۴۳ : ۶۴) یہی صراط مستقیم ہے!

علاوہ بریں بحث و نظر کے بعض دوسرے پہلو بھی ہیں جو اس موقع پر پیش نظر رہنے چاہئیں۔ اولاً فلاح و سعادت کی راہ کو "سیدھی راہ" سے تعبیر کیا گیا، اور سیدھی راہ پر چلنا ایک ایسی

بات ہے جس کی سمجھ اور طلب بالطبع ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ پھر اسکی پہچان بتلاتے ہوئے کوئی اس طرح کی تعریف نہیں کی گئی جسکے سمجھنے اور منطبق کرنے میں ذہنی کاوشوں کی ضرورت ہو، بلکہ ایک خاص طرح کے انسانوں کی طرف انگلی اٹھا دی کہ صراط مستقیم اِن لوگوں کی راہ ہے۔ اس اسلوبِ بیان نے ہر انسان کے سامنے صراط مستقیم کو ایک محسوس و مشہود صورت میں نمایاں کردیا۔ ہر انسان خواہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتا ہو، لیکن اس بات سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ یہاں دو طرح کے انسان موجود ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کی راہ سعادت و کامیابی کی راہ ہے۔ ایک وہ ہیں جن کے حصے میں محرومی و شقاوت آئی ہے۔ پس کامیابی کی راہ کی پہچان اس سے زیادہ بہتر اور مؤثر طریقہ سے بیان نہیں کی جاسکتی کہ وہ کامیاب انسانوں کی راہ ہے۔ اگر اس کی پہچان منطقی تعریفوں کی طرح بیان کیجاتی تو ظاہر ہے کہ نہ تو ہر انسان بغیر کاوش و فکر کے سمجھ سکتا، اور نہ قطعی طور پر کسی ایک راہ پر منطبق کی جاسکتی۔

ثانیاً جہاں تک انسانی فلاح و سعادت کا تعلق ہے، صراطِ مستقیم کی تعبیر ہی ہر لحاظ سے حقیقی اور قدرتی تعبیر ہو سکتی تھی۔ انسان کے فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو، لیکن صحت و درستگی کی راہ ہمیشہ وہی ہوگی جو سیدھی راہ ہو۔ جہاں انحراف اور کجی پیدا ہوئی، نقص و فساد ظہور میں آگیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں سیدھا ہونا اور سیدھی چال چلنا، فلاح و سعادت کے معنوں میں عام طور پر بولا جاتا ہے، گویا اچھائی اور خوبی کے معنوں میں یہ ایک ایسی تعبیر ہے، جو تمام نوعِ انسانی کی عالمگیر تعبیر کہی جاسکتی ہے!

پس صراطِ مستقیم پر چلنے کی طلب، زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت کی راہ چلنے کی طلب ہوئی۔ اور اسی لیئے، سعی و عمل کے ہر گوشہ میں، انعام یافتہ گروہ وہی ہو سکتا ہے جس کی راہ صراطِ مستقیم ہو!

"المغضوب علیہم" اور "الضالین" پھر "صراط مستقیم" کی پہچان صرف اُسکے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی، بلکہ اُس کا ضد و مخالف پہلو بھی واضح کردیا گیا: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ٥ اُن کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے، اور نہ اُنکی جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے۔

"مغضوب علیہ" گروہ "منعم علیہ" کی بالکل ضد ہے۔ کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے، اور فطرتِ کائنات کا قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصے میں انعام آتا ہے نافرمانوں کے حصے میں غضب۔ "گمراہ" وہ ہیں جو راہِ حق نہ پا سکے، اور اُسکی جستجو میں بھٹک گئے پس مغضوب وہ ہوئے جنہوں نے راہ پائی

اور اُسکی نعمتیں بھی پائیں، لیکن پھر اُس سے منحرف ہو گئے، اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کرلی۔ گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پا سکے، اس لیئے اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور صراطِ مستقیم کی سعادتوں سے محروم ہیں۔

"مغضوب علیہ" کی محرومی، حصولِ معرفت کے بعد انکار کا نتیجہ ہے، اور گمراہ کی محرومی جہل کا نتیجہ۔ پہلے نے پاکر روگردانی کی، اس لیئے محروم ہوا، دوسرا پا ہی نہ سکا، اسلیئے محروم ہے۔ محروم دونوں ہوئے، مگر یہ ظاہر ہے کہ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے۔ کیونکہ اُس نے نعمت حاصل کرکے پھر اُس سے روگردانی کی۔ اِسی لیئے اُسے مغضوب کہا گیا، اور دوسرے کی حالت صرف گمراہی کے لفظ سے تعبیر کی گئی۔

ہم دیکھتے ہیں، دنیا میں فلاح وسعادت سے محروم آدمی ہمیشہ دو ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ جاحد اور جاہل۔ جاحد وہ ہوتا ہے جو حقیقت پالیتا ہے، بااین ہمہ اُس سے روگردانی کرتا ہے۔ جاہل وہ ہوتا ہے جو حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے، اور اپنے جہل پر قانع ہوجاتا ہے پس صراطِ مستقیم پر چلنے کی طلبگاری کے ساتھ، محرومی وشقاوت کی ان دونوں صورتوں سے بچنے کی طلب بھی سکھلادی، تاکہ فلاح وسعادت کی راہ کا تصور ہر طرح کامل اور لغزشوں سے محفوظ ہوجائے۔

جہاں تک مذہبی صداقت کا تعلق ہے، دونوں طرح کی محرومیوں کی مثالیں قوموں کی تاریخ میں موجود ہیں۔ کتنی ہی قومیں ہیں جنکے قدم صراطِ مستقیم پر اُستوار ہو گئے تھے، اور فلاح وسعادت کی تمام نعمتیں اُنکے لیئے مہیا تھیں، بااین ہمہ انہوں نے روگردانی کی، اور راہِ حق کی معرفت حاصل کرکے پھر اُس سے منحرف ہوگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہی قوم جو کل تک دنیا کی انعام یافتہ جماعت تھی، سب سے زیادہ محروم و نامراد جماعت ہوگئی۔ اسی طرح کتنی ہی جماعتیں ہیں، جن کے سامنے فلاح وسعادت کی راہ کھول دی گئی، لیکن انہوں نے معرفت کی جگہ جہل اور روشنی کی جگہ تاریکی پسند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راہِ حق نہ پاسکے، اور نامرادی و محرومی کی وادیوں میں گم ہوگئے۔

احادیث وآثار میں اِسکی جو تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اُس سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔ ترمذی اور احمد و ابن حبان وغیرہم کی مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، "المغضوب" یہودی ہیں اور "الضّالّین" نصاریٰ ہیں۔ یقیناً اس تفسیر کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ مغضوب سے مقصود صرف یہودی اور گمراہ سے مقصود صرف نصاریٰ ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ مغضوبیت اور گمراہی کی حالت واضح کرنیکے لیئے دو جماعتوں کا ذکر بطورِ مثال کے کردیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں جماعتوں کی

تاریخ میں ہم محرومی کی دونوں حالتوں کا کامل نمونہ دیکھ لے سکتے ہیں۔ یہودیوں کی قومی تاریخ مغضوبیت کے لیئے اور عیسائیوں کی تاریخ گمراہی کے لیئے، عبرت و تذکیر کا بہترین سرمایہ ہے۔

قرآن کے قصص اور استقراء تاریخی

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، قرآن نے ہدایت و تذکیر اُمم کے لیئے جن جن اصلوں پر زور دیا ہے، اُن میں سب سے زیادہ نمایاں اصل، پچھلی قوموں کے ایّام و وقائع اور اُن کے نتائج ہیں۔ وہ کہتا ہے، کائناتِ ہستی کے ہر گوشہ کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیئے بھی خدا کا قانونِ سعادت و شقاوت ایک ہی ہے، اور ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام و نتائج رکھتا ہے اُس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور اُسکے نتائج ہمیشہ اور ہر حال میں اٹل ہیں۔ جس طرح سنکھیا کی تاثیر اسلیئے بدل نہیں جا سکتی کہ وہ کس عہد اور کس سنہ میں استعمال کی گئی، اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے اعمال کے نتائج بھی اس لیئے متغیر نہیں ہو جا سکتے کہ کس عہد اور کس ملک میں پیش آئے اگر ماضی میں ہمیشہ شہد، شہد کا خاصہ رکھتا آیا ہے، اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے، تو مستقبل میں بھی ہمیشہ شہد، شہد ہی رہے گا، اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہوگی۔ پس جو کچھ ماضی میں پیش آچکا ہے، ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں، اُنکے لیئے اللہ کی سنت یہی رہی ہے۔ (یعنی اللہ کے قوانین و احکام کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی ردّ و بدل نہیں پاؤ گے!

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ۝ (۳۵ : ۴۱)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اُس سنت کی جو اگلے لوگوں کے لیئے رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو، تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے، اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اُسکی سنت کے احکام پھیر دیئے جائیں۔

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ (۱۷ : ۷۹)

(اے پیغمبر) تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے، انکے لیئے ہماری سنت یہی رہی ہے، اور ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں!

چنانچہ وہ ایک طرف تو انعام یافتہ جماعتوں کی کامرانیوں کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ دوسری طرف مغضوب اور گمراہ جماعتوں کی محرومیوں کی سرگزشتیں بار بار سناتا ہے، اور جا بجا اُن سے عبرت و بصیرت کے نتائج اخذ کرتا ہے، جن پر اقوام و جماعات کا عروج و زوال موقوف ہے۔ وہ کھول کھول کر بتلاتا

ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی اِن اِن اعمال کا انعام تھے، اور مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی اِن اِن بدعملیوں کی پاداش تھی۔ اچھے نتائج کو "انعام" کہتا ہے، کیونکہ یہ فطرتِ الٰہی کی قبولیت ہے۔ بُرے نتائج کو "غضب" کہتا ہے، کیونکہ یہ قانونِ الٰہی کی پاداش ہے۔ وہ کہتا ہے، جن اسباب و علل سے دس مرتبہ ایک خاص طرح کا معلول پیدا ہو چکا ہے، تم کیونکر انکار کر سکتے ہو کہ گیارھویں مرتبہ بھی ویسا ہی معلول پیدا نہ ہوگا؟

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ	تم سے پہلے بھی دنیا میں (خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر
فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا	چکے ہیں، پس ملکوں کی سیر کرو، دیکھو اُن لوگوں کا انجام کیا ہُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝	جنہوں نے (اللہ کے احکام و قوانین کو) جھٹلایا تھا!

(۳ : ۱۳۱)

قرآن کی سورتوں میں ایک بڑی تعداد ایسی سورتوں کی ہے، جو تمام تر اسی مطلب پر مشتمل ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جس قدر بیان بھی پچھلے عہدوں کے وقائع و قصص کا ہے، وہ تمام تر سورۂ فاتحہ کی اسی آیت کی تفصیل ہے۔

سورۂ فاتحہ کی تعلیمی روح

اچھا، اب چند لمحوں کے لیئے سورۂ فاتحہ کے مطالب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالو، اور دیکھو، اسکی سات آیتوں کے اندر مذہبی عقائد و تصور کی جو روح مضمر ہے، وہ کس طرح کی ذہنیت پیدا کرتی ہے؟ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے۔ فرض کرو، ایک انسان کے دل و زبان سے شب و روز یہی دعا نکلتی رہتی ہے۔ اِس صورت میں اُسکے فکر و اعتقاد کا کیا حال ہوگا؟

وہ خدا کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہے، لیکن اُس خدا کی حمد میں نہیں جو نسلوں قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے، بلکہ رَبّ العٰلمین کی حمد میں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے، اور اِس لیئے تمام نوع انسانی کے لیئے یکساں طور پر پروردگاری و رحمت رکھتا ہے۔ پھر وہ اُسے اُسکی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے، لیکن اُسکی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت ہی کی صفتیں اُسے یاد آتی ہیں، گویا خدا کی ہستی کی نمود اُسکے لیئے سرتاسر رحمت و عدالت کی نمود ہے، اور جو کچھ بھی اُسکی نسبت جانتا ہے، وہ رحمت و عدالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنا سر نیاز جھکاتا، اور اُسکی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے، اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے۔ وہ اپنی عبادت اور استعانت، دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے، اور اِس طرح دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح کی انسانی فرماں روائیوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اب کسی چوکھٹ پر اُس کا سر جھک نہیں سکتا۔ اب کسی قوت سے وہ ہراساں نہیں ہو سکتا۔ اب کسی کے آگے اُس کا دست طلب دراز نہیں ہو سکتا!

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ یہی ایک مدعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا ہوتی ہے۔ لیکن کونسی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقہ کی سیدھی راہ؟ نہیں، وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے، خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے، لیکن یہاں بھی کسی خاص نسل و قوم یا کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی راہیں رہ چکی ہیں

گویا جس بات کا طلبگار ہے، وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے، اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے، وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر بُرائی ہے۔ نسل، قوم، ملک، یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ و امتیاز کی کوئی پرچھائیں اُسکے دل و دماغ پر نظر نہیں آتی!

غور کرو، مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن و عواطف کے لیئے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھلکر نکلے گا، وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ ایک یہ کہ اسکی خدا پرستی، خدا کی عالمگیر رحمت و جمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی نسل و قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہوگا۔ عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا، اور دعوتِ قرآنی کی اصلی روح یہی ہے!

ترجمان القرآن

اَلْفَاتِحَةُ

مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۂ فاتحہ۔ مکی۔ سات آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

ہر طرح کی ستائشیں (یعنی حسن و جمال کے اعتراف اور کبریائی و کمال کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی کہا جائے) صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ ہی کے لئے، جو تمام کائناتِ خلقت کا پروردگار ہے (جس کی پروردگاری کائناتِ خلقت کے ہر وجود کو زندگی اور بقا کا سروسامان بخشتی، اور پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی رہتی ہے) جو رحمت والا ہے، اور جس کی رحمت، تمام کائناتِ ہستی کو اپنی بخششوں سے مالامال کر رہی ہے۔ جو جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے۔ (اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ ٹھہرا دیا ہے) خدایا! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور صرف تو ہی ہے جس سے (زندگی اور آخرت کی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں (تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس کی بندگی کی جائے، اور طاقت و بخشش کا کوئی سہارا نہیں جس سے مدد مانگی جائے!) خدایا! ہم پر (فلاح و سعادت کی) سیدھی راہ کھول دے! وہ راہ، جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا۔ اُن کی نہیں جو تیرے حضور مغضوب ہوئے، اور نہ اُن کی جو راہ سے بھٹک گئے اور منزل کا سُراغ اُن پر گم ہو گیا!

البقرۃ مدنیۃ ۔ مائتان و ست و ثمانون آیۃ

البقرۃ ۔ مدنی ۔ ۲۸۶ ۔ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ
يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ
ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ

یہ کتاب متقی انسانوں پر فلاح و سعادت کی راہ کھولنے والی ہے، اور قبولیت حق کے لحاظ سے انسانوں کی پہلی قسم۔

الف ۔ لام ۔ میم ۔ یہ کتاب الٰہی ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں متقی انسانوں پر (فلاح و سعادت کی) راہ کھولنے والی (متقی انسان وہ ہیں) جو غیب (کی حقیقتوں) پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ روزی انھیں دے رکھی ہے، اُسے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ نیز وہ لوگ جو اُس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (یعنے پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے، اور اُن تمام (سچائیوں) پر، جو تم سے پہلے (یعنے پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہو چکی ہیں، اور (ساتھ ہی) آخرت (کی زندگی) کے لئے بھی اُنکے اندر یقین ہے۔ تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (ٹھہرائے ہوئے) راستہ پر ہیں، اور یہی ہیں جو (دنیا اور آخرت میں) کامیاب ہیں!

دوسری قسم، منکرین حق کی، جو قبولیت کی استعداد کے لحاظ سے پہلی قسم کی ضد ہے۔

(لیکن) وہ لوگ جنھوں نے (ایمان کی جگہ) انکار کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھودی) تو (انکے لئے ہدایت کی تمام صدائیں بیکار ہیں) تم انھیں (انکارِ حق کے نتائج سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ (کبھی) ماننے والے نہیں (انھوں نے روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو آنکھیں بند کر لیتا ہے اُس کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ پس اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ) اُنکے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مُہر لگا دی، اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا (کوئی بات کتنی ہی سچی ہو، سمجھ نہیں سکتے، کوئی آواز کتنی ہی اونچی ہو، سُن نہیں سکتے، کوئی چیز کتنی ہی روشن ہو، دیکھ نہیں سکتے) سو (جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے، وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔ کامیابی کی جگہ) اُنکے لئے عذاب جانکاہ ہے!

تیسری قسم اُن لوگوں کی، جو اگرچہ خدا پرستی کا دعوٰی

(ان دو قسم کے آدمیوں کے علاوہ) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکے اندر

۷ غِشَاوَۃٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ
۸ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا ج وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي
۹ قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ لا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ لا بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ
۱ لَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ قَالُوٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُونَ
وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ط اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ
۱ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُونَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا قَالُوٓا اٰمَنَّا ج وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِينِهِمْ لا قَالُوٓا

کرتے ہیں مگر فی الحقیقت اس سے محروم ہیں۔

۸ ایمان نہیں ہے۔ وہ (ایمان کا دعوا کرکے چاہتے ہیں) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا
دیں، حالانکہ (دوسروں کو کیا دھوکا دینگے؟) وہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے
۹ ہیں، اگرچہ (جہل و سرکشی سے) اسکا شعور نہیں رکھتے (یہ لوگ ایمان کے مدعی تھے لیکن) انکے دلوں میں (انکار کا)
۹ روگ (چھپا ہوا) تھا۔ پس اللہ نے (دعوتِ حق کو کامیاب کرکے) اُن کا روگ اور زیادہ کردیا (سو) ایسے لوگوں کے
لئے (بھی کامیابی کی جگہ) عذاب جانکاہ (کی نامرادی) ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی نمائش میں سچے نہیں ہیں!

وہ مفسد ہیں مگر اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں!

۱۰ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے، ملک میں خرابی نہ پھیلاؤ (اور بدعملیوں سے
باز آجاؤ) تو کہتے ہیں (ہمارے کام خرابی کا باعث کیسے ہوسکتے ہیں) ہم ہی تو سنوارنے
۱۱ والے ہیں۔ یاد رکھو، یہی لوگ ہیں جو خرابی پھیلانے والے ہیں اگرچہ (جہل و سرکشی سے اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے!

وہ راست بازی کو بے وقوفی اور نفاق کو دانشمندی سمجھتے ہیں!

۱۳ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے (اپنی مفسدانہ روش سے باز آجاؤ، اور راست
بازی کے ساتھ) ایمان کی راہ اختیار کرو، جس طرح اور لوگوں نے اختیار کی ہے، تو
کہتے ہیں، کیا ہم بھی اُسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح (یہ) بے وقوف آدمی ایمان
لے آئے ہیں (یعنے جس طرح ان لوگوں نے اپنے دنیوی سود و زیاں کی کچھ پروا نہ کی
اور بے سروسامانی و مظلومی کی حالت میں دعوتِ حق کا ساتھ دیدیا، اسی طرح ہم بھی بے وقوف بنکر ساتھ دے
دیں؟) یاد رکھو، یہی (دانشمندی کی ڈینگیں مارنے والے) فی الحقیقت بے وقوف ہیں، اگرچہ (جہل و غرور کی
سرشاری میں) اپنی حالت کا شعور نہیں رکھتے!

راست بازوں کی تحقیر اور ایمان والوں کا تمسخر ان لوگوں کا شیوہ ہے

۱۴ جب یہ لوگ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو (دعوتِ حق پر) ایمان لاچکے
ہیں تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں
کے ساتھ اکیلے میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں ہم انکے ساتھ تمسخر کرتے تھے

إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۱۴
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ مَثَلُهُمْ ۱۶-۱۵
كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ
لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ ۱۸-۱۷
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۱۹

(ویسے دل سے تو) تمھارے ہی ساتھ ہیں (یہ لوگ ایمان کے معاملہ میں تمسخر کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود ۱۴
اُنھی کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کہ اللہ (کے قانون جزا و سزا) نے رسّی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے، اور وہ سرکشی کے طوفان
میں بہکے چلے جا رہے ہیں! (یقین کرو) یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی (اور سمجھے ہم بڑی ۱۵
ہی عقلمندی کی تجارت کر رہے ہیں) لیکن نہ تو انکی تجارت فائدہ مند نکلی، اور نہ ہدایت ہی پر قائم رہے!

تیسری قسم کے لوگوں کی محرومی کی ایک مثال

ان لوگوں کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک آدمی (رات کی تاریکی میں بھٹک ۱۶
رہا تھا۔ اُس نے روشنی کے لئے) آگ سُلگائی، لیکن جب (آگ سلگ گئی اور
اُسکے شعلوں سے) آس پاس روشن ہو گیا، تو قدرت الٰہی سے ایسا ہوا کہ
(اچانک شعلے بجھ گئے، اور) روشنی جاتی رہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روشنی کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا، اور آنکھیں اندھی
ہو کر رہ گئیں کہ کچھ سوجھائی نہیں دیتا (سو یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ انھوں نے دین الٰہی کی روشنی حاصل
کی تھی، لیکن کچھ سود مند نہ ہوئی، اور پھر گمراہی میں پڑ کر سراسیمہ و سرگرداں ہو گئے۔ کانوں سے) بہرے (منہ ۱۷
سے) گونگے (آنکھوں سے) اندھے! ایسی (جن لوگوں کی محرومی و شقاوت کا یہ حال ہو گیا ہو) وہ کبھی اپنی گم
گشتگی سے لوٹ نہیں سکتے!

حق کے ظہور اور محروموں کی محرومی کی دوسری مثال
کائنات خلقت کی ہولناکیاں بھی خیر و برکت کے لئے ہیں
لیکن محروموں کے حصہ میں خوف و سراسیمگی کے سوا کچھ نہیں آتا!

یا پھر ان لوگوں کی مثال یوں سمجھو جیسے آسمان سے پانی کا برسنا ۱۸
(جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو طرح طرح کی ہولناک حالتیں پیش
آتی ہیں) کالی گھٹاؤں سے تاریکی (پھیل جاتی ہے) بادلوں کی
گرج (سے زمین کانپ اُٹھتی ہے) بجلی کی چمک (سے نگاہیں خیرہ ہونے
لگتی ہیں۔ فرض کرو، دنیا پانی کے لئے بے قرار تھی۔ اللہ نے اپنی رحمت
سے بارش کا سماں باندھ دیا۔ تو اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بارش کی برکتوں کی جگہ صرف اُسکی ہولناکیاں
ہی انکے حصے میں آئی ہیں) بادل جب زور سے گرجتے ہیں تو موت کا ڈر انھیں دہلا دیتا ہے (اُس کی گرج تو

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ ۙ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ ۲
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ
بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ ۲۱
مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ

روک سکتے نہیں) اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگتے ہیں۔ حالانکہ (اگر بجلی گرنے والی ہی ہو تو انکے
کان بند کر لینے سے رُک نہیں جائے گی) اللہ کی قدرت تو (ہر حال میں) انھیں گھیرے ہوئے ہے۔
(جب) بجلی (زور سے چمکتی ہے، تو ان کی خیرگی کا یہ حال ہوتا ہے، گویا) قریب ہے کہ بینائی اُچک لے۔ ۱۹
اُس کی چمک سے جب فضا روشن ہو جاتی ہے تو دو چار قدم چل لیتے ہیں۔ جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو
(ٹھٹک کر) رُک جاتے ہیں۔ (کانوں میں مارے دہشت کے انگلیاں ٹھنسی ہوئیں! آنکھوں تلے اندھیرا
چھایا ہوا! پاؤں چلنے سے درماندہ! دل خوف سے لرزاں! تمام دنیا باران رحمت کی برکتوں سے فیضیاب
ہو رہی ہے، لیکن ان نامرادوں کے حصے میں جو کچھ آیا ہے، وہ صرف یہی ہے!) اگر اللہ چاہے، تو یہ
بالکل بہرے اندھے ہو کر رہ جائیں (کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے اور نگاہوں کے خیرہ ہونے کی
ضرورت ہی نہ رہے) اور یقیناً اللہ ہر بات پر قادر ہے!

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار کی عبادت ۲۰
کرو (اُس پروردگار کی) جسنے تمھیں پیدا کیا، اور اُن سب کو
بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اور اس لئے پیدا
کیا) تاکہ اس کی نافرمانی سے بچو۔

توحید الٰہی کی تلقین اور خالقیت اور ربوبیت سے استدلال
جس کا یقین انسان کی فطرت میں ہے

وہ پروردگار عالم جسنے تمھارے لئے زمین فرش کی طرح بچھا دی، اور آسمان کو چھت کی طرح
بلند کر دیا، اور (پھر تم دیکھ رہے ہو کہ وہی ہے) جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین شاداب
ہو جاتی ہے۔ اور طرح طرح کے پھل تمھاری غذا کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس (جب خالقیت اُسی
کی خالقیت ہے، اور ربوبیت اُس کی ربوبیت، تو) ایسا نہ کرو کہ اسکے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک
اور ہمپایہ بناؤ۔ اور تم جانتے ہو کہ اُسکے سوا کوئی نہیں ہے!

صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۲۲
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا ۲۳
الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ ۲۴
مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ

رسالت اور وحی

اور (دیکھو) اگر تمھیں اس (کلام) کی سچائی میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر (یعنے پیغمبر ۲۱
اسلام پر) نازل کیا ہے (اور تم خیال کرتے ہو، یہ اللہ کے طرف سے نہیں ہے) یا تمھیں رسالت
اور وحی ہی سے انکار ہے) تو (اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ اگر یہ محض ایک انسانی دماغ کی بناوٹ ہے، تو
تم بھی انسان ہو۔ زیادہ نہیں) اُس کی سی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا جن (طاقتوں) کو تم نے
اپنا حامی سمجھ رکھا ہے، ان سب کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی ۲۲
نہیں کر سکو گے، تو (چاہیے کہ سچائی کے انکار سے باز آؤ، اور اس کی پاداش سے ڈرو) اس آگ کے
عذاب سے ڈرو، جو (لکڑی کی جگہ) انسان اور پتھر کے ایندھن سے سلگتی ہے، اور منکرین حق کے لئے طیار ہے!
(لیکن، ہاں،) جن لوگوں نے (انکار و سرکشی کی جگہ) ایمان کی راہ اختیار کی، اور اُنکے اعمال بھی ۲۳
اچھے ہوئے، تو اُنکے لئے (آگ کی جگہ راحت و سرور ابدی کے) باغوں کی بشارت ہے۔ (سرسبز و شاداب باغ)
جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، (اور اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) جب کبھی ان باغوں کا کوئی پھل
اُنکے حصے میں آئے گا، (یعنے بہشتی زندگی کی کوئی نعمت اُنکے حصے میں آئے گی) تو بول اُٹھیں گے، یہ تو وہ
نعمت ہے جو پہلے ہمیں دی جا چکی ہے (یعنے نیک عملی کا وہ اجر ہے جسکے ملنے کی ہمیں دنیا میں خبر دی جا چکی ہے) اور
(یہ اس لئے کہینگے کہ) باہم ملتی جلتی ہوئی چیزیں انکے سامنے آئیں گی (یعنے جیسا کچھ اُن کا عمل تھا، ٹھیک
ویسی ہی بہشتی زندگی کی نعمت بھی ہوگی) علاوہ بریں انکے لئے نیک اور پارسا بیویاں ہونگی، اور اُن کی راحت
ہمیشگی کی راحت ہوگی کہ اُسے کبھی زوال نہیں!

اللہ (کا کلام جو انسانوں کو ان کی سمجھ کے مطابق ۲۴
مخاطب کرنا چاہتا ہے) اس بات سے نہیں جھجکتا کہ کسی
(حقیقت کے سمجھانے کے لئے کسی حقیر سے حقیر چیز کی مثال

سنت الٰہی یہ ہے کہ وحی کا کلام انسانی بول چال کے مطابق ہوتا ہے اور
بیانِ حقائق کے لئے مثالیں ضروری ہیں۔

كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ
وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى
السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ
اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ

سے کام لے۔ مثلاً مچھر کی، یا اس سے بھی زیادہ کسی حقیر چیز کی (اس طرح کی مثالیں کلام حق میں جابجا آئینگی) پس جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، وہ (مثالیں سنکر اُن کی دانائی اور نصیحت میں غور کرتے ہیں، اور) جان لیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہے، اُنکے پروردگار کی طرف سے ہے۔ لیکن جن لوگوں نے انکارِ حق کی راہ اختیار کی ہے، تو وہ (جہل و کج فہمی سے حقیقت نہیں پاسکتے وہ) کہتے ہیں: بھلا ایسی مثال بیان کرنے سے اللہ کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ (سو حقیقت یہ ہے کہ تعلیم و نصیحت کی تمام باتوں کی طرح مثال بھی ایک بات ہے۔ جو کوئی راست بازی کے ساتھ غور کریگا ہدایت پائے گا، جو کج فہمی سے انکار کریگا، گمراہ ہوگا۔ پس) کتنے ہی انسان ہیں جن کے حصے میں اس سے گمراہی آئیگی اور کتنے ہی ہیں، جن پر اس (کے فہم و تدبر) سے راہ (سعادت) کھل جائے گی۔ اور (خدا کا قانون یہ ہے کہ) وہ گمراہ نہیں کرتا مگر اُنہی لوگوں کو جو (ہدایت کی تمام حدیں توڑ کر) فاسق ہوگئے ہیں!

۲۷ (فاسق کون ہیں؟ فاسق وہ ہیں) جو احکامِ الٰہی کی اطاعت کا عہد و میثاق کرکے پھر اُسے توڑ ڈالتے ہیں، اور جن رشتوں کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے، انکے قطع کردینے میں بے باک ہیں، اور (اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے) ملک میں فساد پھیلاتے ہیں، سو (جن لوگوں کی شقاوتوں کا یہ حال ہے، وہ ہمیشہ گمراہی کی چال ہی چلیں گے۔ اور فی الحقیقت) یہی لوگ ہیں، جن کے لئے سراسر نامرادی اور نقصان ہے!

آخرت کی زندگی، اور پہلی پیدائش سے دوسری پیدائش پر استدلال

۲۸ (اے افرادِ نسلِ انسانی!) تم کس طرح اللہ سے (اور اسکی عبادت سے) انکار کرسکتے ہو، جبکہ حالت یہ ہے کہ تمہارا وجود نہ تھا، اُسنے زندگی بخشی، پھر وہی ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے گا، اور بالآخر تم سب کو اُسی کے حضور لوٹنا ہے!

زمین کی مخلوقات میں نوعِ انسانی کی برتری اور مخلوقاتِ ارضی کا

۲۹ (اور دیکھو) یہ اُسی (پروردگار) کی کارفرمائی ہے کہ اُسنے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کیں (تاکہ جس طرح چاہو

٢٩ الدِّمَاءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَعَلَّمَ
آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ
٣٠ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ
٣١ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّيٓ أَعْلَمُ
٣٢ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ

اس لئے ہوتا کہ انسان انھیں اپنے کام میں لائے۔

اُن سے کام لو) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، اور سات آسمان درست کر دیئے (جن سے طرح طرح کے فوائد تمھیں حاصل ہوتے ہیں) اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!

انسان کا زمین میں خدا کا خلیفہ ہونا، نوعِ انسانی کی معنوی تکمیل، آدم کا ظہور، اور قوموں کی ہدایت و ضلالت کی ابتدا۔

٢٨ اور (اے پیغمبر! اس حقیقت پر غور کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا: کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی، حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری پاکی و قدوسی کا اقرار کرتے ہیں (کہ تیری مشیت برائی سے پاک اور تیرا کام نقصان سے منزہ ہے!) اللہ نے کہا، میری نظر جس حقیقت پر ہے تمھیں اُس کی خبر نہیں!

٢٩ (پھر جب ایسا ہوا کہ مشیت الٰہی نے جو کچھ چاہا تھا، ظہور میں آگیا) اور آدم نے (یہاں تک معنوی ترقی کی کہ
تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کرلئے، تو اللہ نے فرشتوں کے سامنے وہ (تمام حقائق) پیش کر دیئے،
٣٠ اور فرمایا، اگر تم (اپنے شبہ میں) درستی پر ہو تو بتلاؤ، ان (حقائق) کے نام کیا ہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا، خدایا
ساری پاکیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے ہیں۔ ہم تو اُتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھلا دیا ہے۔ علم تیرا
٣١ علم ہے اور حکمت تیری حکمت! (جب فرشتوں نے اس طرح اپنے عجز کا اعتراف کرلیا، تو) حکم الٰہی ہوا اے
آدم، تم (اب) فرشتوں کو ان (حقائق) کے نام بتلا دو۔ جب آدم نے بتلا دیئے، تو اللہ نے فرمایا۔ کیا میں نے
تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے تمام غیب مجھ پر روشن ہیں، اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم
میں ہے، اور جو کچھ تم چھپاتے تھے، وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں!

فرشتوں کا آدم کے سامنے سربسجود ہو جانا مگر ابلیس کا

٣٢ اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ آدم کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ وہ جھک گئے، مگر ابلیس کی گردن نہیں جھکی

۳۳ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَقُلْنَا
يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
۳۴ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَ
قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ
۳۵ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

انکار کرنا۔ آدم کی بہشتی زندگی اور شجرِ ممنوع۔

اُس نے نہ مانا، اور گھمنڈ کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا۔

۳۳ پھر (ایسا ہوا کہ) ہمنے آدم سے کہا۔ اے آدم، تم اور تمھاری بیوی، دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو، کھاؤ پیو، امن چین کی زندگی بسر کرو۔ مگر دیکھو، وہ جو ایک درخت ہے، تو کبھی اُسکے پاس نہ پھٹکنا۔ اگر تم اُس کے قریب گئے، تو (نتیجہ یہ نکلے گا کہ) حد سے تجاوز کر بیٹھو گے، اور اُن لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

آدم کی لغزش، اعترافِ قصور، قبولیتِ توبہ، اور ایک نئی زندگی کا آغاز!

۳۴ پھر (ایسا ہوا کہ) شیطان کی وسوسہ اندازی نے اُن دونوں کے قدم ڈگمگا دیئے، اور یہ اُسی کا نتیجہ تھا کہ جیسی کچھ (راحت و سکون کی) زندگی بسر کر رہے تھے، اُس سے نکلنا پڑا۔ خدا کا حکم ہوا۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم میں سے ہر وجود دوسرے کا دشمن ہے۔ اب تمھیں (جنت کی جگہ) زمین میں رہنا ہے، اور ایک خاص وقت تک کے لئے (جو علم الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے) اُس سے فائدہ اُٹھانا ہے۔

۳۵ پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے پروردگار کے القاء سے چند کلمات معلوم کر لئے (جن کے لئے اُس کے حضور قبولیت تھی) پس اللہ نے اُس کی توبہ قبول کر لی۔ اور بلاشبہ وہی ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والا ہے، اور اُس کے درگزر کی کوئی انتہا نہیں!

وحیِ الٰہی کی ہدایت اور انسان کی سعادت و شقاوت کا قانون۔

۳۶ (آدم کی توبہ قبول ہو گئی، لیکن جس زندگی سے وہ نکل چکا تھا دوبارہ نہیں مل سکتی تھی۔ پس) ہمارا حکم ہوا، اب تم سب یہاں سے نکل چلو، (اور جس نئی زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا ہے، اُسے اختیار کر لو) لیکن (یاد رکھو) جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پر راہِ (حق) کھولی جائے گی، تو (تمھارے لئے دو ہی راہیں ہونگی) جو کوئی ہدایت کی پیروی کریگا اُسکے لئے (کامیابی و سعادت ہوگی) کسی طرح کا کھٹکا نہیں۔
۳۷ کسی طرح کی غمگینی نہیں۔ اور جو کوئی انکار کریگا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیگا، وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔

جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
٣٧-٣٨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ
٣٩ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

وحی الٰہی کی ہدایت کا جاری ہونا، اور اس سلسلہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کہ کتاب اللہ کے سب سے بڑے حامل وہی سمجھے جاتے تھے۔

٣٨ اے بنی اسرائیل! میری نعمت یاد کرو، وہ نعمت جس سے میں نے تمھیں سرفراز کیا تھا، اور دیکھو، اپنا عہد پورا کرو (جو ہدایت قبول کرنے اور اُس پر کاربند ہونے کا عہد ہے) میں بھی اپنا عہد پورا کرونگا (جو ہدایت پر کاربند ہونے والوں کے لئے کامرانی و سعادت کا عہد ہے) اور دیکھو، میرے سوا کوئی نہیں، پس دوسروں سے نہیں، صرف مجھی سے ڈرو!

اور اُس کلام پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کیا ہے، اور جو اُس کلام کی تصدیق کرتا ہوا نمایاں ہوا ہے جو تمھارے پاس (پہلے سے) موجود ہے، اور ایسا نہ کرو کہ اُس کے انکار میں (شقاوت کا) پہلا قدم جو اُٹھے، وہ تمھارا ہو۔ اور (دیکھو) میرے سوا کوئی نہیں، پس میری نافرمانی سے بچو!

٣٩ اور ایسا نہ کرو کہ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر مشتبہ بنا دو، اور حق کو چھپاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے۔

٤٠ نماز قائم کرو (جسکی حقیقت تم نے کھو دی ہے) زکوٰۃ ادا کرو (جسکا تم میں اخلاص باقی نہیں رہا) اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں، تو اُن کے ساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو!

٤١ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی خبر نہیں لیتے کہ تمھارے اعمال کا کیا حال ہے، حالانکہ خدا کی کتاب تمھارے پاس ہے اور ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے ہو؟ پھر کیا خدا کی کتاب کے علم و تلاوت کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ خود تلاوت کرنے والا تو اُس پر عمل نہ کرے لیکن دوسروں کو عمل کرنے کا حکم دے؟ افسوس تمھاری عقلوں پر! کیا اتنی موٹی سی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی؟

"صبر" اور "نماز" دو بڑی روحانی قوتیں ہیں، جن سے اصلاح نفس اور انقلاب حال میں مدد لی جاسکتی ہے۔

٤٢ اور (دیکھو) صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اپنی اصلاح میں) مدد لو (نفس کی برائیاں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوگئی ہوں، لیکن صبر اور نماز کی روح اُنھیں مغلوب کرے گی

۴۰-۴۱ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ
۴۲ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ
۴۳ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝
الربع ۵ ۴۴ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا
يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ
۴۶ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

۴۳ لیکن (یاد رکھو) نماز ایک ایسا عمل ہے جو (انسان کی راحت طلب طبیعت پر) بہت ہی شاق گزرتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں، اور جو سمجھتے ہیں، انھیں اپنے پروردگار سے ملنا اور (بالآخر) اُسکے حضور لوٹنا ہے، تو اُن پر یہ عمل شاق نہیں گزر سکتا (وہ تو اسمیں سرتاسر لذت و راحت محسوس کرتے ہیں!)

۴۴ اے بنی اسرائیل! میری نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمھیں سرفراز کیا تھا،

> بنی اسرائیل کے ایّام و وقائع کا تذکرہ اور قوموں کی ہدایت و ضلالت کے حقائق

۴۵ اور (خصوصاً) یہ (نعمت) کہ دنیا کی قوموں پر تمھیں فضیلت دی تھی اُس دِن کے مواخذہ سے ڈرو جبکہ (انسان کی کوئی کوشش بھی اُسے اعمالِ بد کے نتائج سے نہیں بچاسکے گی اُس دِن) نہ تو کوئی انسان دوسرے انسان کے کام آئے گا، نہ کسی کی سعی و سفارش سُنی جائے گی، نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کہیں سے کسی طرح کی مدد ملے گی!

> فراعنۂ مصر کی غلامی سے نجات اور کتاب و فرقان کا عطیہ لیکن بنی اسرائیل کا مصری بُت پرستی کی طرف مائل ہوجانا، اور گوسالہ پرستی شروع کر دینی۔

۴۶ اور (اپنی تاریخ حیات کا) وہ وقت یاد کرو جب ہمنے تمھیں خاندانِ فرعون (کی غلامی) سے، جنھوں نے تمھیں نہایت سخت عذاب میں ڈال رکھا تھا، نجات دی تھی۔ وہ تمھارے لڑکوں کو بے دریغ ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمھاری نسل و جمعیت نابود ہوجائے) اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے (تاکہ حکمران قوم کی لونڈیاں بنکر زندگی بسر کریں) اور فی الحقیقت اس صورتِ حال میں، تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لئے بڑی ہی آزمائش تھی!

۴۷ اور پھر وہ وقت یاد کرو، جب (تم مصر سے نکلے تھے اور فرعون تمھارا تعاقب کر رہا تھا) ہمنے سمندر کا پانی اِس طرح الگ کر دیا کہ تم بچ نکلے، مگر فرعون کا گروہ غرق ہوگیا، اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے!

۴۸ اور (پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں والا وعدہ کیا

۴۷ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ○ وَإِذْ فَرَقْنَا
۴۸ بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ○ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ
۴۹ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ○ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ
۵۰-۵۱ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ وَإِذْ قَالَ
مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ
فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

تھا۔ پھر (جب ایسا ہوا کہ وہ چالیس دن کے لئے تھیں چھوڑ کر کوہ طور پر چلا گیا، تو اُس کے جاتے
۴۹ ہی) تم نے ایک بچھڑے کی پرستش اختیار کرلی، اور تم راہِ حق سے منحرف ہوگئے تھے۔ (یہ
تمھاری بڑی ہی گمراہی تھی) لیکن ہم نے (اپنی رحمت سے) درگزر کی (اور اس گمراہی کے نتائج
سے تمھیں بچالیا) تاکہ اللہ کی بخشائشوں کی قدر کرو۔

۵۰ اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہمنے (چالیس راتوں والا وعدہ پورا کیا تھا اور) موسیٰ کو الکتاب (یعنے تورات)
اور الفرقان (یعنے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) عطا فرمائی تھی، تاکہ تم پر (سعادت و فلاح کی) راہ کھلے

۵۱ اور (پھر وہ وقت) جب موسیٰ (کتابِ الٰہی کا عطیہ لیکر پہاڑ سے اُترا تھا، اور تمھیں ایک بچھڑے کی پوجا میں
سرگرم دیکھ کر) پکار اُٹھا تھا: اے میری قوم! (افسوس تمھاری حق فراموشی پر!) تم نے بچھڑے کی پوجا کرکے خود اپنے
ہاتھوں اپنے کو تباہ کردیا ہے۔ پس چاہیے کہ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، اور گوسالہ پرستی کے بدلے اپنی
جانوں کو قتل کرو۔ اسی میں خدا کے نزدیک تمھارے لئے بہتری ہے۔ چنانچہ تمھاری توبہ قبول کرلی گئی) اور اللہ
بڑا ہی رحمت والا اور رحمت سے درگزر کرنے والا ہے!

بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ اُنکے دلوں میں وحی الٰہی پر کامل یقین نہ تھا

۵۲ اور (پھر وہ واقعہ یاد کرو) جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ!
ہم کبھی تم پر یقین کرنے والے نہیں جب تک کہ کھلے طور پر اللہ
کو (تم سے کلام کرتا ہوا) نہ دیکھ لیں۔ پھر تمھیں یاد ہے کہ اس
گمراہانہ جسارت کا نتیجہ کیا نکلا تھا؟ یہ نکلا تھا کہ) بجلی کے کڑاکے نے (اچانک) آگھیرا، اور تم نظر اُٹھائے تک
رہے تھے!

۵۳ پھر ہم نے تمھیں اس ہلاکت کے بعد (دوبارہ) اُٹھا کھڑا کیا (اور تم پر زندگی و افزائش کی راہ کھول دی)
تاکہ اپنے آپ کو نعمتِ الٰہی کا قدر شناس ثابت کرو!

٥٢ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ
٥٣-٥٤ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ
وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ
٥٥ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ فَکُلُوْا مِنْھَا حَیْثُ شِئْتُمْ
رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّۃٌ نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطٰیٰکُمْ ؕ وَسَنَزِیْدُ
الْمُحْسِنِیْنَ ۝

٥٤ صحراءِ سینا کی بے آب وگیاہ سرزمین میں زندگی کی تمام ضروریات کا مہیا ہوجانا لیکن بنی اسرائیل کا کفرانِ نعمت کرنا

اور (پھر جب ایسا ہوا تھا کہ صحراءِ سینا کی بے آب وگیاہ سرزمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہوجانے والے تھے، تو) ہمنے تمھارے سروں پر ابر کا سایہ پھیلادیا، اور منّ[۱] اور سلویٰ کی غذا فراہم کردی (تم سے کہا گیا:) خدانے تمھاری غذا کے لئے جو اچھی چیزیں مہیا کردی ہیں، اُنھیں بفراغت کھاؤ، اور کسی طرح کی تنگی وقلت محسوس نہ کرو (لیکن اسپر بھی تم اپنی بدعملیوں سے باز نہ آئے۔ غور کرو) تم نے (اپنی ناشکریوں سے) ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے!

٥٥ بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ جب اُنھیں فتح وکامرانی عطا کی گئی تو عبودیت ونیاز کی جگہ غفلت وغرور میں مبتلا ہوگئے۔

اور پھر (کیا اُسوقت کی یاد بھی تمھارے اندر عبرت وبصیرت پیدا نہیں کرسکتی) جب (ایک شہر کی آبادی تمھارے سامنے تھی، اور) ہم نے حکم دیا تھا کہ اس آبادی میں (فتح مندانہ) داخل ہوجاؤ، اور پھر (بہ حیثیت ایک فاتح قوم کے) کھاؤ پیو، آرام چین کی زندگی بسر کرو، لیکن (ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھو کہ ایک مدت کے انتظار کے بعد فتح وکامرانی کا دروازہ تم پر کھلا ہے۔ پس چاہیے کہ) جب شہر کے دروازے میں قدم رکھو، تو تمھارے سر اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں، اور تمھاری زبانوں پر توبہ و استغفار کا کلمہ جاری ہو کہ "حطۃٌ! حطۃٌ!" (خدایا، ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کردے! ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کردے! اگر تم نے ایسا کیا، تو) اللہ تمھاری خطائیں معاف کردیگا، اور (اُس کا قانون یہی ہے کہ) نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دیتا ہے، اور اُنکے اجر میں فراوانی ہوتی رہتی ہے!

[۱] "منّ" درخت کا شیرہ ہے جو گوند کی طرح جم جاتا ہے اور خوش ذائقہ اور مقوّی ہوتا ہے۔ "سلویٰ" ایک پرند ہے۔ یہ دونوں چیزیں کوہِ طور کے اطراف و جوانب میں بکثرت ہوتی ہیں۔ "منّ" کا حلوا میں نے خود کھایا ہے جو فلسطین کے یہودی بنایا کرتے ہیں ١٢

٥٦ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا
٥٧ مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
٥٨ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى
لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا
وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ

٥٦ لیکن پھر ایسا ہوا کہ تم میں سے اُن لوگوں نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی راہ تھی، خدا کی بتلائی ہوئی بات ایک دوسری بات سے بدل ڈالی (اور عجز و عبودیت کی جگہ غفلت و غرور میں مبتلا ہوگئے) نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا، اور یہ اُن کی نافرمانیوں کی سزا تھی!

صحرائے سینا میں پانی کے چشموں کا نمایاں ہوجانا لیکن بنی اسرائیل کا پانی کے لئے آپس میں جھگڑنا اور فتنہ و فساد پھیلانا

٥٧ اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تھا، اور ہم نے حکم دیا تھا، اپنی لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ (تم دیکھو گے کہ پانی تمھارے لئے موجود ہے۔ موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کرلی۔ (اُس وقت تم سے کہا گیا تھا۔ اس بے آب و گیاہ بیابان میں تمھارے لئے زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا ہوگئی ہیں، پس) کھاؤ پیو، خدا کی بخشائش سے فائدہ اُٹھاؤ، اور ایسا نہ کرو کہ ملک میں فتنہ و فساد پھیلاؤ (یعنے ضروریاتِ معیشت کے لئے لڑائی جھگڑا کرو، یا ہر طرف لوٹ مار مچاتے پھرو)

محکومی و غلامی سے قوم کا اخلاق پست ہوجاتا ہے، اور بلند مقاصد کے لئے جوش و عزم باقی نہیں رہتا۔ بنی اسرائیل اگرچہ مصر کی غلامی سے آزاد ہوگئے تھے، اور قومی عظمت کا مستقبل اُنکے سامنے تھا، لیکن وہ اُن حقیر راحتوں کے لئے ترستے تھے، جو مصر کی غلامانہ زندگی میں میسر تھیں؛ اور وہ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں شاق گزرتی تھیں جو آزادی و عظمت کی راہ میں پیش آتی تھیں!

٥٨ اور پھر (دیکھو، تمھاری تاریخِ حیات کا وہ واقعہ بھی کس درجہ عبرت انگیز ہے) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا، ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی طرح کے کھانے پر قناعت کرلیں (یعنے صرف من اور سلویٰ پر قناعت کرلیں) پس اپنے پروردگار سے دعا کرو، ہمارے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کردی جائیں، جو زمین کی پیداوار

هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ
٥٩ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
٦٠ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا
فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

نیز اس حقیقت کا اعلان کہ یہودیوں کی ایسی ہی بداعمالیاں انکی مغضوبیت کا باعث ہوئیں۔

ہیں۔ سبزی، ترکاری، گیہوں، دال، پیاز، لہسن، (وغیرہ جو مصر میں ہم کھایا کرتے تھے) موسیٰ نے یہ سنکر کہا (افسوس تمھاری غفلت اور بے حسی پر!) کیا تم چاہتے ہو، ایک ادنےٰ سی بات کے لئے (یعنے غذا کی لذت کے لئے) اُس (مقصد عظیم) سے دستبردار ہو جاؤ جسمیں (بڑی ہی) خیر و برکت ہے؟ (یعنے قومی آزادی و سعادت سے؟ اچھا، اگر تمھاری غفلت و بدبختی کا یہی حال ہے، تو) یہاں سے نکلو، شہر کی راہ لو، وہاں یہ تمام چیزیں ملجائیں گی جن کے لئے ترس رہے ہو (اگرچہ غلامی کی ذلت و نامرادی کے ساتھ ملیں گی) بہرحال بنی اسرائیل پر خواری و نامرادی کی مار پڑی اور خدا کے غضب کے سزاوار ہوئے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور اُس کے نبیوں کے ناحق قتل میں بے باک تھے، اور (گمراہی و شقاوت کی یہ روح ان میں) اس لئے (پیدا ہوگئی) کہ (اطاعت کی جگہ) سرکشی سما گئی تھی، اور (حق و ہدایت کی) حدیں توڑ کر بے لگام ہوگئے تھے!

٥٩ اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے۔ نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہودی جب ایمان و عمل سے محروم ہوگئے، تو نہ تو اُن کی نسل اُن کے کام آئی، نہ یہودیت کی گروہ بندی سودمند ہوسکی۔ خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں؟ بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے؟ اور پھر جب آزمائش عمل میں پورے نہ اُترے، تو مغضوب و نامراد ہوگئے!

(در اصل اس بارے میں خدا کا ٹھہرایا ہوا قانون تو یہ ہے کہ فلاح و سعادت ایمان و عمل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندیوں سے) جو لوگ (پیغمبر اسلام پر) ایمان لاچکے ہیں، وہ ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو یہودی ہیں، یا نصاریٰ اور صابی ہوں، (کوئی ہو، اور کسی گروہ بندی میں سے ہو) لیکن جو کوئی بھی خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوئے تو وہ اپنے ایمان و عمل کا

٦١ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ
٦٢ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ
اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ
٦٣ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ
اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا کھٹکا ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی!

٦٠ اور پھر (اپنی تاریخ حیات کا وہ وقت بھی یاد کرو)
جب ہم نے تم سے تمھارا عہد لیا تھا، اور (یہ وہ وقت
تھا کہ تم نیچے کھڑے تھے، اور) کوہ طور کی چوٹیاں تم پر
بلند کر دی تھیں: "دیکھو، جو کتاب ہدایت تمھیں دی
گئی ہے، اُس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ، اور جو کچھ
اس میں بیان کیا گیا ہے، اُسے ہمیشہ یاد رکھو (اور یہ
اس لئے ہے) تاکہ تم (نافرمانی سے) بچو (اور فلاح وسعادت کی راہ میں کامیاب ہو!)"

بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ شریعت کے احکام پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے، اور ان سے بچنے کے لئے طرح طرح کے شرعی حیلے گڑھ لئے تھے یعنے محض نمائشی طور پر تو ان کی تعمیل کر لیتے، لیکن جو کچھ حقیقی مقصد تھا وہ پورا نہ کرتے۔

٦١ لیکن پھر تم اپنے عہد سے پھر گئے (اور احکام شریعت کی خلاف ورزی شروع کر دی) اور اگر اللہ کا فضل اور
اس کی رحمت تمھارا ساتھ نہ دیتی، تو (تمھاری گمراہانہ روش تو ایسی تھی کہ) فوراً ہی نامرادی و تباہی کے حوالے
ہو جاتے!

٦٢ اور یقیناً تم اُن لوگوں کے حال سے بے خبر نہیں ہو جو تم ہی میں سے تھے، اور جنھوں نے سبت کے معاملہ میں راست
بازی کی حدیں توڑ ڈالی تھیں (یعنے حکم شریعت سے بچنے کے لئے حیلوں اور مکاریوں سے کام لیا تھا۔ جب
انھوں نے ایسا کیا تو انسانیت کے درجے سے گر گئے) ہم نے کہا، ذلیل وخوار بندروں کی طرح ہو جاؤ۔
(انسانوں کے پاس سے ہمیشہ دھتکارے نکالے جاؤ گے) چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ہم نے اس معاملہ کو اُن
سب کے لئے جن کے سامنے ہوا، اور اُن کے لئے بھی جو بعد کو پیدا ہوئے، تازیانۂ عبرت بنا دیا، اور اُن لوگوں
کے لئے جو متقی ہیں، اس میں نصیحت ودانائی رکھ دی!

٦٣ اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ

کثرتِ سوال اور تعمق فی الدین کی گمراہی۔ یعنے احکام حق کی سیدھی سادی

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ ۶۴
صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ ۶۵
عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ ۶۶
وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا
كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۶۷

اطاعت کرنے کی جگہ ردّ و کد کرنا، طرح طرح کے سوالات گڑھنا، بلا ضرورت باریک بینیاں اور دقیقہ سنجیاں کرنی، اور شریعت کی سادگی اور آسانی کو سختی اور پیچیدگی سے بدل دینا۔

(سیدھی سادی) بات کہی تھی کہ خدا کا حکم ہی، ایک گائے ذبح کردو۔ (بجائے اسکے کہ راست بازی کے ساتھ اسپر عمل کرتے، لگے طرح طرح کی کٹ حجتیاں کرنے۔ پہلے) کہا (بھلا کیونکر ممکن ہو کہ خدا نے ایسی بات کا حکم دیا ہو؟) معلوم ہوتا ہی، تم ہمارے ساتھ تمسخر کر رہے ہو۔ موسیٰ نے کہا۔ نعوذ باللہ اگر میں (احکام الٰہی کی تبلیغ میں تمسخر کروں اور) جاہلوں کا شیوہ اختیار کروں۔ یہ سُن کر وہ بولے۔ (اگر ایسا ہی ہی، تو) اپنے پروردگار سے درخواست کرو، وہ کھول کر بیان کردے، کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہیئے؟ (یعنے ہمیں تفصیلات معلوم ہونی چاہئیں) موسیٰ نے کہا۔ خدا کا حکم یہ ہی کہ ایسی گائے ہو، جو نہ تو بالکل بوڑھی ہو، نہ بالکل بچھیا۔ درمیانی عمر کی ہو۔ اور اب (کہ تھیں تفصیل کے ساتھ حکم مل گیا ہی،) چاہیئے کہ اس کی تعمیل کرو۔ (لیکن انھوں نے پہلے سوال کا جواب پاکر ایک دوسرا
سوال پیدا کردیا) کہنے لگے، اپنے پروردگار سے درخواست کرو۔ وہ یہ بھی تبلادے کہ جانور کا رنگ کیسا ہونا چاہئے؟ ۶۴
موسیٰ نے کہا حکم الٰہی یہ ہی کہ اُس کا رنگ زرد ہو۔ خوب گہرا زرد۔ ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی دیکھ کر خوش ہوجائے
(جب رنگ کی خصوصیت بھی معیّن ہوچکی تو اُنھوں نے ایک اور الجھاؤ پیدا کردیا) کہنے لگے (ان ساری باتوں کے ۶۵
بعد بھی) ہمارے لئے (مطلوبہ) جانور کی پہچان مشکل ہی۔ اپنے پروردگار سے کہو کہ (اور زیادہ وضاحت کے
ساتھ) تبلادے کہ جانور کیسا ہونا چاہیئے؟ انشاء اللہ ہم ضرور پتہ لگا لینگے۔ اس پر موسیٰ نے کہا۔ اللہ فرماتا ہی ۶۶
ایسی گائے ہو، جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو، نہ کبھی آب پاشی کے لئے کام میں لائی گئی ہو۔ پوری طرح صحیح سالم، داغ دھبّے سے پاک و صاف۔ (جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا، تو پھر عاجز ہوکر) بولے۔ ہاں، اب تم نے ٹھیک ٹھیک بات تبلادی۔ چنانچہ جانور ذبح کیا گیا۔ اگرچہ ایسا کرنے پر وہ (دل سے) آمادہ نہ تھے!

بنی اسرائیل کا قتل نفس میں بے باک ہوجانا جو شریعت الٰہی کے

اور پھر (غور کرو، وہ واقعہ) جب تم نے (یعنے تمھاری قوم نے) ایک ۶۷

٦٨-٦٩ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ
قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا
يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ
٧٠ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ
٧١ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

رُوئے انسان کا بڑے سے بڑا جرم ہو

جان ہلاک کر دی تھی، اور اس کی نسبت آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے اور (جرم و معصیت کی) جو بات تم چھپانا چاہتے ہو، خدا اسے آشکارا کر دینے والا ہے!

٦٨ چنانچہ ایسا ہوا کہ ہم نے حکم دیا، اُس شخص پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے بعض (اجزاءِ جسم) سے
ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا تو حقیقت کھل گئی اور قاتل کی شخصیت معلوم ہوگئی) اللہ اسی طرح مُردوں کو زندگی
بخشتا، اور تمھیں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھلاتا ہے، تاکہ فہم و دانش سے کام لو!
٦٩ اور پھر دیکھو ان ایّام و وقائع کے بعد تم پر وہ وقت

بنی اسرائیل کی قلبی و اخلاقی حالت کا انتہائی تنزل، حتیٰ کہ اُس حالت کا پیدا ہوجانا، جب عبرت پذیری اور تنبّہ کی استعداد یک قلم معدوم ہوجاتی ہے، اور فکرِ انسان اپنی تباہ شدہ حالت پر قانع و مطمئن ہوجاتا ہے!

آیا، جب بداعمالیوں اور شقاوتوں کے امتداد سے تمھارے دل سخت پڑ گئے۔ ایسے سخت، گویا پتھر کی چٹانیں ہیں! (نہیں) بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت، کیونکہ پتھروں میں تو بعض پتھر ایسے بھی ہیں، جن میں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، اور انہی پتھروں میں ایسی چٹانیں بھی ہیں جو شق ہو کر دو ٹکڑے ہوجاتی ہیں اور ان میں سے پانی اپنی راہ نکال لیتا ہے، اور پھر انہی میں وہ چٹانیں بھی ہیں جو خوفِ الٰہی سے (لرز کر) گر پڑتی ہیں (لیکن تمھارے دلوں کی بے حسی کا تو یہ حال ہوگیا کہ کتابِ الٰہی کی کوئی تنبیہ اور خدا کے رسولوں کی کوئی تخویف بھی انھیں ہلا نہ سکی! اور حوادث و وقائع کا کوئی سیلاب بھی اُن میں راہ نہ پا سکا! پس افسوس اُن دلوں پر، جن کے سامنے پتھر کی سختی اور چٹانوں کا جماؤ بھی ماند پڑ جائے! بہرحال) یاد رکھو، خدا (کا قانون) تمھارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے (وہ تمھارے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھتا ہے، اور ضروری ہے کہ جیسا جس کا عمل ہو، اسی کے مطابق نتائج بھی پیش آئیں!)

۷۲ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۞ اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ
۷۳ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۞ وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ۞ فَوَيۡلٌ
لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا
۷۴ قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ وَقَالُوۡا لَنۡ
تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ
۷۵ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞ بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓــئَتُهٗ

النصف

۷۰ بنی اسرائیل کے گذشتہ ایّام و وقائع کے ذکر کے بعد، اُنکے موجودہ اعمال و اقوال پر تبصرہ، اُن کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی تشریح، اور دین الٰہی کے حجج و براہین۔

سب سے پہلی اور بنیادی گمراہی یہ ہو کہ نہ تو کتاب اللہ کا سچّا علم باقی رہا ہو، نہ سچّا عمل!

(اے پیروانِ دعوتِ حق! جن لوگوں کی شقاوت کا یہ حال ہو، اُن سے قبولیتِ حق کی کیا امید ہو سکتی ہو؟) کیا تم توقّع رکھتے ہو کہ وہ (کلامِ حق پر غور کرینگے، اور اُسکی سچائی پرکھ کر) تمھاری بات تسلیم کر لینگے، حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سُنتا تھا، اور اُس کے مطالب سمجھتا تھا، لیکن پھر بھی، دیدہ و دانستہ اس میں تحریف کر دیتا تھا (یعنے اس کا مطلب بدل دیتا تھا تاکہ اپنے ذاتی اغراض پورے کرے یا اپنے خیالات اور آراء کے مطابق اسے ڈھال لے۔ سو جن لوگوں کی گمراہی اس حد تک پہنچ چکی ہو، تم اُن سے اتباعِ حق کی کیا امید کر سکتے ہو؟)

۷۱ اور (دیکھو، اِن کا حال تو یہ ہو کہ) جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں، تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں لیکن جب اکیلے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں، تو کہتے ہیں "جو کچھ تمھیں خدا نے (تورات کا) علم دیا ہو، وہ اِن لوگوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو؟ کیا اس لئے کہ وہ تمھارے خلاف تمھارے پروردگار کے حضور اُس سے حجت پکڑیں (یعنے تمھارے پروردگار کے کلام سے تمھارے خلاف استدلال کریں؟) کیا (اتنی موٹی سی بات بھی) تم نہیں سمجھتے؟" (غور کرو، اگر ان کے دل میں خدا کی کتاب پر سچّا ایمان ہوتا، تو کیا ممکن تھا کہ محض اپنی ہار جیت کے لئے یہ اُس کی تعلیم دوسروں سے چھپانا چاہتے، اور یہ جاننے پر بھی کہ اُس کی تعلیم اُنکے خلاف حجت

۷۲ ہو، اپنی گمراہیوں کا اقرار نہ کرتے؟ افسوس انکے اِدّعاءِ ایمان و حق پرستی پر!) کیا یہ نہیں جانتے کہ (معاملہ انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے ہو، اور) اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں؟ وہ جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہیں، اُسے بھی وہ جانتا ہو، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ بھی اُس کے سامنے ہو!

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ ۷۶
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ ۷۷
اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ۷۸
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

۷۳ اور (پھر یہ حال تو اُن کے علماء کا ہے جو مقدّس نوشتوں کا علم رکھتے ہیں، لیکن) انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو اَن پڑھ ہیں، اور جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے، (خوش اعتقادی کی) آرزوؤں اور ولولوں کے سوا اور کچھ نہیں جانتے، اور (دین کے علم و عمل کی جگہ) محض وہموں گمانوں میں مگن ہیں

پس افسوس اُن (مدعیانِ علم) پر! جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں (یعنے اپنی رائیوں اور خواہشوں کے مطابق احکام شرع کی کتابیں بناتے ہیں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں، یہ اللہ کے طرف سے ہے (یعنے اس خود ساختہ کتاب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ کتاب الٰہی کے احکام ہیں) اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں، تاکہ اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کرلیں۔ پس افسوس اُس پر، جو کچھ اُنکے ہاتھ لکھتے ہیں، اور افسوس اُس پر، جو کچھ وہ اس ذریعہ سے کماتے ہیں!

اُن کے علماء حق فروش ہیں، اور عوام کا سرمایۂ دین خوش اعتقادی کی آرزوؤں اور جہالت کے ولولوں کے سوا کچھ نہیں ہے!

یہودیوں کے علماء کی یہ گمراہی کہ کتاب اللہ کے احکام پر اپنی رائیوں اور خواہشوں کو ترجیح دیتے اور پھر اپنے گھڑے ہوئے حکموں اور مسئلوں کو کتاب اللہ کی طرح واجب العمل بتلاتے۔

۷۴ یہ لوگ (یعنے یہودی) کہتے ہیں، جہنم کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی نہیں (کیونکہ ہماری اُمت خدا کے نزدیک نجات یافتہ اُمت ہے) اگر ہم آگ میں ڈالے بھی جائینگے تو (اس لئے نہیں کہ ہمیشہ عذاب میں رہیں، بلکہ) صرف چند دنوں کے لئے (تاکہ گناہ کے میل کچیل سے پاک صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہوں) اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدو، یہ بات جو تم کہتے ہو تو (دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو) تم نے خدا سے (غیر مشروط) نجات کا کوئی

یہودیوں کی یہ گمراہی کہ سمجھتے تھے، اُن کی امت نجات یافتہ اُمت ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ کوئی یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے۔

قرآن انکے اس زعم باطل کا رَدّ کرتا ہے، اور کہتا ہے، جنت و دوزخ کی تقسیم قوموں کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے کہ کسی خاص قوم کے لئے جنت ہو، اور باقی کے لئے دوزخ، بلکہ اس کا تمام تر دارومدار ایمان و عمل پر ہے۔ جس انسان نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ بُرائی کمائی، اُس کے لئے بُرائی یعنے عذاب ہے، اور جس کسی نے بھی اپنے اعمال کے ذریعہ اچھائی کمائی اسکے

٧٩ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ
عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا
خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
٨٠ تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

لئے اچھائی یعنے نجات ہے۔ خواہ وہ کوئی ہو، اور کسی گروہ بندی کا ہو!

پٹہ لکھوالیا ہے کہ اب وہ اُس کے خلاف جا نہیں سکتا، اور
یا پھر تم خدا کے نام پر ایک ایسا بہتان باندھ رہے ہو جس
کے لئے تمھارے پاس کوئی علم نہیں!

٧٥ نہیں، (آخرت کی نجات کسی ایک اُمت اور گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ ہر حال میں اُسی کے لئے ہو۔ خدا کا قانون تو
یہ ہے کہ کوئی انسان ہو، اور کسی گروہ اور اُمت کا ہو) لیکن جس کسی نے بھی اپنے اعمال سے بُرائی کمائی اور اُسکے گناہوں نے اُسے
٧٦ گھیرے میں لے لیا، تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ اور جس کسی نے بھی ایمان کا
شیوہ اختیار کیا اور اُسکے اعمال بھی اچھے ہوئے، تو وہ بہشتی گروہ میں سے ہے۔ ہمیشہ بہشت میں رہنے والا!
٧٧ اور پھر (وہ وقت) یاد کرو، جب ہمنے بنی اسرائیل سے (اتباعِ شریعت کا) عہد لیا تھا (وہ عہد کیا تھا؟ کیا نسلی امتیاز
کے گھمنڈ اور یہودی گروہ بندی کی نجات یافتگی کا عہد تھا؟ نہیں، ایمان و عمل کا عہد تھا) اللہ کے سوا اور کسی کی
عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، عزیزوں قریبوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا، یتیموں مسکینوں کی خبر
گیری کرنا، تمام انسانوں سے اچھے طریق پر ملنا، نماز قائم کرنی، زکوٰۃ ادا کرنی (ایمان و عمل کی یہی بنیادی
سچائیاں ہیں جن کا تم سے عہد لیا گیا تھا) لیکن تم اس عہد پر قائم نہیں رہے اور ایک قلیل تعداد کے سوا سب نے
روگردانی کی، اور حقیقت یہ ہے کہ (ہدایت کی طرف سے) کچھ تمھارے رُخ ہی پھرے ہوئے ہیں!

٧٨ اور پھر (وہ معاملہ یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے
تم سے عہد لیا تھا: آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں
بہاؤ گے، اور نہ اپنے آپ کو (یعنے اپنی جماعت کے افراد
کو) جلا وطن کرو گے۔ تم نے اس کا اقرار کیا تھا، اور تم
٧٩ (اب بھی) یہ بات تسلیم کرتے ہو۔ لیکن پھر (دیکھو) تم ہی

پیروانِ مذاہب کی گمراہی کی وہ حالت، جبکہ اتباعِ دین کی روح یکقلم
مفقود ہوجاتی ہے، اور دینداری کی نمائش صرف اس لئے کی جاتی ہے تاکہ
نفسانی خواہشوں اور کامجوئیوں کے لئے اُسے آلہ کار بنایا جائے۔ اس
صورتِ حال کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے بنیادی اور اصولی احکام پر

٨١ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ
الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ
٨٢ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا
٨٣ غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ
مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ
كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ

تو کوئی توجہ نہیں کرتا، لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو نمائش اور ریاکاری کا ذریعہ ہو سکتی ہیں، اور جن کے کرنے میں کچھ چھوڑنا اور کھونا نہیں پڑتا، بہت زور دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر اُن اصولی باتوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جاتا تو یہ فروعی خلاف ورزیاں ظہور ہی میں نہ آتیں، علماء یہود اسی گمراہی میں مبتلا تھے۔

وہ اقرار کرنے والی جماعت ہو جس کے افراد ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کرتے ہیں، اور ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف ظلم و معصیت سے جتھا بندی کر کے اُسے اُسکے وطن سے نکال باہر کرتا ہو (اور تم میں سے کسی کو کبھی یہ بات یاد نہیں آتی کہ اس بارے میں خدا کی شریعت کے احکام کیا ہیں؟) لیکن پھر جب ایسا ہوتا ہو کہ تمھارے جلاوطن کئے ہوئے آدمی (دشمنوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں اور) قیدی ہو کر تمھارے سامنے آتے ہیں، تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو (اور کہتے ہو، شریعت کی رو سے ایسا کرنا ضروری ہے) حالانکہ (اگر شریعت کے حکموں کا تمھیں اتنا ہی پاس ہے، تو) شریعت کی رو سے تو یہی بات حرام تھی کہ انھیں اُنکے گھروں اور بستیوں سے جلاوطن کر دو (اور اُنکے خلاف ظلم و معصیت سے جتھا بندی کرو۔ پھر یہ گمراہی کی کیسی انتہا ہے کہ قیدیوں کے چھڑانے اور اُنکے فدیہ کے لئے مال جمع کرنے میں تو شریعت یاد آجاتی ہے، لیکن اُس ظلم و معصیت کے وقت یاد نہیں آتی جس کی وجہ سے وہ دشمنوں کے ہاتھ پڑے اور قید ہوئے؟) کیا یہ اس لئے ہے کہ کتاب الٰہی کا کچھ حصہ تو تم مانتے ہو، اور کچھ حصے سے منکر ہو؟ (یعنے بہ یک وقت کتاب الٰہی کے ماننے والے بھی ہو اور جھٹلانے والے بھی ہو؟) پھر بتلاؤ، تم میں سے جن لوگوں کے اعمال کا یہ حال ہے اُنھیں پاداشِ عمل میں اس کے سوا کیا مل سکتا ہے کہ دنیا میں ذلت و رسوائی ہو، اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب! یاد رکھو، اللہ (کا قانونِ جزا و سزا) تمھارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے!

٨٠ یقیناً یہی لوگ ہیں جنھوں نے آخرت (کی زندگی) تاراج کر کے دنیا کی زندگی مول لی ہے۔ (پس ایسے لوگوں کے لئے فلاح کی کوئی امید نہیں) نہ تو اُن کے عذاب میں کمی ہوگی، نہ کہیں سے مدد پا سکیں گے!

یہ حالت اس بات کا نتیجہ ہے کہ راست بازی اور حق پرستی کی جگہ نفسانی

٨١ اور (پھر دیکھو) ہم نے (تمھاری رہنمائی کے لئے پہلے) موسیٰ کو

۸۴ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَن يُنَزِّلَ
اللَّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَ
لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ
۸۵ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ
۸۶ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَقَدْ جَاءَكُم
۸۷ مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَ

خواہشوں کی پرستش کی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ غرض پرستوں نے ہمیشہ داعیانِ حق و اصلاح کی مخالفت کی ہے۔ بنی اسرائیل کے تکذیبِ رُسل اور قتلِ انبیاء سے استشہاد، کہ جس طرح ہمیشہ سچائی کے منکر و معاند رہے، اُسی طرح اب بھی انکار و عناد میں سرگرم ہیں۔

کتاب دی۔ پھر موسیٰ کے بعد سلسلۂ ہدایت پے درپے رسولوں کو بھیجکر جاری رکھا، بالآخر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو سچائی کی روشن نشانیاں دیں، اور روح القدس کی تائید سے ممتاز کیا، لیکن ان میں سے ہر دعوت کی تم نے مخالفت کی، اور خدا کے ہر پیام کو تم نے جھٹلایا) پھر کیا تمھارا شیوہ ہی یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آئے جو تمھاری نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو، تو تم اُسکے مقابلہ میں سرکشی کر بیٹھو، اور اُن میں سے کسی کو جھٹلاؤ، کسی کو قتل کر دو؟

۸۲ اور (یہ لوگ اپنے جمود اور بے حسی کی حالت پر فخر کرتے ہیں اور) کہتے ہیں ہمارے دل تو درتہ غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں (یعنے اب کسی نئی بات کا اثر اُن تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ یہ اعتقاد کی پختگی اور حق کا ثبات نہیں ہے جو قابلِ تعریف ہو) بلکہ انکارِ حق کے تعصب کی پھٹکار ہے (کہ کلامِ حق سننے اور اثر پذیر ہونے کی استعداد ہی معدوم ہو گئی) اور اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ دعوتِ حق سنیں اور قبول کریں۔

حق کے ثبات اور تقلید کے جمود میں فرق ہے۔ خیالات کی ایسی پختگی میں کوئی خوبی نہیں کہ ہم دوسروں کی بات سننے ہی سے انکار کر دیں۔ علماءِ یہود ایسے ہی جمود میں مبتلا تھے، اور اُسے اعتقاد کی پختگی سمجھ کر فخر کرتے تھے۔

۸۳ چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے اُنکی ہدایت کے لئے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اُس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے انکے پاس موجود ہے تو باوجودیکہ وہ (تورات کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس ظہور کے منتظر تھے اور) کافروں کے مقابلے میں اس کا نام لیکر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے، لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے آگئی، تو صاف انکار کر گئے، (اور اُس کی مخالفت پر کمر باندھ لی) پس اُن لوگوں کے لئے جو (دیدہ و دانستہ) کفر کی

اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ
اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ ۸۸
الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۸۹
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ ۹۰

راہ اختیار کریں، اللہ کی لعنت ہو (اور اُس کا قانون یہی ہو کہ ایسوں پر فلاح و سعادت کی راہ کبھی نہیں کھلتی!)

(افسوس انکی شقاوت پر!) کیا ہی بُری قیمت ہو جسکے بدلے اُنھوں نے ۸۴
اپنی جانوں کا سودا چکایا! اُنھوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی سچائی سے (دیدہ و دانستہ) انکار کیا، اور صرف اس لئے انکار کیا کہ وہ جس کسی پر چاہتا ہو، اپنا فضل نازل کر دیتا ہو) اسمیں خود اُن کی نسل و جماعت کی کوئی خصوصیت نہیں ہو۔ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے پہلے ہی ذلیل و خوار ہو چکے تھے، لیکن اس نئے انکار سے اور زیادہ ذلت و خواری کے مستوجب ہوئے) پس اللہ کا غضب بھی یکے بعد دیگرے اُن کے حصے میں آیا، اور اُس کا قانون یہی ہو کہ انکارِ حق کرنے والوں کے لئے (ہمیشہ) رسواکن عذاب ہوتا ہو!

قبولِ حق کی راہ میں جو موانع پیش آتے ہیں، ان میں سب سے بڑا مانع نسلی، جماعتی، یا شخصی حسد ہو

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے، جو کچھ خدا ۸۵
نے نازل کیا ہے، اُس پر ایمان لاؤ، تو کہتے ہیں، ہم تو صرف وہی بات مانیں گے جو ہم پر نازل ہوئی ہے یعنے اس کے سوا جو کچھ ہے اُس سے اُنھیں انکار ہے۔ حالانکہ وہ خدا کا سچا کلام ہے جو اُن کی کتاب کی تصدیق کرتا ہوا نمودار ہوا ہے (بہرحال) اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہو اچھا اگر واقعی تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھنے والے ہو (اور قرآن کی دعوت سے صرف اس لئے انکار کرتے ہو کہ تورات پر ایمان رکھنے کے بعد اسکی ضرورت نہیں) تو پھر تم نے پچھلے وقتوں میں خدا
کے نبیوں کو کیوں قتل کیا (جو تمھیں تورات پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے، اور کیوں ایمان کی جگہ انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی؟) ۸۶

اہلِ مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہو کہ جب اُنھیں اتباعِ حق کی دعوت دی جاتی ہو، تو کہتے ہیں، ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہو۔ ہمیں کسی نئی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس دین کو اپنا دین کہتے ہیں اُسی پر اُن کا عمل کب ہو؟ قرآن کہتا ہو، دین سب کے لئے اور سب کا ایک ہی ہو۔ اور میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ پچھلی تعلیمات کی جگہ کوئی نیا دین پیش کروں، بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ اُن کا سچا اعتقاد اور عمل پیدا کر دوں۔

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ
٩١ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۠ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ ع ١١
نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى
٩٢ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ
٩٣ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ
اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور پھر دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمھارے پاس آیا لیکن جب (چالیس دن کے لئے) تم سے الگ ہو گیا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے، اور ایسا کرتے ہوئے یقیناً تم (شیوۂ ایمان میں ثابت قدم نہ تھے) ایمان سے منحرف ہو گئے تھے!

٨٧ اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (دینِ الٰہی پر قائم رہنے کا) تم سے عہد لیا تھا، اور کوہِ طور کی چوٹیاں تم پر بلند کر دی تھیں (تو تم نے اس کے بعد کیا کیا؟ تمھیں حکم دیا گیا تھا کہ) "جو کتاب تمھیں دی گئی ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ، اور اس کے حکموں پر کاربند ہو" تم نے (زبان سے) کہا، سنا، اور (دل سے کہا) نہیں مانتے۔ اور پھر ایسا ہوا کہ تمھارے کفر کی وجہ سے تمھارے دلوں میں گوسالہ پرستی رچ گئی (اے پیغمبر) ان سے کہو، (دعوتِ حق سے بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے) تم اپنے جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو، اگر وہ یہی ایمان ہے، تو افسوس اس ایمان پر! کیا ہی بری راہ ہے جس پر تمھارا ایمان تمھیں لے جا رہا ہے!

٨٨ (یہ لوگ کہتے ہیں آخرت کی نجات صرف انہی کے حصے میں آئی ہے) تم ان سے کہو، اگر آخرت کا گھر، خدا کے نزدیک صرف تمھارے ہی لئے ہے۔ اور کسی انسان کا اس میں حصہ نہیں، اور تم اپنے اس اعتقاد میں سچے ہو، تو (تمھیں دنیا کی جگہ آخرت کا طلبگار ہونا چاہئے۔ پس بے خوف ہو کر) موت

> جن کے دل میں نجاتِ آخروی کا سچا یقین ہے، وہ موت سے خائف اور حیاتِ دنیوی کے پجاری نہیں ہو سکتے۔ بنی اسرائیل کی دنیا پرستی اور حیاتِ دنیوی کی حرص سے انکے ایمان و یقین کے فقدان پر استشہاد۔

٨٩ کی آرزو کرو (حیاتِ فانی کے پجاری نہ بنو) اے پیغمبر! تم دیکھ لوگے کہ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جسکا ذخیرہ جمع کر چکے ہیں کبھی ایسا کرنے والے نہیں، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

٩٠ اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ تم دیکھو گے، زندگی کی سب سے زیادہ حرص رکھنے والے یہی لوگ ہیں۔ مشرکوں سے بھی زیادہ (ان مدعیانِ توحید کے دلوں میں حیاتِ فانی کا عشق ہے) ان میں سے ایک ایک آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے، کہ کاش ایک ہزار برس تک تو جئے! حالانکہ (یہ لوگ کتنے ہی زیادہ عرصہ تک جئیں، بہرحال ایک دن مرنا ضرور ہے، اور) کچھ عمر کی

أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۹۴
وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ ۹۵
اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا ۹۶
تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا
يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا
يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ

درازی انھیں عذاب آخرت سے نجات نہیں دلادے گی، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہے!

(اے پیغمبر) یہ اللہ کا کلام ہے جو جبرئیل نے اُس کے حکم سے تمھارے قلب میں ۹۱
اُتارا ہے، اور یہ اُس کلام کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہے، جو اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے۔ اسمیں انسان کے لئے ہدایت ہے، اور اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (فلاح و کامیابی کی) بشارت۔ (پھر اگر یہ لوگ اللہ کے سلسلۂ وحی و نبوت کے مخالف ہیں، اور شدت جہل و تعصب سے کہتے ہیں، ہم جبرئیل کا اُتارا ہوا کلام نہیں مانینگے۔ اُن
سے ہماری دشمنی ہے تو) تم کہدو، جو کوئی اللہ کا، اُس کے ملائکہ کا، اُس کے رسولوں کا، اور جبرئیل اور میکائل کا ۹۲
دشمن ہے، تو یقیناً اللہ بھی منکرین حق کا دوست نہیں ہے!

جو کوئی سلسلۂ وحی کا مخالف ہے، تو وہ اللہ اور اُس کے قوانین ہدایت کا مخالف ہے۔

اے پیغمبر! یقین کرو، ہم نے تم پر سچائی کی روشن ۹۳
دلیلیں نازل کی ہیں اور اُن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مگر صرف وہی جو راست بازی کے دائرہ سے باہر ہو گیا ہے
(اور یہ لوگ جو آج دعوت حق کی مخالفت کر رہے ہیں ۹۴
تو غور کرو، اس سے پہلے ان لوگوں کی روش کیسی رہ چکی ہے؟) جب کبھی ان لوگوں نے اتباع حق کا کوئی عہد کیا، تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور ہی اُسے پس پشت ڈال دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے دل خدا پرستی کے سچے ایمان سے خالی ہیں!

پیغمبر اسلام سے خطاب کہ دعوت حق کا ظہور سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ ہوا ہے جن سے کوئی راست باز انسان انکار نہیں کر سکتا، اور اگر علماء یہود باوجود کتاب اللہ کے حامل ہونے کے انکار کر رہے ہیں، تو یہ کفر و جحود کا کوئی نیا مظاہرہ نہیں ہے جس پر تعجب ہو۔ اس سے پہلے بھی انکی روش ایسی ہی رہ چکی ہے

چنانچہ (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اللہ کا ایک رسول اُس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو پہلے سے انکے پاس ۹۵
موجود تھی (یعنے حضرت مسیح کا ظہور ہوا) تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے کہ کتاب الٰہی کے حامل تھے، کتاب

حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ
بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ
يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ
فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
۹۷ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ۝ ع ۱۲

الٰہی اس طرح پس پشت ڈال دی، گویا اسے جانتے ہی نہیں!

۹۶ بنی اسرائیل کے ضعف عقل و ایمان پر اس واقعہ سے استشہاد کہ جادوگروں کے شعبدوں اور پُر معصیت عملوں پر جھک پڑے تھے، اور کتاب الٰہی کی تعلیم پس پشت ڈال دی تھی ضمناً اس حقیقت کا اعلان کہ اس بارے میں جو خرافات مشہور ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں۔

اور پھر (دیکھو) ان لوگوں نے (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کرکے جادوگری کے) اُن (مشرکانہ عملوں کی پیروی کی جنھیں شیطان سلیمان کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کرکے پڑھا پڑھایا کرتے تھے۔ حالانکہ (یہ سلیمان پر افترا تھا۔ ایسی باتوں کا کرنا کفر ہے اور) سلیمان کبھی کفر کا مرتکب نہیں ہوا۔ دراصل یہ انہی شیطانوں کا کفر تھا کہ لوگوں کو جادوگری سکھلاتے تھے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی (جیسا کہ ان لوگوں میں مشہور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ) وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھلاتے تھے کہ دیکھو، ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے۔ پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ (یعنے جادوگری کی باتوں کا برا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہے، کہ جو لوگ اسکے سکھلانے والے تھے، وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خداپرستی کے خلاف ہے) لیکن اس پر بھی لوگ ان سے ایسے ایسے عمل سیکھتے جن کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اِلّا یہ کہ خدا کے حکم سے کسی کو نقصان پہنچنے والا ہو اور نقصان پہنچ جائے۔ (بہرحال) یہ لوگ (کتاب الٰہی کی تعلیم فراموش کرکے) ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو انھیں سراسر نقصان پہنچانے والی ہیں اور کوئی فائدہ نہیں رکھتیں۔ اور (پھر کچھ یہ بات بھی نہیں کہ اُنھیں احکام الٰہی کی خبر نہ ہو) اُنھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کوئی (اپنا دین و ایمان بیچ کر) جادوگری کا خریدار ہوتا ہے، اُس کے لئے آخرت کی برکتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (لیکن یہ جانتے ہوئے بھی وہ اس سے باز نہیں آتے) پس افسوس ان کی اس خرید و فروخت پر! کیا ہی بری متاع ہے جس کے بدلے اُنھوں نے اپنی جانوں کی نجات بیچ ڈالی! کاش وہ جانتے (کہ کس طرح اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر رہے

۹۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
۹۹ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
۱۰۰ الْعَظِيْمِ ۝ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
۱۰۱ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

ہیں!)

۹۷ اگر یہ لوگ (احکام الٰہی پر سچائی کے ساتھ) ایمان لاتے، اور نیک عملی کی روش اختیار کرتے، تو انکے لئے اللہ کے حضور بہتر اجر تھا۔ (لیکن وہ دنیا کے موہوم فائدہ کے لئے آخرت کی نجات سے دست بردار ہوگئے) کاش وہ سمجھیں (اور عقل و بصیرت سے کام لیں!)

۹۸ اے پیروانِ دعوت ایمانی! (پیغمبر اسلام کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہو، تو ان منکرین حق کی طرح) یہ نہ کہو کہ "راعنا" (جو مشتبہ اور ذو معنی لفظ ہے، بلکہ صاف اور بے لاگ الفاظ استعمال کرو۔ مثلاً) کہو "انظرنا!" ہماری طرف التفات کیجئے! اور پھر وہ جو کچھ بھی کہیں، اُسے جی لگا کر سنو اور اسکی اطاعت کرو۔ باقی رہے یہ منکرین حق، تو یاد رکھو، اُنھیں (پاداشِ عمل میں) دردناک عذاب ملنے والا ہے!

دعوتِ قرآنی کے پیروں سے خطاب کہ بنی اسرائیل کے ایّام و وقائع سے عبرت پکڑیں، اور اُن ٹھوکروں سے بچیں جو انھیں اس راہ میں لگ چکی ہیں۔ نیز اُن شکوک اور اعتراضات کا جواب جو منکرینِ حق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

۹۹ اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ، اور مشرکینِ مکہ، دونوں نہیں چاہتے کہ تمھارے پروردگار کے طرف سے تم پر خیر و برکت (یعنے وحی الٰہی) نازل ہو (اور اس لئے وہ طرح طرح کے شکوک پیدا کرکے تمھیں اتباعِ حق سے باز رکھنا چاہتے ہیں) لیکن اللہ (کا قانون اس بارے میں انسانی خواہشوں کا پابند نہیں ہوسکتا۔ وہ) جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے، اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے!

۱۰۰ (یاد رکھو، وحی و تنزیل کے بارے میں ہمارا مقررہ قانون یہ ہے کہ) ہم اپنے احکام میں سے جو کچھ منسوخ کردیتے ہیں، یا فراموش ہوجانے دیتے ہیں تو اسکی جگہ اس سے

ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہوئی۔ یا "نسیان" کی۔ "نسخ" یہ کہ ایک بات پہلے سے موجود تھی لیکن

۱۰۲ اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ
۱۰۳ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۝ وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ
لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
۱۰۴ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ
۱۰۵ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝ وَقَالُوۡا

"نذرت ہوگئی"، اور اُس کی جگہ دوسری بات آگئی۔ "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ پس بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی، لیکن احوال و ظروف بدل گئے تھے۔ یا اُس کے پیروؤں کی عملی لیاقت معدوم ہوگئی تھی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے۔ بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ امتدادِ وقت سے پچھلی تعلیم بالکل فراموش ہوگئی، اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا، پس لامحالہ تجدیدِ ہدایت ناگزیر ہوئی۔

سنت الٰہی یہ ہے کہ نسخِ شرائع ہو یا نسیانِ شرائع، لیکن ہر نئی تعلیم پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے۔ یا کم از کم اُس کے مانند ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو کیونکہ

۱۰۲ اصل تکمیل و ارتقا ہے، نہ کہ تنزل و تسفل۔

کثرتِ سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت۔

بہتر یا (کم از کم) اُس جیسا حکم نازل کردیتے ہیں (پس اگر اب ایک نئی شریعت ظہور میں آئی ہے، تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو[1]) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں؟ (اگر وہ ایک مرتبہ تمھاری ہدایت کے لئے حسبِ ضرورت احکام بھیج سکتا ہے، تو یقیناً اُس کے بعد بھی بار بار ایسا کرسکتا ہے) اور پھر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی سلطانی ہے اور اُس کے سوا کوئی نہیں جو تمھارا دوست اور مددگار ہو؟

پھر کیا تم چاہتے ہو، اپنے رسول سے بھی (دین کے بارے میں) ویسے ہی سوالات کرو، جیسے سوالات اب سے پہلے موسیٰ سے کئے جاچکے ہیں؟ (یعنی جس طرح بنی اسرائیل نے راست بازی و اطاعت شعاری کی جگہ کٹ حجتیاں کرنے اور بلا ضرورت باریکیاں نکالنے کی روش اختیار کی تھی، ویسی ہی روش تم بھی اختیار کرو؟ سو یاد رکھو) جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پاکر، پھر اُسے کفر کی روش سے بدل دیگا، تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا، اور فلاح و کامیابی کی منزل اُس پر گم ہوگئی!

[1] اس آیت میں نسخِ آیات سے مقصود پچھلی شریعتوں کا نسخ ہے یا خود قرآن کے بعض احکام و آیات کا؟ اس بارے میں مفسرین کے دونوں قول موجود ہیں۔ ہمنے پہلی صورت اختیار کی۔ کیونکہ ہمارے خیال میں یہ سیاق و سباق سے زیادہ مربوط ہے لیکن جن حضرات کے نزدیک ترجیح دوسری صورت کو ہے، وہ اُسی کو اختیار کریں، ولکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات۔ اس صورت میں انھیں یہ سطر قلمزد کردینی چاہیے اور اسکی جگہ حسبِ ذیل عبارت مطالعہ میں رکھنی چاہیے "پس اگر کسی پچھلے حکم کی جگہ کوئی دوسرا حکم نازل ہوا ہے، تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر لوگوں کو حیرانی ہو" ۱۲

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا
١٠٦ بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ
١٠٧ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ
النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
١٠٨ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

١٠٣ یاد رکھو، اہل کتاب میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں تمھیں ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں، اور اگرچہ اُن پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے، لیکن پھر بھی اُس حسد کی وجہ سے جس کی جلن اُنکے اندر ہے، پسند نہیں کرتے کہ تم راہِ حق میں ثابت قدم رہو۔ پس چاہیے کہ (اُن سے لڑنے جھگڑنے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، اور) عفو و درگزر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے (اور وہ حق کو فتح مند کرکے بتلا دے کہ کون حق پر تھا اور کس کی جگہ باطل پرستی کی جگہ تھی) اور بلاشبہ وہ ہر بات پر قادر ہے!

نماز اور زکوٰۃ یعنے قلبی اور مالی عبادت کی سرگرمی، ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد نشو و نما پاتی ہے اور قوی ہوتی ہے جس جماعت میں یہ سرگرمی موجود ہو، وہ نہ تو دین سے برگشتہ ہو سکتی ہے، نہ اسکی اجتماعی قوت میں ضعف آسکتا ہے۔

١٠٤ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو (تاکہ تمھاری معنوی قوت نشو و نما پائے، اور راہِ ایمان میں اُستوار ہو جاؤ۔) یاد رکھو، جو کچھ بھی تم اپنے لئے نیکی کا سرمایہ پہلے سے فراہم کر لوگے، اللہ کے پاس اُس کے نتائج موجود پاؤگے (یعنے مستقبل میں اُس کے نتائج و ثمرات ظاہر ہونگے) تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے!

١٠٥ اور یہودی کہتے ہیں، جنت میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو۔ اسی طرح عیسائی کہتے ہیں، جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ عیسائی نہ ہو۔ (یعنے ان میں سے ہر گروہ سمجھتا ہے آخرت کی نجات صرف اُسی کے حصہ میں آئی ہے، اور جب تک ایک انسان اس کی مذہبی گروہ بندی میں داخل نہ ہو، نجات نہیں پا سکتا۔ اے پیغمبر!) یہ ان لوگوں کی (جاہلانہ)

اہلِ مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی سچائی، جو ایک ہی تھی اور یکساں طور پر سب کو دی گئی تھی، مذہبی گروہ بندیوں کے الگ الگ حلقے بنا کر ضائع کر دی۔ اب ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلاتا ہے، اور صرف اپنے ہی کو سچائی کا وارث سمجھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نزاع کا فیصلہ کیونکر ہو؟ اگر کوئی ایک گروہ ہی سچا ہے، تو کیوں وہی سچا ہو، دوسرے سچے نہ ہوں؟ اگر سب سچے ہیں، تو پھر کوئی بھی سچا نہیں۔ کیونکہ ہر گروہ دوسرے کو جھٹلا رہا ہے۔ اگر

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا
109 خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا
110 فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ
111 مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى
112 اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ
اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ

سب جھوٹے ہیں، تو پھر خدا کی سچائی گئی کہاں؟

قرآن کہتا ہے، خدا کی سچائی سب کے لئے ہے اور سب کو ملی تھی، لیکن سب نے
سچائی سے انحراف کیا۔ سب اصل کے اعتبار سے سچے ہیں، اور سب عمل کے اعتبار
106 سے جھوٹے۔ میں چاہتا ہوں، اسی مشترک اور عالمگیر سچائی پر سب کو جمع کر دوں
اور مذہبی نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ مشترک اور عالمگیر سچائی کیا ہے؟ خدا
پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے۔ یہی قانون خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ہے، اور اسی
کو میں "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہوں۔

یہودی کہتے تھے، جب تک ایک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ
ہو، نجات نہیں پا سکتا۔ عیسائی کہتے تھے، جب تک عیسائی گروہ بندی میں
107 داخل نہ ہو، نجات نہیں مل سکتی۔ قرآن کہتا ہے، نجات کا دارومدار خدا پرستی
اور نیک عملی پر ہے، نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر۔ جو انسان بھی خدا پرست اور
نیک عمل ہوگا، نجات پائے گا۔ خواہ تمہاری گڑھی ہوئی گروہ بندیوں میں داخل
ہو یا نہ ہو۔

اُمنگیں اور آرزوئیں ہیں۔ نہ کہ حقیقتِ حال ہے۔ تم ان سے کہو، اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو، تو ثابت کرو، تمہارے اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟

ہاں، (بلاشک نجات کی راہ کھلی ہوئی ہے، مگر وہ کسی خاص گروہ بندی کی راہ نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے۔ کوئی ہو، کسی گروہ میں سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن) جس کسی نے بھی اللہ کے آگے سر نیاز جھکا دیا، اور وہ نیک عمل بھی ہوا، تو وہ اپنے پروردگار سے اپنا اجر ضرور پائے گا۔ نہ تو اس کے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

اور (دیکھو، یہ کیسی گمراہی ہے کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلاتا ہے، اور سچائی کا صرف اپنے ہی کو ٹھیکیدار سمجھتا ہے) یہودی کہتے ہیں، عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے۔ عیسائی کہتے ہیں، یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے۔ حالانکہ اللہ کی کتاب دونوں پڑھتے ہیں (اور اصل دین دونوں کے لئے ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی، جو (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنے مشرکین عرب نے، کہ وہ بھی صرف اپنے طریقہ ہی کو سچائی کا طریقہ سمجھتے ہیں اور دوسروں کو جھٹلاتے ہیں) اچھا، (یہ لوگ اسی طرح ایک دوسرے کو جھٹلاتے رہیں) قیامت کے دن اللہ ان کے درمیان حاکم ہوگا، اور جس بات میں جھگڑ رہے ہیں، اس کا فیصلہ کر دیگا!

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا ۱۱۳
تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ ۱۱۴
مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ ۱۱۵
حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ ۱۱۶
اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

وقف غفران

اور غور کرو، اُس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے، جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اُسکے نام کی یاد سے مانع آئے، اور اُن کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم و شرارت کا یہ حال ہے، یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ خدا کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ، خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں (اور ظلم و شرارت کی جرات ہی اُن میں باقی نہ رہے) یاد رکھو، ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے، اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب ہے! ۱۰۸

مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہو کہ ہر گروہ کے لئے اُس کی مخصوص عبادت گاہیں ہیں۔ اگر دوسرے گروہ کا کوئی آدمی ان میں خدا کی عبادت کرنی چاہے، تو اُسے روک دیا جاتا ہے، اور ہر گروہ چاہتا ہے، دوسرے گروہ کی عبادت گاہیں ڈھادے اور ویران کردے۔ حالانکہ سب خدا پرستی کے مدعی ہیں اور سب کا خدا ایک ہی خدا ہے۔

خدا کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہے کہ صرف وہیں اسکی عبادت کی جا سکے۔ جہاں کہیں بھی اسے اخلاص کے ساتھ یاد کیا جائے، وہ قبول کریگا۔

اور دیکھو، پورب ہو یا پچھم، ساری دنیا اللہ ہی کے لئے ہے۔ (اُس کی عبادت کسی ایک جہت اور مقام ہی پر موقوف نہیں) جہاں کہیں بھی تم اللہ کے طرف رُخ کرلو، اللہ تمھارے سامنے ہے۔ بلاشبہ اسکی قدرت کی سمائی بڑی ہی سمائی ہے، اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے! ۱۰۹

اور (عیسائیوں کو دیکھو) انھوں نے کہا، خدا نے (نوع انسانی کا گناہ معاف کرنے کے لئے مسیح کو) اپنا بیٹا بنایا۔ حالانکہ خدا کی ذات اس سے پاک ہے (وہ کیوں اس بات کا محتاج ہو کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے؟) زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا ہے، اور سب اسکے فرمان کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ ۱۱۰

عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کتاب الٰہی کی تعلیم سے منحرف ہوگئے، اور ابنیت مسیح کے اعتقاد باطل پر اپنی کلیسائی گروہ بندی قائم کرلی۔

وہ آسمان و زمین کا صناع ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے، تو (نہ تو اُسے کسی مددگار کی ضرورت ۱۱۱

۱۱۷ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا
۱۱۸ شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ
۱۱۹ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ
جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ
عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ
۱۲۰ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ

ہوتی ہے۔ نہ وسائل و ذرائع کی) بس وہ حکم دیتا ہے کہ ہو جائے، اور جیسا کچھ اُس نے حکم دیا تھا، ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہے!

مشرکینِ عرب اور اُن کے جاہلانہ و معاندانہ اعتراضات۔

جس طرح انسانی صداقت کا مزاج ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے، اُسی طرح انسانی گمراہی کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، ہر زمانہ میں منکرینِ حق نے ایک ہی طریقہ پر سچائی کو جھٹلایا ہے، اور ایک ہی طرح کی صدائیں بلند کی ہیں۔

۱۱۲ اور جو لوگ (مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکینِ عرب) وہ کہتے ہیں (اگر یہ تعلیم خدا کی طرف سے ہے، تو) کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ خدا ہم سے براہِ راست بات چیت کرے، یا اپنی کوئی (عجیب و غریب) نشانی ہی بھیج دے، تو (دیکھو، گمراہی و جہالت کی) جیسی بات یہ کہہ رہے ہیں، ٹھیک ٹھیک ایسی ہی بات اُن لوگوں نے بھی کہی تھی، جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس بارے میں پہلوں اور پچھلوں، سب کے دل ایک ہی طرح کے ہوئے۔ (بہرحال، اگر یہ لوگ نشانیوں ہی کے طلب گار ہیں، تو چاہیے، نشانیوں کی پہچان بھی پیدا کریں، اور اگر نشانیوں کی پہچان رکھتے ہیں، تو دیکھ لیں) ہم نے اُن لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں، کتنی ہی نشانیاں نمایاں کر دی ہیں! (اور وہ ان سے ایمان و معرفت کی روشنی حاصل کر رہے ہیں!)

سچائی کی پہچان رکھنے والوں کے لئے سب سے بڑی نشانی پیغمبر کی تعلیم اور اُس کی زندگی ہے، اور یہ بات سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ لوگوں کے جاہلانہ خیالات کے مطابق فرمائشی معجزے دکھلائے جائیں۔

۱۱۳ اے پیغمبر! یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں (خلق اللہ کی ہدایت کے لئے) بھیجا ہے، اور اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دو، اور (انکارِ حق کے نتائج سے) ڈراؤ (یعنے تمہاری دعوت تمام تر اسی حقیقت کی دعوت ہے۔ تم خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلاتے ہو۔ انکارِ حق اور بد عملی کے نتائج سے ڈراتے ہو۔ پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں، اگر

الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
۱۲۶ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
۱۲۷ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
۱۲۸ الرَّحِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ
۱۲۹ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا

ع ۱۵

فی الحقیقت ان میں سچائی کی طلب ہے، تو غور کرو، ایک طالب صادق کے لئے تمھاری دعوت سے بڑھ کر اور کونسی نشانی ہو سکتی ہے؟ کیا کسی انسان کے سچے ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اُس کی تمام باتیں صرف سچائی ہی کے لئے ہوں؟ لیکن اگر اس پر بھی یہ لوگ انکار و سرکشی سے باز نہیں آتے، تو انھیں اُنکے حال پر چھوڑ دو، اور اپنا کام کئے جاؤ) جو لوگ (اپنی محرومی و شقاوت سے) دوزخی گروہ ہو چکے ہیں، تم انکے لئے خدا کے حضور جوابدہ نہیں ہوگے (تمھارا کام صرف پیام حق پہنچا دینا ہے!)

۱۲۰ اور (حقیقت یہ ہے کہ تم اپنی سچائی کی کتنی ہی نشانیاں پیش کرو، لیکن) یہود اور نصاریٰ تم سے خوش ہونے والے نہیں۔ وہ تو صرف اُسی حالت میں خوش ہو سکتے ہیں کہ تم اُنکی (بنائی ہوئی) ملتوں کے پیرو ہو جاؤ (کیونکہ جس بات کو اُنھوں نے دین سمجھ رکھا ہے، وہ گروہ پرستی کے تعصب کے سوا کچھ نہیں ہے) پس تم اُن سے (صاف صاف) کہدو کہ خدا کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو ہدایت کی حقیقی راہ ہے (نہ کہ تمھاری خود ساختہ ملتیں اور گروہ بندیاں، اور میری راہ وہی ہے) اور یاد رکھو، اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی، باوجودیکہ تمھارے پاس علم و یقین کی روشنی آچکی ہے، تو (یہ ہدایت الٰہی سے صریح

یہ جتنی ملتیں الگ الگ بنائی گئی ہیں، یعنے الگ الگ گروہ بندیاں کرلی گئی ہیں، مثلاً یہودیت اور مسیحیت، تو یہ سب انسانی گمراہی کی بناوٹیں ہیں۔ ہدایت کی راہ تو بس ہدایت کی راہ ہے۔ جو کوئی اُس پر چلے گا، ہدایت یافتہ ہوگا۔ خواہ ان بنائی ہوئی ملتوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ حق پسندی اور حقیقت بینی کی جگہ محض گروہ پرستی کی روح کام کر رہی ہے۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے؟ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری گروہ بندی میں داخل ہے یا نہیں؟ جب لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو جائے، تو ظاہر ہے کہ دلائل و حقائق کچھ کام نہیں دے سکتے۔ کتنی ہی سچی اور معقول بات کیوں نہ کہی جائے، ان لوگوں کے لئے بیکار ہوگی!

جب تک تم یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندی میں داخل نہ ہو جاؤ،

مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ
۱۲۵-۱۲۶ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ
۱۲۷ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ
۱۲۸ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

یہودی اور عیسائی تم سے خوش ہونے والے نہیں، اگرچہ تمھارا اعتقاد اور
عمل کتنا ہی اچھا اور معقول ہو، اور خود انکی مسلّم تعلیمات کے ٹھیک ٹھیک
۱۱۵ مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

انحراف ہوگا، اور پھر) اللہ کی دوستی اور مددگاری
سے تم یکسر محروم ہو جاؤ گے!
اہل کتاب میں جو لوگ ایسے ہیں جو کتاب
الٰہی کی ٹھیک ٹھیک تلاوت کرتے ہیں (یعنے راست
بازی و اخلاص کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اُس کے مطالب میں غور و فکر کرتے ہیں!)
تو وہی ہیں جو (قبولیت حق کی استعداد رکھتے ہیں، اور اس لئے وہی ہیں جو) اس پر ایمان
لائیں گے، اور جو کوئی (ان میں سے) انکار کرتا ہے تو (اسکی ہدایت کی کوئی امید نہیں) یہ وہ لوگ ہیں جنکے
لئے تباہی و نامرادی ہو!

۱۱۶ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمھیں سرفراز کیا تھا۔ میں نے تمھیں دنیا کی تمام
قوموں میں برگزیدگی عطا فرمائی تھی!

۱۱۷ اور دیکھو، اُس دن سے ڈرو جو یقیناً آنے والا ہے (اور جس دن ہر انسان کو اپنے اعمال کے نتائج سے
دوچار ہونا ہے) اُس دن نہ تو کوئی جان دوسری جان کے کام آئے گی (کہ اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کا
نام لے کر اپنے آپ کو بخشوا لو) نہ کسی طرح کا معاوضہ قبول کیا جائے گا (کہ اپنی بدعملیوں کا فدیہ دیکر جان
چھڑا لو) نہ کسی کی سعی و سفارش چل سکے گی (کہ اُن کا وسیلہ پکڑ کے کام نکال لو) اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ مجرموں
کو کہیں سے مدد ملے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش، منصب امامت کا عطیۂ دینِ الٰہی
کی دعوت معبد کعبہ کی تعمیر اور اُمّت مسلمہ کے ظہور کی دعا۔ یہ ذکر اس محل میں

۱۱۸ اور (پھر غور کرو، وہ واقعہ) جب ابراہیم کو اُس
کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا تھا، اور وہ اُن
میں پورا اُترا تھا۔ جب ایسا ہوا، تو خدا نے فرمایا

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوا ۚ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهِمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ ١٢٩
الْمُشْرِكِينَ ۝ قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلٰى إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ ١٣٠
وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ ١٣١
تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ١٣٢

چار بصیرتیں رکھتا ہے:

(۱) یہود، نصاریٰ، اور مشرکین عرب، تینوں گروہوں کے لئے حضرت ابراہیم کی شخصیت ایک مسلّمہ شخصیت تھی۔ اس لئے اُن کی دعوت سے استشہاد تینوں کے لئے ناقابلِ انکار استشہاد تھا۔

(۲) مذہبی گروہ بندی کے خلاف، تینوں گروہوں کے لئے ایک حجت قاطع ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ تینوں گروہ بندیاں اور اُنکے عقائد و رسوم حضرت ابراہیم کے بہت بعد پیدا ہوئے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا طریقہ کیا تھا؟ یقیناً وہ ان گروہ بندیوں کا طریقہ نہ تھا۔ پس جو طریقہ اُنکا تھا، اُسی کی دعوت قرآن دیتا ہے!

(۳) یہودیوں کی جماعتی سرگرانی زیادہ تر نسلی غرور کا نتیجہ تھی۔ وہ کہتے تھے، ہم حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں، اور تورات میں ہے کہ خدا نے اُس کی نسل کو برکت دی۔ اس بیان نے واضح کر دیا کہ اوّل تو نسل کے شرف میں بنی اسحاق کی طرح بنی اسماعیل بھی شریک ہیں، پھر جو کچھ بھی ہو، خدا کا عہدِ برکت نیک کرداروں کے لئے تھا۔ نہ کہ بدکرداروں کے لئے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھو دی، اُنکے لئے نسل کا امتیاز کچھ سودمند نہیں ہو سکتا!

(۴) پچھلی امتوں کی محرومیوں کے ذکر کے بعد یہ حقیقت واضح کرنی تھی کہ اب توفیقِ الٰہی نے پیروانِ دعوتِ قرآن کو خدمتِ حق کے لئے چُن لیا ہے اور اقوامِ عالم کی ہدایت کا سررشتہ اُنکے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اسکے لئے ضروری تھا کہ پہلے دعوتِ قرآن کے ظہور کی معنوی تاریخ بیان کر دی جائے۔ چنانچہ

اے ابراہیم! میں تجھے انسانوں کے لئے امام بنانے
والا ہوں (یعنے دنیا کی آنے والی قومیں اور نسلیں تیری
دعوت قبول کریں گی اور تیرے نقش قدم پہ چلیں گی)
ابراہیم نے عرض کیا، جو لوگ میری نسل میں سے ہونگے
اُن کی نسبت کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا، جو ظلم و معصیت
کی راہ اختیار کریں، تو اُن کا میرے عہد میں کوئی حصہ
نہیں!

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے (مکہ کے) ١١٩
اس گھر کو (یعنے خانۂ کعبہ کو) انسانوں کی گرد آوری کا
مرکز اور امن و حرمت کا مقام ٹھہرا دیا، اور حکم دیا کہ ابراہیم
کے کھڑے ہونے کی جگہ (ہمیشہ کے لئے) نماز کی جگہ بنالی
جائے۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ
ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے، اُسے طواف کرنے
والوں، عبادت کے لئے ٹھہرنے والوں، اور رکوع و
سجود کرنے والوں کے لئے (ہمیشہ) پاک رکھنا (اور
ظلم و معصیت کی گندگیوں سے آلودہ نہ کرنا!)

اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے خدا کے
حضور دعا مانگی تھی: "اے پروردگار! اس جگہ کو ١٢٠
(جو دنیا کی آباد سرزمینوں سے دُور اور سرسبزی ا

۱۳۳ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا

۱۳۴ وَرَبُّكُمْ ج وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ج وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ لا اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ

اَمِ اللّٰهُ ط وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

۱۳۵ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ج لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۶ / ۱۶

معبد کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم کی دعا کا ذکر اسی غرض سے کیا گیا ہے کہ آنے والے بیان کے لئے ایک قدرتی تمہید کا کام دے۔

شادابی سے یک قلم محروم ہے) امن و امان کا ایک آباد شہر بنا دے، اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ یہاں کے بسنے والوں میں جو لوگ تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، اُن کی رزق کے لئے ہر طرح کی پیداوار مہیا ہو جائے!"

اس پر ارشادِ الٰہی ہوا تھا کہ (تمھاری دعا قبول کی گئی، اور یہاں کے باشندوں میں سے) جو کوئی کفر کا شیوہ اختیار کرے گا، سو اُسے بھی ہم (سر و سامانِ رزق سے) فائدہ اُٹھانے دینگے۔ البتہ یہ فائدہ اُٹھانا بہت تھوڑا ہوگا۔ کیونکہ بالآخر اُسے (پاداشِ عمل میں) چار و ناچار دوزخ میں جانا ہے، اور (جو بدبخت نعمت کی راہ چھوڑ کر عذاب کی راہ اختیار کرلے، تو کیا ہی بُری اُس کی راہ ہے، اور) کیا ہی بُرا اُس کا ٹھکانا!

۱۲۱ اور (پھر دیکھو، وہ کیا عظیم الشان اور انقلاب انگیز وقت تھا) جب ابراہیم خانۂ کعبہ کی بنیاد چُن رہا تھا اور اسمٰعیل بھی اُسکے ساتھ شریک تھا (اُنکے ہاتھ تو پتھر چُن رہے تھے اور دل و زبان پر یہ دعا طاری تھی): "اے پروردگار! (ہم تیرے دو عاجز بندے تیرے مقدس نام پر اس گھر کی بنیاد رکھ رہے ہیں سو) ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو! بلاشبہ تو ہی

۱۲۲ ہے جو دعاؤں کا سُننے والا اور (مصالحِ عالم کا) جاننے والا ہے! اے پروردگار (اپنے فضل و کرم سے) ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم سچے مسلم (یعنے تیرے حکموں کے فرمانبردار) ہو جائیں، اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیرے حکموں کی فرماں بردار ہو! خدایا ہمیں ہماری عبادت کے (سچے) طور طریقے بتلادے، اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر۔ بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والی ہے، اور جسکی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں! اور خدایا! (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول

۱۲۳ مبعوث ہو جو انہی میں سے ہو۔ وہ تیری آیتیں پڑھکر لوگوں کو سنائے، کتاب اور حکمت کی اُنھیں تعلیم دے، اور (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) اُنکے دلوں کو مانجھ دے۔ اے پروردگار! بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی اور سب پر غالب ہے"

١٣٦ سَيَقُولُ السُّفَهَاۤءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ
قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ
١٣٧ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ
١٣٨ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا
لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً

١٢٤ (یہ ہے ابراہیم کا طریقہ) اور اُن لوگوں کے سوا جنہوں نے اپنے آپ کو نادانی و جہالت کے حوالہ کر دیا ہے، کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے رو گرداں ہو سکتا ہے؟ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں بھی اُسے برگزیدگی کے لئے چُن لیا، اور آخرت میں بھی اُس کی جگہ نیک انسانوں کے زمرے میں ہوگی!

١٢٥ جب ابراہیم کے پروردگار نے اُسے حکم دیا تھا کہ "فرمانبردار ہو جاؤ" تو وہ پکار اُٹھا تھا "میں اُس کے حکموں کا فرمانبردار ہو گیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہے"!

١٢٦ اور پھر اسی طریقہ کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور (اُسکے پوتے) یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ اُنھوں نے کہا تھا "اے میرے بیٹو! خدا نے تمھارے لئے اِس دین (حقیقی) کی راہ پسند فرمالی ہے، تو دیکھو، دنیا سے نہ جانا مگر اِس حالت میں کہ تم مسلم ہو (یعنے فرمانبردار ہو)

١٢٧ (تم کہتے ہو، نجات اور سعادت صرف اُنھی لوگوں کے لئے ہے جو یہودیت یا مسیحیت کی گروہ بندی میں داخل ہوں۔ اچھا بتلاؤ، ابراہیم کس گروہ بندی میں داخل تھا؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسرائیل یعنے یعقوب کا طریقہ کیا تھا جسکی طرف تمھاری نسل منسوب ہے؟) پھر کیا تم اُسوقت موجود تھے جب یعقوب کے سرہانے موت آ کھڑی ہوئی تھی، اور اُسنے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا "میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے"؟ اور اُنھوں نے جواب دیا تھا "اُسی خدائے واحد کی جس کی تونے عبادت کی ہے، اور تیرے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل، اور اسحاق نے کی ہے، اور ہم اُسکے حکموں کے فرمانبردار ہیں!"

دین کی جو راہ حضرت ابراہیم نے اختیار کی تھی، وہ کیا تھی؟ اُنکے بعد اُنکی اولاد جس طریقہ پر چلتی رہی، وہ کونسا طریقہ تھا؟ خود "اسرائیل" یعنے حضرت یعقوب نے اپنے بستر مرگ پر جس دین کی وصیت کی وہ کونسا دین تھا؟ یقیناً وہ یہودیت اور مسیحیت کی گروہ بندی نہ تھی۔ وہ صرف خدا پر ایمان لانے اور اُسکے قانونِ سعادت کی فرمانبرداری کرنے کی فطری اور عالمگیر سچائی تھی، اور اُسی کی دعوت قرآن دیتا ہے۔

دینِ الٰہی کو اسی لئے "الاسلام" کے نام سے تعبیر کیا گیا جسکے معنی اطاعت کرنے کے ہیں۔ یعنے ہر طرح کی نسبتوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر، صرف اطاعتِ حق کی طرف انسان کو دعوت دی جائے۔

إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً ۱۳۹
تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا
اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ ۱۴۰
مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ

قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی پیش آتا ہے، جو اُسنے اپنے ۱۳۸
عمل سے کمایا ہے۔ نہ تو ایک کی نیکی دوسرے کو بچا سکتی ہے۔ نہ ایک کی بدعملی
کے لئے دوسرا جوابدہ ہو سکتا ہے۔

(بہرحال) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی (نہ تو اسکی
نیک عملی تمھاری بدعملیوں کا کفّارہ ہو سکتی ہے، نہ اُسکی
بدعملی کے لئے تم جوابدہ ہوگے) اُس کے لئے وہ تھا، جو
اُسنے اپنے عمل سے کمایا۔ تمھارے لئے وہ ہوگا، جو تم
اپنے عمل سے کماؤ گے۔ تم سے کچھ اسکی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ اُن لوگوں کے اعمال کیسے تھے؟

بہرحال ہدایت کی راہ ان گروہ بندیوں کی راہ نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ ۱۳۹
کسی ایک قوم اور گروہ ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ ہدایت کی راہ تو وہی ہے
جو حضرت ابراہیم کی راہ تھی، اور وہ خدا کا عالمگیر قانونِ نجات ہے۔
پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی جگہ سب کی تصدیق
کرو، اور سب کی بتائی ہوئی مشترکہ تعلیم پر کاربند ہو۔ دنیا میں جسقدر بھی
رہنمایانِ مذاہب آئے ہیں، خواہ وہ کسی عہد اور کسی ملک و قوم سے تعلق
رکھتے ہوں، سب ایک ہی سچائی کے پیغامبر تھے، اور اس لئے سب کی یکساں
طور پر تصدیق کرنی چاہئے۔
داعیانِ مذاہب میں سے کسی ایک کا انکار بھی، سب کا انکار ہے۔ جو کوئی
"تفریق بین الرسل" کرتا ہے۔ یعنے کسی کو مانتا ہے۔ کسی کو نہیں مانتا۔ وہ ۱۴۰
فی الحقیقت خدا کے پورے سلسلۂ ہدایت کا منکر ہے۔
قرآن کہتا ہے، میری راہ عالمگیر تصدیق کی راہ ہے۔ اگر تم یہودی ہو اور

اور (دیکھو یہود اور نصاریٰ، دونوں کا دعویٰ یہ ہے
کہ ہدایت صرف انہی کے حصے میں آئی ہے) یہودیوں نے
کہا، یہودی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ نے کہا،
نصرانی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ لیکن تم کہو، نہیں (خدا
کی عالمگیر سچائی ان گروہ بندیوں میں محدود نہیں ہو
جا سکتی) اُس کی راہ تو وہی "حنیفی" راہ ہے جو ابراہیم
کی راہ تھی (یعنے تمام انسانی طریقوں سے منہ موڑنا،
اور صرف خدا کے سیدھے سادھے فطری طریقہ کا ہو
رہنا) اور یقیناً وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔
(اگرچہ عرب میں اُسکی اولاد مبتلائے شرک ہو گئی)
(اے پیروانِ دعوتِ قرآنی!) تم کہو، ہمارا طریقہ
تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ قرآن پر ایمان
لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے۔ اُن تمام تعلیموں پر

۱۴۱ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ
۱۴۲ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞
۱۴۳ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ
۱۴۴ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ع ۱۷

وقف النبی

توراۃ پر ایمان رکھتے ہو، تو میں اُس کا مصدّق ہوں، اور اسی لئے آیا ہوں، تاکہ توراۃ کی دعوت تازہ کردوں۔ اگر تم مسیحی ہو، تو میں انجیل کا منکر کب ہوں؟ میں تو اسی لئے آیا ہوں کہ تم انجیل کے سچے عامل بن جا اگر تم حضرت ابراہیم کے نام لیوا ہو، تو میری دعوت سرتاسر ملت ابراہیمی ہی کی دعوت ہے۔ اگر تم کسی دوسرے رسول اور بانئے مذہب کے پیرو ہو، تو میں تمہیں اُس سے ہٹانا نہیں چاہتا۔ اُس کی تصدیق میں اور زیادہ پختہ کردینا چاہتا ہوں۔

ایمان لائے ہیں جو ابراہیم کو، اسماعیل کو، اسحاق کو یعقوب کو، اور اولادِ یعقوب کو دی گئیں۔ نیز اُن کتابوں پر، جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھیں۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ) اُن تمام تعلیموں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کے تمام نبیوں کو اُنکے پروردگار سے ملی ہیں۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جُدا نہیں کرتے (کہ اُسے نہ مانیں۔ باقی سب کو مانیں۔ یا اُسے مانیں۔ مگر دوسروں سے منکر ہوجائیں۔ خدا کی سچائی کہیں بھی، اور کسی پر بھی آئی ہو) ہم خدا کے فرماں بردار ہیں!

۱۳۶ پھر اگر یہ لوگ بھی ایمان کی راہ اختیار کرلیں۔ اُسی طرح جس طرح تم نے اختیار کی ہے، تو (سارے جھگڑے ختم ہوگئے، اور) انھوں نے ہدایت پالی۔ لیکن اگر اس سے روگردانی کریں، تو پھر سمجھ لو کہ (اُن کے ماننے اور متفق ہونے کی کوئی امید نہیں) اُن کی راہ (طلب حق کی جگہ) مخالفت اور ہٹ دھرمی کی راہ ہے۔ پس (اُن سے قطع نظر کرلو اور اپنے کام میں سرگرم رہو) وہ وقت دور نہیں، جب اللہ کی مدد تمھیں ان کی مخالفتوں سے بے پروا کردیگی۔ وہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے!

۱۳۷ (تم کہو، ہدایت اور نجات کی راہ کسی رسمی اصطباغ یعنے رنگ دینے کی محتاج نہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا شیوہ ہے) یہ اللہ کا رنگ دینا ہے، اور بتلاؤ، اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ دینا ہوسکتا ہے؟ اور ہم اُسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

جب سب کا پروردگار ایک ہے، اور ہر انسان کے لئے اُس کا عمل ہے،

(اے پیغمبر) تم ان لوگوں سے کہو۔ (ہماری راہ تو
۱۳۸ خداپرستی کی راہ ہے۔ پھر) کیا تم خدا کے بارے میں ہم

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ۱۵۰
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا
وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۚ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۃ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ ۱۵۱
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

تو پھر خدا اور دین کے نام پر یہ تمام جھگڑے کیوں ہیں؟ کیوں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے پیرؤں کا دشمن ہو؟ کیوں ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرے؟

سے جھگڑتے ہو؟ (یعنے خدا پرستی کے شیوہ ہی سے تمہیں اختلاف ہے؟) حالانکہ ہمارا اور تمہارا، دونوں کا پروردگار وہی ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ اور ہمارا طریقہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف اُسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

۱۴۰ یا پھر تمہارا (یعنے یہود اور نصاریٰ کا) دعویٰ یہ ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور اولادِ یعقوب بھی یہودی اور نصرانی تھے؟ (اگر تم جہل و نادانی کی ایسی بات کہہ سکتے ہو، تو افسوس تمہاری عقلوں پر) اے پیغمبر، ان سے کہو، تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ ہے؟ (اگر اللہ ہے، تو اُس کی شہادت تو تمہارے خلاف خود تمہاری کتاب میں موجود ہے جسے تم دیدہ و دانستہ چھپا رہے ہو) پھر بتلاؤ اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے، جس کے پاس اللہ کی ایک شہادت موجود ہو، اور وہ اُسے چھپائے؟ (اور محض اپنی بات کی پچ کے لئے سچائی کا اعلان نہ کرے؟) یاد رکھو، جو کچھ بھی تم کر رہے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہے!

کتمانِ حق یعنے سچائی کو دیدہ دانستہ ظاہر نہ کرنا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔

۱۴۱ (اور پھر جو کچھ بھی ہو) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اسکے لئے وہ تھا جو اُس نے اپنے عمل سے کمایا۔ تمہارے لئے وہ ہوگا، جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے۔ تم سے کچھ اسکی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ اُنکے اعمال کیسے تھے۔

۱۴۲ جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں، وہ (اس بات کی حقیقت نہیں پا سکتے کہ کیوں بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ) کہیں گے، مسلمان جس

دعوتِ ابراہیمی سے وحدتِ دین کے استشہاد کا بیان ختم ہو گیا۔ اب یہاں سے اس کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے، جو پچھلے بیان کا قدرتی نتیجہ ہے حضرت

مع ۱۸ ع ۵ ۲

وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۛ فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ ۱۴۷
وَاشۡكُرُوۡا لِيۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ ۱۴۸
وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِيۡ سَبِيۡلِ ۱۴۹
اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ۝ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ ۱۵۰
الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ

ابراہیم کو اقوامِ عالم کی امامت ملی تھی۔ اُنھوں نے مکہ میں عبادت گاہِ کعبہ تعمیر کی، اور امتِ مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی۔ مشیتِ الٰہی میں اس ظہور کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا۔ جب وہ وقت آگیا، تو پیغمبرِ اسلام کا ظہور ہوا، اور اُن کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ اُمت پیدا ہوگئی۔ اس امت کو "نیک ترین امت" ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا، اور اقوامِ عالم کی تعلیم و ہدایت اُس کے سپرد کی گئی۔ ضروری تھا کہ اسکی روحانی ہدایت کا ایک دائمی مرکز و سرچشمہ بھی ہوتا۔ یہ مرکز، قدرتی طور پر، عبادت گاہِ کعبہ ہی ہوسکتا تھا۔ چنانچہ تحویلِ قبلہ نے اسکی مرکزیت کا اعلان کردیا۔ یہی حقیقت "قبلہ" کے تقرر میں پوشیدہ تھی۔ جب تک بنی اسرائیل کا دورِ ہدایت قائم رہا، مرکزِ ہدایت بیت المقدس تھا، اور اس لئے عبادت کے وقت سب کا رُخ بھی اُسی کی طرف رہتا تھا۔ لیکن جب دعوتِ حق کا مرکز مکہ کا معبد قرار پایا، تو ناگزیر ہوا کہ وہی قبلہ بھی قرار پائے، اور اقوامِ عالم کے رُخ اُسی کی طرف پھر جائیں۔

چنانچہ "سیقول السفہاء" سے یہی بیان شروع ہوتا ہے۔ پیروانِ دعوتِ قرآنی مخاطب ہیں، اور اُنھیں بتلایا جارہا ہے کہ حضرت ابراہیم کے عملِ حق نے جو بیج بویا تھا، وہ بار آور ہوگیا ہے۔ اب مرکزِ امم خانۂ کعبہ ہے اور "نیک ترین امت" تم ہو۔

قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے، کیا بات ہوئی کہ اُن کا رُخ اُس سے پھر گیا؟ (اے پیغمبر!) تم کہو، پورب ہو یا پچھم، سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں۔ جب بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے، تو وہ بھی اللہ کے لئے تھی، اور اب کعبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو یہ بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ البتہ ایک خاص جہت قرار دینے میں مصلحت ہے) اور وہ جس کسی کو چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے!

۱۴۷ اور (اے پیروانِ دعوتِ قرآنی! جس طرح یہ بات
ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ "قبلہ" قرار پایا، (تو) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمھیں "نیک ترین امت" ہونے کا درجہ عطا فرمایا، تاکہ تمام انسانوں کے لئے (سچائی کی) شہادت دینے والے تم ہو، اور تمھارے لئے اللہ کا رسول شہادت دینے والا ہو۔ (یعنے تم اللہ کے رسول سے دعوتِ حق کا پیغام حاصل کرو، اور دنیا کی تمام نسلیں اور قومیں تم سے حاصل کریں)

اور (اے پیغمبر!) یہ جو منکرینِ حق اعتراض کرتے ہیں کہ اگر خانۂ کعبہ ہی کو قبلہ ہونا تھا، تو اتنے دنوں
۱۴۸ تک کیوں بیت المقدس کی طرف تمھارا رُخ رہا؟ تو یہ اس لئے ہے کہ کاروبارِ حق کی حکمتوں سے بے خبر ہیں)

۱۵۱ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ
۱۵۲ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ
۱۵۳ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ نف وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ
الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
۱۵۴ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

اگر ہم نے اتنے دنوں تک تمھیں اُسی قبلہ پر رہنے دیا جس کی طرف تم رُخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے، تو یہ اس لئے تھا، تاکہ (وقت پر) معلوم ہوجائے، کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں، اور کون لوگ (دل کے کچے ہیں جو آزمائش میں پڑکر) اُلٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہدایت یافتہ لوگوں کے سوا اور سب کے لئے اس معاملہ میں بہت ہی سخت آزمائش تھی۔ بہرحال (جو لوگ آزمائش میں پورے اُترے ہیں، وہ یقین کریں، اُن کی استقامت کے ثمرات بہت جلد اُنھیں حاصل ہونگے) ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدا تمھارا ایمان رائگاں جانے دے۔ وہ تو انسانوں کے لئے سرتاسر شفقت و رحمت رکھنے والا ہے!

۱۳۹ (اے پیغمبر!) ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکم الٰہی کے شوق و طلب میں) تمھارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتا ہے، تو یقین کرو، ہم عنقریب تمھارا رُخ ایک ایسے ہی قبلہ کی طرف پھرا دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہوجاؤگے۔ (اور اب کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آگیا ہے) تو چاہئے کہ تم اپنا رُخ مسجد حرام (یعنے خانۂ کعبہ) کی طرف پھیر لو، اور جہاں کہیں بھی تم اور تمھارے ساتھی ہوں، ضروری ہے کہ (نماز میں) رُخ اسی طرف کو پھر جایا کرے۔

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے (یعنے یہود اور نصاریٰ کے علماء) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معاملہ اُنکے پروردگار کے طرف سے ایک امر حق ہے (کیونکہ اُنکے مقدس نوشتوں میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے۔ لیکن گروہ پرستی کا تعصب اُنھیں اجازت نہیں دیتا کہ سچائی کا اقرار کریں۔ تو تم اُنکی مخالفتوں کی کچھ پروا نہ کرو) جیسے کچھ اُنکے اعمال ہیں، اللہ اُن سے غافل نہیں ہے!

۱۴۰ اگر تم اہل کتاب کے سامنے دنیا جہان کی ساری دلیلیں بھی پیش کردو، جب بھی وہ تمھارے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں۔ نہ یہ ہوسکتا ہے کہ (علم و بصیرت سے

یہود اور نصاریٰ کا تحویل قبلہ پر اعتراض کرنا محض گروہ پرستی کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ اگر اُن میں حق پرستی ہوتی، تو وہ آپس میں کیوں ایک دوسرے

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ
اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ ۱۵۵
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ ۱۵۶
كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ ۱۵۷
فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ۱۵۸
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

سے مختلف ہوتے، اور کیوں ایسا ہوتا کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے، اور عیسائیوں کو یہودیوں کے قبلہ سے انکار ہوتا؟ پس جب صورت حال ایسی ہے، تو متبع حق کو چاہئے ایسے لوگوں کے اتفاق و یک جہتی سے قطع نظر کرلے۔ کیونکہ جن لوگوں نے اتباع حق سے یک قلم کنارہ کشی کرلی ہے، انکے ساتھ متبع حق کا کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا۔

بے بہرہ ہوکر) تم اُنکے قبلہ کی پیروی کرنے لگو، اور نہ خود وہی کسی ایک قبلہ پر متفق ہیں۔ اُن میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا قبلہ ماننے والا نہیں (یہودیوں کا قبلہ الگ ہے۔ عیسائیوں کا قبلہ الگ ہے۔ پس جب صورت حال ایسی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ اختلاف بحث و دلائل سے دُور نہیں ہوسکتا، اور نہ ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی متفقہ راہ عمل پیدا ہوسکتی ہے) اور یاد رکھو، اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ تمہیں اس بارے میں علم حاصل ہوچکا ہے، تو (یہ دیدہ و دانستہ ہدایت سے انحراف ہوگا، اور) تم یقیناً نافرمانی کرنے والوں میں سے ہوجاؤ گے!

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنے اہل کتاب کے علماء) اُن پر حقیقت حال پوشیدہ نہیں ۱۴۱
ہے۔ وہ پیغمبر اسلام کو ویسے ہی جان پہچان گئے ہیں، جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی ان میں ایک گروہ ایسا ہے، جو دیدہ و دانستہ سچائی کو چھپاتا ہے، (اور اس کا اعتراف نہیں کرتا۔ پس جن لوگوں کی حق فراموشیوں کا یہ حال ہو، اُن سے اعتراف حق کی کیا امید ہوسکتی ہے؟)

یقین کرو، یہ (تحویل قبلہ کا) معاملہ تمھارے پروردگار ۱۴۲
کی طرف سے ایک امر حق ہے (اور جو بات حق ہو، تو اُس کا حق ہونا ہی اُس کے لئے سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ حق کا خاصہ قیام و ثبات ہے، اور باطل کا خاصہ شکست و زوال ہے۔ جو بات حق ہوگی، وہ اپنے قیام و ثبات سے اپنی حقانیت کا اعلان کردے گی۔ پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم

کسی بات کا حق ہونا ہی اُسکی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ حق کے معنی ہی قائم و ثابت رہنے کے ہیں، اور جو بات قائم و ثابت رہنے والی ہو، اُسکے لئے، اُس کے قیام و ثبات سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے؟

۱۵۹ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي
تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ
فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ
الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝
۱۶۰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ
اٰمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ

شک و شبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!

۱۴۳ اور (دیکھو) ہر گروہ کے لئے ایک سمت ہے جسکی طرف وہ (عبادت کے وقت) رُخ پھیر لیتا ہے۔ (پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جو دین کے اصول و مہمّات میں سے ہو، اور جسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ اصلی چیز جو اس طرح کے تمام احکام سے مقصود ہے، وہ تو نیک عملی ہے) پس نیکیوں کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو (یعنے جس جگہ اور جس سمت میں بھی خدا کی عبادت کرو) خدا تم سب کو پالے گا۔ یقیناً اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (اُس کی قدرت ہر چیز اور ہر گوشہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے!)

اور پھر جو کچھ بھی ہو، تقررِ قبلہ کا معاملہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دین کے اصول و مہمّات میں سے ہو، اور اُسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ ہر گروہ کے لئے کوئی نہ کوئی جہت ہے، اور وہ اُسی کی طرف رُخ کرکے عبادت کرتا ہے۔ عبادت جس طرف بھی منہ کرکے کی جائے خدا کی عبادت ہے، وہ کسی ایک جہت ہی میں محدود نہیں۔ اصلی چیز جو سمجھنے اور کرنے کی ہے، وہ "خیرات" ہے۔ یعنے نیک عملی۔ پس چاہئے کہ انہیں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرو۔ اور اسی کو دینداری و خدا پرستی کا اصلی کام سمجھو۔

تقررِ قبلہ کا حکم عام، اور اُسکے مصالح و حِکَم۔

۱۴۴ اور (اے پیغمبر!) تم کہیں سے بھی نکلو (یعنے کسی سمت اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن (نماز میں) رُخ اسی طرف کو پھیر لو، جس طرف مسجد حرام واقع ہے۔ اور یقین کرو، یہ معاملہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امرِ حق ہے (پس ایک نئے قبلہ کی عالمگیر قبولیت تمھیں کتنی ہی دشوار نظر آتی ہو لیکن اس کی کامیابی قطعی اور اٹل ہے۔ اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کرو) اور جانتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے (اُس کا قانونِ مجازات تمہارے ایک ایک عمل حق کی نگرانی کر رہا ہے!)

۱۴۵ اور (دیکھو) تم کہیں سے بھی نکلو (اور کسی مقام میں بھی ہو) لیکن چاہئے کہ (نماز میں) اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اور (اے پیروانِ دعوتِ قرآنی) تم بھی اپنا رُخ اسی طرف کو کر لیا کرو۔ خواہ کسی جگہ اور کسی سمت میں

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ
اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۱۶۶ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا
۱۶۷ الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً
فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ
۱۶۸ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ
حَلَالًا طَيِّبًا

ہو۔ اور یہ (جو تقررِ قبلہ پر اسقدر زور دیا گیا ہے، تو یہ) اس لئے ہے، تاکہ تمھارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے (اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ معبدِ ابراہیمی ہی تمھارا قبلہ اور مرکزِ ہدایت ہے) البتہ جو لوگ بے انصاف اور ناحق کوش ہیں، (اُن کی مخالفت ہر حال میں جاری رہے گی) تو (ان کی مخالفت تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی) اُن سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو (کہ تمھارا پروردگار ہوں۔ اگر تم مجھ سے ڈرتے رہے، تو دنیا کی کوئی طاقت بھی تمھیں نہیں ڈرا سکے گی!) اور علاوہ بریں یہ (حکم اس لئے (دیا گیا) ہے کہ میں اپنی (موعودہ) نعمت تم پر پوری کر دوں۔ نیز اس لئے کہ (سعی و عمل کی) سیدھی راہ پر تم گام زن ہو جاؤ!

۱۵۱ جس طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا۔ وہ ہماری آیتیں تمھیں سناتا ہے، (اپنی پیغمبرانہ تربیت سے) تمھارے دلوں کی اصلاح کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ باتیں سکھلاتا ہے جن سے تم یکسر نا آشنا تھے، (تو اسی طرح ہم چاہتے ہیں، اپنی نعمت تم پر پوری کر دیں، اور تم اس مرکزِ ہدایت سے وابستہ ہو کر "نیک ترین" امت ہونے کا مقام حاصل کر لو!)

۱۵۲ پس (اب کہ تمھارے ظہور و قیام کا یہ تمام سروسامان مہیا ہو گیا ہے، چاہئے کہ سرگرمِ عمل ہو جاؤ، اور) میری یاد میں لگے رہو۔ میں بھی تمھاری طرف سے غافل نہ ہونگا (یعنے قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے غافل نہ ہوگے، تو اللہ کی مدد و نصرت بھی تمھاری طرف سے غافل نہ ہوگی) اور دیکھو میری نعمتوں کی قدر کرو۔ ایسا نہ کرو کہ کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو جاؤ!

کتاب و حکمت کی تعلیم، شخصِ نبوت کی پیغمبرانہ تربیت، مرکزِ ہدایت کا قیام، اور "نیک ترین امت" ہونے کا نصب العین، یہی وہ بنیادی عناصر تھے جن کی موعودہ امت کی نشوونما کے لئے ضرورت تھی۔ جب یہ تمام مراتب ظہور میں آگئے، تو اب ضروری ہوا کہ میدانِ دعوتِ قرآنی کو مخاطب کیا جائے، اور سرگرمِ عمل ہو جانے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ "فاذکرونی اذکرکم" سے یہی مخاطبہ شروع ہوتا ہے۔

۱۶۴ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ
۱۶۵ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ
اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ
۱۶۶ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ
الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ
۱۶۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

۱۴۸ اور پھر چونکہ سرگرمِ عمل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ راہِ عمل کی مشکلیں اور
آزمائشیں پیش آئیں اس لئے دعوتِ عمل کے ساتھ ہی صبر و استقامت
اور جانفروشی و قربانی کی بھی دعوت دیدی گئی، اور واضح کر دیا گیا کہ اس
راہ میں آزمائشوں سے گزرنا ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی اُن اصول و مہمات کی
طرف بھی اشارہ کر دیا گیا جن میں ثابت قدم ہو جانے کے بعد گمراہی و
ناکامی سے قدم محفوظ ہو جاسکتے ہیں۔
۱۴۹ (۱) صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات و
مصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا
ہو جائے۔ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو تقویت
۱۵۰ ملتی رہے۔ جس جماعت میں یہ دو قوتیں پیدا ہو جائیں گی، وہ کبھی ناکامیاب
نہیں ہو سکتی!
(۲) راہِ حق میں موت، موت نہیں ہے۔ سر تا سر زندگی و ابدیت ہے۔ پس
موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کر لو!

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! صبر اور نماز (کی معنوی
قوتوں) سے سہارا پکڑو (یہی دو قوتیں ہیں جن کے
ذریعہ تم راہِ عمل کی مشکلوں اور آزمائشوں سے عہدہ
برا ہو سکتے ہو) یقین کرو، اللہ (کی نصرت) صبر کرنے
والوں کے ساتھ ہے!
اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ
مت کہو کہ وہ مردے ہیں۔ نہیں، وہ تو زندہ ہیں لیکن
تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔
اور یاد رکھو (جس راہ میں تم نے قدم اٹھایا ہے ناگزیر
ہے کہ اسکی آزمائشوں سے گزرنا پڑے) یہ ضروری ہے
کہ ہم تمھارے عزم و ثبات کا امتحان لیں۔ خطرات کا
خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان،
پیداوار کی تباہی، وہ آزمائشیں ہیں جو کچھ نہ کچھ تمھیں
بھی پیش آئیں گی۔ پھر جو لوگ ایسے ہیں کہ صبر کرنے والے ہیں، تو انھیں (فتح و کامرانی کی) بشارت دیدو۔
۱۵۱ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت اُن پر آ پڑتی ہے تو (بے قرار اور بے طاقت ہونے کی جگہ ذکرِ الٰہی
سے اپنی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں، اور) اُن کی زبانِ حال کی صدا یہ ہوتی ہے کہ انا للہ و انا الیہ
راجعون! (ہماری زندگی اور موت، رنج و غم، سود و زیاں، جو کچھ بھی ہے، سب کچھ اللہ کے لئے ہے، اور
۱۵۲ ہم سب کو بالآخر مرنا اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے!) سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اُنکے پروردگار کے

كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ
۱۶۸ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ
۱۶۹ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ إِنَّ
الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ

الطاف وکرم ہیں، اور جو اُس کی رحمت کا مورد ہوتے ہیں، اور یہی ہیں جو (اپنے مقصد میں) کامیاب ہیں!

(۳) مرکز قبلہ سے وابستگی اور حج کا قیام

۱۵۳ بلاشبہ صفا اور مروہ (نامی دو پہاڑیاں) اللہ کی (حکمت و رحمت کی) نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے اس گھر کا (یعنے خانۂ کعبہ کا) قصد کرے، تو اس کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان طواف کے پھیرے کرے۔ اور جو کوئی خوشدلی کے ساتھ نیکی کا کوئی کام کرتا ہے، تو (وہ یقین کرے، اُس کی نیکی رائگاں جانے والی نہیں) اللہ ہر عمل کی اسکی منزلت کے مطابق قدر کرنے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے!

(۴) کتاب اللہ کی تعلیم و تذکیر اور احکامِ حق کی تبلیغ ایک مقدس جماعتی فرض ہے۔ جو لوگ دنیا کے خوف یا طمع سے احکام حق چھپاتے ہیں وہ اللہ کی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں۔

۱۵۴ جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ (دنیا کے خوف یا طمع سے) اُن باتوں کو چھپاتے ہیں جو سچائی کی روشنیوں اور رہنمائیوں میں سے ہم نے نازل کی ہیں، باوجودیکہ ہم نے لوگوں کے جاننے اور عمل کرنے کے لئے انھیں کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، تو یقین کرو، ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے، (یعنے اسکی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں) اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنتیں بھی اُن کے حصے میں آتی ہیں!

۱۵۵ مگر ہاں، (توبہ کا دروازہ ہر معصیت کے بعد کھلا ہوا ہے۔ پس) جن لوگوں نے اس معصیت سے توبہ کر لی اور اپنی (بگڑی) حالت از سر نو سنوار لی، اور ساتھ ہی (احکام حق کو چھپانے کی جگہ انھیں) بیان کر دینے کا شیوہ اختیار کر لیا، تو ایسے لوگوں کی توبہ ہم قبول کر لیتے ہیں۔ اور ہم بڑے ہی درگزر کرنے والے اور رحمت سے بخش دینے والے ہیں!

فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ
١٧٠ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ
١٧١ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۝ وَإِنَّ الَّذِيْنَ
١٧٢ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

ع ۲۱ / ۵

١٥٦ (لیکن) جن لوگوں نے راہِ حق سے انکار کیا، اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے، تو (ظاہر ہے کہ انکے لئے اصلاح
١٥٧ حال کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی، اُسکے فرشتوں کی، انسانوں کی، سب کی لعنت ہے ہمیشہ
اسی حالت میں رہنے والے۔ نہ تو کبھی اُنکے عذاب میں کمی کی جائے گی، اور نہ اُنھیں مہلت ملے گی!

١٥٨ اور (دیکھو، لوگوں نے اپنے اعتقاد و پرستش کے کتنے
ہی معبود بنالئے ہوں، مگر) تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔
کوئی معبود نہیں، مگر صرف اُسی کی ایک ذات۔ رحمت والی،
اور اپنی رحمت کی بخشش سے تمام کائناتِ ہستی کو فیضیاب
کرنے والی!

(۵) خداپرستی میں ثابت قدم رہنے، عقل و بصیرت سے کام لینے، کائناتِ خلقت میں تدبر و تفکر کرنے، اور حقائقِ ہستی کی معرفت حاصل کرنے کا حکم اور برہانِ فضل و رحمت سے استدلال۔

١٥٩ بلاشبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کے، ایک کے بعد ایک، آتے رہنے میں، اور کشتی میں جو
انسان کی کاربراریوں کے لئے سمندر میں چلتی ہے، اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے، اور اُس
(کی آب پاشی) سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اُٹھتی ہے، اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کی وسعت
میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہواؤں کے (مختلف رُخ) پھرنے میں، اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان
(اپنی مقررہ جگہ کے اندر) مسخّر ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو عقل و بینش رکھنے والے ہیں (اللہ کی ہستی و یگانگی اور
اسکے قوانینِ رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

١٦٠ اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے
بھی ہیں، جو (خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام
نہیں لیتے، اور) خدا کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں کے پیچھے
اس طرح پڑجاتے ہیں کہ اُنھیں اُس کا ہم پلہ بنالیتے
ہیں۔ وہ اُنھیں اس طرح چاہنے لگتے ہیں جیسی چاہت

اللہ پر ایمان، اور اللہ کی محبت، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ پس اگر اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو بھی ویسی ہی چاہت سے ماننے لگے، جیسی چاہت اُسکا صرف اللہ ہی کے لئے ہے، تو پھر یہ اللہ کے ساتھ دوسرے کو ہم پلہ بنا دینا ہوا، اور توحیدِ الٰہی کا اعتقاد درہم برہم ہوگیا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَ
السَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ
١٧٧ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ

مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو۔

اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، انکے دلوں میں تو سب سے زیادہ محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے۔

جو بات ان ظالموں کو اُس وقت سوجھے گی جب عذاب اُنکے سامنے آجائے گا، کاش اِس وقت سوجھتی! (اور خدا کو چھوڑ کر، یہ دوسروں کو اُس کا ہم پلّہ نہ بناتے!) اُس دن یہ دیکھیں گے کہ قوت، اور ہر طرح کی قوت، صرف اللہ ہی کو ہے، اور (اگر اُس کے قوانینِ حق سے سرتابی کی جائے، تو) اُس کا عذاب بڑا ہی سخت عذاب ہے!

(۶) پیشوایانِ باطل کی پیروی کرنے کا حسرت انگیز نتیجہ جو اُنکے بدقسمت پیرؤں کے حصہ میں آئے گا۔

پچھلی امتوں کی تباہی کا ایک بنیادی سبب، پیشوایانِ باطل کا اتباع ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسمیں مبتلا ہوجاؤ۔

١٦٦ اور (دیکھو) جب ایسا ہوگا کہ وہ (پیشوایانِ باطل) جن کی پیروی کی گئی تھی (بجائے اسکے کہ اپنے پیرؤں کے کام آئیں) اپنے پیرؤں سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے (یعنے کہیں گے، ہمیں ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں) کیونکہ عذاب (کی ہولناکیاں) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، اور اُنکے باہمی رشتوں وسیلوں کا تمام
١٦٧ سلسلہ ٹوٹ جائے گا (کہ نہ تو کوئی کسی کا ساتھ دیگا، اور نہ کسی کو کسی کی فکر ہوگی) اور تب وہ لوگ، جنھوں نے (پیشوایانِ باطل کی) پیروی کی تھی پکار اُٹھیں گے۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں لوٹنے کی مہلت مل جائے، تو ہم ان (پیشوایانِ باطل) سے اسی طرح بیزاری ظاہر کردیں، جس طرح یہ ہم سے بیزاری ظاہر کررہے ہیں! سو دیکھو، اِس طرح اللہ ان لوگوں کو انکے اعمال کی حقیقت دکھلا دیگا کہ سراسر حسرت وپشیمانی کا منظر ہوگا، اور وہ (خواہ کتنی ہی پشیمانی وتاسف ظاہر کریں، لیکن) آتشِ عذاب سے چھٹکارا پانے والے نہیں!

اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى فَمَنۡ عُفِىَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ
۱۷۴ شَىۡءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
۱۷۵ وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۚ وَلَكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ
۱۷۶ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝ كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۖۚ اۨلۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا
عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ۝

۱۶۳ اِن اصولی مہمات کی تلقین کے بعد، اب یہاں سے اُن فروعی احکام کا
بیان شروع ہوتا ہے جن کے متعلق طرح طرح کی گمراہیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی
تھیں، اور دینِ حق کی بنیادی صداقتوں پر ان کا اثر پڑتا تھا۔ یہ بیان اگرچہ
فروعی احکام کا بیان ہے، لیکن اپنی تشریحات و موعظت میں سرتاسر اصولی
معارف ہیں:

من جملہ عالمگیر گمراہیوں کے، ایک بنیادی گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے
۱۶۴ بارے میں طرح طرح کی بے اصل پابندیاں لگائی گئی تھیں، اور دینداری
کی سب سے بڑی بات یہ سمجھی جاتی تھی کہ ایک انسان کھانے پینے میں سب سے
زیادہ توہم پرست ہو۔ ظاہر ہے کہ جس جماعت کی ذہنیت ایسی توہم پرستانہ
پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہو، وہ کبھی آزادی کے ساتھ ترقی و وسعت کا
قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ پس سب سے پہلے اس معاملہ کی حقیقت واضح کی گئی،
اور اُن تمام غلطیوں کا ازالہ کر دیا گیا جو اس بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

(۱) خدا نے انسان کی غذا کے لئے جسقدر اچھی چیزیں زمین میں مہیا کر دی
ہیں، شوق سے کھانی چاہئیں۔ بے اصل روک ٹوک اور من گھڑت پابندیاں
شیطانی وسوسے ہیں۔

(۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی
راہ ہے، اور کفر کا خاصّہ کورانہ تقلید اور بے بصیرتی ہے۔ اندھی تقلید کرنا جو
کچھ دیکھتے اور سنتے آئے ہیں اُسے بے سمجھے بوجھے اُسی پر جمے رہنا، اور دلیل و

اے افرادِ نسلِ انسانی! زمین میں جسقدر حلال اور
پاکیزہ چیزیں (تمھاری غذا کے لئے) مہیا کر دی گئی ہیں،
شوق سے کھاؤ، اور (یہ جو لوگوں نے اپنے وہموں
خیالوں سے طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر رکھی ہیں،
تو یہ شیطانی وسوسے ہیں۔ تم) شیطان کے نقشِ قدم
پر نہ چلو۔ وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے۔

وہ تو تمھیں بُری اور نہایت درجہ قبیح باتوں ہی
کے لئے حکم دیگا۔ نیز اس (گمراہی) کے لئے اُکسائیگا
کہ اللہ کے نام سے جھوٹی باتیں کہو جن کے لئے تمھارے
پاس کوئی علم نہیں (یعنے حلال و حرام، نیک و بد،
اور عذاب و ثواب کے بارے میں اپنے ظن و خیال
سے ایسے احکام بناؤ جن کے لئے خدا کا کوئی حکم موجود نہیں)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے، اللہ نے جو ہدایت
نازل کی ہے اسکی پیروی کرو (اور خدا کی دی ہوئی عقل و
بصیرت سے کام لو) تو کہتے ہیں نہیں، ہم تو اُسی طریقہ
پر چلیں گے جسپر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے دیکھا ہے
ہیں (افسوس ان کی بے دانشی و جہالت پر!) کوئی
ان لوگوں سے پوچھے، اگر تمھارے بڑے بوڑھے عقل

۱۷۷ فَمَنۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
۱۷۸ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌؕ‏ ۝ فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ ع ۲۲
۱۷۹ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ
۱۸۰ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ ۝ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍؕ فَمَنۡ
كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا

برہان کی جگہ اپنے بزرگوں پیشواؤں کا قول وعمل حجت سمجھنا، ہدایت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اندھی تقلید کرنے والوں کے سامنے علم وبصیرت کی بات پیش کرنا ایسا ہے جیسے چارپایوں کو مخاطب کرنا۔

سے کورے اور ہدایت سے محروم رہے ہوں، تو تم بھی
عقل وہدایت سے انکار کردو گے؟
۱۶۶ اور (حقیقت یہ ہے کہ) جن لوگوں نے (اللہ کی دی
ہوئی عقل وتمیز کھوکر) کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو اُن
کی مثال ایسی ہے (یعنے اُنھیں کورانہ تقلید کی جگہ عقل و
ہدایت کی دعوت دینا ایسا ہی) جیسے ایک چرواہا چارپایوں کے آگے چیختا چلّاتا ہے کہ چارپائے کچھ بھی نہیں سنتے
مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں (یعنے جس طرح چرواہا اپنی بکریوں کو بلانے کے لئے چیختا ہے اور
وہ اُس کی آواز سنتی اور تعمیل کرتی ہیں، لیکن اگر اور کوئی بات کہی جائے، تو نہ تو سُنے گی نہ سمجھے گی۔ سو
یہی حال ان اندھی تقلید کرنے والوں کا ہے۔ یہ چارپایوں کی طرح اپنے چرواہوں کی آواز سنکر اُنکے
پیچھے دوڑنے لگیں گے، لیکن سوچنے سمجھنے کی ان سے امید نہ رکھو) وہ بہرے، گونگے، اندھے ہوکر رہ گئے
ہیں (کہ خدا کے دیئے ہوئے ہوش وحواس سے کام نہیں لیتے) پس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں!
۱۶۷ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم صرف اللہ ہی کی
بندگی کرنے والے ہو (اور سمجھتے ہو کہ حلال وحرام میں حکم اُسی کا حکم ہے، تو اُن پابندیوں کی کچھ پروا نہ کرو جو یہود
ونصاریٰ نے اپنے پیشواؤں کی کورانہ تقلید میں، یا مشرکینِ عرب نے اپنے وہم پرستانہ رسوم کی بنا پر، اختیار
کر رکھی ہیں) وہ تمام اچھی اور پاکیزہ چیزیں بے کھٹکے کھاؤ، جو اللہ نے تمھاری غذا کے لئے مہیا کردی ہیں
اور اُس کی نعمتیں کام میں لاکر اُس کی بخشایشوں کے شکر گزار رہو!
۱۶۸ اللہ نے جو چیزیں تم پر حرام کردی ہیں، وہ تو صرف یہ ہیں کہ مردار
جانور، حیوانات کا خون، سؤر کا گوشت، اور وہ (جانور) جو اللہ کے
سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارے جائیں (تو بلاشبہ ان چیزوں کا

(۳) جن چارپایوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے، وہ سب حلال ہیں مگر چار چیزیں۔

اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ
مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ
181 اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ
وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ
كَانَ مَرِیْضًا

کھانا تمھارے لئے جائز نہیں) البتہ اگر ایسی حالت پیش آجائے کہ ایک آدمی (حلال غذا نہ مل سکنے کی وجہ سے) بہ حالتِ مجبوری کھالے، اور (اُس کی مجبوری واقعی ہو) یہ بات نہ ہو کہ حکمِ شریعت کی پابندی سے نکل جانا چاہتا ہو، یا اُتنی مقدار سے زیادہ کھانا چاہتا ہو، جتنے کی (زندگی بچانے کے لئے) ضرورت ہو، تو اس صورت میں مجبور آدمی کے لئے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ بلاشبہ اللہ (خطاؤں لغزشوں کو) بخشدینے والا اور (ہر حال میں) تمھارے لئے رحمت رکھنے والا ہو۔

169 جو لوگ اُن احکام کو جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں، چھپاتے ہیں، اور اس (کتمانِ حق) کے معاوضہ میں دنیا کے حقیر فوائد خریدتے ہیں (یعنے طمعِ دنیوی سے کتاب اللہ کے احکام میں تحریف کرتے ہیں، یا اُنھیں ظاہر نہیں کرتے) تو یقین کرو، یہ وہ لوگ ہیں جو حق فروشی کی کمائی سے نہیں، بلکہ آگ کے شعلوں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں (کیونکہ یہ کمائی اُنکے لئے آتشِ عذاب کے شعلے بننے والی ہو) قیامت کے دن یہ اللہ کے خطاب سے محروم رہیں گے، وہ انھیں (بخشکر) گناہوں سے پاک نہیں کریگا۔ انکے لئے عذاب دردناک میں مبتلا ہونا ہو!

170 یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت بیچکر گمراہی مول لی، اور مغفرت کے بدلے عذاب کا سودا کیا! تو بُرائی کی راہ میں اُن کا حوصلہ کیا ہی عجیب حوصلہ ہو! اور

(۴۳) اور یہ جو اہلِ کتاب نے حلت و حرمتِ طعام کے بارے میں طرح طرح کی پابندیاں اپنے پیچھے لگالی ہیں، اور انھیں احکامِ الٰہی کی طرح واجب العمل سمجھتے ہیں، تو یہ اس لئے ہو کہ کتاب اللہ کا علم و عمل متروک ہو گیا ہو۔ اُنکے علماء حق فروش ہیں کہ طمعِ دنیوی سے احکامِ الٰہی میں تحریف کرتے ہیں۔ یا اُنھیں ظاہر نہیں کرتے۔ اور عوام اپنے مذہبی پیشواؤں کی کورانہ تقلید میں مبتلا ہیں۔

کتاب اللہ علم و حقیقت ہو، اور اختلاف، جہل و ظن سے پیدا ہوتا ہو۔ پس جب علم و حقیقت آجائے، تو اختلاف باقی نہیں رہنا چاہئیے؛ پھر جو لوگ کتاب اللہ کے نزول کے بعد بھی اختلافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور الگ الگ مذہبی فرقہ بنا کر دین کی وحدت کھو دیتے ہیں، تو وہ "شقاقِ بعید" میں پڑ جاتے ہیں۔ یعنے ایسے گہرے اور دور دراز تفرقوں میں، جن سے کبھی نہیں نکل سکتے، اور جسقدر ہاتھ پانوں مارتے ہیں، اور زیادہ حقیقت سے دور ہوتے جاتے ہیں!

أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ
الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ۱۸۲
إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ أُحِلَّ لَكُمْ ۱۸۳
لَيْلَةَ الصِّيَامِ

جہنم کی آگ کے لئے اُن کی برداشت کیسی سخت برداشت ہے! ۱۷۱

یہ اس لئے ہوا (یعنے یہود اور نصاریٰ اس حالت میں اس لئے مبتلا ہوئے) کہ اللہ نے کتاب (تورات) سچائی کے ساتھ نازل کردی تھی (اور جب وحی الٰہی کی روشنی آجائے تو پھر انسانی ظنون واوہام کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، جن سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ، یہ لوگ اختلافات میں پڑگئے) اور جن لوگوں نے کتاب اللہ (کے احکام) میں اختلاف کیا ہے (باوجودیکہ اُس کے واضح اور قطعی احکام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی) تو وہ تفرقہ و مخالفت کی دور دراز راہوں میں کھوئے گئے ہیں!

نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت ۱۷۲
کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کرلیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظواہر و رسوم کی کرلی) نیکی کی راہ تو اُن لوگوں کی راہ ہے، جو:

اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، آسمانی کتابوں پر، اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اور خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلوں کو دیتے ہیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

نماز قائم کرتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اپنی بات کے پکّے ہوتے ہیں۔ جب قول و قرار کرلیتے ہیں تو اُسے پورا کرکے رہتے ہیں

(۵) دینِ حق کی اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل، یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلی جائے۔ بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، اور اصلی شے دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے۔ شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہیں تاکہ یہ مقصود حاصل ہو۔

نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں، اور اُنہی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے، اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو۔ پس جہاں تک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے۔ نہ کہ وسائل کی۔

الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو، یا خوف و ہراس کا وقت، لیکن ہر حال میں صبر کرنے والے (اور اپنی راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں۔

تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہیں، اور یہی ہیں جو متقی انسان ہیں!

۱۷۳ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جو لوگ قتل کر دیے جائیں، اُنکے لئے تمہیں قصاص (یعنی بدلہ لینے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ (لیکن بدلہ لینے میں ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے) اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہے، تو اسکے بدلہ وہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہوسکتا کہ مقتول کی بڑائی یا نسل کے شرف کی وجہ سے دو آدمی قتل کئے جائیں جیسا کہ عرب جاہلیۃ میں دستور تھا) اگر غلام قاتل ہے، تو غلام ہی قتل کیا جائے گا (یہ نہیں ہوسکتا کہ مقتول کے آزاد ہونے کی وجہ سے دو غلام قتل کئے جائیں) عورت نے قتل کیا ہے، تو عورت ہی قتل کی جائے گی۔

اور پھر اگر ایسا ہو، کہ کسی قاتل کو مقتول کے وارث سے کہ (رشتۂ انسانی میں) اُس کا بھائی ہے، معافی مل جائے (اور قتل کی جگہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائے)، تو (خون بہا لے کر چھوڑ دیا جاسکتا ہے) اور (اس صورت میں) مقتول کے وارث کے لئے دستور کے

قصاص کا حکم، اور اس سلسلہ میں اُن مفاسد کا ازالہ جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

(۱) انسانی مساوات کا اعلان، اور نسل و شرف کے تمام امتیازات سے انکار جو لوگوں نے بنا رکھے ہیں، اور جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، وضیع ہو یا شریف، انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ اس لئے قصاص میں کوئی امتیاز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اگر مقتول کے وارث خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔

(۳) قصاص میں اگرچہ جان کی ہلاکت ہے، مگر اس لئے ہے تاکہ زندگی کی حفاظت کی جائے۔ پس جب مقصود اصلی حفظِ نفس ہوا، نہ کہ قتلِ نفس، تو ظاہر ہے کہ اسے قتلِ نفس کا ذریعہ بنانا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

وَاَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ فِى الۡمَسٰجِدِ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا ؕ كَذٰلِكَ
۱۸۴ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۝ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ
وَتُدۡلُوۡا بِهَاۤ اِلَى الۡحُكَّامِ لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ
۱۸۵ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ ؕ قُلۡ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ ؕ وَلَيۡسَ
الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ

۱۷۴ مطابق (خون بہا کا) مطالبہ ہو، اور قاتل کے لئے خوش معاملگی کے ساتھ ادا کردینا۔ اور دیکھو، یہ (جو قصاص کے معاملہ کو تمام زیادتیوں اور ناانصافیوں سے پاک کرکے عدل و مساوات کی حقیقت پر قائم کردیا گیا ہو، تو یہ) تمھارے پروردگار کے طرف سے تمھارے لئے سختیوں کا کم کردینا اور رحمت کا فیضان ہو۔ اب اسکے بعد جو کوئی ظلم و زیادتی کرے گا، تو یقین کرو، وہ (اللہ کے حضور) عذاب دردناک کا سزاوار ہوگا!

۱۷۵ اور اے اربابِ دانش! قصاص کے حکم میں (اگرچہ بظاہر ایک جان کی ہلاکت کے بعد دوسری جان کی ہلاکت گوارا کرلی گئی ہو، لیکن فی الحقیقت یہ ہلاکت نہیں ہو) تمھارے لئے زندگی ہو، اور یہ سب کچھ اس لئے ہو تاکہ تم برائیوں سے بچو (اور ظلم و فساد کی راہیں بند ہوجائیں)

۱۷۶ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! یہ بات بھی تم پر فرض کردی گئی ہو کہ جب تم میں سے کوئی آدمی محسوس کرے، اُس کے مرنے کی گھڑی آگئی، اور وہ اپنے بعد مال و متاع میں سے کچھ چھوڑ جانے والا ہو، تو چاہئے کہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے اچھی وصیت کرجائے۔ جو متقی انسان ہیں، اُنکے لئے ایسا کرنا ضروری ہو۔

۱۷۷ پھر جو کوئی ایسا کرے کہ کسی آدمی کی وصیت سنے (اور اُسکے گواہ اور امین ہونے) کے بعد اُس میں ردّ و بدل کردے، تو اس گناہ کی ذمہ داری اُسی کے سر ہوگی جسنے ردّ و بدل کیا ہو۔ (وصیت پر اس کا

مرنے سے پہلے پس ماندوں کے لئے اچھی وصیت کرنے کا حکم، اور اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ:-

(۱) انسان موت کے بعد جو کچھ چھوڑ جاتا ہو، وہ اگرچہ دوسروں کے قبضہ میں جاتا ہو، لیکن مرنے سے پہلے اُس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے اور عزیزوں قریبوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر مرنے والے کی زندگی کے فرائض میں سے ہو، اور اس ذمہ داری سے وہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) مرنے والے کی وصیت ایک مقدس امانت ہو۔ جو لوگ اسکے امین ہوں، ان کا فرض ہو کہ بے کم و کاست اُس کی تعمیل کریں۔

(۳) اگر وہ لوگ جن پر وصیت کی تعمیل چھوڑی گئی ہو، خیانت کریں تو اسکے لئے وہ خود جوابدہ ہونگے۔ وصیت کرنے والا، اور وصیت سے فائدہ اٹھانے والے جوابدہ نہیں ہوسکتے۔

مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا
۱۸۶ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا
۱۸۷ تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ اُس کی تعمیل ہر حال میں ضروری ہوگی) یقین کرو، اللہ سب کچھ سننے والا اور سب
کچھ جاننے والا ہے۔ (پس نہ تو یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مظلوم کی فریاد سے وہ بے خبر رہجائے، اور نہ یہ ممکن
ہے کہ کوئی انسان اپنی خیانت اُس سے چھپا سکے!)
۱۷۸ اور اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے بیجا
رعایت کرنے یا کسی معصیت کا اندیشہ ہو، اور وہ (بر وقت مداخلت کرکے، یا وارثوں کو سمجھا بجھا کر) اُن میں
مصالحت کرادے، تو ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں (کیونکہ یہ وصیت میں ردّ و بدل کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک
بُرائی کی اصلاح کردینا ہے اور) بلاشبہ اللہ (انسانی کمزوریوں کو) بخشنے والا، اور (اپنے تمام احکام
میں) رحمت رکھنے والا ہے!

۱۷۹ اے پیروانِ دعوت ایمانی! جس طرح اُن
لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، روزہ فرض کر
دیا گیا تھا، اُسی طرح تم پر بھی فرض کردیا گیا ہے۔
تاکہ تم برائیوں سے بچو (یعنے برائیوں سے بچنے اور
پرہیزگار ہونے کی تم میں صلاحیت پیدا ہو)
۱۸۰ (یہ روزہ کے) چند گنے ہوئے دن ہیں۔ (کوئی
بڑی اور ناقابل برداشت مدت نہیں ہے۔ اور نہ ایسا ہے
کہ بغیر کسی مدت کی تحدید کے عام طور پر حکم دیدیا گیا
ہو) پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو، یا سفر میں ہو، تو اُسکے
لئے اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر، روزہ کے دنوں کی گنتی پوری کرلے۔ اور جو لوگ
ایسے ہوں کہ اُنکے لئے روزہ رکھنا ناقابل برداشت ہو (جیسے نہایت بوڑھا آدمی کہ نہ تو روزہ

رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم، اور اس سلسلہ میں دینِ حق کے بعض
اصولی حقائق کی تعلیم۔ نیز اُن غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں عام طور پر
پھیلی ہوئی تھیں:
(۱) روزہ کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے
جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس میں پاکی و نیکی ہے۔ بلکہ
تمام تر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے۔ روزہ رکھنے سے تم میں پرہیز
گاری کی قوت پیدا ہوگی، اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لوگے

سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۚۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
۱۹۴ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ
الۡهَدۡيِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ
مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ
اَمِنۡتُمۡ ٜ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡيِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ
يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

۱۸۴ اور (اے پیغمبر) جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے (کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے؟ تو تم اُسے بتلا دو کہ میں اُس سے دور نہیں ہوں کہ مجھ تک پہنچنے کے لئے کسی طرح کی محنت و مشقت برداشت کرنی پڑے۔ میں) تو اُس کے پاس ہوں وہ جب پکارتا ہے، تو میں اُس کی پکار سنتا اور اُسے قبول کرتا ہوں۔ پس (اگر وہ واقعی میری طلب رکھتے ہیں، تو) چاہئے کہ میری پکار کا جواب دیں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں۔

(۴) اس طرح کی عبادتوں سے مقصود خود تمھارے نفس کی اصلاح و تربیت ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ جب تک فاقہ کشی کے چلّے نہ کھینچے جائیں خدا کو پکارا نہیں جا سکتا (جیسا کہ اہل مذاہب کا خیال تھا) خدا تو ہر حال میں انسان کی پکار سننے والا، اور اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہے ایمان و اخلاص کے ساتھ جب کبھی اُسے پکاروگے، اُس کا دروازہ رحمت تم پر کھُل جائے گا!

۱۸۳ تمھارے لئے یہ بات جائز کر دی گئی ہے کہ روزہ کے دنوں میں رات کے وقت اپنی بیویوں سے خلوت کرو۔ تم میں اور ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے (یعنے انکی زندگی تم سے وابستہ ہے۔ تمھاری اُن سے۔ وہ تمھارے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ تم اُنکے بغیر نہیں رہ سکتے۔ البتہ جو کچھ کرو، ٹھیک طور پر سمجھ بوجھ کے کرو۔ ایسا نہ کرو کہ ایک بات کے طرف سے تمھارے دلوں میں شک و شبہ ہو، مگر اُسے صاف کئے بغیر کئے جاؤ، اور پھر اُسے اپنی کمزوری سمجھ کر چھپانے لگو) اللہ کے علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ تم اپنے اندر ایک بات کا خیال رکھ کر، پھر اُسکی بجا آوری میں خیانت

(۵) یہودیوں کے یہاں روزہ کی شرطیں نہایت سخت تھیں۔ از انجملہ یہ کہ اگر شام کو روزہ کھولکر سو جائیں، تو پھر اُٹھ کر کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے اسی طرح روزہ کے مہینے میں زناشوئی کا علاقہ بھی مطلقاً ممنوع تھا مسلمانوں کو جب روزہ کا حکم ہوا تو انھوں نے خیال کیا، اُنکے لئے بھی یہ پابندیاں ضروری ہیں۔ اور چونکہ پابندیاں سخت تھیں، اس لئے بعض لوگ نبھا نہ سکے اور اپنے فعل کو کمزوری سمجھ کر چھپانے لگے " علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم" میں اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے۔

روزہ سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک کر دیجائیں،

ع
عشر المتقدمین ۱۲

فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
١٩٣ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ
وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ
١٩٤ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

کر رہے ہو (یعنے اپنے ضمیر کی خیانت کر رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ اس بات میں بُرائی نہ تھی مگر تم نے خیال کر لیا تھا کہ برائی ہی) پس اُس نے (اپنے فضل و کرم سے تمھیں اس غلطی کے لئے جوابدہ نہیں ٹھرایا) تمھاری ندامت قبول کر لی، اور تمھاری خطا بخشدی۔ اور اب (کہ یہ معاملہ صاف کر دیا گیا ہی) تم (بغیر کسی اندیشہ کے) اپنی بیویوں سے خلوت کرو، اور جو کچھ تمھارے لئے (ازدواجی زندگی میں) اللہ نے ٹھرا دیا ہی، اس کے خواہشمند ہو۔ اور (اسی طرح رات کے وقت کھانے پینے کی بھی کوئی روک نہیں) شوق سے کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) کالی دھاری سے الگ نمایاں ہو جائے (یعنے صبح کی سب سے پہلی نمود شروع ہو جائے) پھر اُس وقت سے لے کر رات (شروع ہونے) تک روزہ کا وقت پورا کرنا چاہیے۔ البتہ اگر تم مسجد میں اعتکاف کر رہے ہو، تو اس حالت میں نہیں چاہئے کہ اپنی بیویوں سے خلوت کرو۔ (جہاں تک روزہ کا تعلق ہی) یہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حد بندیاں ہیں پس ان سے دور دور رہنا۔ اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں (کی فہم و بصیرت) کے لئے واضح کر دیتا ہی تاکہ (نافرمانی سے) بچیں۔

بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہی۔ پس کھانے پینے اور زناشوئی کے معاملہ کی جو کچھ ممانعت ہی، صرف دن کے وقت ہی۔ رات کے وقت کوئی روک نہیں۔

(۶) زناشوئی کا تعلق کوئی بُرائی اور ناپاکی کی بات نہیں ہی جسکا عبادت کے مہینے میں کرنا جائز نہ ہو۔ وہ مرد اور عورت کا ایک فطری تعلق ہی اور دونوں ایک دوسرے سے اپنے حوائج میں وابستہ ہیں۔ پس ایک فطری علاقہ عبادت الٰہی کے منافی کیوں ہو؟

(۷) مومن وہ ہی جس کے عمل میں کوئی کھوٹ اور راز نہ ہو۔ اگر ایک بات بُری نہیں ہی، مگر تم نے اُسے بُرا سمجھ لیا ہی، اور اس لئے چوری چھپے کرنے لگے ہو، تو گو تم نے اصلاً برائی نہیں کی، مگر تمھارے ضمیر کے لئے برائی ہو گئی اور تمھارے دل کی پاکی پر دھبّہ لگ گیا۔

١٨٧ اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے کھاؤ، اور نہ ایسا کرو کہ مال و دولت

(۸) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ مشقت نفس کی عبادتیں کچھ سود مند نہیں

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص وَاذْكُرُوْهُ
195 كَمَا هَدٰىكُمْ ج وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ
196 اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ط فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
197 رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ
اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

ہیکتیں اگر ایک شخص حقوق العباد سے بے پرواہو اور مال حرام سے اپنے آپکو نہیں روک سکتا نیکی صرف اسی میں نہیں ہو کہ چند دنوں کے لئے تم نے جائز غذا ترک کردی نیکی کی راہ یہ ہو کہ ہمیشہ کے لئے ناجائز غذا ترک کردو۔

کو حاکموں کے دلوں تک پہنچنے کا (یعنے انھیں اپنی طرف مائل کر لینے کا) ذریعہ بناؤ، تاکہ (اس مخفی اور پُرپیچ طریقے سے) دوسروں کے مال کا کوئی حصہ ناحق حاصل کر لو۔ حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اس طرح کے طریقوں سے بھی مقصود دوسروں کا مال ناجائز طریقہ پر کھا لینا ہو، اور رشوت خور حاکم کے فیصلہ سے ناجائز بات جائز نہیں ہو جا سکتی)

185

حج کے احکام، اور اس سلسلہ میں دین حق کی بعض اصولی ہدایتیں اور اہل عرب اور دیگر اقوام کی گمراہیوں کا ازالہ:

(۱) چاند کے طلوع و غروب سے مہینوں کا حساب لگا لیا جاتا ہو، اور حج کے موسم کا تعین اسی حساب سے کیا جاتا ہو۔ اسکے علاوہ جو وہم پرستانہ خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں خواہ اُن کا تعلق کواکب پرستی سے ہو یا نجوم کے عقائد سے، ان کی کوئی اصلیت نہیں۔

(۲) مقدس زیارت گاہوں اور تیرتھوں پر جانے کے لئے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں لگائی ہیں، اور اجر و ثواب کے لئے اپنے آپ کو تکلیفوں مشقتوں میں ڈالتے ہیں لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔ نیکی کی اصلی راہ یہ ہو کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو۔

اے پیغمبر، لوگ تم سے (مہینوں کی) چاندرات کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے کہدو، یہ انسان کے لئے وقت کا حساب ہو، اور اس سے حج کے مہینے کا تعین ہو جاتا ہو (باقی جسقدر توہمات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ان کی بنا پر لوگوں نے طرح طرح کی رسمیں اختیار کر رکھی ہیں، تو انکی کوئی اصلیت نہیں) اور یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہو کہ اپنے گھروں میں (دروازہ چھوڑ کر) پچھواڑے سے داخل ہو (جیسا کہ عرب کی رسم تھی کہ حج کے مہینے کا چاند دیکھ لینے اور احرام باندھ لینے کے بعد، اگر گھروں میں داخل ہونا چاہتے، تو دروازہ سے داخل نہ ہوتے۔ پچھواڑے سے راہ نکالکر جاتے) نیکی تو اُس کے لئے ہو جسنے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا۔ پس (ان وہم پرستیوں میں مبتلا نہ ہو) گھروں میں آؤ، تو دروازہ ہی کی راہ آؤ۔

حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۱۹۸
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ ۱۹۹
يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ ۲۰۰
الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي ۲۰۱
الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا

(پچھواڑے سے راہ نکالنے کی مصیبت میں کیوں پڑو؟) البتہ اللہ کی نافرمانی سے بچو، تاکہ (راہِ سعادت میں) کامیاب ہو!

اور (دیکھو) جو لوگ تم سے جنگ کر رہے ہیں، ۱۸۶
چاہیے کہ اللہ کی راہ میں تم بھی اُن سے لڑو۔ (پیٹھ نہ دکھلاؤ) البتہ کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

(اہلِ مکہ نے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے)، ۱۸۷
تو تمھارے طرف سے بھی اب اعلانِ جنگ ہی) جہاں پاؤ، اُنھیں قتل کرو، اور جس جگہ سے اُنھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی اُنھیں لڑکر نکال باہر کرو۔ (اس طرح تمھیں قتل و خونریزی کا جواب قتل و خونریزی سے دینا پڑیگا، اور قتل و خونریزی بجائے خود ایک بُرائی ہے، لیکن) فتنہ کا قائم رہنا قتل و خونریزی سے بھی بڑھکر ہے۔ اور (باقی رہا حدودِ حرم کا معاملہ کہ اسکے اندر

(۳) اہلِ مکہ کے ظلم و تعدی سے حج کا دروازہ مسلمانوں پر بند ہوگیا تھا اور جو مقام اُنکے لئے مرکزِ ہدایت قرار پایا تھا، وہی اُنکے دسترس سے باہر تھا۔ پس حکم دیا گیا کہ جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔ ضروری ہے کہ اس مقام کو ظالموں کے قبضہ و تصرف سے نجات دلائی جائے۔

اس بارے میں اصل یہ ہے کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی، لیکن مسلمانوں کے کسی کام میں بھی عدل و راستی کے خلاف کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔

(۴) جنگ بُرائی ہے، لیکن فتنہ کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت بُرائی ہے۔ پس ناگزیر ہوا کہ فتنہ کے ازالہ کے لئے جنگ کی حالت گوارا کرلی جائے۔ قریشِ مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں، اُسے حق نہ سمجھیں۔ یعنے دین و اعتقاد کی آزادی مفقود ہوگئی تھی۔ قرآن کہتا ہے، یہ بُرائی، جنگ کی بُرائی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسکے انسداد کے لئے جنگ کی بُرائی گوارا کیجائے!

لڑائی کی جائے یا نہ کی جائے؟ تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ) جب تک وہ خود مسجدِ حرام کے حدود میں تم سے جنگ نہ کریں، تم بھی اُس جگہ اُن سے جنگ نہ کرو۔ پھر اگر ایسا ہوا کہ اُنھوں نے وہاں جنگ کی، تو
تمھارے لئے بھی یہی ہوگا کہ جنگ کرو۔ منکرینِ حق (کی ظالمانہ پیش قدمیوں) کا یہی بدلہ ہے لیکن اگر ایسا ۱۸۸

۲۰۲ وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ
۲۰۳ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۗ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
۲۰۴ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝
۲۰۵ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝
۲۰۶ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

ہو اگر وہ جنگ سے باز آگئے، تو (پھر اللہ کا دروازۂ رحمت و بخشش بھی بند نہیں ہے) بلاشبہ وہ رحمت سے بخشنے والا ہے!

۱۸۹ اور دیکھو، ان لوگوں سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ (یعنے ظلم و فساد) باقی نہ رہے، اور دین صرف اللہ کے لئے ہوجائے (انسانی ظلم و استبداد کی مداخلت اسمیں باقی نہ رہے) پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ جنگ سے باز آجائیں، تو (تمھیں بھی ہاتھ روک لینا چاہئے۔ کیونکہ) جنگ کا تشدد نہیں کرنا ہے، مگر صرف اُنہی لوگوں کے مقابلہ میں، جو ظلم کرنیوالے ہیں۔

جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی ہو کہ دین و اعتقاد کی آزادی حاصل ہو جائے۔ یعنے دین کے معاملہ میں جس کا تعلق صرف اللہ سے ہے، انسان کے ظلم تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے۔

۱۹۰ (باقی رہا اُن مہینوں کا معاملہ جنکا عرب میں احترام کیا جاتا ہے، اور ان میں لڑائی بند کردی جاتی ہے، تو اس بارے میں تمھارا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ) اگر حرمت کے مہینوں کی رعایت کی جائے، تو تمھارے طرف سے بھی رعایت ہونی چاہئے۔ اگر نہ کی جائے، تو تمھارے طرف سے بھی نہیں ہے۔ (مہینوں کی) حرمت کے معاملہ میں (جب کہ جنگ ہو) ادلہ کا بدلہ ہے (یعنے جیسی روش ایک فریق جنگ کی ہوگی، ویسی ہی دوسرے فریق کو بھی اختیار کرنی پڑے گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک فریق تو مہینوں کی حرمت سے بے پروا ہوکر حملہ کردے، اور دوسرا فریق حرمت کے خیال سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے) پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے، تو چاہئے کہ جس طرح کا معاملہ اُس نے تمھارے ساتھ کیا ہے، ویسا ہی معاملہ تم بھی اُس کے ساتھ کرو (لڑتا ہے، تو تم بھی لڑو۔ نہیں لڑتا ہے، تو تمھارے طرف سے بھی لڑائی نہیں ہونی چاہئے) البتہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ اُنہی کا ساتھی ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) پرہیزگار ہیں!

۱۹۱ اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ (جہا

(۵) جو لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے ہاتھوں اپنے

اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِکَةُ وَقُضِیَ الۡاَمۡرُ ط وَاِلَی اللّٰهِ
تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۰ سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰیَةٍۢ بَیِّنَةٍ ط وَمَنۡ ٢٠٧
یُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۰ زُیِّنَ لِلَّذِیۡنَ ٢٠٨
کَفَرُوا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا وَیَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا م وَالَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا فَوۡقَهُمۡ
یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ط وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۰ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف ٢٠٩
فَبَعَثَ اللّٰهُ

٢٥ ع ٩

وقف لازم

آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔ کیونکہ جہاد سے اعراض کا نتیجہ قومی زندگی کی ہلاکت ہے

کی اعانت سے غافل ہوکر) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالدو (کیونکہ اگر تم نے اُس کام کے لئے خدا کا دیا ہوا مال خرچ نہیں کیا، جسیں تمھارے لئے ظلم وفساد سے نجات اور فتح وکامرانی کا حصول تھا، تو یہ دیدہ ودانستہ، قومی زندگی کی جگہ ہلاکت کو پسند کرنا ہوگا) نیکی کرو! یقیناً اللہ کی محبت اُنہی لوگوں کے لئے ہی جو نیکی کرنے والے ہیں!

(۶) اگر لڑائی کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے راہ میں رُک جانا پڑے، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ نیز حج اور عمرہ کے تمتع کی صورت (یعنے دونوں کو ملاکر کرنے کی صورت)

اور دیکھو، حج اور عمرہ کی جب نیت کرلی جائے تو ١٩٢
اُسے اللہ کے لئے پُورا کرنا چاہئے۔
اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ تم (اس نیت سے نکلے، مگر) راہ میں گھر گئے (جنگ کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے، اور منزل مقصود تک بروقت نہ پہنچ سکے) تو پھر ایک جانور کی قربانی کرنی چاہئے۔ جیسا کچھ بھی میسّر آئے۔

اور اُس وقت تک سر کے بال نہ منڈ واؤ (جو اعمالِ حج سے فارغ ہوکر احرام اُتارتے وقت کیا جاتا ہی) جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔

ہاں اگر کوئی شخص بیمار ہو۔ یا اُسے سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے مجبوری ہو، تو چاہئے کہ (بال اُتارنے کا) فدیہ دیدے۔ اور وہ یہ ہو کہ روزہ رکھے۔ یا صدقہ دے۔ یا جانور کی قربانی کرے۔

اور پھر جب ایسا ہو کہ تم امن کی حالت میں ہو (یعنے جنگ کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو) اور کوئی شخص چاہے کہ (عمرہ، حج سے ملاکر) تمتع کرے (یعنے ایک ہی سفر میں دونوں عملوں کے ثواب سے فائدہ اُٹھائے) تو اُس کے لئے بھی جانور کی قربانی ہے جیسی کچھ میسّر آجائے۔

اور جس کسی کو قربانی میسّر نہ آئے، تو اُسے چاہئے، تین روزے حج کے دنوں میں رکھے، سات روزے

النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ
بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا
اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
۲۱۰ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ
مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ

واپسی پر، یہ دس کی پوری گنتی ہوگئی۔

البتہ یاد رہے کہ یہ حکم (یعنے عمرہ کے تمتع کا حکم) اُس کے لئے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو (باہر سے حج کے لئے آیا ہو۔ جو لوگ مکہ میں رہنے والے ہیں، وہ ایسا نہیں کرسکتے)

اور دیکھو، ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو، اور یقین کرو، وہ (نافرمانوں کو) سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے!

۱۹۳ حج کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں۔ پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا تو (وہ حج کی حالت میں ہوگیا، اور) حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے، نہ فسق کی کوئی بات کرنی ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا۔ اور (یاد رکھو) تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ پس (حج کرو تو اُس کے) سر و سامان کی طیاری بھی کرو۔ اور سب سے بہتر سر و سامان (دل کا سر و سامان ہے، اور وہ) تقویٰ ہے۔

(۷) حج کے دنوں میں (اور وہ اس وقت سے شروع ہوجاتے ہیں جب تم نے احرام باندھ لیا) نہ تو عورت کے ساتھ خلوت کرنی چاہیے، نہ گناہ کی کوئی بات، اور نہ کسی طرح کی لڑائی جھگڑا۔ اعمال حج کے لئے سب سے بڑی طیاری یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو!

اور اے ارباب دانش! (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو (کہ خوف الٰہی ہی سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے!)

۱۹۴ (اور دیکھو) اسمیں تمھارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں، اگر (اعمال حج کے ساتھ) تم اپنے پروردگار کے فضل کی بھی تلاش میں رہو (یعنے کاروبار تجارت کا بھی مشغلہ رکھو۔ البتہ ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ کاروبار دنیوی کے انہماک کی وجہ سے حج کے اوقات و اعمال

(۸) دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ خداپرستی اور دینداری کی راہ، دنیوی معیشت اور دنیوی فلاح و ترقی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنی چاہتا ہے جسمیں دنیا اور آخرت، دونوں کی سعادتیں موجود ہوں۔ حج ایک عبادت ہے لیکن اُس کا عبادت ہونا اس سے مانع نہیں

وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ
۲۱۱ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
۲۲۲ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
۲۱۳ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔـا
۲۱۴ وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ

ع ۲۶ ۱۰

کہ کاروبار دنیوی کا بھی فائدہ اُٹھاؤ۔ مال و دولت اللہ کا فضل ہے۔ پس چاہیے کہ اللہ کے فضل کی تلاش میں رہو۔

(۹) دین اور دنیا کے معاملہ میں دنیا کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ یا تو افراط میں پڑ گئے ہیں، یا تفریط میں، اور راہ اعتدال گم ہو گئی ہے۔ یعنے یا تو دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ آخرت سے یک قلم بے پروا ہو جاتے ہیں۔ یا آخرت کے استغراق میں اتنے دور نکل جاتے ہیں کہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ لیکن دینِ حق کی راہ ہر گوشۂ عمل کی طرح، یہاں بھی اعتدال و توسط کی راہ ہے، اور صحیح زندگی اُس کی زندگی ہے جو کہتا ہے "خدایا! میں دنیا اور آخرت، دونوں کی سعادتیں چاہتا ہوں"!

سے بے پروا ہو جاؤ۔ جیسا کہ جاہلیت کے لوگوں کا شیوہ
۱۹۴ ہو گیا تھا) پس جب عرفات (نامی مقام) سے انبوہ در انبوہ لوٹو، تو مشعر الحرام (یعنے مزدلفہ) میں (ٹھہر کر) اللہ کا ذکر کرو۔ اور اُسی طرح ذکر کرو جس طرح ذکر کرنے کا طریقہ تمھیں بتلا دیا گیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے تم بھی اُنہی لوگوں میں سے تھے، جو راہ حق سے بھٹک گئے ہیں (یعنے اعمال و اذکار کا صحیح طریقہ فراموش کر کے طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے)
۱۹۵ پھر (یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ (تک جاکر) لوگ انبوہ در انبوہ لوٹتے ہیں، تم (اہل مکہ) بھی وہیں سے لوٹو، اور اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو (یعنے ایسا نہ کرو، جیسا ایّام جاہلیت میں کیا کرتے تھے کہ حدود حرم تک جاکر لوٹ آتے تھے۔ باہر کے حاجیوں کی طرح، عرفات تک نہیں جاتے تھے[۱]) بلاشبہ اللہ (خطائیں) بخشنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے۔
۱۹۶ پھر جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو، تو چاہیے کہ جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کی بڑائیوں کا

[۱] حج کے اعمال میں سے ایک عمل عرفات جاکر ٹھہرنا اور وہاں سے لوٹنا ہے، لیکن باشندگانِ مکہ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ حدودِ حرم تک جاکر لوٹ آتے، اور کہتے، ہم تو اسی مقام کے باشندے ہیں۔ ہمارے لئے حدودِ حرم سے باہر جانا ضروری نہیں۔ یہ کچھ تو اس لئے تھا کہ باشندۂ مکہ ہونے کا غرور باطل تھا۔ اور زیادہ تر اس لئے کہ دنیوی کاروبار کے انہماک سے اعمالِ حج کی مشغولیت اُنپر شاق گزرتی تھی۔ چاہتے تھے کہ باہر کے حاجی حج میں مشغول رہیں، ہم موسم سے تجارت کا فائدہ اُٹھائیں۔

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ
مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ
يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا
۲۱۵ خَالِدُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ

ذکر کیا کرتے تھے، اب اُسی طرح اللہ کا ذکر کیا کرو۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ (جوش و محبت کے ساتھ، کہ تمام اعمالِ حج سے اصل مقصود یہی ہے)

اور پھر (دیکھو) کچھ لوگ تو ایسے ہیں (جو صرف دنیا ہی کے پرستار ہوتے ہیں اور) جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ "پروردگار! ہمیں جو کچھ دینا ہے، دنیا ہی میں دیدے" پس آخرت کی زندگی میں اُنکے لئے کوئی
۱۹۷ حصہ نہیں ہوتا۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو (دنیا اور آخرت، دونوں کی فلاح چاہتے ہیں۔ وہ) کہتے ہیں "پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے، اور آخرت میں بھی بھلائی دے، اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچالے!"
۱۹۸ تو یقین کرو، ایسے ہی لوگ ہیں جنھیں اُنکے عمل کے مطابق (دنیا و آخرت کی) فلاح میں حصہ ملنا ہے، اور اللہ (کا قانون) اعمال کے محاسبہ میں سُست رفتار نہیں (وہ ہر انسان کو اُس کے عمل کے مطابق فوراً نتیجہ دیدینے والا ہے)
۱۹۹ اور (دیکھو) حج کے گنے ہوئے دنوں میں (جو معلوم ہیں اور دسویں ذوالحجہ سے لیکر تیرھویں تک ہیں) اللہ کی یاد میں مشغول رہو۔ پھر جو کوئی (واپسی میں) جلدی کرے، اور دو ہی دن میں روانہ ہوجائے تو اسمیں کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اور جو کوئی تاخیر کرے، تو وہ تاخیر کرسکتا ہے۔ اُس کے لئے بھی کوئی گناہ نہیں لیکن یہ (تعجیل اور تاخیر کی رخصت) اسی کے لئے ہے جسمیں تقویٰ ہو (کیونکہ تمام اعمال سے اصل مقصود تقویٰ ہے۔ اگر ایک شخص کے قصد و عمل میں تقویٰ نہیں، تو اُس کا کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہوسکتا) پس ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہ بات نہ بھولو کہ تم سب کو (ایک دن مرنا اور پھر) اُس کے حضور جمع ہونا ہے!
۲۰۰ اور (دیکھو) بعض آدمی ایسے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اُن کی باتیں تمھیں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی ضمیر کی پاکی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت (اُن کا دل ایمان و صداقت سے خالی ہوتا ہے اور) وہ دشمنی و خصومت میں بڑے ہی سخت ہیں۔

(۱۰) دینِ حق دنیا کا نہیں لیکن دنیا پرستی کے غرور و سرشاری کا مخالف ہے۔

یہی دنیا پرستی کا غرور ہے جو انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے بے پروا کر دیتا ہے، اور جب اُسے طاقت اور حکومت مل جاتی ہے، تو غرض و نفس کی

يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۗ قُلْ فِيْهِمَآ ۲۱٦
اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۝ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ۲۱۷
قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۝ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۗ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ۲۱۸
يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَا ۲۱۹-۲۲۰

اور جب اُنھیں حکومت مِل جاتی ہے، تو ان کی تمام ۲۰۱
سرگرمیاں ملک میں اس لئے ہوتی ہیں تاکہ خرابی پھیلائیں
اور انسان کی زراعت و محنت کے نتائج اور اُس کی
نسل ہلاک کردیں۔ حالانکہ اللہ یہ کبھی پسند نہیں کرسکتا کہ
(زندگی و آبادی کی جگہ) ویرانی و خرابی پھیلائی جائے۔
اور جب ان لوگوں سے کہا جائے، خدا سے ڈرو ۲۰۲
(اور ظلم و فساد سے باز آؤ) تو اُن کا گھمنڈ اُنھیں (اور
زیادہ) گناہ پر اُکساتا ہے (اور خدا کے آگے جھکنے کی جگہ
اور زیادہ سرکش ہوجاتے ہیں) پس (جن لوگوں کا حال
ایسا ہو، تو وہ کبھی ظلم و فساد سے باز آنے والے نہیں)
اُنھیں تو جہنّم ہی کفایت کریگا (اور جس کسی نے جہنّم کا
ٹھکانا ڈھونڈھا، تو اس کا ٹھکانا) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے!
اور (برخلاف اُن کے) کچھ آدمی ایسے بھی ہیں جو (نفس پرستی کی جگہ خداپرستی کی روح سے معمور ہوتے ہیں ۲۰۳
اور) اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک فروخت کردیتے ہیں (یعنے رضاء الٰہی کی راہ میں اپنا سب
کچھ قربان کردیتے ہیں) اور (جو کوئی ایسا کرتا ہے، تو یاد رکھے) اللہ بھی اپنے بندوں کے لئے شفقت و مہربانی
رکھنے والا ہے!
اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! (مسلم ہونے کے لئے ۲۰۴
صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ زبان سے اسلام کا اقرار
کرلو۔ بلکہ چاہیئے کہ) پوری طرح اور (اعتقاد و عمل کی)

پرستش میں وہ سب کچھ کرگزرتا ہے، جو دنیا میں انسان کا ظلم و فساد کرسکتا ہے۔
لیکن جو لوگ سچے خداپرست ہیں، وہ دنیا میں کتنے ہی مشغول ہوں، مگر
اُن کا مطمح نظر نفس پرستی نہیں ہوتی، بلکہ رضاء الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ ایک
دنیاپرست اپنے نفس کے لئے دوسروں کو قربان کردیگا۔ لیکن یہ لوگ رضاء الٰہی
کی راہ میں خود اپنے نفس کو قربان کردینگے!

ایک شخص کی دنیوی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما ہو، اور وہ اپنی نیک دلی کا
کتنا ہی دعویٰ کرے، لیکن اِن باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصلی کسوٹی یہ ہے
کہ دیکھا جائے، طاقت و اختیار پاکر اپنے ابناءِ جنس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟
حرث و نسل کی تباہی، انسانی غرور و طاقت کا بہت بڑا فساد ہے۔
دنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے، اللہ سے ڈرو، تو ان کا
گھمنڈ اُنھیں اور زیادہ ظلم و معصیت پر آمادہ کردیتا ہے۔

(۱۱) دنیاپرستی کی یہ سرشاری و غفلت، قوموں کی گمراہی کا بہت بڑا سبب
رہی ہے خصوصاً فتح و اقبال کے حصول کے بعد۔ اس لئے پیروانِ دعوتِ حق

تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ
وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ
اُولٰٓـئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَـنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ ۲۲۱
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ؏ وَيَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ ؕ قُلۡ هُوَ اَذًى ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى ۲۲۲
الۡمَحِيۡضِ ۙ وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰى يَطۡهُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرۡنَ فَاۡتُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا جاتا ہے کہ اس صورتِ حال سے اپنی حفاظت کریں
اللہ کی ہدایت ظاہر ہو چکی ہے، اور وہ سب کچھ تمھیں بتلایا جا چکا ہے جس کی
استقامتِ حق کے لئے ضرورت تھی۔ اسپر بھی اگر تم نے ٹھوکر کھائی، اور راہ ہدایت پہ ۲۰۵
قائم نہ رہے، تو یہ نعمت الٰہی کو محرومی سے بدلدینا ہوگا۔
اگر ایک گروہ کے ایمان ویقین کے لئے کلام الٰہی کی ہدایت کافی نہیں، تو پھر اسکے بعد یہی رہگیا ہے کہ خدا انکے سامنے آکر اپنی زبان سے کہدے کہ میں تمھارا خدا ہوں اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ لیکن نہ ایسا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔
ایمان کی برکتیں اور سعادتیں حاصل کرنے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ اسلام کے دائرہ میں آجاؤ، بلکہ چاہئے کہ پوری طرح آجاؤ۔ یعنے اعتقاد و عمل کے ہر گوشہ میں ایمان کی روح تمھارے اندر پیدا ہو جائے، اور از سرتاپا یکسر ایمان ہو جاؤ!

ساری باتوں میں مسلم ہو جاؤ۔ اور دیکھو، شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے۔
پھر اگر ایسا ہوا کہ تم ڈگمگا گئے، باوجودیکہ ہدایت کی روشن دلیلیں تمھارے سامنے آچکی ہیں، تو یاد رکھو اللہ (کے قانونِ جزا) کی پکڑ سے تم بچ نہیں سکتے۔ وہ سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت والا ہے!
(اگر ان لوگوں کے ایمان ویقین کے لئے وہ سب کچھ کافی نہیں، جو اسوقت تک انکے سامنے آچکا ہے، تو) پھر یہ لوگ کس بات کے انتظار میں ہیں؟ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا انکے سامنے نمودار ہو جائے (اور اس طرح نمودار ہو جائے کہ) بادل اس پر سایہ کئے ہوں، اور فرشتے (صف باندھے کھڑے) ہوں، اور جو کچھ ہونا ہے ہو چکے؟ (اگر وہ اسی بات کے منتظر ہیں تو یاد رکھیں، یہ بات دنیا میں ہونے والی نہیں) اور تمام کاموں کا سررشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے!
(اے پیغمبر! چاہئے کہ یہ لوگ پچھلی امتوں کی سرگزشتوں سے عبرت پکڑیں) بنی اسرائیل سے پوچھو، ہم نے انھیں (علم و بصیرت کی) کتنی روشن نشانیاں دیں (اور کس طرح فلاح و سعادت کی تمام راہیں ان پر کھول دیں؟ لیکن اسپر بھی راہ ہدایت پر قائم نہ رہے اور نعمت الٰہی کی قدر شناسی نہ کی) اور جو کوئی خدا کی نعمت پاکر پھر اسے (محرومی و شقاوت سے) بدل ڈالے، تو یاد رکھو، خدا (کا قانونِ مکافات) بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

(۱۲) بنی اسرائیل کی سرگزشت سے عبرت پکڑو۔ اللہ نے انھیں ہدایت و سعادت کی راہ دکھلائی لیکن انھوں نے محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کی

۲۲۳ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ
شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝
۲۲۴ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
۲۲۵ عَلِيمٌ ۝ لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ
۲۲۶ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ

۲۰۸ منکرینِ حق کی نگاہوں میں تو صرف دنیا کی زندگی ہی سمائی ہوئی ہے۔ وہ ایمان والوں کی (موجودہ بے سروسامانی دیکھ کر) ہنسی اڑاتے ہیں۔ حالانکہ (عزت کی اصلی چیز دنیوی مال و جاہ نہیں ہے، ایمان و عمل کی دولت ہے) جو لوگ متقی ہیں، قیامت کے دن وہی ان منکروں کے مقابلہ میں بلند مرتبہ ہونگے (اور یہ خاک مذلت پر لوٹ رہے ہونگے) اور (پھر قطع نظر اس کے، یہ منکرین حق نہیں جانتے کہ جو لوگ آج مال و جاہِ دنیوی سے تہی دست ہیں یہی کل کو اللہ کے فضل سے مالا مال ہوجا سکتے ہیں۔ اور) اللہ جسے چاہتا ہے، اپنی رزق بے حساب سے مالا مال کردیتا ہے!

۲۰۹ ابتدا میں ایسا تھا کہ لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے۔ ایک ہی قوم و جماعت تھے۔ (پھر ایسا ہوا کہ باہم دگر مختلف ہوگئے اور الگ الگ ٹولیاں بن گئیں) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو مبعوث کیا۔ وہ ایمان وعمل کی برکتوں کی) بشارت دیتے، اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈراتے تھے۔ نیز انکے ساتھ کتاب الٰہی نازل کی گئی، تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے، ان میں وہ فیصلہ کردینے والی ہو (اور تمام لوگوں کو راہِ حق پر متحد کردے) اور یہ جو لوگ باہم دگر مختلف ہوئے، تو اس لئے نہیں ہوئے کہ ہدایت سے محروم اور حقیقت سے بے خبر تھے۔ نہیں وحی الٰہی

(۱۳۰) دینِ حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی قوم و جماعت تھے، اور فطری زندگی کی سادگی پر قانع تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ نسل انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح طرح کے تفرقے پیدا ہوگئے، اور تفرقہ کا نتیجہ ظلم و فساد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تب وحی الٰہی نمودار ہوئی، اور یکے بعد دیگرے خدا کے رسول مبعوث ہوتے رہے۔ ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنے خدا پرستی و نیک عملی کی تلقین، اور تفرقہ و اختلاف کی جگہ وحدت و اجتماع کا قیام۔

کتاب اللہ ہمیشہ اس لئے نازل ہوئی، تاکہ دین کے تفرقہ و اختلاف میں حکم ہو، اور لوگوں کو وحدتِ دین کی اصل پر متحد کردے۔

تفرقہ و اختلاف کی علت باہمی "بغی و عصیان" ہے۔ یعنے آپس کی ضد اور اتباع حق کی جگہ خود پرستی و سرکشی۔

اس بحث میں اس ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ پیروانِ اسلام کو دعوت استقامت دیتے ہوئے پہلے بنی اسرائیل کے حالات سے استشہاد کیا تھا۔ اب واضح کیا جاتا ہے کہ تفر

۲۲۷ اللّٰہ غفور رحیم ○ وان عزموا الطلاق فان اللّٰہ سمیع علیم ○ والمطلّقٰت یتربّصن
۲۲۸ بانفسہن ثلٰثة قروء ؕ ولا یحل لہن ان یکتمن ما خلق اللّٰہ فی ارحامہن ان کن
یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر ؕ وبعولتہن احق بردہن فی ذٰلک ان ارادوا اصلاحا ؕ
ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف ؕ وللرجال علیہن درجة ؕ واللّٰہ عزیز حکیم ○ ع ۲۸ / ۱۲
۲۲۹ الطلاق مرتٰن ۪ فامساک بمعروف او تسریح باحسان ؕ ولا یحل لکم ان تاخذوا
مما اٰتیتموہن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللّٰہ ؕ فان خفتم الا یقیما حدود اللّٰہ

کے واضح احکام اُنکے سامنے تھے (اور اُن میں تفرقہ و اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی) مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت سے اختلاف کرنے لگتے تھے (اور دین کی ایک راہ پر مجتمع رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ جاتے تھے) بالآخر اللہ نے ایمان لانے والوں کو (دین کی) وہ حقیقت دکھا دی جسمیں لوگ مختلف ہوگئے تھے (اور ایک دوسرے کو جھٹلا رہے تھے) اور اللہ جسے چاہتا ہے، دین کی سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے!

بنی اسرائیل ہی پر موقوف نہیں۔ تمام پچھلی جماعتوں کا یہی حال رہا ہے۔ ہر عہد میں خدا کی ہدایت نمایاں ہوئی، لیکن ہمیشہ لوگوں نے ہدایت کے بعد گمراہی کی راہ اختیار کی، اور اسی لئے یکے بعد دیگرے تجدید ہدایت ضروری ہوئی۔ پس قیام حق کے لئے تعلیم حق کی نہیں (کیونکہ وہ تو اول دن سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہی ہے) بلکہ حق پر ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے۔

۲۱۰ پھر کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے (اور مومن ہونے کے لئے سعی و عمل کی آزمائشوں میں کامیاب ہونا ضروری نہیں؟) حالانکہ ابھی تو تمہیں وہ آزمائشیں پیش ہی نہیں آئی ہیں، جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آ چکی ہیں۔ ہر طرح کی سختیاں اور محنتیں انھیں پیش آئیں، شدتوں اور ہولناکیوں سے اُنکے دل دہل گئے۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اُٹھے "اے نصرت الٰہی! تیرا وقت کب آئے گا"؟ (تب اچانک پردۂ غیب چاک ہوا، اور خدا کی نصرت یہ کہتی ہوئی نمودار ہوگئی:) "ہاں، گھبراؤ نہیں، خدا کی نصرت تم سے دور نہیں ہے!"

(۱۴۴) مومن ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ تم نے ایمان کا اقرار کر لیا اور جنتی ہو گئے، بلکہ ضروری ہے کہ اُن تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رہو، جو تم سے پہلے حق پرستوں کو پیش آ چکی ہیں اور تمہیں بھی پیش آئیں گی۔

۲۱۱ اے پیغمبر! تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خیرات کے

خیرات کرنے کا حکم، اور اس غلطی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے تھے، خیرات صرف غیر...

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
٢٣٠ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ
٢٣١ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ
سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ

ہی کو دی جاسکتی ہے۔ اپنوں اور عزیزوں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے۔ خیرات کے مصارف بتلاتے ہوئے واضح کردیا گیا کہ اُس کا اولین مصرف تمھارے عزیز و اقربا ہیں اگر وہ محتاج ہوں۔

لئے خرچ کریں تو کیا خرچ کریں؟ ان سے کہدو، جو کچھ بھی تم اپنے مال میں سے نکال سکتے ہو، نکالو۔ اور جب نکالو، تو اُس کے مستحق تمھارے ماں باپ ہیں، عزیز و اقربا ہیں، یتیم بچے ہیں، مسکین ہیں، (مصیبت زدہ) مسافر ہیں۔ اور یاد رکھو، جو کچھ بھی تم بھلائی کے کاموں میں سے کرتے ہو، تو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا (کہ اکارت جائے۔ اُس کا قانونِ مکافات یہ ہے کہ ہر نیکی اپنا بدلہ اور ہر نیکی کرنے والا اپنا اجر رکھتا ہے۔ اور) وہ سب کچھ جاننے والا ہے!

جہاد کا حکم۔ یعنے دین کے اعتقاد و عمل کی آزادی کے لئے لڑنے کا حکم:

(۱) جنگ کی حالت کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو تمھارے لئے خوشگوار ہو لیکن اس دنیا میں کتنی ہی خوشگواریاں ہیں جو ناگواریوں سے پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی خوشگوار باتیں ہیں جن کا نتیجہ ناگوار ہوتا ہے!

(۲) جنگ بُرائی ہے لیکن انسانی طاقت کا ظلم و فساد اُس سے بھی بڑھ کر بُرائی ہے لیں جب ایسی حالت پیش آجائے کہ ظلم کا ازالہ اور کسی طرح ممکن نہ ہو، تو جنگ کے سوا چارہ نہیں۔

(۳) دشمنوں کی مخالفت کسی خاص فرد یا جماعت سے نہ تھی، بلکہ اس بنا پر تھی کہ لوگ اپنے پچھلے عقائد چھوڑ کر کیوں ایک نیا اعتقاد اختیار کر رہے ہیں؟ یعنے محض اختلافِ عقائد کی بنا پر وہ ایک جماعت کو نیست و نابود کردینا چاہتے تھے۔ پس جب تک مسلمان اپنے اعتقاد سے دست بردار نہ ہو جاتے، دشمنوں کے طرف سے قتل و غارتگری کا سلسلہ برابر

٢١٢ لڑائی کا تمھیں حکم دیا گیا ہے، اور وہ تمھیں ناگوار
٢١٣ ہے لیکن بہت ممکن ہے، ایک بات کو تم مکروہ سمجھتے ہو اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو، اور ایک بات تمھیں اچھی لگتی ہو، اور اُسی میں تمھارے لئے بُرائی ہو۔ (پس اپنے نفس کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی بنا پر اعمال کی اچھائی بُرائی کا فیصلہ نہ کردو) اللہ جانتا ہے (کہ تمھارے لئے کس ناگواری میں خوشگواری اور کس پسندیدگی میں ناپسندیدگی ہے) مگر تم نہیں جانتے!
٢١٤ اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں، جو مہینہ حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے، اُسمیں لڑائی لڑنا کیسا ہے؟ اُن سے کہدو، اُس میں جنگ کرنا بڑی بُرائی کی

ع۳۰ ۱۲

الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَ
۲۳۳ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ
اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا
وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ

جاری رہتا اور جب مسلمان اسکے لئے طیار نہ تھے، تو پھر اسکے سوا کیا چارہ کار رہتا
کہ مردانہ وار لڑیں اور حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے؟
(۴) قرآن نے جنگ کا قدم نہیں اُٹھایا، اور نہ وہ داعی امن ہو کر اٹھا سکتا تھا۔
لیکن اُس کے خلاف اُٹھایا گیا، اور اُسنے پیٹھ نہیں دکھلائی۔

بات ہی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ انسان کو اللہ کی راہ سے روکنا (یعنے ایمان اور خدا پرستی کی راہ اُس پر بند کر دینی) اور اُس کا انکار کرنا، اور مسجد حرام میں نہ جانے دینا، نیز مکہ سے وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہی،
اور فتنہ (یعنے ظلم و فساد) قتل سے بھی بڑھ کر ہی (پھر بتلاؤ، ان برائیوں کا انسداد ضروری ہی، یا ایک مہینے کی حرمت کے پیچھے الگے رہنا جس کی حرمت کا خود دشمنوں نے بھی لحاظ نہیں رکھا ہی؟)

اور (یاد رکھو) یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہینگے۔ یہاں تک کہ اگر بن پڑے، تو تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ کر دیں۔ (کیونکہ تم میں اور اُن میں کوئی اور وجہ مخاصمت تو ہی نہیں۔ سارا جھگڑا اسی بات کا ہی کہ کیوں تم نے دین حق قبول کر لیا ہی۔ پھر کیا تم طیار ہو کہ جس بات کو حق سمجھتے ہو، محض لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اُسے چھوڑ دو؟ اگر طیار نہیں ہو، تو ظاہر ہی کہ جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں) اور دیکھو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے گا، اور اسی حالت برگشتگی میں دنیا سے جائے گا، تو یاد رکھو، اُس کا شمار اُن لوگوں میں ہوگا، جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے، اور ایسے ہی لوگ ہیں، جن کا گروہ دوزخی گروہ ہی۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا!

۲۱۵ (برخلاف اس کے) جو لوگ ایمان لائے (اور راہ ایمان میں ثابت قدم رہے) اور جن لوگوں نے ہجرت کی سختیاں برداشت کیں، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں، جو اللہ کی رحمت کی (سچی) امیدواری کرنے والے ہیں، اور (جو کوئی اللہ کی رحمت کا سچے طریقہ پر امیدوار ہو، تو) اللہ (بھی) رحمت سے بخشدینے والا ہی!

أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا
أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ۲۳۴
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ
بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ ۲۳۵

اے پیغمبر! تم سے لوگ شراب اور جوے کی ۲۱۶
بابت دریافت کرتے ہیں۔ ان سے کہدو، ان
دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے، اور انسان
کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن اُن کا نقصان اُنکے
فائدہ سے بہت زیادہ ہے (پس اُن سے احتراز کرو)
اور تم سے پوچھتے ہیں (راہِ حق میں خرچ کریں، ۲۱۷
تو) کیا خرچ کریں؟ اُن سے کہدو، جس قدر
تمھاری ضروریاتِ معیشت سے فاضل ہو (یعنے
زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص مقدار معین نہیں کردی
گئی ہے۔ جو کچھ تمھاری ضروریاتِ معیشت سے زیادہ
ہو کر بچ رہے، اُس میں سے خرچ کرو) دیکھو، اللہ
اس طرح کے احکام دے کر تم پر اپنی نشانیاں
واضح کردیتا ہے تاکہ دنیا اور آخرت (دونوں)
کے مصالح میں غور و فکر کرو!

اور لوگ تم سے یتیم بچّوں کی نسبت پوچھتے ہیں۔ اُن سے کہدو جس بات میں اُنکے لئے اصلاح و درستگی ہو، ۲۱۸
وہی بہتر ہے۔ اور اگر تم اُنکے ساتھ مل جُل کر رہو (یعنے اُنھیں اپنے گھرانے میں شامل کرلو) تو بہرحال، وہ تمھارے
بھائی ہیں (کچھ غیر نہیں) اور (یاد رکھو، اللہ کی نظر سے کوئی بات پوشیدہ نہیں) وہ جانتا ہے کہ کون اصلاح
کرنے والا ہے، اور کون خرابی کرنے والا ہے۔ (پس اگر تمھاری نیت بخیر ہے، تو تمھیں یتیموں کے مال کی ذمہ داری ۲۱۹
لینے سے نہیں گھبرانا چاہئے، اور بقدرِ امکان، اصلاح و درستگی کی کوشش کرنی چاہئے) اگر اللہ چاہتا تو تمھیں

(۵) جنگ کے سلسلہ میں تین سوالات پیدا ہوگئے تھے۔ اُنکے جوابات دئے گئے:

عام طور پر سمجھا جاتا تھا (اور اب تک سمجھا جاتا ہے) کہ شراب سے لڑائی لڑنے میں مدد ملتی ہے، اور جوا حصولِ مال کا ذریعہ ہے۔ اس غلطی کا ازالہ کردیا گیا، اور یہ اصولی حقیقت تبلادی گئی کہ صرف اشیاء کا نفع ہی نہیں دیکھنا چاہئے، کیونکہ اضافی نفع سے تو کوئی چیز بھی خالی نہیں۔ بلکہ نفع اور نقصان، دونوں کا توازن کرنا چاہئے۔ جس چیز میں نقصان زیادہ ہو، اُسے ترک کردینا چاہئے، اگرچہ تھوڑا بہت نفع بھی ہو۔ اور جس چیز میں نفع زیادہ ہو، اُسے اختیار کرنا چاہئے، اگرچہ نقصان کا بھی احتمال ہو۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ مصارفِ جنگ کے لئے اور اسی طرح کی دوسری قومی ضرورتوں کے لئے کس قدر انفاق کیا جائے؟ فرمایا، کوئی خاص قید نہیں۔ ضروریاتِ معیشت سے جو کچھ فاضل ہو کر بچ رہے، اُس میں سے خرچ کرو۔

تیسرا سوال یتیم بچّوں کی نسبت تھا۔ حکم دیا گیا کہ جس طریقہ میں اُنکے لئے اصلاح و درستگی ہو، وہی بہتر ہے، اور وہی اختیار کرنا چاہئے۔ اور اگر تم اُنھیں اپنے گھرانے میں شامل کرلو، تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔ کچھ غیر نہیں۔

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ
۲۳۶ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ
۲۳۷ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ لَا ع ۳۰ ۱۴
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ
مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًاۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

مشقت میں ڈال دیتا (یعنے اس بارے میں سخت پابندیاں عائد کردیتا - کیونکہ یتیموں کے حقوق و فوائد کا معاملہ بہت ہی اہم ہے - لیکن اُسنے تمھاری استطاعت سے زیادہ تم پر بوجھ نہیں ڈالا) بلاشبہ وہ غلبہ و طاقت کے ساتھ حکمت بھی رکھنے والا ہے!

۲۲۰ اور دیکھو، مشرک عورتوں سے، جب تک ایمان نہ لے آئیں، نکاح نہ کرو - ایک مشرک عورت تمھیں (بظاہر) کتنی ہی پسند آئے لیکن مومن عورت اس سے کہیں بہتر ہے - اور اسی طرح مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں، مومن عورتیں اُنکے نکاح میں نہ دی جائیں - یقیناً خدا کا مومن بندہ، ایک مشرک مرد سے بہتر ہے، اگرچہ

(۶) دشمنانِ اسلام سے جنگ کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اُن سے مناکحت جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ مشرک مرد اور عورت سے مومن مرد اور عورت کا نکاح جائز نہیں علت بھی واضح کردی کہ جو لوگ تمھارے دین کی وجہ سے تمھارے دشمن ہوگئے ہیں اور تمھیں راہِ حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، اُنکے ساتھ تمھارا ازدواجی رشتہ کبھی فلاح سعادت کا موجب نہیں ہوسکتا۔

۲۲۱ بظاہر مشرک مرد تمھیں کتنا ہی پسند کیوں نہ آئے - یہ لوگ (یعنے مشرکینِ عرب) تمھیں (دینِ حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، اور اس لئے) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے حکم سے (دینِ حق کی راہ کھول کر) تمھیں جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے (پس ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ تمھاری سازگاری کیونکر ہوسکتی ہے؟) اللہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیتیں واضح کردیتا ہے، تاکہ متنبہ ہوں اور نصیحت پکڑیں!

۲۲۲ اور اے پیغمبر! لوگ تم سے عورتوں کے ماہواری ایام کے بارے میں دریافت کرتے ہیں اُن سے کہدو، وہ مضرت (کا وقت) ہے - پس چاہیئے کہ اُن دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو - اور جب تک وہ (ایام سے فارغ ہوکر) پاک صاف نہ ہولیں، اُن سے نزدیکی نہ کرو - اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ)

مشرکین سے مناکحت کے بیان نے نکاح و طلاق اور ازدواجی زندگی کی مہمات کی طرف سلسلۂ بیان پھیر دیا ہے:

(۱) عورتوں سے اُنکے مہینے کے خاص ایام میں علیحدگی کا حکم، اور اس حقیقت کا

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ٢٣٨
اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ حٰفِظُوْا عَلَي الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ٢٣٩
وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ ٢٤٠
مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ښ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ ٢٤١

جب وہ پاک و صاف ہولیں اور تم اُن کی طرف
ملتفت ہو، تو اللہ نے (فطری طور پر) جو بات جس
طرح ٹھرادی ہے، اُسی کے مطابق ہونی چاہیے۔
(اُس کے علاوہ کسی دوسری خلافِ فطرت بات
کا خیال نہ کرو) اللہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا
ہے جو (برائی سے) پناہ مانگنے والے ہیں اور اُن
لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پاکی و صفائی رکھنے
والے ہیں!
(جہاں تک وظیفہ زوجیت کا تعلق ہے) تمہاری ٢٢٣
عورتیں تمھارے لئے ایسی ہیں، جیسے کاشت کی
زمین۔ پس جس طرح بھی چاہو، اپنی زمین میں
(فطری طریقہ سے) کاشت کرو، اور اپنے لئے مستقبل کا سروسامان کرو (یعنے اولاد کی پیدائش کا سروسامان
کرو) اور (اصلی بات یہ ہے کہ ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہ بات نہ بھولو کہ (ایک دن تمھیں مرنا اور
اسکے حضور حاضر ہونا ہے (کہ تمھارے اندر دینداری کی سچی روح پیدا ہو) اور اُنکے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (دینِ
حق کی سہولتوں اور بے جا قید و بند سے پاک ہونے کی) بشارت ہے!
اور دیکھو، ایسا نہ کرو کہ کسی کے ساتھ بھلائی ٢٢٤
کرنے، یا پرہیزگاری کی راہ اختیار کرنے، یا لوگوں
کے درمیان صلح صفائی کرادینے کے خلاف قسمیں
کھا کر اللہ کے نام کو نیکی سے بچ نکلنے کا بہانہ بنالو۔

اعلان کہ علحدگی کا سبب یہ نہیں ہے کہ عورتیں ناپاک ہوجاتی ہیں اور ملنے جلنے اور چھونے
کے قابل نہیں رہتیں جیسا کہ یہودیوں کا خیال تھا، بلکہ صرف یہ بات ہے کہ ان ایام میں
زناشوئی کا تعلق مُضر ہے، اور صفائی اور طہارت کے خلاف ہے۔

(٢) فطرت نے مرد اور عورت کے باہم ملنے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے لئے جو بات
جس طرح ٹھرادی ہے، اسی طرح ہونی چاہیے۔ اسکے سوا اور کوئی بات نہیں ہونی
چاہیے۔ اللہ کی پسندیدگی اُن کے لئے ہے جو ناپاکی کی تمام باتوں سے اپنی نگہداشت کرتے ہیں

(٣) اس معاملہ کی نسبت جو وہم پرستیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی
قیدیں اپنے پیچھے لگا رکھی ہیں۔ مثلاً کسی خاص طریقہ کو جائز سمجھتے ہیں کسی کو ناجائز،
کسی خاص طریقہ میں برکت سمجھتے ہیں، کسی میں نحوست، تو انکی کوئی اصلیت نہیں جس
طرح بھی چاہو، فطری طریقہ سے یہ معاملہ کرسکتے ہو۔

اس گمراہی کا ازالہ کہ ازدواجی زندگی کی اہمیت سے لوگ بے پروا تھے، اور باتیں
چھوٹ ہوگئی تھیں۔ طرح طرح کی بے معنی قسمیں کھالیتے، اور پھر سمجھتے کہ رشتہ نکاح ٹوٹ گیا
(١) کسی جائز اور نیکی کی بات کے خلاف قسم کھالینی اور خدا کے نام کو اس کے نہ کرنے کے لئے

مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن
مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ كَذَٰلِكَ ۲۴۳-۲۴۲
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ ۲۴۴
الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُونَ ۝ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ ۲۴۶-۲۴۵
قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ أَلَمْ ۲۴۷
تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ

حیلہ بنانا، خدا پرستی کے خلاف ہے۔

(۲) لغو اور بے معنی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو بات انسان نے سمجھ کر اور دل کے قصد کے ساتھ کی ہو، اُسی کے لئے وہ جوابدہ ہوگا۔

(۳) اگر بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالی جائے، جو عرب میں "ایلاء" کے نام سے مشہور تھی، تو کیا کرنا چاہئیے؟

(یعنے پہلے تو کسی اچھے کام کے خلاف قسم کھالو۔ پھر کہو، خدا کی قسم کھا کر ہم کیونکر یہ کام کر سکتے ہیں؟) یاد رکھو، اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (وہ سب کچھ سنتا ہے، اور دلوں کے پوشیدہ کھوٹ جانتا ہے!)

۲۲۵ تمھاری قسموں میں جو لغو اور بے معنی قسمیں ہوں اُن پر اللہ مواخذہ نہیں کریگا (اور اس لئے فی الحقیقت انکا کوئی اعتبار نہیں) تم سے جو کچھ بھی مواخذہ ہوگا، وہ تو اُسی بات پر ہوگا جو (سچ مچ کو تم نے سمجھ بوجھ کر کی ہے، اور اس لئے) تمھارے دلوں نے (اپنے عمل سے) کمائی ہے، اور اللہ (ہر حال میں) بخشنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے!

۲۲۶ جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں، تو اُن کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ پھر اگر اس مدت کے اندر وہ رجوع کرلیں (یعنے بیوی سے ملاپ کرلیں) تو اللہ رحمت سے بخشنے والا ہے (اور اس کی رحمت بخشش ہی چاہتی ہے کہ تم بھی دوسروں کی خطائیں بخشدو، اور شفقت و محبت کے ساتھ پیش آؤ)

۲۲۷ لیکن اگر (ایسا نہ ہو سکے اور) طلاق ہی کی ٹھان لیں، تو (پھر بیوی کے لئے طلاق ہے۔ البتہ ملاپ کی جگہ جدائی کا عزم کرتے ہوئے یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ سب کچھ سننے والا، اور جاننے والا ہے (اگر تم نے ناحق ناروا اپنی بیوی کو الگ کردیا، تو یہ اللہ کے علم و سماعت سے پوشیدہ نہیں رہے گا)

طلاق کے احکام، اور اہمیں ازدواجی زندگی کے لئے جن مضرتوں کا اندیشہ تھا یا عورتوں کی حق تلفی ہو سکتی تھی، اُس کا انسداد:

۲۲۸ اور جن عورتوں کو (اُنکے شوہروں نے) طلاق دیدی ہو، تو اُنھیں چاہیئے، ماہواری ایام کے تین مہینوں تک اپنے آپکو (نکاح ثانی سے) الگ رکھیں

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ
۲۴۸ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ
لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ
۲۴۹ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ
لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ

۲۲۸ اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، تو اُنکے لئے جائز نہیں کہ جو چیز اللہ نے اُنکے شکم میں پیدا کردی ہو، اُسے چھپائیں۔ (یعنے اگر حمل سے ہوں، تو ان کا فرض ہو کہ اُسے ظاہر کردیں۔ اس بارے میں غلط بیانی نہ کریں) اور اُنکے شوہر (جنھوں نے طلاق دی ہو) اگر عدت کے اس مقرّرہ زمانہ کے اندر اصلاح حال پر آمادہ ہوجائیں، تو وہ اُنھیں اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اور دیکھو، عورتوں کے لئے بھی اُسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ اُنکے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہو (پس چاہئے کہ ہر فریق دوسرے فریق کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ تم صرف اپنے ہی حقوق کا مطالبہ کرو۔ دوسرے فریق کے حقوق جو تم پر ہیں اُنھیں فراموش کرجاؤ) اور یاد رکھو، اللہ زبردست، حکمت رکھنے والا ہو!

(۱) طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرّر کرکے، نکاح کی اہمیت، نسب کے تحفّظ اور عورت کے نکاحِ ثانی کی سہولتوں کا انتظام کردیا گیا۔

(۲) یہ اصل واضح کردی گئی کہ اگر طلاق کے بعد شوہر رجوع کرنا چاہے، تو وہی زیادہ حقدار ہو۔ کیونکہ شرعًا مطلوب، ملاپ ہو۔ نہ کہ تفرقہ۔

(۳) جہاں تک عورتوں کے حقوق کا تعلق ہو، دینِ حق کی اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ "جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی حقوق عورتوں کے بھی مردوں پر ہیں"

۲۲۹ طلاق (جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہو) دو مرتبہ (کرکے دو مہینوں میں دو طلاقیں) ہیں پھر اُسکے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہجاتے ہیں۔ یا تو اچھے طریقہ پر روک لینا ہو (یعنے رجوع کرلینا ہو) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کردینا ہو۔

(۴) طلاق دینے کا طریقہ یہ ہو کہ وہ تین مرتبہ، تین مجلسوں میں، تین مہینوں میں، اور یکے بعد دیگرے واقع ہوتی ہو۔ اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتۂ نکاح قطع کردیتی ہو، تیسری مجلس، تیسرے مہینے، اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہو۔ اُس وقت تک جدائی کے ارادہ سے باز آجانے اور ملاپ کرلینے کا موقعہ باقی رہتا ہو۔ پس نکاح کا

اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَلَمَّا
۲۵۰ فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَ
مَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا
جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ
یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ

رشتہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جب گھڑی چاہا، بات کی بات میں توڑ کر رکھ دیا۔ اُس کے توڑنے کے لئے مختلف منزلوں سے گزرنے، اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد دیگرے اصلاح کی مہلت پانے، اور پھر اصلاح حال سے بالکل مایوس ہو کر، آخری فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) شوہر کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے، یا دیا گیا ہو، طلاق دیتے ہوئے واپس لے لے۔ (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

(۶) ہاں، اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ شوہر طلاق دینا نہ چاہتا ہو، نہ اُسکے طرف سے کوئی قصور ہو، لیکن کسی وجہ سے آپس میں نبتی نہ ہو، اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہو کہ ازدواجی زندگی کے فرائض ادا نہ ہو سکیں گے، تو اس صورت میں اگر عورت کہے میں اپنا مہر یا اُس کا کوئی حصہ چھوڑ دیتی ہوں، اور شوہر اس کے بدلے میں طلاق دیدے، تو ایسی معاملت ہو سکتی ہے۔ اسی کو "خُلع" کہتے ہیں۔

(۷) نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے سر پڑ جائیں، اور نہ یہ ہے کہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کامجوئیوں کا آلہ بنا دیا جائے بلکہ مقصود حقیقی یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوشحال ازدواجی زندگی پیدا ہو جائے۔ ایسی زندگی جبھی پیدا ہو سکتی ہے جبکہ آپس میں محبت و سازگاری ہو، اور "حدود اللہ" یعنے خدا کے ٹھرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا کئے جائیں پس اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے، تو نکاح کا مقصود حقیقی فوت ہو گیا، اور ضروری ہو گیا کہ دونوں فریق کے لئے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے۔ اگر مقصود نکاح کے
۲۳۰ فوت ہو جانے پر بھی علیحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا، تو یہ انسان کے آزادانہ حق انتخاب

(یعنے تیسرے مہینے تیسری طلاق دے کر جدا ہو جانا ہے) اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو، (طلاق دیتے ہوئے) اُس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے) تو اگر تم دیکھو، ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ (واقعی) اندیشہ ہے، خدا کے ٹھرائے ہوئے واجبات حقوق ادا نہ ہو سکیں گے، تو پھر شوہر اور بیوی کے لئے اسمیں کچھ گناہ نہ ہو گا، اگر بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے) بطور معاوضہ کے (اپنے حق میں سے) کچھ دیدے (اور شوہر اُسے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے) یاد رکھو، یہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حد بندیاں ہیں پس ان سے قدم باہر نہ نکالو (اور اپنی اپنی حدوں کے اندر رہو) جو کوئی اللہ کی ٹھرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

اگر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے (دو طلاقوں کے

۲۵۱ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
۲۵۲ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ
الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ
۲۵۳ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ
۲۵۴ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ **تِلْكَ الرُّسُلُ** فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَآءَ

بعد رجوع نہ کیا، اور تیسرے مہینے تیسری) طلاق دیدی، تو پھر (دونوں میں قطعی جدائی ہوگئی، اور اب) شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہ ہوگی، جب تک کہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے۔

پھر اگر ایسا ہو کہ دوسرا مرد (نکاح کرنے کے بعد خود بخود) طلاق دیدے، (اور مرد و عورت از سر نو ملنا چاہیں) تو ایک دوسرے کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اسمیں اُنکے لئے کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حد بندیوں پر قائم رہ سکیں گے (یعنے حقوق و واجبات ادا کر سکیں گے، اور محبت و سازگاری کے ساتھ رہینگے کہ ہر حال میں اصل مقصود نکاح و طلاق سے یہی ہے)

اور (دیکھو) یہ اللہ کی ٹھرائی ہوئی حد بندیاں ہیں جنھیں وہ ان لوگوں کے لئے جو (مصالح معیشت کا) علم رکھتے ہیں، واضح کر دیتا ہے!

۲۳۱ اور جب ایسا ہو کہ تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو، اور اُن کی (عدت کی) مدت پوری ہونے کو آئے، تو پھر (تمھارے لئے دو ہی راستے ہیں) یا تو (طلاق سے رجوع کر کے) اُنھیں ٹھیک طریقہ پر روک لو، یا (آخری طلاق دے کر) ٹھیک طریقہ پر جانے دو۔ ایسا نہ کرو کہ اُنھیں نقصان پہونچانے کے لئے روکے رکھو، تاکہ اُن پر جور و ستم کرو (یعنے نہ تو رجوع کرو۔ نہ

کے خلاف ایک ظالمانہ رکاوٹ ہوتی، اور ازدواجی زندگی کی سعادت سے سوسائٹی کو محروم کر دینا ہوتا۔

(۸) یا تو عورت کو بیوی کی طرح رکھنا چاہئے اور اُسکے حقوق ادا کرنے چاہئیں، یا طلاق دیکر اُس کی راہ کھول دینی چاہئے۔ یہ نہیں کرنا چاہئے کہ نہ تو بیوی کی طرح رکھو، نہ طلاق دیکر اُس کی راہ کھولو، بیچ میں لٹکائے رکھو۔ (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

(۹) ازدواجی زندگی کا معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے، اور مرد کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے ہمیشہ عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ نے اُنھیں "نیک ترین" امت ہونے کا مرتبہ عطا

اللّٰہُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰکِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْھُمْ
مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْھُمْ مَّنْ کَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ؑ ع ۳۴
۲۵۵ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا
۲۵۶ شَفَاعَۃٌ ؕ وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ
سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ

فرمایا ہے، اور کتاب و حکمت کی تعلیم نے ہدایت و موعظت کے تمام پہلو واضح کر دیئے ہیں پس اپنے جماعتی شرف و مقام کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہوں، اور ازدواجی زندگی میں اخلاق و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ بنیں۔ ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ جس جماعت کے افراد کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہے، وہ کبھی ایک فلاح یافتہ جماعت نہیں ہو سکتی۔

جانے دو۔ بیچ میں لٹکائے رکھو، تاکہ تمہارا جور و ستم سہتی رہیں، اور بے بسی کی وجہ سے کچھ نہ کر سکیں) اور یاد رکھو، جو کوئی ایسا کرے گا، تو (اگرچہ وہ اپنے نزدیک ایک دوسری جان پر ظلم کر رہا ہو، لیکن فی الحقیقت) اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کریگا! (کیونکہ ازدواجی زندگی کی سعادت سے محروم ہو جائے گا اور اللہ کے حضور گناہ گار ہوگا)

اور (دیکھو) ایسا نہ کرو کہ اللہ کے حکموں کو ہنسی کھیل بنا لو (کہ آج نکاح کر لو۔ کل بلا وجہ طلاق دیدو۔ یا ازدواجی زندگی کے واجبات و حقوق ملحوظ رکھنے کی جگہ محض اپنی نفسانی خواہشوں کی بنا پر رشتے جوڑنے اور توڑنے لگو) اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو، اس نے کتاب و حکمت میں سے جو کچھ نازل کیا ہے اور اس کے ذریعہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، اسے نہ بھولو۔ اللہ سے ڈرو، اور یاد رکھو کہ اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں!

(۱) جب عورت کو طلاق دیدی گئی، اور اُسنے عدت کا زمانہ پورا کر لیا، تو پھر اُسے اختیار ہے جس سے چاہے، ٹھیک طریقہ پر نکاح کر لے۔ نہ تو اُسے دوسرے نکاح سے روکنا چاہئیے، نہ اُس کی پسند کے خلاف اُس پر زور ڈالنا چاہئیے، اور نہ اس بات پر ناخوش ہونا چاہئیے۔ چونکہ اس بارے میں مردوں کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ تھا، اسلئے خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا گیا، اور فرمایا، اگر تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اس حکم کی نافرمانی سے بچو گے!

۲۳۲ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دیدی اور وہ اپنی (عدت کی) مدت پوری کر چکیں، تو (پھر اُنھیں اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے) اگر وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے مناسب طریقہ پر نکاح کرنا چاہیں، اور دونو آپس میں رضامند ہو جائیں، تو اس سے اُنھیں نہ روکو (اور اُنکے نکاح کر لینے کا برا

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
۲۵۷ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد
تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
۲۵۸ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ

نہ مانو) تم میں سے ہر اُس انسان کو، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس حکم کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے! اسی بات میں تمہارے لئے زیادہ برکت اور زیادہ پاکی ہے، اور اللہ جانتا ہے (کہ تمہارے لئے بہتری کی راہ کونسی ہے) مگر تم نہیں جانتے!

۲۳۳ اور جو شخص (اپنی بیوی کو طلاق دیدے، اور بیوی کی گود میں بچہ ہو، اور وہ) ماں سے بچے کو دودھ پلوانا چاہے، تو اس صورت میں چاہئے، پورے دو برس تک ماں بچے کو دودھ پلائے (کہ یہی دودھ پلانے کی پوری مدت ہے) اور جس کا بچہ ہے، اُس پر لازم ہے کہ ماں کے کھانے کپڑے کا مناسب طریقہ پر انتظام کر دے (یہ انتظام ہر شخص کی حالت اور حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ)

(۱۱) طلاق کی صورت میں ایک نہایت اہم سوال چھوٹے بچوں کی پرورش کا تھا۔ ماں باپ کی علیحدگی کے بعد دودھ پیتے بچوں کی پرورش کا انتظام کیا ہو؟ اس بارے میں طرح طرح کی خرابیوں کا اندیشہ تھا۔ پس انکا سدّباب کر دیا گیا۔ بڑا محل نقصان پہنچنے کا ماں تھی، کہ طلاق کی وجہ سے جدا ہو گئی تھی، اور محبت مادری کی وجہ سے مجبور تھی کہ بچے کو دودھ پلائے۔ پس حکم دیا گیا کہ دودھ پلانے تک اُس کا خرچ باپ کے ذمہ ہے، اور دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے۔ ساتھ ہی اس بارے میں دو بنیادی قاعدے کہی واضح کر دیئے "نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو" اور "کسی پر اُسکی وسعت سے زیادہ خرچ کا بار نہیں"

کسی شخص پر اُس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

نہ تو ماں کو اُس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہونچایا جائے۔ نہ باپ کو اُس کے بچے کی وجہ سے (دونوں کے حقوق اور احساسات کی رعایت کرنی چاہئے)

اور (اگر باپ کا اس اثناء میں انتقال ہو جائے، تو جو اُس کا) وارث (ہو، اُس) پر (عورت کا کھانا کپڑا) اسی طرح ہے (جس طرح باپ کے ذمہ تھا)

پھر اگر (کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ) ماں باپ آپس کی رضامندی اور صلاح مشورہ سے (قبل از مدت) دودھ چھڑانا چاہیں، تو (ایسا کر سکتے ہیں) اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اور اگر تم چاہو، اپنے بچوں کو (ماں کی جگہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلواؤ، تو اسمیں بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ (ماؤں کی حق تلفی نہ کرو، اور) جو کچھ انھیں دینا کیا تھا، دستور کے مطابق اُنکے حوالہ کر دو

اِلَی النُّوْرِ ۬ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُہُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَہُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰہٖمَ فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰىہُ ۲۶۹ ع ۳۴ / ۲
اللّٰہُ الْمُلْکَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰہٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰہٖمُ وقف لازم
فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِہَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی

اور دیکھو، (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو، کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کی نظریں اُسے دیکھ رہی ہیں!

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور اپنے ۲۳۴
پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں، تو انھیں چاہیئے، چار مہینے دس دن تک (عدتِ وفات میں) اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ پھر جب وہ یہ مدت پوری کرلیں، تو (انھیں اپنے معاملہ کا اختیار ہے) وہ جو کچھ جائز طریقہ پر اپنے لئے کریں (یعنے اپنے دوسرے نکاح کی طیاری کریں) اُس کے لئے تمھارے سر کوئی الزام نہیں (کہ تم نکاح سے مانع آؤ، یا زیادہ عرصہ تک سوگ کرنے پر مجبور کرو) اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ اُس کی خبر رکھنے والا ہے!

اور (جن بیوہ عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو، تو) ۲۳۵
تمھارے لئے کوئی گناہ نہیں اگر اشارہ کنایہ میں اپنا خیال اُن تک پہنچا دو۔ یا اپنے دل میں نکاح کا ارادہ پوشیدہ رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ (قدرتی طور پر) اُن کا خیال تمھیں آئے گا، لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ چوری چھپے نکاح کا وعدہ کر لو۔ الّا یہ کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہی جائے (یعنے مناسب پیرایہ میں کوئی اشارہ کر دیا جائے، اور مقصود جائز طریقہ پر نکاح کا پیام دینا ہو)

اور جب تک ٹھہرائی ہوئی مدت (یعنے عدت) پوری نہ ہو جائے، نکاح کی گرہ نہ کسو (کہ عدت کی حالت ۲۳۶
میں عورت کے لئے نکاح کی طیاری جائز نہیں)

جو عورتیں بیوہ ہو جائیں، ان کی نسبت احکام، اور اُن مفاسد کا انسداد جو اس بارے میں پھیلے ہوئے تھے:

(۱) وفات کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر کے اُن مفاسد کی اصلاح کر دی جو اس بارے میں افراط و تفریط کا موجب تھے۔ نہ تو عورت فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ اس میں معاملۂ نکاح کی بے وقعتی اور مرحوم شوہر کے تذکار و محبت سے تغافل ہے۔ نیز نسب بھی مشتبہ ہو جا سکتا ہے۔ اور نہ یہ ہونا چاہیئے کہ زیادہ مدت تک عورت کو شوہر کا سوگ منانے کے لئے مجبور کیا جائے۔

(۲) اگر عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اُسے نہیں روکنا چاہیئے، اور نہ اس بات کا خواہشمند ہونا چاہیئے کہ عدت کی مقررہ مدت سے زیادہ شوہر کا سوگ کرے (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

(۳) نکاح کے بارے میں عورت سے جو کچھ بھی نامہ و پیام کیا جائے، علانیہ اور دستور کے مطابق ہونا چاہیئے۔ چوری چھپے نہیں ہونا چاہیئے کہ اس میں طرح طرح کے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں۔

(۴) جب تک عدت کی مدت پوری نہ ہو جائے، نکاح کا قول و قرار نہیں کرنا چاہیئے۔

٢٦٠ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ
اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ
بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى
حِمَارِكَ ۣ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا

اور یقین کرو، جو کچھ تمھارے اندر (اس بارے میں نفس کی پوشیدہ کمزوری) ہے، اللہ اُسے اچھی طرح جانتا ہے، پس اُس سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا، اور (نفس انسانی کی کمزوریوں کے لئے بہت) بُردبار ہے!

٢٣٧ اور اگر (ایسی صورت پیش آجائے کہ) بغیر اسکے کہ تم نے عورت کو ہاتھ لگایا ہو، اور اسکے لئے جو کچھ (مہر) مقرر کرنا تھا، مقرر کیا ہو، طلاق دیدو، تو (ایسا بھی کرسکتے ہو) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ البتہ ایسی صورت میں (عورت کو رشتہ جوڑنے اور پھر توڑ دینے سے جو نقصان پہنچا ہے، اُس کے معاوضہ میں ضروری ہے کہ) اُسے فائدہ پہنچاؤ۔ ایسا فائدہ جو دستور کے مطابق پہنچایا جائے۔ مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق دے، تنگ دست اپنی حالت کے مطابق۔ نیک کردار آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ ایسا کریں!

اگر نکاح کے بعد شوہر اور بیوی میں کوئی تعلق نہ ہوا ہو، اور شوہر طلاق دیدے، تو اس صورت میں مہر کے احکام، اور عورتوں کی حق تلفی کی امکانی صورتوں کا تدارک:
(١) اگر مہر کی رقم متعین نہ ہوئی ہو، تو اس صورت میں چاہئے، مرد اپنی مقدور کے مطابق جسقدر دے سکتا ہے دیدے۔
(٢) اگر معین ہو، تو اس صورت میں آدھا مہر عورت کا حق ہوگا۔ اگر مرد اس سے زیادہ بھلائی کرسکے تو یہ تقوے اور فضیلت کی بات ہوگی
(٣) اس اصولی حقیقت کی تلقین کہ نکاح کے معاملہ میں مرد کا ہاتھ عورت سے زیادہ قوی ہے۔ اس لئے چاہئے کہ ہر معاملہ میں عفو و بخشش بھی اُسی کی طرف سے زیادہ ہو، نہ کہ عورت کی طرف سے۔

٢٣٨ اور اگر ایسا ہو کہ تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی ہو، اور جو کچھ (مہر) مقرر کرنا تھا، مقرر کرچکے ہو، تو اس صورت میں مقررہ مہر کا آدھا دینا چاہئے۔ اِلّا یہ کہ عورت (اپنی خوشی سے) معاف کردے یا (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کا سر رشتہ ہے (پورا مہر دے کر آدھی رقم رکھ لینے کے حق سے) درگزرے۔ اور اگر تم (مرد) درگزر کرو گے، تو یہ زیادہ تقوے کی بات ہوگی۔ دیکھو، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنا نہ بھولو، اور یاد رکھو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہے!

٢٣٩ اور (دیکھو) اپنی نمازوں کی حفاظت میں کوشاں رہو خصوصاً ایسی نماز کی جو (اپنے ظاہر و

لیکن انسان جو خواہشوں کا بندہ اور غرض پرستیوں کی مخلوق ہے کیونکر ایسی اخلاقی طاقت پیدا کرے سکتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی اخلاقی

تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ ۲۶۱
تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ
الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ
سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۲۶۲ ۳۵ ع

باطن میں) بہترین نماز ہو[1] اور اللہ کے حضور کھڑے ہو، تو اس طرح کھڑے ہو کہ ادب و نیاز میں ڈوبے ہوئے ہو!

۲۴۰ پھر اگر ایسا ہو کہ تمھیں (دشمن کا) ڈر ہو (اور مقررہ صورت میں نماز نہ پڑھ سکو) تو پیدل ہو یا سوار، جس حالت میں بھی ہو، اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔

آزمائشوں میں پورا اترے؟
اس کی راہ صرف یہ ہے کہ خدا پرستی کی سچی روح پیدا کرے، اور خدا پرستی کی سچی روح پیدا کرنے کا ذریعہ، خدا کی عبادت ہے۔ پس چاہئے کہ نماز کی محافظت کرو، اور نماز میں کھڑے ہو، تو اس طرح کھڑے ہو، کہ خشوع و خضوع میں ڈوبے ہوئے ہو!
خوف و جنگ کی حالت میں بھی نماز سے غفلت جائز نہیں جس طرح بھی بن پڑے، نماز بروقت ادا کر لینی چاہئے۔

پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ (اور خوف و جنگ کی حالت باقی نہ رہے) تو چاہئے کہ اسی طریقہ سے اللہ کا ذکر کیا کرو (یعنے نماز پڑھو) جس طرح اس نے تمھیں سکھلا دیا ہے، اور جو تمھیں پہلے معلوم نہ تھا۔

۲۴۱ اور جو لوگ تم میں سے وفات پائیں اور اپنے پیچھے بیوہ عورتیں چھوڑ جائیں، اور (مرنے سے پہلے اس طرح کی) وصیت کر جائیں کہ برس دن تک انھیں نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں، اور پھر ایسا ہو کہ وہ (اس مدت سے پہلے) گھر چھوڑ دیں، (اور دوسرا نکاح کر لیں یا نکاح کی بات چیت کریں) تو جو کچھ وہ جائز طریقہ پر اپنے لئے کریں، اس کے لئے تم پر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا (کہ تم انھیں وصیت کی تعمیل کے خیال سے روکو، اور سال بھر تک سوگ منانے پر مجبور کرو) یاد رکھو، اللہ سب پر غالب اور (اپنے ہر کام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

اگر شوہر نے وصیت کر دی ہو کہ ایک برس تک عورت اس کے گھر میں رہے اور نان و نفقہ پائے (یعنے ایک سال تک سوگ منائے اور گھر سے نہ نکلے، جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا) تو ایسی وصیت اب واجب التعمیل نہیں کیونکہ وفات کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی ہے۔

۲۴۲ اور (یاد رکھو) جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو

نکاح و طلاق کے احکام کا بیان ختم کرتے ہوئے، مطلقہ عورتوں کے

[1] "صلوٰۃ وسطیٰ" کی ایک تفسیر تو یہی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں "وسطیٰ" سے مقصود درمیانی چیز ہے، اور اس لئے پانچ وقت کی نمازوں میں سے کسی خاص درمیانی نماز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن مفسرین نے یہ تفسیر اختیار کی ہے، وہ بخاری و مسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب جنگِ احزاب میں عصر کا وقت نکل گیا، تو آنحضرت (صلعم) نے فرمایا "شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتیٰ غابت الشمس" دشمنوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ پس صلوٰۃ وسطیٰ سے مقصود عصر کی نماز ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ

۲۶۳ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ

مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

۲۶۴-۲۶۵ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا

لئے احسان و سلوک کا مکرر حکم، کیونکہ اس معاملہ میں رشتہ کار مردوں کے ہاتھ میں تھا اور عورتوں کا پہلو کمزور تھا، اس لئے ضروری تھا کہ بار بار حسن سلوک اور عفو و درگزر پر زور دیا جائے۔

تو چاہئے کہ انھیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے (یعنے اُنکے ساتھ حسن و حسن سلوک کیا جاسکتا ہے،

کیا جائے) متقی انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازمی ہے۔

۲۴۳ اس طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تاکہ عقل سے کام لو، اور سوچو سمجھو (کہ تمھاری معاشرتی زندگی کی فلاح وسعادت احکام الٰہی کی ٹھیک ٹھیک تعمیل پر موقوف ہے)

اب یہاں سے سلسلۂ بیان پھر اُسی طرف پھرتا ہے، جہاں سے نکاح و طلاق کا بیان شروع ہوا تھا۔ یعنے جہاد کے احکام و مصالح کی طرف۔ جو جماعت موت سے ڈرتی ہے، وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتی۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی عبرت انگیز سرگزشت جسنے باوجود کثرت تعداد کے، جہاد سے اعراض کیا تھا۔

۲۴۴ (اے پیغمبر!) کیا تم نے اُن لوگوں کی سرگزشت پر غور نہیں کیا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اور باوجودیکہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، مگر (دلوں کی بے طاقتی کا یہ حال تھا کہ) موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے؟ (یعنے باوجود کثرت تعداد کے، اُنھوں نے حملہ آور دشمن کا مقابلہ نہیں کیا تھا، اور اپنا گھر بار چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی تھی۔ جب اُن بزدلوں نے ایسا کیا) تو اللہ کا حکم ہوا، (تم موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہو، تو دیکھو) اب تمھارے لئے موت ہی ہے۔ (یعنے اُن کی بزدلی کی وجہ سے دشمن اُن پر غالب آگئے، اور زندگی و کامرانی سے محروم ہوگئے) پھر (ایسا ہوا کہ) اللہ نے اُنھیں زندہ کر دیا (یعنے عزم وثبات کی ایسی روح اُن میں پیدا ہوگئی، کہ دشمنوں کے مقابلہ پر آمادہ ہوگئے، اور فتحمند ہوئے) یقیناً اللہ انسان کے لئے بڑا ہی فضل و بخشش رکھنے والا ہے (کہ بڑی سے بڑی گمراہی کے بعد بھی اصلاح حال کا دروازہ اُن پر بند نہیں ہوتا) لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر!) اکثر آدمی ایسے ہیں جو (اُس کے فضل و بخشش کی قدر شناسی کرنے کی جگہ) ناشکری کرنے والے ہیں!

۲۴۵ اور (دیکھو!) اللہ کی راہ میں (جنگ پیش آجائے، تو موت سے نہ ڈرو، بے خوف ہوکر) لڑو! اور یقین کرو، اللہ سننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے! (یعنے تو تمھارے دلوں کا کھوٹ اُس سے پوشیدہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ
٢٦٦ صَلْدًا ط لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
٢٦٧ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ

رہ سکتا ہے، نہ وہ مظلوموں کی فریاد سے غافل ہو سکتا ہے!)

راہ جہاد میں مال خرچ کرنا، اللہ کو قرض دینا ہے۔

٢٤٦ کون ہے، جو (انسان کی جگہ خدا سے معاملہ کرتا ہے، اور) خدا کو خوشدلی کے ساتھ قرض دیتا ہے، تاکہ خدا اُس کا قرض دگنا سوگنا زیادہ کرکے ادا کر دے؟ (یعنے مالِ حقیر راہِ حق میں خرچ کرکے، دین و دنیا کی بے شمار برکتیں اور سعادتیں حاصل کر لے؟) اور (باقی رہا تنگ دستی کا خوف جس کی وجہ سے تمھارا ہاتھ رُک جاتا ہے، تو یاد رکھو) تنگی اور کشائش، دونوں کا رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے، اور اُسی کے حضور تم سب کو لوٹنا ہے!

طالوت (ساؤل) کی قیادت و فرمانروائی، اور بنی اسرائیل اور فلسطینیوں کے مقابلہ کی سرگزشت، اور قوموں کے ضعف و قوت اور فتح و ہزیمت کے بعض اہم حقائق:

(١) جس گروہ میں صبر و استقامت کی سچی روح نہیں ہوتی، اُس میں بسا اوقات سعی و عمل کے ولولے پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب آزمائش کا وقت آتا ہے، تو بہت کم نکلتے ہیں جو راہِ عمل میں ثابت قدم رہنے والے ہوں۔

٢٤٧ (اے پیغمبر!) کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہیں کیا جو موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو پیش آیا تھا؟ بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی تھی کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کرینگے۔ ہمارے لئے ایک حکمران مقرر کر دو۔ نبی نے کہا (مجھے امید نہیں کہ تم ایسا کر سکو) اگر تمھیں لڑائی کا حکم دیا گیا، تو کچھ بعید نہیں کہ تم لڑنے سے انکار کر دو۔ سرداروں نے کہا، ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہیں اور اپنی اولاد سے علیحدہ ہو چکے ہیں؟ لیکن پھر دیکھو، جب ایسا ہوا کہ انھیں جنگ کا حکم دیا گیا (اور اُس کا تمام سر و سامان کر دیا گیا) تو (اُن کی ساری گرمجوشیاں ٹھنڈی پڑ گئیں اور) ایک قلیل تعداد کے سوا سب نے پیٹھ دکھلا دی۔ اور اللہ نافرمانوں (کے دلوں کے کھوٹ) سے ناواقف نہیں (وہ جانتا ہے کہ کون عزم و عمل کے دعوؤں میں سچے ہیں اور کن کے دل ایمان و حق پرستی کی روح سے خالی ہیں!)

(٢) حکومت و قیادت کی جس میں قدرتی صلاحیت ہوتی ہے، وہی اس کا اہل ہوتا ہے۔ اگرچہ مال و دولت اور دنیوی عزت و جاہ سے خالی ہو۔

٢٤٨ اور پھر ایسا ہوا کہ اُن کے نبی نے کہا، اللہ نے تمھارے

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
٢٦٨ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۠ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا
٢٦٩ لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا
٢٧٠ فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ

(٣) صلاحیت کے لئے اصلی چیز علم وجسم کی قوت ہے۔ یعنے دماغی اور جسمانی قابلیت نہ کہ مال و دولت اور نسل وخاندان کا شرف۔

(٤) جو شخص بھی سردار مقرر ہو جائے، جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس کی اطاعت کریں۔ اگر ایک جماعت میں اطاعت نہیں ہے، تو وہ کبھی جماعتی زندگی کی کشاکش میں کامیاب نہیں ہو سکتی!

لئے طالوت کو بہ حیثیت حکمران کے مقرر کر دیا ہے (سو اُس کی اطاعت کرو، اور اُس کے ماتحت جنگ کے لئے طیار ہو جاؤ۔ جب سرداروں نے یہ بات سنی، تو بجائے اس کے کہ اپنی فرماں برداری سے استعدادِ کار کا ثبوت دیتے، لگے طالوت کے انتخاب پر طرح طرح کے اعتراض کرنے) اُنھوں نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُسے ہم پر حکمرانی مل جائے، حالانکہ اُس سے کہیں زیادہ حکمران ہونے کے ہم خود حقدار ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ظاہر ہے کہ اُسے مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں" نبی نے یہ سُنکر کہا (حکمرانی کی اہلیت کا جو معیار تم نے سمجھ رکھا ہے، یہ تمھارے جہل وخود پرستی کا گڑھا ہوا معیار ہے۔ اللہ کا ٹھہرایا ہوا معیار نہیں ہے) اللہ نے تو طالوت ہی کو (حکمرانی کی قابلیتوں کے لحاظ سے) تم پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے، اور علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت، دونوں میں اُسے وسعت دی ہے (یعنے دماغی اور جسمانی، دونوں طرح کی فضیلت رکھتا ہے اور یہی دو فضیلتیں قائد و حکمران کے لئے اصلی فضیلتیں ہیں، نہ کہ مال وجاہ اور نسل وخاندان کے امتیازات) اور (قیادت و حکمرانی تمھارے دیدینے سے کسی کو مل نہیں جا سکتی۔ یہ تو اُسی کو ملتی ہے جسے اللہ نے اس کی صلاحیت دیدی ہو) وہ جسے چاہتا ہے، اپنی زمین کی حکمرانی بخشدیتا ہے، اور وہ (اپنی قدرت و تصرف میں) بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے!

٢٤٩ اور پھر اُن کے نبی نے کہا (تم طالوت کے استحقاقِ حکومت پر اعتراض کرتے تھے، تو دیکھو) اُس کی (اہلیتِ) حکومت کی نشانی یہ ہے کہ (مقدس) تابوت (جو تم کھو چکے ہو اور دشمنوں کے ہاتھ پڑ چکا ہے) تمھارے پاس (واپس) آجائے گا، اور (حکمتِ الٰہی سے ایسا ہوگا کہ) فرشتے اُسے اُٹھا لائینگے۔ اس تابوت میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لئے (فتح و کامرانی کی) دلجمعی ہے، اور جو کچھ موسیٰ اور ہارون کے گھرانے (اپنی مقدس یادگاریں) چھوڑ گئے ہیں، اُن کا بقیہ ہے۔ اگر تم یقین کرنے

٢٧١ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
٢٧٢ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ وَمَآ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝
٢٧٣ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ
٢٧٤ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

والے ہو، تو یقیناً اس واقعہ میں تمھارے لئے بڑی ہی نشانی ہے!

٢٥٠ پھر جب (کچھ عرصہ کے بعد) ایسا ہوا کہ طالوت نے لشکر کے ساتھ کوچ کیا، تو اُس نے کہا، دیکھو (راہ میں ایک ندی پڑے گی) اللہ (اس ندی کے پانی سے (تمھارے صبر اور اطاعت کی) آزمایش کرنے والا ہے۔ پس یاد رکھو، جس کسی نے اس ندی کا پانی پیا، اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ وہ میری جماعت سے خارج ہو جائے گا۔ میرا ساتھی وہی ہوگا جو اسکے پانی کا مزہ تک نہ چکھے۔ ہاں اگر کوئی آدمی (بہت ہی مجبور ہو، اور) اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر لے اور پی لے، تو اس کا مضائقہ نہیں۔

(٥) طالوت کا پانی پینے سے روک کر لوگوں کے صبر و ثبات اور اطاعت و انقیاد کا امتحان لینا، اور ایک قلیل تعداد کے سوا سب کا نااہل ثابت ہونا۔ اس راہ میں پہلی چیز صبر اور اطاعت ہے۔ جو لوگ ایک گھڑی کی پیاس ضبط نہیں کر سکتے، وہ میدانِ جنگ کی محنتیں کیونکر برداشت کرینگے!

لیکن (جب لشکر ندی پر پہنچا، تو) ایک قلیل تعداد کے سوا، سبنے پانی پی لیا (اور صبر و اطاعت کی آزمایش میں پورے نہ اُترے)

پھر جب طالوت اور اسکے ساتھ وہ لوگ جو (حکم الٰہی پر سچا) ایمان رکھتے تھے، ندی کے پار اُترے تو اُن لوگوں نے (جنھوں نے طالوت کے حکم کی نافرمانی کی تھی) کہا، "ہم میں یہ طاقت نہیں کہ آج جالوت سے (جو فلسطینیوں کے لشکر کا ایک دیو ہیکل سردار تھا) اور اُس کی فوج سے مقابلہ کر سکیں" لیکن وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ اُنھیں (ایک دن) اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے، پکار اُٹھے ("تم دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہراساں کیوں ہوئے جاتے ہو؟) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے!"

(٦) کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اور کتنی ہی بڑی جماعتیں ہیں جو چھوٹی جماعتوں سے شکست کھا جاتی ہیں۔ فتح و شکست کا دار و مدار افراد کی کثرت و قلت پر نہیں، بلکہ دلوں کی قوت پر ہے، اور اللہ کی مدد اُنہی لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو صابر اور ثابت قدم ہوتے ہیں!

٢٥١ اور پھر جب وہ میدانِ جنگ میں جالوت اور اسکے

(٧) سچی دعا وہ ہے جو سچی استعدادِ عمل کے ساتھ ہو۔ طالوت کے ساتھیوں

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ
۲۷۵ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

ع ۳۷ / ۵ / وقف منزل

لشکر کے سامنے آئے، تو اُنھوں نے کہا "اے پروردگار!
(تو دیکھ رہا ہے کہ ہم کمزور ہیں اور تھوڑے ہیں اور مقابلہ
اُن سے ہے جو طاقتور ہیں اور بہت ہیں پس ہم
(تشنگانِ عزیمت) پر صبر (کے جام) اُنڈیل دے، (کہ عزم و ثبات سے سیراب ہو جائیں) اور ہمارے
قدم میدانِ جنگ میں جما دے (کہ کسی حال میں بھی پیچھے نہ ہٹیں) اور پھر (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر
کہ منکرینِ حق کے گروہ پر فتحمند ہو جائیں!"
۲۵۱ چنانچہ (ایسا ہی ہوا) انھوں نے حکمِ الٰہی سے اپنے دشمنوں کو ہزیمت دی، اور داؤد کے ہاتھ سے
جالوت مارا گیا۔ پھر اللہ نے داؤد کو پادشاہی اور حکمت سے سرفراز کیا، اور (حکمرانی و دانشمندی کی
باتوں میں سے) جو کچھ سکھلانا تھا، سکھلا دیا (اور اس طرح ایک گروہ قلیل کے صبر و ثبات اور خدا
پرستی نے بنی اسرائیل کو اُن کی گری ہوئی حالت سے نکال کر عظمت و اقبال کے عروج پر پہنچا دیا!)
اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں
کے ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو راہ سے ہٹاتا
رہتا (اور قوموں اور جماعتوں میں باہمد گر مزاحمت
جاری رہتی) تو دنیا خراب ہو جاتی (اور امن و عدالت
کا نام و نشان باقی نہ رہتا) لیکن اللہ دنیا کے لیے
فضل و رحمت رکھنے والا ہے (اور یہ اسی کا فضل ہے
کہ کوئی ایک گروہ سدا ایک ہی حالت میں نہیں چھوڑ
دیا جاتا، بلکہ ہمیشہ باہمی منازعت اور مدافعت جاری
رہتی ہے)

نے اپنی دعا میں صرف یہی نہیں کہا کہ "ہمیں فتحمند کر" بلکہ فتحمندی کی طلب
سے پہلے صبر و ثبات کی طلبگاری کی اور کہا "ہمیں صبر دے اور ہمارے
قدم جما دے"، کیونکہ خدا کی نصرت اُنھی کے حصے میں آتی ہے جن میں صبر و
ثبات کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

(۸) اگر قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش اور مدافعت نہ ہوتی،
اور ہر جماعت اپنی اپنی حالت میں بغیر منازعت کے چھوڑ دی جاتی
تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم و فساد سے بھر جاتی، اور حق و عدالت کا نام
نشان باقی نہ رہتا۔ پس یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے کہ جب کبھی ایک گروہ
ظلم و فساد میں چھوٹ ہو جاتا ہے، تو مزاحمت کے محرکات دوسرے گروہ
کو مدافعت کے لیے کھڑا کر دیتے ہیں اور ایک قوم کا ظلم دوسری قوم کی مدافعت
سے دفع ہوتا رہتا ہے!

(۹) یس دفع مظالم کے لیے جنگ ناگزیر ہے۔ خدا نے مختلف عہدوں میں
یکے بعد دیگرے اپنے پیغمبر مبعوث کئے، اور انھوں نے لوگوں کو تفرقہ و
فساد کی جگہ حق پرستی و یگانگت کی تعلیم دی۔ اگر لوگ اس تعلیم پر قائم
رہتے اور گروہ بندیاں کر کے الگ الگ نہ ہو جاتے، تو آپس میں جنگ و نزاع
نہ کرتے، لیکن انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف جتھا بندی کر لی،

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ٢٧٨
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا ٢٧٩
تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ٢٨٠
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ٢٨١
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ ٢٨٢

(١١) آخرت کی نجات کا تمام تر دار و مدار ایمان و عمل پر ہے۔ وہاں نہ تو نجات کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے، نہ کسی کی دوستی و آشنائی کام دے سکتی ہے، نہ کسی کی سفارش سے کام نکالا جا سکتا ہے۔

نفس کے آرام و راحت ہی پر نہیں، بلکہ راہِ حق میں بھی (خرچ کرو اور ہاتھ نہ روکو۔ قبل اس کے کہ (زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے، اور) آنے والا دن سامنے آ جائے اُس دن نہ تو (دنیا کی طرح) خرید و فروخت ہو سکے گی (کہ قیمت دیکر نجات خرید لو) نہ کسی کی یاری و دوستی کام آئے گی (کہ اُس کے سہارے گناہ بخشوا لو) نہ ہی ایسا ہو سکے گا کہ کسی کی سعی و سفارش سے کام نکال لیا جائے (اُس دن صرف عمل ہی کی پرسش ہوگی، اور عمل ہی نجات دلا سکے گا) اور یاد رکھو، جو لوگ (اس حقیقت سے) منکر ہیں تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو (اپنے ہاتھوں اپنا) نقصان کرنے والے ہیں!

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ "الحیّ" ہے (یعنی ٢٥٦

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ مالک الملک ہے۔ حیّ و قیوم ہے۔ اُس کی حکومت سے کوئی گوشہ باہر نہیں۔ اُس کے علم کے لئے کوئی شئے مخفی اور مجہول نہیں۔ وہ غفلت سے منزہ اور نسیان سے پاک ہے۔ جس ہستی کی صفتیں ایسی ہوں، اُس کے سامنے کسی کی سعی و سفارش کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے، اور اُس کے احکام و قوانین کے نفاذ میں کون ہے جو دخل دینے کی جرأت کر سکتا ہے؟

زندہ ہے اور اُس کی زندگی کے لئے فنا و زوال نہیں) "القیوم" ہے (یعنی ہر چیز اُس کے حکم سے قائم ہے، وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں) اُس کی آنکھ کے لئے نہ تو اونگھ ہے، نہ (دماغ کے لئے) نیند۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا ہے اور اُسی کے حکم سے ہے۔ کون ہے جو اُس کے سامنے، اُس کی اجازت بغیر کسی کی شفاعت کے لئے زبان کھولے ہے؟ (اور اُس کی شفاعت مجرموں کو پاداشِ عمل سے بچا لے؟) جو کچھ انسان کے سامنے ہے، وہ اُسے بھی جانتا ہے، اور جو کچھ پیچھے ہے، وہ بھی اُسکے علم سے باہر نہیں۔ انسان اُس کے علم میں سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اِلّا یہ کہ جتنی بات کا علم وہ اُسے دینا چاہے، اور دیدے۔ اُس کا تختِ (حکومت) آسمان و زمین کی تمام وسعت پر چھایا ہوا ہے، اور اُن کی نگرانی و حفاظت میں اُسکے لئے کوئی تھکاوٹ نہیں۔ اُس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے!

اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ دین و اعتقاد کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر

دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیونکہ وہ دل ٢٥٧

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ
وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا
شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا

کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے، اور جبر و تشدد سے عقیدہ پیدا نہیں کیا جا سکتا) بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں) پھر جو کوئی طاغوت سے انکار کرے (یعنی سرکشی و فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اُسنے (فلاح و سعادت کی) مضبوط شاخ پکڑلی۔ شاخ ٹوٹنے والی نہیں (جس کے ہاتھ آگئی وہ گرنے سے محفوظ ہو گیا) اور یاد رکھو، اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے!

۲۵۷ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ انھیں (ہر طرح کی) تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو اُنکے مددگار سرکش اور مفسد (معبودانِ باطل) ہیں۔ وہ انھیں روشنی سے نکالتے اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔ ہمیشہ عذابِ جہنم میں رہنے والا!

۲۵۸ (اے پیغمبر!) کیا تم نے اُس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جسنے ابراہیم سے اُس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی، اور اس لئے حجت کی تھی کہ خدا نے اُسے پادشاہت دے رکھی تھی؟ (یعنی تاج و تخت شاہی نے اسکے اندر ایسا گھمنڈ پیدا

واستکراہ جائز نہیں۔ دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے، اور اعتقاد، دعوت و موعظت سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ کہ جبر و استکراہ سے:

(۱) احکام جہاد کے بعد ہی یہ ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ واضح ہو جائے، جنگ کی اجازت ظلم و تشدد کے انسداد کے لئے دی گئی ہے۔ نہ کہ دین کی اشاعت کے لئے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ ایک ہی ہے، اور وہ دعوت ہے۔ قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ ظلم و تشدد کے ذریعہ دینی اعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ قرآن نے اسکے خلاف جنگ کا حکم دیا۔ پس جس بات کے خلاف اسنے جنگ کا حکم دیا ہے، خود اُسی بات کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے؟

(۲) سچائی روشنی ہے اگر تاریکی چھائی ہوئی ہے، تو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ روشنی موجود ہو جائے۔ اگر روشنی نمایاں ہو گئی، تو پھر روشنی کو روشن دکھلانے کے لئے اور کسی بات کی ضرورت نہیں۔ روشنی جس طرف نکل آئیگی تاریکی خود بخود دور ہو جائے گی!

(۳) دعوت کی تاثیر و فتحمندی کی وضاحت کے لئے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے واقعہ کی طرف اشارہ۔ وہ ایک ایسے ملک میں جہاں اُن کا کوئی ساتھی نہ تھا، اور ایک ایسے پادشاہ کے سامنے جو اپنے عہد کا سب سے بڑا سرکش پادشاہ تھا، تن تنہا دعوتِ حق کا حربہ لیکر کھڑے ہو گئے اور فتحمند ہوئے!

(۴) ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ دعوت کی راہ تلقین ہدایت کی

تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ
اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا
تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ەۗ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ
۲۸۳ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ
وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ

کردیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا تھا جب ابراہیم نے کہا، میرا پروردگار تو وہ ہے جو مخلوقات کو جِلاتا ہے اور مارتا ہے، تو اُسنے جواب میں کہا، جِلانے اور مارنے والا تو میں ہوں (جسے چاہوں ہلاک کردوں جسے چاہوں بخشدوں) اسپر ابراہیم نے کہا، اچھا اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے۔ تم پچھم سے نکال دکھاؤ (تاکہ معلوم ہوجائے، تمھیں کائنات خلقت میں طاقت و تصرف حاصل ہے) یہ جواب سنکر وہ پادشاہ جسنے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا، ہکا بکا ہو کر رہ گیا (اور ابراہیم کے خلاف کچھ نہ کرسکا) اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں پر (کامیابی و فلاح کی) راہ نہیں کھولتا۔

راہ ہی جدل و خصومت کی راہ نہیں ہے۔ داعیٔ حق کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو دلیلوں کے اُلجھاؤ میں پھنسادے، یا کسی خاص دلیل پر اڑ کر اُس کا ناطقہ بند کردے، بلکہ وہ چاہتا ہے کسی نہ کسی طرح اُس کے دل میں سچائی اُتارے۔ حضرت ابراہیم کی پہلی بات جب مخاطب کا دماغ ہضم نہ کرسکا، تو انھوں نے فوراً دوسری بات پیش کردی، جو اُس کی دماغی استعداد کے ٹھیک ٹھیک مطابق تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانے پر لگ گیا اور انکار و سرکشی کا دم خم باقی نہ رہا

۲۶۰ اور پھر اسی طرح اُس شخص کی حالت پر بھی غور کرو جو ایک ایسی بستی پر سے گذرا تھا جس کے مکانوں کی چھتیں گر چکی تھیں اور گری ہوئی چھتوں پر دیواروں کا ڈھیر تھا۔ (یہ حال دیکھ کر) وہ بول اٹھا، جس بستی کی ویرانی کا یہ حال ہے، کیونکر ہوسکتا ہے کہ اللہ اُسے موت کے بعد (دوبارہ) زندہ کردے؟" (یعنے دوبارہ آباد کردے)

پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے اُس شخص پر سو برس تک موت طاری کردی۔ پھر اس حالت سے اُسے اُٹھا دیا، اور پوچھا، کتنی دیر اس حالت میں رہے؟ عرض کیا، ایک

(۵) بنی اسرائیل کے ایام و وقائع میں سے اُس واقعہ کی طرف اشارہ جبکہ بیت المقدس بالکل ویران و منہدم کردیا گیا تھا، اور یہودیوں کی قومیت اس طرح پامال ہوگئی تھی کہ ہیکل کی دوبارہ تعمیر کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اُس وقت مشیتِ الٰہی سے ایسا ہوا کہ وقت کے سب سے بڑے تین شہنشاہوں کے دل بنی اسرائیل کے تین نبیوں کی دعوت سے مسخر ہوگئے اور بغیر اسکے کہ تاج و تخت اور لشکر و اسلحہ میں سے کوئی چیز بھی انھیں حاصل ہو، خود بخود اُنکے مردہ شہر، مردہ ہیکل، اور مردہ جماعت کی دوبارہ زندگی کا سامان ہوگیا!

جن پادشاہوں کے قلب انبیاء بنی اسرائیل کی داعیانہ زندگی کے مسخر ہوئے، وہ خورس، دارا، اور ارتخششت ہیں، اور جن انبیاء نے انھیں مسخر کیا، وہ دانیال نبی، اور عزرا علیہم السلام ہیں۔ یا تینوں نبیوں میں کسی کو یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ قاتہ اسرائیلی تمام میں اسی طرف اشارہ ہے۔

٣٩ ع

اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ
٢٨٤ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۠ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
٢٨٥ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ
الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر و آبادی ٹھیک سو برس کے بعد ہوئی تھی۔

دن تک، یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ ارشاد ہوا نہیں بلکہ سو برس تک۔ پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو۔ اُن میں برسوں تک پڑے رہنے کی کوئی علامت نہیں (یعنے اُن میں کوئی ایسا تغیر نہیں ہوا ہے جس سے معلوم ہو کہ بڑی مدت اُن پر گزر چکی ہے) اور (اپنی سواری کے) گدھے پر بھی نظر ڈالو (کہ وہ کس حالت میں ہے؟) اور (یہ جو کچھ کیا گیا، سو) اس لئے کیا گیا تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے لئے (حق کی) ایک نشانی ٹھرائیں (اور تمھارا علم اُنکے لئے یقین و بصیرت کا ذریعہ ہو) اور پھر (جسم کی) ہڈیوں پر غور کرو۔ کس طرح ہم (اُن کا ڈھانچہ بناکر) کھڑا کر دیتے ہیں، اور پھر (کس طرح اس ڈھانچے) پر گوشت (کا غلاف) چڑھا دیتے ہیں (کہ ایک مکمل اور متشکل ہستی ظہور میں آجاتی ہے؟) پس جب اُس شخص پر یہ حقیقت کھل گئی، تو وہ بول اٹھا میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں، بلاشبہ اللہ ہر بات پر قادر ہے!

٢٦١ اور پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے کہا تھا "اے پروردگار! مجھے دکھلا دے۔ کس طرح تو مُردوں کو زندہ کر دیگا؟" اللہ نے فرمایا "کیا تمھیں اس کا یقین نہیں؟" عرض کیا "ضرور ہے لیکن یہ اس لئے چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار آجائے" (یعنے تیری قدرت پر تو یقین و ایمان ہے، لیکن یہ جو مایوس کن حالت دیکھ کر دل دھڑکنے لگتا ہے، تو یہ بات دور ہو جائے) اس پر ارشاد الٰہی ہوا، اچھا، یوں کرو کہ پرندوں میں سے چار جانور پکڑ لو، اور انھیں اپنے پاس رکھ

(٦١) دعوتِ حق سے مُردہ قوموں کا زندہ ہو جانا اور متوحش و گمراہ افراد کا ایک تربیت یافتہ جماعت کی حالت میں بدل جانا، اور اس بارے میں وہ موعظت جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر واضح کی گئی تھی۔

حضرت ابراہیم کا ظہور ایک ایسے عہد میں ہوا تھا جبکہ انکے ملک میں اور انکے ملک سے باہر کوئی گروہ بھی ایسا نہ تھا جس میں قبولیتِ حق کی استعداد دکھائی دیتی ہو۔ یہ حالت دیکھ کر اُنھوں نے کہا "خدایا! تو کیونکر اس موت کو زندگی سے بدل دیگا؟" اس پر اللہ نے دعوتِ حق کی انقلاب انگیز حقیقت پرندوں کی مثال سے واضح کر دی۔ اگر تم ایک پرند کو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھ کر ایسا تربیت یافتہ بنا لے سکتے ہو کہ تمھاری آواز سنتا، اور تمھارے بلانے پر اُڑتا ہوا آجا سکتا ہے تو کیا گمراہ اور متوحش انسان دعوتِ حق کی تعلیم و تربیت سے اس درجہ آشنا نہیں ہو جا سکتے کہ تمھاری صدائیں سنیں اور اُن کا جواب دیں؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس داعیِ حق نے انسان کی متوحش اور

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ ٢٨٦
اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ
مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔

٣٩ ع ٨

اپنے ساتھ ہلا لو (یعنے اس طرح اُن کی تربیت کرو کہ وہ اچھی طرح تم سے ہِل جائیں) پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کو (اپنے سے دور) ایک ایک پہاڑ پر بٹھا دو، پھر اُنھیں بلاؤ۔ وہ (آواز سنتے ہی) تمھاری طرف اُڑتے ہوئے چلے آئینگے! (یعنے اگر وحشی اور بے عقل پرند چند دنوں کے انس و تربیت سے ایسا ہو جا سکتا ہو کہ تمھاری آواز پہچاننے لگے اور تمھارے حکم کی تعمیل کرے، تو کیا دعوت حق سے انسانوں میں یہ تبدیلی نہیں ہو جا سکتی کہ تربیت یافتہ ہو جائیں اور تمھاری تعلیم قبول کرلیں؟) یاد رکھو اللہ سب پر غالب اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے!

گمراہ روحوں کی جو تربیت کی تھی، اُسنے تاریخ عالم کا سب سے زیادہ عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا۔ قوموں کی قومیں اور نسلوں کی نسلیں دعوت ابراہیمی پر قدم اُٹھاتی رہیں، اور باوجودیکہ تین ہزار برس سے زیادہ مدت گزر چکی ہے، لیکن آج بھی ہر سال انسانوں کے بے شمار غول اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے، اور معبد ابراہیمی میں جمع ہوتے ہیں![1]

٢٦٢ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اُن کی (نیکی اور نیکی کی برکتوں کی) مثال اُس بیج کے دانے کی سی ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ (جب بویا گیا تھا تو صرف ایک دانہ تھا۔ لیکن جب بار آور ہوا، تو) ایک دانہ سے سات بالیں پیدا ہوگئیں، اور ہر بال میں سَو دانے نکل آئے۔ (یعنے خرچ کیا ایک اور بدلہ میں ملے سینکڑوں!) اور اللہ جس کسی کے لئے چاہتا ہے، اس سے بھی دو گنا کر دیتا ہے۔ وہ بڑی

جہاد کا بیان ختم ہوگیا۔ اب یہاں سے بیان احکام کا سلسلہ ایک دوسرے حکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے:

گذشتہ بیانات میں جس قدر احکام دیئے گئے ہیں، اُن سب کی سچی تعمیل جبھی ہو سکتی ہے جبکہ نیکی کے لئے مال خرچ کرنے کی پوری استعداد پیدا ہو جائے۔ وصیت، صیام، اکل حلال، حج، جہاد، نکاح، طلاق، یتیموں کی خبر گیری، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، یہ تمام امور ایسے ہیں جن پر ٹھیک ٹھیک عمل وہی کرسکتا ہے جو پیسہ کے عشق میں نہ مرتا ہو، اُور نیکی کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ولولہ رکھتا ہو، اس لئے مندرجۂ صدر احکام کے بعد خصوصیت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے مواعظ بیان کیے گئے۔ یہ گویا اُن سب کے لئے ایک متمم بیان ہے:

[1] اس واقعہ میں دو باتیں غور طلب ہیں۔ اولاً یہ کہ "کیف تحی الموتٰی" میں موت و حیات سے مقصود کیا ہے؟ مجاز ہے، جیسا کہ "انّٰی یحی ھٰذہ اللہ بعد موتہا" (۲: ۲۶۲) اور "استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم" (۸: ۲۵) وغیرہا آیات میں ہے، یا حقیقت ہے؟ مفسرین نے عام طور پر اسے حقیقت پر محمول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کا سوال حشر اجساد کے بارے میں تھا۔ یعنے قیامت کے دن مُردے کیونکر زندہ ہو جائیں گے۔ ثانیاً یہ کہ پرندوں کے معاملہ سے مقصود کیا ہے؟ اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ مقصود یہ تھا کہ پرندوں کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے یا قیمہ قیمہ کر دیا جائے۔ پھر اُن کے چار حصے چار پہاڑوں پر رکھ دیئے جائیں۔ پھر اُنھیں بلایا جائے۔ قدرت الٰہی سے زندہ ہو کر دوڑنے لگیں گے۔ اس تفسیر کی رو سے سوال و جواب

ہی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے!
(یعنے بے انتہا وسعت رکھنے والا ہے، اس لئے بخشش
میں کمی نہیں ہو سکتی۔ ہر حالت کا جاننے والا ہے۔ اس
لئے کوئی مستحق اسکے التفات سے محروم نہیں رہ سکتا!)
٢٦٣ (لیکن یاد رہے۔ سچی خیرات وہی ہے جو دل کے
اخلاص اور نیکی کے ساتھ ہو۔ پس) جو لوگ اللہ کی
راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ
اسکے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں، نہ لینے والے
کو (اپنے قول و فعل سے کسی طرح کا) دکھ پہنچاتے ہیں، تو (راہ حق میں خرچ کرنے کی نیکی انہی کی نیکی ہے
یقیناً) انکے پروردگار کے حضور انکے عمل کا اجر ہے۔ نہ تو انکے لئے کسی طرح کا ڈر ہوگا، نہ کسی طرح کی
غمگینی!

(۱) نیکی کے لئے خرچ کرنا اللہ کے لئے خرچ کرنا ہے۔ اب دیکھو۔ کائنات خلقت میں خدا کا قانون مکافات کیا ہے؟ سو یہ بات ہر انسان دیکھ رہا ہے کہ اگر غلہ کا ایک دانہ زمین کے حوالہ کر دیا جائے، تو وہ ایک دانہ کے بدلے پورا دہ جت واپس کر دیتی ہے۔ پس جس خدا کے قانون خلقت کی فیاضیوں کا یہ عالم ہے، کیا وہ انسان کے عمل خیر کے بدلے اتنی فیاضی بھی نہیں دکھلائے گا، جتنی فیاضی ہر دانہ کے بدلے اسکی زمین دکھلا رہی ہے؟

(۲) لیکن کامیابی کی شرط یہ ہے کہ دانہ خراب نہ ہو، اور زمین میں ڈالا جائے۔ پتھر کی چٹانوں پر نہ پھینک دیا جائے۔ ورنہ ساری محنت اکارت جائے گی۔ اسی طرح خیرات کے لئے بھی ضروری ہے کہ اخلاص کے ساتھ کی جائے، یہ نہ ہو کہ لینے والے پر احسان جتلایا جائے، یا سخت زبانی اور بدسلوکی کی جائے

٢٦٤ سیدھے منہ سے ایک اچھا بول، اور (رحم و شفقت سے) عفو و درگزر کی کوئی بات، اس خیرات
سے کہیں بہتر ہے جسکے ساتھ خدا کے بندوں کے لئے اذیت ہو۔ اور (دیکھو، یہ بات نہ بھولو کہ) اللہ
بے نیاز اور حلیم ہے (یعنے وہ بے نیاز ہے۔ اس لئے تمھاری نیکیوں کی اسے احتیاج نہیں لیکن وہ
حلیم بھی ہے، اس لئے پسند کرتا ہے کہ تم میں بھی حلم اور عفو و درگزر ہو)

٢٦٥ اے پیروان دعوت ایمانی! اپنی خیرات کو احسان
جتا کر اور لوگوں کو اذیت پہنچا کر تباہ نہ کر دو، جس
طرح وہ آدمی تباہ کر دیتا ہے، جو محض لوگوں کو دکھانے
کے لئے مال خرچ کرتا ہے، اور اللہ پر اور آخرت کے
دن پر ایمان نہیں رکھتا (کہ جو کچھ کرے، اللہ کے
لئے کرے، انسانوں کو دکھانے کے لئے نہ کرے)

(۳) دکھاوے کی خیرات بھی اکارت جاتی ہے، اور یہ برائی پچھلی برائی سے بھی سخت ہے کیونکہ جو شخص نیکی کو نیکی کے لئے نہیں بلکہ نام و نمود کے لئے کرتا ہے، اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے، وہ یقیناً خدا پر سچا ایمان نہیں رکھتا۔

(۴) جو لوگ دکھاوے کے لئے نیکی کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ کی ایک چٹان، جس پر مٹی کی تہ جم گئی ہو۔ ایسی جگہ پر کتنی ہی بارش ہو، لیکن کبھی سرسبز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں ہے۔ پانی جب پڑے گا تو مٹی ڈھلکا کر صاف چٹان

(بقیہ حاشیہ ۲۶۰) میں مطابقت ایسا ہی ہے کہ سوال یہ تھا مردوں کے زندہ ہونے کی نسبت تھا۔ جواب میں قدرت الٰہی کا معجزہ دکھلا دیا گیا کہ [illegible] والے کی آواز پر زندہ ہو گئے۔ اسی طرح قیامت کے دن حکم الٰہی سے مردے زندہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس تفسیر کے لئے ضروری ہے کہ پرندوں کو مار ڈالنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا مضمون محذوف تسلیم کر لیا جائے، کیونکہ قرآن کے الفاظ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، اور ترجمہ یوں کیا جائے کہ چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے ساتھ ہلا لو (پھر انہیں ذبح کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو) پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو۔

نکل گئی!

برخلاف اسکے جو لوگ اخلاص کے ساتھ خیرات کرتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہی جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو۔ جب بارش ہوگی تو اُس کی شادابی دوگنی ہوجائے گی۔ اگر زور سے پانی نہ برسے، تو ہلکی ہلکی بوندیں بھی اُسے شاداب کردیں۔ کیونکہ اُس میں سرسبزی وشادابی کی استعداد موجود ہی!

اس تمثیل میں خیرات کو بارش سے اور زمین کو دل سے تشبیہ دی گئی ہی اگر زمین ٹھیک ہی۔ یعنے دل میں اخلاص ہی، تو جسقدر بھی عمل خیر کیا جائے گا، برکت اور پھل لائے گا۔ اگر زمین درست نہیں ہی۔ یعنے اخلاص نہیں ہی، تو پھر کتنی ہی دکھاوے کی خیر خیرات کی جائے، سب رائگاں جائے گی، اور اُس بارش کی طرح جو چٹان کو سرسبز نہ کرسکی، یہ دکھاوے کی نیکیاں بھی کچھ سودمند نہ ہونگی!

اگر دل میں اخلاص ہی، تو تھوڑی سی خیرات بھی برکت وفلاح کا موجب ہوسکتی ہی جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کرسکتی ہیں!

(۵) عالم مادی اور عالم معنوی، دونوں کے احکام وقوانین یکساں ہیں جو بوؤگے، اور جس طرح بوؤگے، ویسا ہی اور اُسی طرح کا پھل بھی پاؤگے!

(۶) تم میں کون ہی جو یہ بات پسند کرے گا کہ اپنی ساری عمر باغ لگانے میں صرف کردے اور سمجھے اسکی پیداوار بڑھاپے میں کام آئے گی لیکن جب بڑھاپا آئے، تو دیکھے کہ سارا باغ جلکر ویران ہوگیا ہی؟ یہی حال اُس انسان کا ہی جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہی اور سمجھتا ہی، عاقبت میں کام آئیں گی لیکن جب عاقبت کا دن آئے گا تو دیکھے گا کہ اُس کی ساری محنت رائگاں گئی، اور اُس کی کوئی تخم ریزی بھی پھل نہ لاسکی!

سو ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہی۔ جیسے (پتھر کی) ایک چٹان اُس پر مٹی کی تہ جم گئی، اور اُس میں تخم ریزی کی گئی۔ جب زور سے پانی برسا تو (ساری مٹی مع تخم کے بہ گئی، اور) ایک صاف اور سخت چٹان کے سوا کچھ باقی نہ رہا (سو یہی حال ان ریاکاروں کا بھی ہی) انھوں نے (اپنے نزدیک خیر خیرات کرکے) جو کچھ بھی کیا تھا، وہ (ریاکاری کی وجہ سے) رائگاں گیا کچھ بھی انکے ہاتھ نہ لگا۔ اور حقیقت یہ ہی کہ اللہ اُن لوگوں پر (فلاح وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں!

۲۶۶ (برخلاف اسکے) جو لوگ اپنا مال (نمود ونمائش
کے لئے نہیں، بلکہ) اللہ کی رضا جوئی کی طلب میں، اپنے دل کے جماؤ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، تو ان کی مثال ایسی ہی، جیسے ایک بلند زمین پر اُگایا ہوا باغ۔ اُس پر پانی برسا تو وہ چند پھل پھول پیدا ہوگئے، اور اگر زور سے پانی نہ برسے، تو ہلکی بوندیں بھی اُسے شاداب کردینے کے لئے کافی ہیں! (کیونکہ اُس میں سرسبزی وشادابی کی استعداد موجود ہی) اور یاد رکھو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہی!

۲۶۷ کیا تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ بات پسند کرے گا کہ اُس کے پاس کھجوروں کے درختوں اور انگوروں
کے بیلوں کا ایک باغ ہو۔ اُس میں نہریں بہ رہی ہوں (اور ایک ایک درخت کو سیراب کر رہی ہوں) نیز اُس میں اور بھی ہر طرح کے پھل پھول پیدا ہوتے ہوں۔ پھر ایسا ہو کہ جب بڑھاپا آجائے، اور ناتواں اولاد اُس کے چاروں طرف جمع ہوں، تو اچانک ایک جھلستی ہوئی آندھی چلے، اور (آن کی آن میں) باغ جل کر ویران ہوجائے؟ (سو یہی حال اُس آدمی کا ہی جو عمر بھر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہتا ہی، اور سمجھتا ہی، آخرت میں اُس کے کام آئیں گی، لیکن جب آخرت کا دن آئے گا، تو دیکھے گا کہ ساری

عمر کی کمائی ضائع گئی، اور اُس کی کوئی نیکی خدا کے حضور مقبول نہ ہوئی!) اللہ ایسے ہی مثالوں کے پیرایہ میں تم پر (حقیقت کی) نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ غور و فکر سے کام لو!

۲۶۸ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جو کچھ (محنت مزدوری یا تجارت سے) کمایا ہو، تم اُس میں سے خرچ کرو، یا جو کچھ ہم تمھارے لئے زمین میں پیدا کر دیتے ہیں، اُس میں سے نکالو، کوئی صورت ہو، لیکن چاہئے کہ خدا کی راہ میں خیرات کرو تو اچھی چیز خیرات کرو۔

(۷) ایسا نہ کرو کہ جو چیز نکمی اور بیکار ہو، اُسے خیرات کے نام سے محتاجوں کو دیدو، اور سمجھو کہ اس طرح تم نے ثواب کما لیا۔ اگر تمھیں کوئی ایسی چیز دیے تو تم اُسے لینا پسند کروگے؟ پھر اگر اپنے نفس کے لئے نکمی چیز لینا پسند نہیں کرتے تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو، جو تم چاہتے ہو کہ تمھارے ساتھ کیا جائے!

۲۶۹ ایسا نہ کرو کہ فصل کی پیداوار میں سے کسی چیز کو ردی اور خراب دیکھ کر خیرات کر دو (کہ بیکار کیوں جائے، خدا کے نام پر نکال دیں) حالانکہ اگر ویسی ہی چیز تمھیں دی جائے، تو تم کبھی اسے (خوشدلی سے) نہ لو مگر یہ کہ (جان بوجھ کر) آنکھیں بند کر لو۔ (پھر جو چیز خود اپنے نفس کے لئے پسند نہیں کر سکتے، اپنے محتاج بھائیوں کو دینا کیونکر گوارا کر لیتے ہو؟) یاد رکھو، اللہ کی ذات بے نیاز اور ساری ستائشوں سے ستودہ ہے (اُسے تمھاری کسی چیز کی احتیاج نہیں، مگر تم اپنی سعادت و نجات کے لئے عملِ خیر کے محتاج ہو!)

۲۷۰ شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے۔ اور بُرائیوں کی ترغیب دیتا ہے، لیکن اللہ تمھیں ایسی راہ کی طرف دعوت دیتا ہے جس میں اس کی مغفرت اور اُسکے فضل و کرم کا وعدہ ہے (پس شیطانی وسوسوں پر کاربند نہ ہو۔ خدا کی بتلائی ہوئی راہ اختیار کرو) اور یاد رکھو، اللہ وسعت رکھنے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے!

(۸) انسان میں ایسی سمجھ بوجھ کا پیدا ہو جانا کہ وہ دنیا کے ظاہری اور نمائشی فائدوں ہی میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ حقیقی نفع و نقصان کو سمجھ سکے اور اچھائی اور بُرائی کی راہوں کا شناسا ہو جائے، اُن باتوں میں سے ہے جسے قرآن حکمت سے تعبیر کرتا ہے۔ اور جسے حکمت مل گئی تو اُس نے زندگی کی بہت بڑی برکت پالی!

۲۷۱ وہ جسے چاہتا ہے، حکمت دیدیتا ہے، اور جس کسی کو حکمت مل گئی، تو یقین کرو، اُسنے بڑی ہی بھلائی پالی۔ اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ، جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں!

اور دیکھو، خیرات کی قسم میں سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یا خدا کی نذر ماننے کے طور پر جو کچھ بھی نذر مانو، تو یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے علم سے وہ پوشیدہ نہیں ہے (وہ سب کچھ جانتا اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ پس جو کوئی اپنی نذر ادا نہ کرے گا، یا ناجائز طریقوں پر کاربند ہوگا۔ تو اس کی راہ معصیت کی راہ ہوگی) اور جو معصیت کرنے والے ہیں، تو انھیں (خدا کے مواخذہ سے بچانے میں) کوئی مددگار نہیں ملیگا!

۲۷۲ اگر تم (بغیر اسکے کہ دل میں نام و نمود کی خواہش ہو)

(۹) دکھاوے کی خیرات سے روکا گیا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے

کھلے طور پر خیرات کرو، تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ اگر پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے دو، تو اس میں تمھارے لئے بڑی ہی بہتری ہے۔ یہ تمھارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گی۔ اور یاد رکھو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، خدا کے علم سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے!

۲۷۳ (اے پیغمبر!) تم پر کچھ اس بات کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ ہدایت قبول ہی کر لیں (تمھارا کام صرف راہ دکھا دینا ہے) یہ کام اللہ کا ہے کہ جسے چاہے راہ پر لگا دے (پس تم لوگوں سے کہدو) جو کچھ بھی تم خیرات کروگے، تو (اس کا فائدہ کچھ مجھے نہیں ملجائے گا، اور نہ کسی دوسرے پر اس کا احسان ہوگا) خود اپنے ہی فائدہ کے لئے کروگے۔ اور تمھارا خرچ کرنا اسی غرض کے لئے ہے کہ اللہ کی رضاجوئی کی راہ میں خرچ کرو۔ (سو اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو، تو ممکن نہیں کہ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے تمھارا ہاتھ رک جائے) اور (پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ) جو کچھ تم خیرات کروگے تو (خدا کا قانون یہ ہے کہ) اس کا بدلہ پوری طرح تمھیں دیدیگا۔ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنے تمھاری حق تلفی نہ ہوگی۔ مکافات الٰہی کی بخشش اور ماپ تول میں کبھی کمی بیشی یا غفلت نہیں ہو سکتی!)

۲۷۴ خیرات تو ان حاجتمندوں کا حق ہے، جو (دنیا کے کام دھندوں سے الگ ہو کر) اللہ کی راہ میں گھر کر بیٹھ رہے ہیں (یعنے صرف اسی کام کے ہو رہے ہیں) انھیں یہ طاقت نہیں کہ (معیشت کی جستجو میں) نکلیں اور دوڑ دھوپ کریں (پھر باوجود فقر و بے مائگی کے ان کی بے طمعی اور خود داری کا یہ حال ہے کہ) ناواقف آدمی دیکھے، تو خیال کرے انھیں کسی طرح کی احتیاج نہیں۔ تم انکے چہرے دیکھ کر ان کی حالت جان لے سکتے ہو، لیکن وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔ اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کروگے، تو اللہ اس کا علم

کہ جب تک چوری چھپے خیرات نہ کر سکو، خیرات کرو ہی نہیں۔ یا خواہ مخواہ پوشیدگی میں تکلف کرو کہ یہ تکلف بجائے خود عمل خیر سے مانع ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں اخلاص ہونا چاہئے، اور اپنی جانب سے کوئی بات دکھاوے اور نمائش کی نہیں کرنی چاہئے۔

(۱۰) خیرات کرنا خدا پرستی کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اس میں نہ تو کسی پر احسان کرنا ہے، نہ کسی سے تحسین و تشکر کی توقع رکھنی ہے۔

(۱۱) خیرات کا ایک ضروری مصرف ایسا تھا جس کی طرف ظاہر بیں نگاہوں کو توجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنے ان لوگوں کی مدد کرنا جو دنیا کا کام دھندہ چھوڑ کر راہ حق کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے ہیں۔ نہ تو انھیں تجارت کی مقدرت ہے۔ نہ کوئی دوسرا وسیلۂ معاش رکھتے ہیں۔ تبلیغ و نشر دین و ملت کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی حاجتمندی ہے مگر صورت بے نیازوں کی۔ چونکہ ایسے افراد خیر کی خبر گیری جماعت کا ضروری فرض تھا۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ اسپر توجہ دلائی۔

(۱۲) لوگ عموماً انھی لوگوں کو خیرات کا مستحق سمجھتے ہیں جو بھیک مانگنے میں چست و چالاک ہوتے ہیں لیکن ایک خوددار حاجتمند کو کوئی نہیں پوچھتا، حالانکہ سب سے زیادہ مستحق ایسے ہی لوگ ہیں۔

(۱۳) ضمناً اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح دینے والوں کو چاہئے، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر دیں، اسی طرح لینے والوں کو چاہئے سوال کر کے اپنی خودداری و عفت تاراج نہ کریں۔ انکی شان یہ ہونی

چاہئے کہ بے نیاز رہیں۔ لوگوں کا فرض یہ ہونا چاہئے کہ بے مانگے مدد کریں!

رکھنے والا ہے!

۲۷۵ (غرضکہ) جو لوگ رات کی تاریکی میں اور دن کی روشنی میں، پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر، اپنا مال
خرچ کرتے ہیں، تو یقیناً اُن کے پروردگار کے حضور اُن کا اجر ہے۔ نہ تو اُنکے لئے (عذاب کا) ڈر ہوگا، نہ (نامرادی
کی) غمگینی!

۲۷۶ جو لوگ (حاجت مندوں کی مدد کرنے کی
جگہ اُلٹا اُن سے) سُود لیتے اور اُس سے اپنا پیٹ پالتے
ہیں، وہ (یاد رکھیں اُنکے ظلم و ستم کا نتیجہ اُنکے آگے آنے
والا ہے۔ وہ) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اُس آدمی کا سا
کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو۔
(یعنے مرگی کا روگی ہو) یہ اس لئے ہوگا کہ اُنھوں نے
(سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا، اور) کہا، خرید و
فروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دیکر سُود لینا
حالانکہ خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھرایا ہے
اور سُود کو حرام (دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہو
سکتی ہیں؟) سو اب جس کسی کو اُس کے پروردگار
کی یہ نصیحت پہنچ گئی، اور وہ آئندہ سُود لینے سے
رُک گیا، تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے، وہ اُس کا ہو چکا،
(اُس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اُس کا معاملہ
خدا کے حوالے ہے (وہ اپنے فضل و رحمت سے بخشدینے
والا ہے) لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں
سے ہے۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا!

(۴۲) نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد سُود دینا نہیں پا سکتی تھی، اگر
اس کا حکم دیتے ہوئے اُن باتوں سے بھی روک نہ دیا جاتا جو ٹھیک ٹھیک
اس کی ضد ہیں۔ پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سُود کی بھی
ممانعت کر دی گئی جو دنیا کی تمام قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھا۔
دینِ حق انسان میں باہمی محبت و ہمدردی پیدا کرنی چاہتا ہے۔ اسی
لئے اُس نے خیرات کا حکم دیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت روائی
کرے، اور اُس کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے لیکن سود خواری کی ذہنیت
بالکل اسکی ضد ہے۔ سود خوار ایک انسان کو حاجتمند دیکھتا ہے تو اسکی
مدد کا جذبہ اُس میں پیدا نہیں ہوتا، بلکہ چاہتا ہے، اُسکی احتیاج اور بےبسی
سے اپنا کام نکال لے، اور اُس کی محتاجی کو اپنی دولتمندی کا ذریعہ
بنائے۔ خود غرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک بڑھتا ہے، تو پھر اس حد تک پہنچ
جاتا ہے کہ انسان میں انسانی ہمدردی کی بُو باس تک باقی نہیں رہتی۔
ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بنکر رہجاتا ہے۔ قرآن نے اسی حالت کو
مرگی کے مرض سے تشبیہ دی ہے جسے عربی میں شیطان کے مس سے تعبیر کرتے
تھے یعنے زرپرستی کے جوش سے تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں اور
پیسہ کے پیچھے پاگل ہو کر رہجاتا ہے!
چنانچہ "یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات" کہہ کر سُود کی ممانعت
کی علت ظاہر کر دی۔ دینِ حق کا مقصد یہ ہے کہ سُود کو مٹائے۔ خیرات کے
جذبہ کو ترقی دے۔ اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے، تو سوسائٹی
کا کوئی فرد محتاج و مفلس رہ ہی نہیں سکتا!

۲۷۷ اللہ سُود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے (یعنے سُود خواری کو مٹانا چاہتا ہے جس کا مقصد حاجتمند
کو برباد کر کے خود فائدہ اُٹھانا ہے۔ اور خیرات کے جذبہ کو بڑھانا چاہتا ہے جس کا مقصد حاجتمند کی حاجت
روائی کرنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کی جگہ فائدہ پہنچانا ہے) اور (یاد رکھو) تمام ایسے لوگوں کو جو
نعمتِ الٰہی کے ناسپاس اور نافرمان ہیں اُس کی پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی!

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اُنکے کام بھی اچھے ہیں، نیز نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، تو بلاشبہ اُنکے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ نہ تو انکے لئے کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو، تو اُس سے ڈرو، اور جسقدر سُود مقروضوں کے ۲۷۸
ذمے باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا (اور ممانعت کے بعد بھی سُود کے پیچھے پڑے ۲۷۹
رہے) تو پھر اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کے لئے طیار ہو جاؤ (کیونکہ ممانعت کے صاف صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا، اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف جنگ آزما ہونا ہے) اور اگر (اس باغیانہ روش سے) توبہ کرتے ہو، تو پھر تمھارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور بقیہ سُود چھوڑ دو۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو، نہ تمھارے ساتھ ظلم کیا جائے۔

اور اگر ایسا ہو کہ ایک مقروض تنگ دست ہے (اور فوراً قرض ادا نہیں کر سکتا) تو چاہئے کہ اُسے ۲۸۰
فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو، تو تمھارے لئے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ (ایسے تنگ دست بھائی کو) اُس کا قرض بطور خیرات کے بخشدو۔

اور دیکھو، اُس دن (کی پرسش) سے ڈرو، جبکہ تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤگے، اور پھر ۲۸۱
ایسا ہوگا کہ ہر جان نے (اپنے عمل سے) جو کچھ کمایا ہے، اس کا بدلہ پورا پورا اُسے مل جائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی ہو۔

مسلمانو! جب کبھی ایسا ہو کہ تم خاص میعاد کے لئے ۲۸۲
ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو، تو چاہئے کہ اُسے قیدِ کتابت میں لے آؤ۔

اور تمھارے درمیان ایک کاتب ہو جو دیانت داری کے ساتھ دستاویز قلمبند کردے۔

کاتب کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے کہ جس طرح اللہ نے اُسے (دیانت داری کے ساتھ لکھنا) بتلایا ہے، اُس کے مطابق لکھ دے۔ اُسے لکھ دینا چاہئے۔

لکھا پڑھی اس طرح ہو کہ جس کے ذمے دینا ہے، وہ مطلب بولتا جائے (اور کاتب لکھتا جائے) اور

چونکہ سُود کے ذکر سے لین دین کا معاملہ چھڑ گیا تھا، اس لئے اسکے ضروری احکام بھی بیان کر دیئے گئے، اور اس بارے میں لوگوں کی جہالت اور بد معاملگی سے جو مفاسد پھیل گئے تھے، ان کا ازالہ کر دیا گیا:

(۱) لین دین جس قدر ہو، لکھا پڑھی کے ساتھ ہو۔ محض زبانی نہ ہو۔

(۲) ہر طرح کے لین دین کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) اگر کوئی فریق نابالغ یا بے سمجھ ہو، تو اس کی جانب سے اُس کا سرپرست وکالت کرے۔

(۴) کاتب کا فرض ہے کہ دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔

(۵) گواہوں کو گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ گواہی کا چھپانا معصیت ہے۔

(۶) اس کا بندوبست کرنا چاہئے کہ کاتب اور گواہ کو اہل غرض نقصان نہ پہنچا سکیں، ورنہ نظام شہادت درہم برہم ہو جائے گا۔

(۷) اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں، تو ایک مرد کے بدلے دو عورتیں گواہ ہو جائیں۔ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلادے گی۔

چاہیئے کہ ایسا کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا دل میں خوف رکھے۔ جو کچھ اُس کے ذمّے آتا ہے، اُس میں کسی طرح کی کمی نہ کرے۔ ٹھیک ٹھیک اعتراف کرے۔

اگر ایسا ہو کہ جسکے ذمّے دینا آتا ہے، وہ بے عقل ہو یا ناتواں ہو (یعنے لین دین اور معاملہ کرنے کی سمجھ نہ رکھتا ہو) یا اس کی استعداد نہ رکھتا ہو کہ خود کہے اور لکھوائے، تو اس صورت میں چاہیئے، اُس کی جانب سے اُس کا سرپرست دیانت داری کے ساتھ مطلب بولتا جائے۔

اور (جو دستاویز لکھی جائے) اُس پر اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ کر لو۔

اگر دو مرد نہ ہوں، تو پھر ایک مرد (کے بدلے) دو عورتیں جنھیں تم گواہ کرنا پسند کرو۔ اگر (گواہی دیتے ہوئے) ایک عورت بھول جائیگی، دوسری یاد دلا دے گی۔

اور جب گواہ طلب کئے جائیں، تو گواہی دینے سے گریز نہ کریں۔

اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، جب تک میعاد باقی ہے، دستاویز لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک اس میں تمھارے لئے انصاف کی زیادہ مضبوطی ہے، شہادت کو اچھی طرح قائم رکھنا ہے، اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دینا ہے کہ (آیندہ) شک و شبہ میں نہ پڑو۔

ہاں اگر ایسا ہو کہ نقد (لین دین) کا کاروبار ہو جسے تم (ہاتھوں ہاتھ) لیا دیا کرتے ہو، تو ایسی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں اگر لکھا پڑھی نہ کی جائے۔

لیکن (تجارتی کاروبار میں بھی) سودا کرتے ہوئے گواہ کر لیا کرو (تاکہ خرید و فروخت کی نوعیت اور شرائط کے بارے میں بعد کو کوئی جھگڑا نہ ہو جائے)۔

اور کاتب اور گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے (یعنے اس کا موقعہ نہ دیا جائے کہ اہل غرض اُن پر دباؤ ڈالیں، اور سچی بات کے اظہار سے مانع ہوں) اگر تم نے ایسا کیا، تو یہ تمھارے لئے گناہ کی بات ہوگی۔

اور چاہیئے کہ (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو۔ وہ تمھیں (فلاح و سعادت کے طریقے) سکھلاتا ہے، اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے!

۲۸۳ اور اگر تم سفر میں ہو، اور (ایسی حالت ہو کہ باقاعدہ لکھا پڑھی کرنے کے لئے) کوئی کاتب نہ ملے، تو اس صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز گرو رکھ کر اُس کا قبضہ (قرض دینے والے کو) دیدیا جائے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کا اعتبار کرے، تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے (یعنے جس کا اعتبار کر کے، گرو کی چیز اُس کی امانت میں دیدی گئی ہے) وہ (قرض کی رقم لے کر مقروض کی امانت) واپس کر دے، اور (اس بارے میں)

(۸) رہن، یعنے کوئی چیز گرو رکھ کر قرض لینے اور دینے کا حکم۔ مرہون چیز مالک کی چیز ہے۔ قرض دینے والے کے لئے جائز نہیں کہ اُس کی واپسی سے انکار کرے

اپنے پروردگار (کی پرسش) سے بے خوف نہ ہو۔

اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ گواہی چھپاؤ (اور کسی کے خوف یا طمع سے حقیقت کا اظہار نہ کرو) جو کوئی گواہی چھپائے گا، وہ اپنے دل میں گنہ گار ہوگا (اگرچہ بظاہر لوگ اُس کے جرم سے واقف نہ ہوں اور اُسے بے گناہ سمجھیں) اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں!

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (اُس کے حکم اور علم سے کوئی گوشہ باہر نہیں) ۲۸۴
جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، تم اُسے ظاہر کرو، یا پوشیدہ رکھو، ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے، وہ تم سے ضرور اُس کا حساب لے گا (تم اپنے دلوں کا گناہ دُنیا کی نظروں سے چھُپا سکتے ہو، لیکن خدا کے محاسبہ سے نہیں بچ سکتے) اور پھر یہ اُسی کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے عذاب دے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے!

سورت کا اختتام اور دینِ حق کے اعتقاد و عمل کا خلاصہ سورت کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی تھی، اور اختتام بھی اسی پر ہوتا ہے۔

اللہ کا رسول اُس (کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو ۲۸۵
اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر نازل ہوا ہے، اور جو لوگ (دعوتِ حق پر) ایمان لائے ہیں وہ بھی اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (انکے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اُسے مانیں، دوسروں کو نہ مانیں۔ یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کردیں۔ ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انھیں داعیِ حق نے پکارا، تو) اُنھوں نے کہا، خدایا، ہم نے تیرا حکم سُنا اور ہم نے تیرے آگے اطاعت کا سر جھکا دیا۔ تیری مغفرت ہمیں نصیب ہو۔ اے پروردگار! ہم سب کو تیری ہی طرف (بالآخر) لوٹنا (اور تیرے حضور حاضر ہونا) ہے!

اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ ہر جان کے لئے وہی ہے جیسی ۲۸۶
کچھ اُس کی کمائی ہے۔ جو کچھ اُسے پانا ہے، وہ بھی اُس کی کمائی سے ہے، اور جس کے لئے اُسے جوابدہ ہونا ہے، وہ بھی اس کی کمائی ہے (پس ایمان والوں کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ) خدایا! اگر ہم سے (سعی و عمل میں) بھول چوک ہو جائے، تو اس کے لئے مواخذہ نہ کیجیو اور ہمیں بخش دیجیو! خدایا! ہم پر وہ بھی بندشوں اور گرفتاریوں کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا اُن لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں! اے پروردگار! ایسا بوجھ ہم سے نہ اُٹھوائیو جس کے اُٹھانے کی ہم (ناتوانوں) میں سکت نہ ہو! خدایا! ہم سے درگزر کر! خدایا! ہم پر رحم کر! خدایا! تو ہی ہمارا مالک و آقا ہے۔ پس اُن (ظالموں) کے مقابلے میں جن کا گروہ کفر کا گروہ ہے، ہماری مدد فرما!

آل عمران

مدنية وهى مائتا اية

آل عمران - مدنی - دوسو آیتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

١-٢ الٓمّٓ ۚ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
٣ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ
٤ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ

١ اللہ الحی ہے - یعنے زندہ ہے - اُس کے لئے فنا و زوال نہیں - القیوم ہے - یعنے ہر چیز
اُس سے قائم ہے - وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں - اُسکے حی و قیوم ہونے کا
مقتضے یہی تھا کہ انسان کی زندگی و قیام کی تمام احتیاجات مہیا کر دے - احتیاجات دو طرح
کی ہیں جسمانی اور روحانی - اُسنے جس طرح پہلی کا انتظام کیا اُسی طرح دوسری کا بھی سر و سامان کیا
روحانی احتیاجات کے لئے انسان کو دو چیزیں دی گئیں - الکتاب اور الفرقان - الکتاب
خدا کی وحی ہے جو ہدایت و سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہے - الفرقان جوہر عقل ہے جو اُسے سمجھتا
اور قبول کرتا ہے - پہلی چیز تعلیم ہے دوسری تعلم کی استعداد ہے - پہلی ہدایت کی قوت فاعلہ ہے دوسری منفعلہ
سنت الٰہی اس بارے میں یہ ہے کہ جو لوگ کفر و سرکشی کے ساتھ الکتاب کا مقابلہ کرتے
٢ ہیں اور الفرقان یعنے جوہر عقل و تمیز سے کام نہیں لیتے ، تو اُنکے لئے دنیا میں نامرادی
ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب !

جس حی و قیوم کی کارفرمائیوں کا یہ حال ہے کہ انسان کو پیدائش سے پہلے اُس کی
مناسب موزوں صورت دیدیتا ہے ، کیا ضروری نہیں کہ پیدائش کے بعد اُس کی روحانی
فلاح و سعادت کی بھی صورت آرائی کر دیتا ؟

الف - لام - میم - اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں - کوئی نہیں مگر اُسی کی
ایک ذات الحیّ (یعنے زندہ کہ اُسکے لئے زوال
و فنا نہیں) القیوم (کہ کائنات ہستی کی ہر
چیز اُس سے قائم ہے - وہ اپنے قیام کے لئے
کسی کا محتاج نہیں) اُسی نے تم پر سچائی
کے ساتھ الکتاب نازل کی (یعنے قرآن
نازل کیا) اُس سے پہلے جسقدر کتابیں
نازل ہو چکی ہیں ، اُن سب کی تصدیق
کرتی ہوئی آئی ہے (اُن سے الگ نہیں ہے ، اور نہ اُنھیں جھٹلانے والی ہے) اور اسی (حیّ و قیوم ذات) نے اس
سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی تھی نیز اُس نے الفرقان (یعنے نیک و بد
اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) بھی نازل فرمائی -
٣ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں (اور حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیتے ہیں) تو یاد رکھیں)
انھیں (پاداش عمل میں) سخت عذاب ملنے والا ہے ، اور اللہ سب پر غالب اور (مجرموں کو) سزا دینے والا ہے !
٤ بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں خواہ زمین میں ہو خواہ آسمان میں - یہ اُسی کی کارفرمائی
ہے کہ جس طرح چاہتا ہے ، ماں کے شکم میں تمھاری صورت (کا ڈیل ڈول اور ناک نقشہ) بنا دیتا ہے (اور قبل
اسکے کہ دنیا میں قدم رکھو ، تمھاری حالت و ضرورت کے مطابق تمھیں ایک موزوں صورت مل جاتی ہے ،

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ ٥
اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ٦

یقیناً کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی جس کی قدرت و حکمت کی یہ کارفرمائی ہے) غالب و توانا (کہ اسی کے حکم و طاقت سے سب کچھ ظہور میں آتا ہے) حکمت والا (کہ انسان کی پیدائش سے پہلے شکم مادر میں اس کی صورت آرائی کر دیتا ہے!)

(اے پیغمبر!) وہی (حی و قیوم ذات) ہے ٥
جس نے تم پر الکتاب نازل فرمائی ہے۔ اس میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے، (یعنی ایسی آیتوں کی جو اپنے ایک ہی معنی میں اٹل اور ظاہر ہیں) اور وہ کتاب کی اصل و اساس ہیں۔ دوسری قسم متشابہات کی ہے (یعنی ایسی آیتوں کی جن کے جلتے معانی کا احتمال رکھتی ہیں) تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے (اور سیدھے طریقہ پر بات نہیں سمجھ سکتے) وہ (محکم آیتیں چھوڑ کر) ان آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو کتاب اللہ میں متشابہ ہیں۔ اس غرض سے کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت معلوم

اس اصل عظیم کا بیان کہ کتاب اللہ کی تعلیم ہمیشہ دو اصولی قسموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ محکم اور متشابہ۔ محکم سے مقصود وہ مطالب ہیں جو اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے انسانی عقل کے لئے صاف صاف اور کھلے احکام ہیں۔ مثلاً توحید و رسالت۔ اوامر و نواہی۔ حلال و حرام۔ متشابہ سے مقصود وہ مطالب ہیں جن کا تعلق ماوراء عقل حقائق سے ہے، اور انسان علم و حواس کے ذریعہ انکا ادراک نہیں کر سکتا۔ مثلاً خدا کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی۔ عالم آخرت کے احوال، عذاب و ثواب کی حقیقت۔ پس ناگزیر طور پر ان کا بیان ایسے پیرایہ میں کیا جاتا ہے کہ فہم انسانی کے لئے ناقابل برداشت نہ ہو، اور اس لئے تشبیہ و مجاز سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ایک شخص کج فہمی سے کاوش کرنی چاہے تو طرح طرح کے معانی و مباحث کے احتمالات پیدا کر لے سکتا ہے۔

پس جو لوگ سمجھ کے سیدھے اور علم میں پکے ہوتے ہیں، وہ محکمات کو اصل سمجھتے ہیں کہ عمل و تعمیل کے لئے کافی ہیں، اور متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے کہ ان میں کاوش سودمند عمل نہیں۔ علم کے رسوخ اور معرفت کے کمال سے یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ متشابہات کی حقیقت کا ادراک عقل انسانی کی پہنچ سے باہر ہے۔ وہ خلاف عقل نہیں ہیں مگر ماوراء عقل ہیں۔ انسان ان پر یقین کر سکتا ہے۔ مگر ان کی حقیقت نہیں پا سکتا۔ پس وہ کہتے ہیں جو کچھ بھی اللہ کے کلام میں ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس سے آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے!

لیکن جن لوگوں کے سمجھ میں کجی ہوتی ہے، وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ایمان و یقین کے لئے فتنہ پیدا کر دیتے ہیں۔

کر لیں۔ حالانکہ ان کی حقیقت تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (کیونکہ ان کا تعلق اس عالم سے ہے جہاں تک انسان کا علم و حواس پہنچ نہیں سکتا) مگر جو لوگ علم میں پکے ہیں، تو وہ (متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے وہ) کہتے ہیں "ہم اُن پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ (تعلیم حق سے) دانائی حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں!

(ان ارباب عقل و بصیرت کی صدائے حال ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ) اے پروردگار! ہمیں سیدھی راہ دکھا دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر، اور اپنے پاس سے رحمت عطا فرما! یقیناً تیری ہی ذات ہے جو بخشش میں

ع ۹

۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ
۸ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ
۹ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ
۱۰ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ
۱۱ تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ
تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ

تجھ سے بڑا کوئی نہیں!"

۷ "خدایا! (عالم آخرت کے معاملات ہماری عقل نارسا میں آئیں یا نہ آئیں لیکن) اسمیں کوئی شک نہیں کہ تو ایک
دن سب کو اپنے حضور جمع کرنے والا ہے۔ (یہ تیرا وعدہ ہے، اور) یقیناً تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا!"

> جن لوگوں نے الکتاب (یعنی قرآن) کا معاندانہ مقابلہ کیا ہے، تو انھوں نے سرکشی و جحود کی وہی روش اختیار کی ہے جو حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں آل فرعون نے اختیار کی تھی، اور وہ وقت دور نہیں جب اُنکے لئے بھی وہی ہوگا، جو آل فرعون کے لئے ہوا تھا اور دنیا دیکھ لے گی کہ آخری فتحمندی کس کا ساتھ دیتی ہے؟

۸ جن لوگوں نے (ایمان و راست بازی کی جگہ) کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو (وہ یاد رکھیں) اُنھیں اللہ کے مواخذہ سے نہ تو اُنکی دولت بچا سکے گی (جس کی کثرت کا اُنھیں گھمنڈ ہے) نہ آل اولاد، (جو دنیا کی مصیبتوں مشکلوں میں اُنکے کام آتی رہتی ہے) یہ وہ لوگ ہیں کہ آتش عذاب کا ایندھن بن کر رہینگے!

۹ ان لوگوں کا بھی وہی ڈھنگ ہے، جو فرعون کے گروہ کا تھا، اور اُن لوگوں کا تھا جو اُس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اُنھوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں۔ تو اللہ نے بھی پاداش عمل میں اُنھیں پکڑ لیا، اور (یاد رکھو) وہ (جرموں کی سزا دینے میں) بہت ہی سخت سزا دینے والا ہے!

۱۰ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، اُن سے کہدو "وہ وقت دور نہیں جب (آل فرعون کی طرح) تم بھی (غلبہ حق سے) مغلوب ہو جاؤ گے، اور جہنم کی طرف ہنکائے جاؤ گے۔ اور (جس گروہ کا آخری ٹھکانا جہنم ہو، تو اُس کا ٹھکانا) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے!"

> جنگ بدر کا نتیجہ جن حالات کی ابتدا تھا، تاہم فیصلہ کن تھا۔ اگر عبرت پذیری کی استعداد فنا نہ ہو گئی ہوتی تو ان لوگوں کے تنبہ کے لئے کافی تھا! ؎

۱۱ بلاشبہ تمھارے لئے اُن دو گروہوں میں (کلمہ حق کی فتحمندیوں کی) بڑی ہی نشانی تھی، جو (بدر کے میدان میں) باہمدگر مقابل ہوئے تھے۔ اُس وقت ایک گروہ تو (مٹھی بھر بے سروسامان مسلمانوں کا تھا، جو) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا۔ دوسرا منکرین حق کا تھا جنھیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ

؎ اہل مکہ کے مظالم سے مجبور ہو کر پیغمبر اسلام نے ہجرت کی اور مدینہ آ بسے لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہجرت کے دوسرے سال ایک لشکر طیار ہوا اور مدینہ پر حملہ آور ہو گیا۔ مسلمان بھی مدینہ سے نکلے، اور بدر نامی ایک کنویں کے پاس لڑائی ہوئی۔ جنگ بدر سے مقصود یہی لڑائی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، اور دشمن اُن سے تین گنا زیادہ تھے لیکن نصرت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا، اور دشمنوں کو نہایت ذلت بخش شکست ہوئی

مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ ۱۲
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۱۳
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا ۱۴
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ ۱۵

رہے تھے کہ اُن سے دوچند ہیں (باایں ہمہ منکرینِ حق کو شکست ہوئی) اور اللہ جس کسی کو چاہتا ہے، اپنی نصرت سے مددگاری پہنچاتا ہے۔ بلاشبہ اُن لوگوں کے لئے جو چشم بینا رکھتے ہیں، اس معاملہ میں بڑی ہی عبرت ہے!

پیروانِ دعوتِ حق کو موعظت کہ اپنی دنیوی بے سروسامانی سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ اصلی دولت ایمان و عمل کی دولت ہے۔ اگر یہ حاصل ہے، تو دنیوی سروسامان خود بخود حاصل ہو جائینگے۔
ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ حکمتِ الٰہی ہی کی مقتضی ہوئی کہ اہل و عیال اور مال و متاع میں انسان کے لئے دلبستگی و مشغولیت ہو۔ پس یہ زندگی کے فطری علائق ہیں اور خدا کی مرضی یہی ہے کہ قائم رہیں۔
متقی انسانوں کے خصائل اور اُنکے ایمان و عمل کی سیرت۔

انسان کے لئے مرد و عورت کے رشتہ میں، اولاد میں، چاندی سونے کے ذخیروں میں، چُنے ہوئے گھوڑوں میں، مویشی میں، اور کھیتی باڑی میں دلبستگی و خوشنمائی رکھ دی گئی ہے۔ (یعنے خدا نے انسان کی طبیعت اور اُس کی حالت ایسی بنائی ہے کہ زندگی کی خوشحالی و زینت میں اس کا دل اٹکا ہوا ہے اس لئے قدرتی طور پر تمھیں بھی ان چیزوں کی خواہش ہوگی) لیکن یہ جو کچھ ہے، دنیوی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے، اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے! ۱۲

۱۳ (اے پیغمبر!) ان سے کہدو۔ میں تمھیں بتلاؤں۔ زندگی کے ان فوائد سے بھی بہتر تمھارے لئے کیا ہے؟ جو لوگ متقی ہیں، اُن کے لئے اُنکے پروردگار کے پاس (نعیم ابدی کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہینگے۔ پاک بیویاں اُنکے ساتھ ہونگی اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اللہ کی خوشنودی اُنھیں حاصل ہوگی۔ اور (یاد رکھو!) اللہ اپنے بندوں کا حال دیکھ رہا ہے!

۱۴ (یہ متقی انسان وہ ہیں) جو کہتے ہیں "خدایا! ہم تجھ پر ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخشدیجیو، اور عذابِ جہنم سے ہمیں بچا لیجیو!"

۱۵ (شدت و مصیبت میں) صبر کرنے والے، (قول و عمل میں) راست باز، خشوع و خضوع میں یکے، نیکی کی راہ میں خرچ کرنے والے، اور رات کی آخری گھڑیوں میں (جب تمام دنیا خوابِ سحر کے مزے لوٹتی ہے) اللہ کے حضور کھڑے ہونے والے اور اُس کی مغفرت کے طلب گار!

دینِ الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے قانون کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کا قانون کیا ہے؟ میزانِ عدل کا قیام ہے جس پر تمام کائناتِ عالم چل رہا ہے۔ اسکی معرفت یوں حاصل ہو سکتی ہے کہ کائناتِ ہستی کی شہادت پر غور و تدبر کیا جائے۔

۱۶ اللہ نے اس بات کی شہادت آشکارا کر دی کہ کوئی معبود نہیں ہے، مگر صرف اُسی کی ذات اسکا

١٦ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُؕ
١٧ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْؕ وَمَنْ
١٨-١٩ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْاۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝ ع

شہادتیں تین ہیں۔ اللہ کی۔ یعنے اللہ کے وحی کی۔ ملائکہ کی۔ یعنے مدبراتِ الٰہی و سماوی کی۔ اولوالعلم کی یعنے اصحابِ علم و بصیرت کی۔

یہ تینوں شہادتیں اعلان کر رہی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسنے تمام کارخانۂ ہستی میزانِ عدل پر استوار کیا ہے۔

انسان کو اوّل دن سے ایک ہی دین دیا گیا ہے؛ اور وہ یہی الاسلام ہے۔ تمام رہنمایانِ عالم نے ہمیشہ اسی کی تعلیم دی، اور تفرقہ و اختلاف سے روکا۔

یہود و نصاریٰ کا باہمی تفرقہ اور گروہ بندی اس لئے پیدا ہوئی کہ انھوں نے اصل دین سے انحراف کیا اور آپس کی ضد اور تعصب میں پڑ گئے۔

عدل کے ساتھ (تمام کارخانۂ ہستی میں) تدبیر و انتظام کرنے والی۔ فرشتے بھی (اپنے اعمال سے) اسی کی شہادت دیتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو علم رکھنے والے ہیں۔ ہاں، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی ایک۔ طاقت و غلبہ والا کہ اسی کی تدبیر سے تمام کارخانۂ ہستی قائم ہے! حکمت والا کہ اسی نے اساسِ عدل پر اس کارخانہ کا ہر گوشہ استوار کر دیا ہے!

١٧ بلاشبہ "الدین" (یعنے اصلی دین) اللہ کے نزدیک "الاسلام" ہی ہے (اس ایک دین کے سوا اور کوئی دین نہیں) اور یہ جو اہلِ کتاب نے باہمدگر اختلاف کیا (اور گروہ بندیاں کرکے، الگ الگ دین بنا لئے) تو یہ اس لئے نہیں ہوا کہ اس دین کے سوا انھیں کسی دوسرے دین کی راہ دکھلائی گئی تھی، یا دین کی راہ مختلف ہو سکتی ہے، بلکہ) اس لئے کہ علم کے حصول کے بعد وہ اس پر قائم نہیں رہے، اور آپس کی ضد اور عناد سے الگ الگ ہو گئے۔ اور یاد رکھو، جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے (اور ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے) تو اللہ (کا قانونِ جزا) بھی حساب لینے میں سست رفتار نہیں!

یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب پر اتمامِ حجت کہ اصل دین خدا پرستی ہے۔ ساری باتیں چھوڑ دو۔ یہ بتلاؤ، تمھیں خدا پرستی سے اقرار ہے یا انکار؟ اگر اقرار ہے، تو سارا جھگڑا ختم ہو گیا کیونکہ اسلام کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر انکار ہے، تو پھر جن مدعیانِ مذہب کو خدا پرستی ہی سے انکار ہو، ان سے بحث و نزاع کیا سود مند ہو سکتی ہے؟

١٨ پھر اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو اے پیغمبر! تم کہدو، میرے اور میرے پیرؤں کا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے آگے سرِ اطاعت
١٩ جھکا دیا ہے (یعنے ہماری راہ خدا پرستی کے سوا اور کچھ نہیں ہے) اور اہلِ کتاب اور (عرب کے) اَن پڑھ لوگوں سے
پوچھو، تم بھی اللہ کے آگے جھکتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ جھک جائیں تو (سارا جھگڑا ختم ہو گیا، اور) انھوں
نے راہ پالی، اگر روگردانی کریں تو پھر (جن لوگوں کو خدا پرستی ہی سے انکار ہو، اور محض گروہ بندی کے تعصب کو
دینداری سمجھ رہے ہوں، ان کے لئے دلیل و موعظت کیا سود مند ہو سکتی ہے؟ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو، او

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۲۰
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ○ أَلَمْ تَرَ إِلَى ۲۱-۲۲
الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ ۲۳
قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ ۲۴
فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

اپنا کام کئے جاؤ) تمھارے ذمے جو کچھ ہے وہ پیام حق پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کے حال سے غافل نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے!

یہودیوں کی قومی گمراہیوں اور بدعملیوں کی طرف اشارہ جس گروہ کی ذہنیت اس درجہ مسخ ہو گئی ہو کہ حق و عدالت کی دشمن اور ظلم و فساد کی پرستار ہو، اس سے قبولیت حق کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

علماء یہود کی یہ گمراہی کہ جس کتاب کو کتاب الٰہی مانتے تھے اور اسکے علم و عمل کے مدعی تھے جب اسی کتاب پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی، تو صاف انکار کر گئے۔ کیونکہ اسکے احکام پر عمل کرنا ان کی نفسانی خواہشوں اور مطلب برآریوں کے خلاف تھا۔

۲۰ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور اسکے نبیوں کے ناحق قتل میں بیباک ہیں نیز ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو حق و عدالت کا حکم دینے والے ہیں تو ایسے خوش اعمال لوگوں کے لئے اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ) انھیں عذاب الیم کی خوشخبری پہنچا دو!

۲۱ یہی لوگ ہیں جن کا سارا کیا دھرا، دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت گیا، اور کوئی نہیں جو انکا مددگار ہو گا

۲۲ (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنھیں کتاب اللہ کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے (یعنی یہودیوں کے علماء کی جو شب و روز تورات کی تلاوت کرتے رہتے ہیں) انھیں خدا کی کتاب کی طرف دعوت دی گئی کہ انکے درمیان فیصلہ کرے۔ بایں ہمہ ایک گروہ اس سے صاف روگرداں ہے، اور اصل یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف سے ان سب کے رخ ہی پھرے ہوئے ہیں!

یہ صورت حال اس لئے ہے کہ مذہبی گروہ بندی کے غرور نے ان میں یہ زعم فاسد پیدا کر دیا ہے کہ ہم نجات یافتہ امت ہیں۔ ہمارے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہم جہنم میں نہیں ڈالے جائینگے حالانکہ خدا کا قانون نجات تو یہ نہیں دیکھے گا کہ کون کس گروہ بندی میں سے ہے اور کس کا نسب کس سے ملتا ہے؟ وہ تو صرف ایمان و عمل دیکھے گا، اور جس کا جیسا عمل ہوگا، ویسا ہی نتیجہ اسے پیش آئیگا

۲۳ اور ان کی یہ حالت اس لئے ہوئی کہ انھوں نے کہا، دوزخ کی آگ ہمیں کبھی نہیں چھوئیگی۔ اور اگر چھوئیگی بھی تو گنتی کے چند دنوں کے لئے (یعنے ہم نجات یافتہ امت ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈالا بھی جائے گا، تو اس لئے نہیں کہ عذاب میں پڑا رہے، بلکہ اس لئے کہ گناہ کے میل کچیل سے پاک و صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہو) تو یہ جو وہ خدا پر افترا پردازی کرتے رہے ہیں اسنے انھیں دین کے بارے میں مبتلائے فریب کر دیا ہے

۲۴ لیکن اسوقت ان کا حال کیا ہوگا جب قیامت کے دن جسکے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہم انھیں اپنے حضور جمع کرینگے، اور ہر جان نے (اپنے عمل سے) جیسا کچھ کمایا ہے، اسی کے مطابق اسے پورا پورا بدلہ ملے گا

٢٥ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ
٢٦ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۝ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز
٢٧ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ
الْمَصِيْرُ ۝

اور کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہوگی؟ (یعنے اگر دنیا میں انھوں نے اپنے آپ کو مبتلائے فریب رکھا ہو تو کرلیں قیامت کے دن دیکھ لیں گے کہ نجات کا تمام تر دار و مدار عمل پر ہے۔ نہ کہ گروہ بندی اور نسل و خاندان پر)

٢٥ بہرحال اب وقت آگیا ہو کہ دنیا ہی میں حق و باطل کا فیصلہ ہوجائے۔ جسے اٹھنا ہے، وہ اٹھ کھڑا ہو۔ جسے گرنا ہے، وہ گرا دیا جائے!

(اے پیغمبر!) تم اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردو، اور) کہو "خدایا! شاہی و جہانداری کے مالک! تو جسے چاہے، ملک بخشدے، جس سے چاہے ملک لے لے۔ جسے چاہے عزت دیدے، جسے چاہے ذلیل کردے! تیرے ہی ہاتھ میں ہر طرح کی بھلائی کا سررشتہ ہے، اور تیری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!
٢٦ ہاں، تو ہی ہے کہ رات کو دن میں لے آتا ہے، اور دن کو رات میں۔ جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے
اور بے جان کو جاندار سے۔ اور جسے چاہتا ہے (اپنے خزانۂ کرم سے) بے حساب بخشدیتا ہے!"

٢٧ چونکہ اب فیصلہ کا وقت آگیا ہے، اس لئے پیروانِ اسلام سے خطاب کہ راہِ عمل میں سرگرم ہوجائیں اور کمزوری نہ دکھائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے شخصی علائق کو جماعتی علائق پر ترجیح نہ دیں، اور دشمنوں کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں۔
میدانِ جنگ گرم ہوچکا ہے۔ دوست اور دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہوگئی ہیں۔ پس ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لئے کوئی ایک صف اختیار کرلے، اور جسے اختیار کرلے اُسی کا ہو رہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک میں ہو کر دوسرے سے بھی ساز باز رکھے۔

جو لوگ ایمان والے ہیں، انھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر منکرینِ حق کو اپنا رفیق و مددگار بنائیں۔ اور جس کسی نے ایسا کیا، تو وہ یاد رکھے، اس کا اللہ کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہا۔ ہاں، اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ تم اُنکے شر سے بچنے کے لئے اپنا بچاؤ کرنا چاہو اور کرلو، (تو ایسا کرسکتے ہو) اور دیکھو (انسان کے شر سے ڈرتے ہوئے یہ حقیقت نہ بھولو کہ) خدا تمھیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے، اور آخر کار (تم سب کو) اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے!

٢٨ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو، تمھارے دلوں کے اندر جو کچھ ہے تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، ہر حال میں اللہ اُسے خوب
جانتا ہے، اور (اتنا ہی نہیں بلکہ) آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُس پر روشن ہے۔ اُسکی قدرت کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں!

(اور دیکھو، اُس آنے والے دن کو نہ بھولو) جس دن ہر انسان دیکھے گا کہ جو کچھ اُسنے (دنیا میں) نیک عملی کی تھی، اُس کے سامنے موجود ہے (یعنے اُس کا اجر اُسے مل رہا ہے)، اور جو کچھ برائی کی تھی، وہ بھی اُسکے سامنے ہے

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يَوْمَ ٢٨
تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ
نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ ٢٩ ع
رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ٣٠
ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ ٣١

اس دن وہ آرزو کریگا کہ اے کاش! اُس میں اور اس دن میں ایک عرصہ دراز حائل ہوجاتا (کہ یہ دردانگیز نتیجہ اُس کے سامنے نہ آتا!) اور دیکھو، خدا تمھیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے (تاکہ اُس کی نافرمانی سے بچو) اور (یہ ڈرانا بھی اُس کی شفقت و مہربانی ہی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ) وہ اپنے بندوں کے لئے بڑی ہی مہربانی رکھنے والا ہے!

جو کوئی اللہ سے محبت رکھنے کا دعویدار ہے، تو اُسے چاہئے اللہ کے رسول کی پیروی کرے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ، اور اُس کی راہ بتلانے والے کی پیروی سے انکار، ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ ہدایتِ خلق کے لئے اپنے رسولوں کو مبعوث کرتا ہے۔ جو اُن کی پیروی اطاعت کرتے ہیں، کامیاب ہوتے ہیں۔ جو انکار و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں، اسکی نصرت سے محروم رہتے ہیں۔

٢٩ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو، اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمھیں چاہئے کہ میری پیروی کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا، تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمھاری خطائیں بخشدیگا۔ وہ بڑا ہی بخشنے والا، اور رحمت رکھنے والا ہے!

(اے پیغمبر!) تم کہدو (فلاح و سعادت کی راہ تمھارے لئے ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ) اللہ کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں، تو (اطاعتِ الٰہی سے روگرداں ہونا شیوۂ کفر ہے، اور) اللہ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!

چنانچہ اسی قانون کے ماتحت، اللہ کے رسول ہمیشہ مبعوث ہوتے رہے، اور ہمیشہ ایک ہی طرح کا نتیجہ ظہور میں آیا۔ پیروی و اطاعت کرنے والوں نے کامیابی پائی، اور مقابلہ کرنے والوں کی نامرادی۔ اللہ کے رسولوں میں سے حضرت یحیٰی اور حضرت مسیح (علیہما السلام) کی دعوت سے استشہاد اور اسی سلسلہ میں حضرت مریم (علیہا السلام) کی پیدائش کا ذکر۔

٣٠ بلاشبہ (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے گھرانوں کو تمام دنیا میں برگزیدگی عطا فرمائی۔ یہ ایک نسل تھی جس میں سے بعض بعض سے پیدا ہوئے تھے، اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے!

٣١ اور دیکھو، جب ایسا ہوا تھا کہ عمران کی بیوی نے دعا مانگی تھی "خدایا! میرے شکم میں جو بچہ ہے، میں اسے (دنیا کے کام دھندوں اور ماں باپ کی خدمت سے آزاد کرکے تیرے (مقدس ہیکل کے) لئے نذر کردیتی ہوں (یعنے نذر مانتی ہوں کہ اسے ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کردونگی) سو میری طرف سے یہ نیاز قبول کرلے۔ بلاشبہ تو (دعائیں) سننے والا، اور (نیتوں کا حال) جاننے والا ہے!"

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا
۳۲ مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا
دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ
۳۴-۳۳ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ
وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ
۳۶-۳۵ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝

پھر جب ایسا ہوا کہ (لڑکے کی جگہ) لڑکی پیدا ہوئی، تو وہ بولی "خدایا! میرے تو لڑکی ہوئی ہے (اب میں کیا کروں؟)" حالانکہ جو وجود پیدا ہوا تھا، اللہ اُسے بہتر جاننے والا تھا (کہ لڑکی ہونے پر بھی بڑی فضیلت رکھنے والا تھا) لیکن اُس کی ماں نے کہا، میں نے لڑکی کے لئے نذر مانی تھی، پیدا ہوئی لڑکی)" اور لڑکا مثل لڑکی کے نہیں ہے (کہ اگر اُس کی جگہ لڑکی پیدا ہوگئی ہو، تو وہ ہیکل کی مجاور ہو سکے خیر، جو کچھ بھی ہو) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اسے اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ شیطان رجیم (کی وسوسہ اندازیوں) سے محفوظ رہے!

> حضرت مریم کا طفولیت میں ہیکل کے سپرد ہونا اور حضرت ذکریا کی نگرانی میں پرورش پانا، اور کم سنی میں زاہدانہ اور خدا پرستانہ توکل!

۳۲ پس ایسا ہوا کہ مریم کو اُس کے پروردگار نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کرلیا، اور ایسی نشو و نما دی جو بڑی ہی اچھی نشو و نما تھی (یعنے اُس کی پرورش بہتر سامانوں اور نیک نگرانیوں میں ہوئی) اور ذکریا کو (کہ ہیکل کا مجاور تھا) اُس کا نگران حال بنا دیا۔

جب کبھی ایسا ہوتا کہ ذکریا اُس کے پاس محراب میں (یعنے قربانگاہ میں) جاتا (جہاں وہ سرگرم عبادت رہا کرتی تھی) تو اُس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں موجود پاتا۔ اس پر وہ پوچھتا "اے مریم! یہ چیزیں تجھے
۳۳ کہاں سے مل گئیں؟" وہ کہتی "اللہ سے۔ اللہ جسے چاہتا ہے، بغیر حساب کے رزق دے دیتا ہے!"

> حضرت ذکریا (علیہ السلام) کی دعا اور حضرت یحییٰ کی پیدائش کہ ظہور مسیح کا مقدمہ تھی۔

اسی جگہ کا یہ معاملہ ہے (یعنے قربانگاہ کا) کہ ذکریا نے اپنے پروردگار کے حضور دعا مانگی تھی "خدایا! تو اپنے خاص فضل سے مجھے پاک نسل عطا فرما
۳۴ (جو مریم کی طرح نیک اور عبادت گزار ہو) بلاشبہ تو ہی ہے کہ دعائیں سننے والا اور التجائیں قبول کرنے والا ہے!"

پھر ایسا ہوا کہ فرشتوں نے ذکریا کو پکارا، اور وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا "خدا تمھیں یحییٰ کی (یعنے ایک لڑکے کی جو پیدا ہوگا اور اُس کا نام یحییٰ رکھا جائے) بشارت دیتا ہے۔ وہ خدا کے حکم سے ایک ہونے والے ظہور کی تصدیق کرنے والا، جماعت کا سردار، پارسا و مرتاض، اور خدا کے صالح بندوں میں سے ایک نبی
۳۵ ہوگا" ذکریا نے جب یہ سنا تو کہا "خدایا! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں [illegible] میری بیوی بانجھ ہے؟" حکم الٰہی ہوا "اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے" (اسکی قدرت سے کوئی بات بعید

۳۶ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ
۳۷-۳۸ ع ۱۲ الْاِبْكَارِ ؀ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ؀ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ
۳۹ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ؀ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ
۴۰ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ؀ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
۴۱-۴۲ ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ؀ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؀ قَالَتْ
رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
۴۳ كُنْ فَيَكُوْنُ ؀ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ؀ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ

۳۶ نہیں اسپر زکریا نے عرض کیا "خدایا! اس بارے میں میرے لئے کوئی بات بطور نشانی کے ٹھہرا دے" ارشاد ہوا نشانی یہ ہے کہ تین دن تک بات چیت نہ کرو مگر صرف اشارے سے (یعنے روزہ رکھو جیسا کہ اُس زمانے میں دستور تھا) اور اپنے پروردگار کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو، اور صبح و شام اسکی حمد وثنا میں مشغول رہو"

حضرت مریم کا بلوغ، اور اللہ کی طرف سے برگزیدگی و قبولیت کی بشارت۔
حضرت مریم کے سوانح حیات کے بعض ایسے جُزئی واقعات جن کا علم پیغمبر اسلام کو بغیر وحی الٰہی کے نہیں ہو سکتا تھا

۳۷ اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ فرشتوں نے کہا تھا "اے مریم! اللہ نے تجھے اپنی قبولیت کے
۳۸ لئے چن لیا ہے، اور (برائیوں کی آلودگی سے) پاک کر دیا ہے، اور تمام دنیا کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ اے مریم! اب تو اپنے پروردگار کی اطاعت و نیاز میں سرگرم ہو جا، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے ساتھ تو بھی رکوع و سجود میں مشغول رہ"
۳۹ (اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسکی ہم تم پر وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ تم اُسوقت اُن لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جب (مریم کی ماں مریم کو لے کر ہیکل میں آئی تھی، اور ہیکل کے مجاور) اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ (قرعہ ڈالکر فیصلہ کرلیں) کون مریم کا کفیل ہو۔ اور (یقیناً) تم اُسوقت بھی موجود نہ تھے، جب وہ (مریم کی کفالت کے لئے) آپس میں جھگڑ رہے تھے!

حضرت مریم کو حضرت مسیح (علیہما السلام) کی پیدائش کی بشارت۔

۴۰ اور (پھر) جب ایسا ہوا کہ فرشتوں نے کہا "اے مریم! اللہ تجھے اپنے کلام کے ذریعہ (ایک لڑکے کی) بشارت دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ہوگا، اور مریم کا بیٹا کہلائیگا۔
۴۱ وہ دنیا و آخرت، دونوں میں ارجمند ہوگا، اور بچپنے میں اور بڑی عمر میں، یکساں طور پر، (وعظ و ہدایت کا) کلام کرے گا۔ نیز اللہ کے حضور مقرب اور اسکے بندوں میں سے ایک صالح انسان ہوگا"
۴۲ مریم (نے یہ بشارت سُنی تو متعجب ہو کر) بولی "خدایا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں؟" ارشاد الٰہی ہوا کہ "اسی طرح اللہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے، تو حکم دیتا ہے کہ ہوجا، اور پھر جیسا کچھ اُسنے چاہا تھا، ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہے!"
۴۳ اور (اے مریم!) اللہ اُس (ہونے والے لڑکے) کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرمائے گا۔ نیز توراۃ اور انجیل کا۔ اور اُسے بنی اسرائیل کی طرف بحیثیت رسول کے بھیجیگا"

أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۙ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ
اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي
۵۰ بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ
لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ
۵۲ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ
۵۳ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

حضرت مسیح (علیہ السلام) کا ظہور اور اُن کی منادی

"(اُس کی منادی یہ ہوگی کہ) دیکھو، میں تمھارے پروردگار کی نشانی لے کر تمھارے پاس آیا ہوں۔ میں تمھارے لئے مٹی سے ایسی چیز بنا دوں جو پرند کی سی صورت رکھتی ہو۔ پھر اُس میں پھونک ماردوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائے۔ اور اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کر دوں اور مُردوں کو زندہ، اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے جمع کرتے ہو، سب تمھیں بتلا دوں۔ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو یقیناً ان باتوں میں تمھارے لئے بڑی ہی نشانی ہے!"

تمام رسولوں کی طرح حضرت مسیح (علیہ السلام) بھی اس لئے نہیں آئے تھے کہ پچھلی تعلیم کو جھٹلائیں، بلکہ اس لئے کہ اسکی تصدیق کریں۔ کیونکہ اصل دین ہر زمانے اور ہر گروہ کے لئے ایک ہے

۵۰ "اور دیکھو، میں اس لئے آیا ہوں کہ تورات کی جو میرے سامنے موجود ہے، تصدیق کروں اور بعض چیزیں جو تم پر حرام ہو گئی ہیں، اُنھیں تمھارے لئے حلال کر دوں (تاکہ شریعت کی سختیوں کی جگہ اُس کی آسانیوں کی راہ تم پر کھل جائے) اور دیکھو، میں تمھارے پروردگار کی نشانی لے کر تمھارے پاس آیا ہوں (جس کی مقدس نوشتوں میں خبر دی جا چکی ہے) تو اللہ سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو!"

"دیکھو، اللہ میرا اور تمھارا، سب کا پروردگار ہے۔ پس اُس کی بندگی کرو۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے!"

(چنانچہ اس بشارت کے مطابق مسیح کا ظہور ہوا، اور اُس نے بنی اسرائیل کی آبادیوں میں منادی شروع کر دی)

یہودیوں کے سرداروں اور پیشواؤں کا حضرت مسیح کی مخالفت میں سرگرم ہو جانا، اور صرف حواریوں کا ایمان لانا جو چند گنے ہوئے بے مقدور اور شکستہ حال اشخاص تھے۔

۵۲ پھر جب ایسا ہوا کہ عیسیٰ نے بنی اسرائیل میں (اپنی دعوت کے خلاف) کفر محسوس کیا، تو وہ پکار اُٹھا "کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟" اس پر حواریوں نے (یعنی چند راست باز انسانوں نے جو مسیح پر ایمان لائے تھے) اُس کی دعوت قبول کرتے ہوئے جواب دیا "ہم اللہ کے (کلمۂ حق کے) مددگار ہیں۔ ہم اُس پر ایمان لائے ہیں، اور (اے داعیٔ حق) تو گواہ رہیو کہ اُس کی فرمانبرداری میں ہمارا سر جھک گیا ہے!"

۵۳ (نیز اُنھوں نے کہا) "خدایا! جو کچھ تو نے نازل کیا ہے، اُس پر ہمارا ایمان ہے، اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی۔ پس ہمارا شمار بھی اُن لوگوں میں ہو جو (حق کی) شہادت دینے والے ہیں!"

۴۷-۴۸ ع ۵ / ۱۴ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
۴۹-۵۰ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
۵۱ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ
۵۲ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

یہودیوں کی حضرت مسیح کے خلاف مخفی اور پُرپیچ سازش، مگر اللہ کا انہیں ناکام کرنا اور حضرت مسیح کو اپنی حفاظت میں لے لینا۔

حضرت مسیح کی نسبت خدا کا وعدہ کہ:

(۱) میں تیرا وقت پورا کروں گا، اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا۔
(۲) تیرے منکروں نے تیرے خلاف جو افترا پردازیاں کی ہیں اُن سے تیری پاکی آشکارا کردونگا
(۳) جو لوگ تیرے ماننے والے ہیں انہیں تیرے منکروں پر قیامت تک برتر رکھونگا

۴۷ اور پھر ایسا ہوا کہ یہودیوں نے (مسیح کے
خلاف) مکر کیا (یعنے مخفی اور باریک طریقے
مخالفت کے کام میں لائے) اور خدا بھی (ایسے
ہی طریقے کام میں لایا (یعنے مسیح کی حفاظت
کے پوشیدہ اسباب و ذرائع پیدا کردیے) اور یاد رکھو! (اللہ جسے بچانا چاہے تو) مخفی طریقوں ہی کام لینے والوں میں اُس
سے بہتر کوئی نہیں!

۴۸ اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے فرمایا تھا "اے عیسیٰ! میں تیرا وقت پورا کروں گا، تجھے اپنی طرف
اٹھالوں گا، تیرے منکروں (کی تہمتوں) سے تجھے پاک کردوں گا، اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ہے انہیں
قیامت تک تیرے منکروں پر برتری دوں گا۔ اور بالآخر سب کو (قیامت کے دن) میری ہی طرف لوٹنا ہے
سو اُس دن اُن باتوں کا فیصلہ کردوں گا جن میں لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں!"
۴۹ "پھر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، تو انہیں دنیا و آخرت، دونوں جگہ سخت عذاب دونگا،
۵۰ اور (عذاب الٰہی سے بچانے میں) کوئی بھی اُنکا مددگار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُنکے عمل
بھی نیک ہیں، تو اُنکا اجر انہیں پورا پورا مل جائے گا، اور (یاد رکھو، خدا کے کاموں میں بے انصافی نہیں
ہوسکتی) وہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

عیسائیوں کی اس گمراہی کا ذکر کہ حضرت مسیح کی الوہیت کا اعتقاد باطل پیدا کرلیا، حالانکہ تمام بنی آدم کی طرح وہ بھی ایک انسان تھے، اور خدا نے انہیں اپنی رسالت کے لیے چن لیا تھا۔

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگرچہ مسیحی کلیسا نے صدیوں سے الوہیت مسیح کا اعتقاد قائم کر رکھا ہے اور تمام دنیا میں پھیل گیا ہے، لیکن قرآن کی دعوت اسکے رخنہ ... ہوکر رہیگی، کیونکہ یہ اعتقاد حقیقت کے خلاف ہے۔

عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت کہ اگر انہیں الوہیت مسیح کے اعتقاد پر یقین ہے تو پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں آئیں اور دونوں فریق خدا سے دعا مانگیں جو ناحق پر ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو!

۵۱ (اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں اور حکمت سے
بھری ہوئی نصیحت ہے جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔
۵۲ اللہ کے نزدیک تو عیسیٰ (کی مثال) ایسی ہی ہے جیسے آدم (کی)
مٹی سے پیدا کیا، پھر اُس کی بناوٹ کے لیے
حکم فرمایا کہ ہوجا، اور (جیسی کچھ مشیت الٰہی
تھی) اسی کے مطابق ہوگیا!

۵۳-۵۴ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ
۵۵-۵۶ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
ع ۶ ۱۴ ۵۷ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ

چنانچہ نجران سے عیسائی پیشواؤں کی جو جماعت مدینہ آئی تھی، پیغمبر اسلام نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی، مگر انھیں مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی، اور اطاعت کا اقرار کر کے واپس چلے گئے۔

۵۳ (اے پیغمبر! مسیح کے انسان ہونے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے، تو) یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے (اور جو بات خدا کی طرف سے حق ہو، وہ ثابت اور اٹل حقیقت ہے۔ کبھی ٹلنے والی نہیں۔ پس عیسائیوں کے عالمگیر اعتقاد باطل کے مقابلہ میں اس دعوے کی کامیابی کتنی ہی تعجب انگیز دکھائی دیتی ہو، لیکن بالآخر کامیابی اسی کے لیے ہے) تو دیکھو، ایسا نہ ہو کہ شک و شبہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ!"

۵۴ پھر جو کوئی تم سے اس بارے میں جھگڑا کرے، حالانکہ علم و یقین تمھارے سامنے آ چکا ہے، تو تم اس سے کہو (میرے پاس مسیح کے انسان ہونے کے لیے علم و یقین موجود ہے۔ اگر تم بھی اس کی الوہیت کے لیے ویسا ہی علم و یقین رکھتے ہو، تو) آؤ، (یوں فیصلہ کر لیں کہ) ہم دونوں فریق (میدان میں نکلیں اور) اپنے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور خود بھی شریک ہوں۔ پھر عجز و نیاز کے ساتھ خدا کے حضور التجا کریں (ہم دونوں میں سے جس کا دعویٰ جھوٹا ہو، تو) جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ہو!

۵۵ (اے پیغمبر!) یہ جو کچھ بیان کیا گیا، بلاشبہ بیان حق ہے، اور کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اللہ کی ذات یگانہ، اور یقیناً اسی کی ذات ہے جو سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والی ہے!

۵۶ پھر اگر یہ لوگ (فیصلہ کا یہ طریقہ) قبول نہ کریں (اور مباہلے سے گریز کر جائیں) تو اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے (ان لوگوں کے دلوں کا کھوٹ اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں!)

۵۷ (اے پیغمبر!) تم (یہود اور نصاریٰ سے) کہو کہ اے اہل کتاب! (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دو) اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے، دونوں کے لیے یکساں طور پر مسلّم ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی ہستی کو اس

مباہلہ کی دعوت کے بعد رفع نزاع اور اتمام حجت کی دوسری دعوت:
اگر تمھاری مخالفت محض تعصب و نفسانیت کی وجہ سے نہیں ہے، اور دین حق کی پیروی کی کچھ بھی طلب باقی ہے، تو آؤ، اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑ دیں اور توحید خداپرستی کی ان بنیادی صداقتوں پر متفق ہو جائیں جو خود تمھارے یہاں بھی مسلم ہیں، گو عملاً فراموش کر دی گئی ہیں یعنی:
(۱) خدا کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔
(۲) جو کچھ اسکے لیے ہے، اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک کیا جائے۔
(۳) کوئی انسان دوسرے انسان کو اپنے لیے ایسا مقدس اور معصوم نہ بنا لے، گویا

شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ ۵۸-۵۹

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ ۶۰

يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ۶۱

شریک ٹھہرائیں، ہم میں سے ایک انسان دوسرے
انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے، گویا
خدا کو چھوڑ کر اُسے اپنا پروردگار بنا لیا ہے۔
پھر اگر یہ لوگ (اس بات سے) روگردانی
کریں، تو تم کہہ دو "گواہ رہنا کہ (انکار تمھاری
طرف سے ہے، اور) ہم خدا کے ماننے والے ہیں"۔
اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے ۵۸
میں کیوں حجت کرتے ہو (کہ اسکا طریقہ یہودیت کا طریقہ تھا یا نصرانیت کا طریقہ تھا) حالانکہ تورات اور
انجیل (جن کے نام پر یہ گروہ بندیاں کی گئی ہیں) نازل نہیں ہوئی ہیں مگر اسکے بہت بعد؟ (پس ظاہر ہے کہ
جس گروہ بندی کا اُسوقت وجود ہی نہ تھا، وہ کیونکر اُس کا پیرو ہو سکتا ہے؟) کیا (اتنی موٹی سی بات
بھی) تم نہیں سمجھ سکتے؟

دیکھو، تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اُن باتوں میں نزاع کی جن کے لیے (کچھ نہ کچھ) تمھارے پاس علم موجود تھا (مثلاً ۵۹
بعض اشیا کی حلت و حرمت کی نسبت کہ تمھارا خیال کتنا ہی غلط ہو تاہم اسکے لئے تم کچھ روایتوں سے سند لانے
کی کوشش کرتے تھے) تو اب اس بارے میں کیوں نزاع کرتے ہو جس کے لئے تمھارے پاس کوئی علم نہیں؟ اور
اللہ (سب کچھ) جانتا ہے مگر تم کچھ نہیں جانتے۔

(کچھ نہیں یہ سب جہل و تعصب کی باتیں ہیں) ابراہیم نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی، (اور نہ کسی دوسری مذہبی جتھا ۶۰
بندی کا پیرو) بلکہ (اپنے عہد کی تمام گمراہیوں سے) ہٹا ہوا، خدا کا فرماں بردار بندہ! اور یقیناً اُس کی راہ شرک کرنے
والوں کی راہ نہ تھی۔

فی الحقیقت ابراہیم سے نزدیک تر لوگ تو وہی تھے جو اس کے قدم بقدم چلے۔ نیز اللہ کا یہ نبی ہے، اور وہ لوگ ۶۱
جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں (نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے دینِ الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہودیت اور نصرانیت

اُسے خدا بنا لیا ہے۔
توحید و خدا پرستی کا یہی طریقہ، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ تھا۔ یہودیت
اور نصرانیت کی گروہ بندیاں اور اُنکے عقائد و رسوم سب بعد کی پیداوار ہیں اور دینِ
ابراہیمی سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہود و نصاریٰ اس بارے میں حجت کرتے ہیں اور کہتے
ہیں حضرت ابراہیم کا طریقہ یہودیت یا نصرانیت کا طریقہ تھا، تو یہ جہل و تعصب کی انتہا
ہوگئی۔ کیونکہ یہ بات تو کسی بحث و دلیل کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ان گروہ
بندیوں کا وجود ہی نہ تھا، اور نہ ہو سکتا تھا۔ یہ گروہ بندیاں حضرت موسیٰ اور حضرت
مسیح (علیہما السلام) کے نام پر کی گئی ہیں اور یہ دونوں حضرت ابراہیم کے سینکڑوں برس بعد ہوئے ہیں

٦٢ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ
٦٣-٦٤ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَھْلَ
ع ٦٥ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا
١٥ ٦٦ بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّھُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ
دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ

کی گروہ بندیاں کر لی ہیں، اور توحید و خدا پرستی کی راہ سے منحرف ہوگئے ہیں) اور یاد رکھو، اللہ اُنہی کا مددگار ہے جو (سچا) ایمان رکھنے والے ہیں!

٦٢ (اے پیروانِ دعوتِ حق) اہلِ کتاب میں ایک گروہ ہے جو اس بات کا آرزومند ہے کہ کسی طرح تمھیں راہِ حق سے بھٹکا دے (اور دینِ ابراہیمی کی پیروی میں تمھارے قدم استوار نہ رہیں) لیکن یاد رکھو، وہ (تمھیں گمراہ کرنے کی سازشیں کرکے) تمھیں نہیں خود اپنے ہی کو گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اگرچہ (شدتِ جہل و نفسانیت سے) اس کا شعور نہیں رکھتے!

٦٣ اے اہلِ کتاب! یہ کیا ہے کہ تم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہو، حالانکہ (حقیقتِ حال سے بے خبر نہیں ہو اور) اُس کی نشانیاں تمھارے سامنے ہیں!

اہلِ کتاب کی مذہبی زندگی کی شقاوتوں کی طرف اشارہ کہ خدا کی آیتوں سے انکار، حق و باطل میں التباس، اور سچائی کا کتمان ان کا عام شیوہ ہے۔

اہلِ کتاب کی یہ بنیادی گمراہی کہ اُنھوں نے دینِ صداقت کو صرف اپنی نسل و گروہ ہی کا ورثہ سمجھ رکھا ہے، اور کہتے ہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص ہمارے گروہ میں سے نہ ہو اور پھر دینِ صداقت رکھتا ہو، یا کسی فرد اور قوم کو ہم سے بہتر دینِ صداقت کی کوئی بات مل سکے جو کچھ ملنا تھا ہمیں مل چکا، اور خدا کے خزانۂ فیضانِ رحمت پر مہر لگ گئی!

٦٤ اے اہلِ کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا جُلا کر مشتبہ کر دیتے ہو، اور حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اصلیت کیا ہے)

٦٥ اور (دیکھو) اہلِ کتاب میں ایک گروہ ہے جو کہتا ہے (مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے) ایسا کرو، کہ صبح اُن کی کتاب پر ایمان لے آؤ، شام کو انکار کر دو۔ اس طرح عجب نہیں وہ (لوگوں کو اسلام سے پھرتے ہوئے دیکھ کر خود بھی) پھر جائیں۔

٦٦ اور (وہ آپس میں کہتے ہیں) دیکھو اُن لوگوں کے سوا جو تمھارے دین کی پیروی کرنے والے ہوں اور کسی کی بات نہ مانو (اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی بات کیوں نہ کہتا ہو) اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہہ دو، ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اور وہ کسی خاص گروہ اور نسل ہی کی میراث نہیں ہے کہ اور کسی کا اس میں حصہ نہ ہو۔ جو انسان بھی اس پہ چلے گا، ہدایت یافتہ ہوگا، خواہ کسی گروہ و نسل سے تعلق رکھتا ہو)

(اور وہ کہتے ہیں، "یہ بات بھی نہ مانو کہ جیسا کچھ دین تمھیں دیا گیا ہے، ویسا کسی دوسرے انسان کو بھی ملا ہو، یا یہ کہ تمھارے پروردگار کے حضور تمھارے خلاف کسی کی حجت چل سکتی ہو" (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو دیکھا

إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ وَمِنْ ٦٦-٦٨
أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا
دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ ٦٩
بَلٰى مَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ وَاتَّقٰى فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا ٧٠-٧١
أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

زعم باطل ہے جسمیں تم مبتلا ہوگئے ہو؟) فضل و بخشش تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، اپنے فضل و کرم سے مالا مال کر دیتا ہے، وہ بڑی ہی وسعت رکھنے والا، اور (اہل نا اہل کو) جاننے والا ہے!

وہ جس کسی کو چاہتا ہے، اپنی رحمت کے نزول کے لئے چن لیتا ہے۔ اس کا فضل بڑا ہی فضل ہے (اور اسکی بخشش کی کوئی انتہا نہیں) ٦٧

اور اہل کتاب میں کچھ آدمی تو ایسے بائیدار ہیں کہ اگر تم چاندی سونے کا پورا ڈھیر بھی اُن کی امانت میں چھوڑ دو، تو وہ تمھارے حوالہ کر دیں۔ لیکن اُن میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اگر ایک دینار کے لئے بھی اُن پر بھروسہ کرو، تو کبھی تمھیں واپس نہ دیں۔ جب تک (تقاضے کے لئے) ہمیشہ اُنکے سر کھڑے نہ رہو! ٦٨

اہل کتاب کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کہ سمجھتے تھے، لین دین میں دیانت داری کے جسقدر بھی دینی احکام ہیں وہ صرف اس لئے ہیں کہ اپنے ہم مذہب آدمیوں کے ساتھ بدمعاملگی نہ کی جائے لیکن اگر ایک آدمی دوسرے مذہب اور گروہ کا ہو، تو اُسکے ساتھ سچائی اور دیانت سے پیش آنا کچھ ضروری نہیں۔ جس طرح بھی ہم کا فردں کا مال کھالیں ہمارے لئے جائز ہے۔
لیکن قرآن کہتا ہے۔ دیانت تو ہر حال میں دیانت ہے، اور خیانت ہر حال میں خیانت ہے۔ دین و مذہب کے اختلاف سے اچھائی اور برائی کے حقائق معطل نہیں ہو جا سکتے۔ جو شخص بد دیانتی کرتا ہے، خواہ کسی اعتقاد اور کسی گروہ کے آدمی کے ساتھ کرے گناہ ہے، اور وہ قیامت کے دن خدا کی بخشش و رحمت سے محروم رہے گا۔

(ان لوگوں میں یہ بدمعاملگی) اس لئے (پیدا ہوگئی) کہ وہ کہتے ہیں اُمیوں سے معاملہ کرتے ہوئے (ہم جو کچھ بھی کریں) ہمارے لئے کوئی مواخذہ نہیں (یعنے مشرکین عرب جو ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں اُنکے ساتھ دیانت داری برتنا ضروری نہیں) لیکن (فی الحقیقت ایسا کہکر) وہ اللہ پر تہمت باندھتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ ٦٩

ہاں، (اُن سے مواخذہ ہوا اور ضرور ہو۔ کیونکہ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ) جو کوئی اپنا قول و قرار سچائی کے ساتھ پورا کرتا ہے اور (لین دین میں) متقی ہوتا ہے (خواہ کسی مذہب اور گروہ کے ساتھ ہو) تو خدا کی پسندیدگی اُنہی لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہوتے ہیں۔ ٧٠

(یاد رکھو) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ (متاع دنیا کی) ایک حقیر قیمت کے لئے اللہ کا عہد (جو اُن سے نیک عملی و دیانتداری کے لئے لیا گیا تھا) اور خود اپنی قسمیں (جو یقین دلانے کے لئے کھاتے ہیں) فروخت کر ڈالتے ہیں (اور دیانتداری کی جگہ خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں) تو یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں اُن کا کوئی حصہ ہوگا نہ تو قیامت کے دن اللہ اُن سے کلام کریگا، نہ اُن پر اسکی نظر التفات پڑے گی نہ (گناہوں کی آلودگی سے) پاک کئے جائینگے۔ بس انکے لئے عذاب ہے گا، عذاب دردناک! ٧١

٧٨ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ
٧٩ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ
يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ
٨٠ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ
٨١ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ ع ٨ / ١٢
لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ

٧٨ اور (دیکھو) اہل کتاب میں (انکے عالموں اور پیشواؤں کا) ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ پڑھتے ہوئے اس میں الٹ پھیر کرتے (اور اس کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے) ہیں تاکہ تم خیال کرو جو کچھ یہ سنا رہے ہیں کتاب اللہ میں سے ہے، حالانکہ وہ قطعاً کتاب اللہ (کے احکام) میں سے نہیں ہوتا، اور وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تمھیں بتایا گیا ہے یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جھوٹے ایل سے ہیں!

اصل یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء و مشائخ کی گمراہیوں نے تمام قوم کو روح ہدایت سے محروم کر رکھا ہے۔ ان میں عالموں اور فقیہوں کا ایک گروہ ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتا اور اس کی شرح و تفسیر بیان کرتا ہے لیکن ہوائے نفس سے اسکے معانی میں تحریف کر دیتا ہے، عوام سمجھتے ہیں یہ خدا کی کتاب کا بیان ہے، حالانکہ وہ خدا کی کتاب کا بیان نہیں ہے، ان کی اہوا و آراء کی افترا پردازیاں ہیں۔
اہل کتاب کے علماء و مشائخ نے بندگان الٰہی کو اپنا غلام سمجھ رکھا ہے، اور ہدایت کی جگہ خدائی کرنے لگے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ نیک و بد، حلال و حرام اور جنت و دوزخ کا تمام اختیار انہی کے قبضہ میں ہے حالانکہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ کے احکام کی جگہ انسان کے گڑھے ہوئے احکام کی اطاعت کرے۔ اگر اللہ نے اپنے کسی بندے کو کتاب و نبوت عطا فرمائی ہے تو اس لئے عطا فرمائی ہے کہ احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے، اس لئے نہیں کہ اپنی بندگی کرائے۔

٧٩ کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اسے (انسان کی ہدایت کے لئے) کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے، خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنے خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو) بلکہ چاہیے کہ ربانی انسان (یعنے خلق اللہ کے مرشد و مربی) ہو۔ اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو، اور اس لئے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو۔

٨٠ ایک ربانی انسان کبھی تمھیں اس بات کا حکم نہیں دیگا کہ فرشتوں یا نبیوں کو اپنا پروردگار بنا لو (اور جس طرح اپنے پروردگار کے آگے جھکتے ہو اسی طرح انکے آگے بھی جھکو) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ تمھیں کفر کرنے کا حکم دے حالانکہ تم مسلم (یعنے خدا کے تابع فرمان) ہو چکے ہو؟

٨١ اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے نبیوں کے بارے میں (بنی اسرائیل سے) عہد لیا تھا کہ دیکھو میں نے تمھیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی ہے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی (دوسرا) رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا تمھارے پاس آئے جو تمھارے ساتھ ہے تو ضروری ہے کہ تم اسے مانو اور اسکی تائید کرو (کیونکہ اصل دین ایک ہی ہے اور جتنے بھی خدا کے رسول ہیں سب اسی کی

دین حق کی اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ اللہ کے تمام نبی ایک ہی دین کے داعی تھے اور اس لئے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور جب اللہ کا دین ایک ہی ہے، اور تمام نبی ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں تو جو کوئی ان میں تفریق کرتا ہے۔ ایک کو مانتا ہے، دوسرے کو جھٹلاتا ہے وہ دراصل پورے سلسلۂ ہدایت کا منکر ہے

۱ یلوون السنتھم بالکتاب کا ترجمہ ہے۔ عربی میں لی اللسان بالکتاب کے معنی کلام کے الفاظ پھیر دینے اور اسکے معانی میں تحریف کرنے کے ہیں ... چنانچہ سورۂ نساء میں ہے لیاً بالسنتھم تحریف کلام کے معنی میں آیا ہے من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیاً بالسنتھم وطعناً فی الدین (۴: ۴۶) ۲ اس آیت میں میثاق النبیین کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ نبیوں کے بارے میں میثاق، دوسرا یہ کہ وہ میثاق جو نبیوں سے لیا گیا تھا۔ بعض مفسرین نے پہلا مطلب اختیار کیا ہے اور ان میں شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ہیں اور بعضوں نے دوسرے ...

قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ
۷۶، ۷۷ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ
۷۸ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا
أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَ
۷۹ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا

۷۵ دعوت دینے والے ہیں) ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ "کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو، اور اس کا ذمہ لیتے ہو"؟ انھوں نے عرض کیا تھا "بیشک، ہم اقرار کرتے ہیں" اس پر اللہ نے فرمایا تھا "ہاں اس پر گواہ رہو، اور دیکھو، تمھارے ساتھ خود میں بھی اس پر گواہ ہوں!"

۷۶ تو اب جو کوئی اس عہد و قرار کے بعد اس سے رُوگرداں ہو (اور اللہ کے رسول کا انکار کرے) تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں (یعنے دائرہ حق پرستی سے باہر ہوگئے ہیں)

۷۷ پھر کیا یہ لوگ چاہتے ہیں، اللہ کا دین چھوڑ کر کوئی دوسری راہ ڈھونڈھ نکالیں؟ حالانکہ آسمان و زمین میں جو کوئی بھی موجود ہے، خوشی سے ہو یا ناخوشی سے، مگر سب اُسی کے حکم کے فرماں بردار ہیں۔ اور بالآخر سب اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!

۷۸ (اے پیغمبر!) تم کہدو، (ہماری راہ تو یہ ہے کہ) ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور جو کچھ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، اور یعقوب کی اولاد پر نازل ہوا ہے، اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز جو کچھ موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور خدا کے تمام نبیوں کو خدا کی طرف سے ملا ہے، اُس سب پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں) ہم خدا کے فرماں بردار ہیں (اس کی سچائی جہاں کہیں بھی اور جس کی زبانی بھی آئی ہو، سچائی ہے، اور ہم اس کی اطاعت کرنے والے ہیں!)

اللہ کا دین اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین فطرت کی اطاعت ہے۔ اور آسمان و زمین میں جس قدر مخلوق ہے، سب قوانین الٰہی کی اطاعت کر رہی ہے۔ پھر اگر تمھیں اللہ کے قانون فطرت سے انکار ہے، تو اللہ کے قانون کے سوا کائناتِ ہستی میں اور کون سا قانون ہو سکتا ہے؟ کیا تمھیں اس راہ پر چلنے سے انکار ہے جس پر تمام کارخانۂ ہستی چل رہا ہے؟

یہی دین، نوعِ انسانی کے لئے ہدایت کی عالمگیر راہ ہے۔ لیکن لوگوں نے اسے چھوڑ کر اپنی الگ الگ گروہ بندیاں کرلیں اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو جھٹلانے لگا، قرآن اس لئے آیا ہے کہ اس گمراہی سے دنیا کو نجات دلا دے، وہ کہتا ہے، سچائی کی راہ یہ ہے کہ تمام رہنمایانِ عالم کی یکساں طور پر تصدیق کرو، اور سب کی متفقہ اور مشترکہ تعلیم کو دستور العمل بناؤ!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۶) ہے، لیکن جو حضرات چاہیں دوسرا مطلب بھی اختیار کرسکتے ہیں۔ اس صورت میں اس مقام کا ماحصل یہ ہوگا کہ اللہ نے نبیوں میں سے ہر ایک نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر کوئی دوسرا رسول اس کے عہد میں مبعوث ہو، تو اس کا فرض ہے کہ اس کی تصدیق کرے، اور اس کا ساتھ دے۔

۸۰ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ
۸۱ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَاۗؤُهُمْ
اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
۸۲-۸۳ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
۸۴ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ

۷۹ اور (دیکھو) جو کوئی اسلام کے سوا (جو تمام رہنمایانِ حق کی تصدیق و پیروی کی راہ ہے) کسی دوسرے دین کا
خواہشمند ہوگا، تو وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت کے دن اس کی جگہ اُن لوگوں میں ہوگی جو تباہ و
نامراد ہونگے!

۸۰ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ ایک ایسے گروہ پر (فلاح و
کامیابی کی) راہ کھول دے جس نے ایمان کے بعد کفر
کی راہ اختیار کرلی، حالانکہ اس نے گواہی دی تھی کہ اللہ
کا رسول برحق ہے اور (حقیقت کی) روشن دلیلیں اُسکے
سامنے واضح ہوگئی تھیں؟ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ وہ ظلم
کرنے والے گروہ پر (فلاح و سعادت کی) راہ نہیں
کھولتا!

ان لوگوں کو (اُنکے ظلم و شرارت کا) جو بدلہ ملنے
والا ہے وہ تو یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی، فرشتوں کی،
انسانوں کی، سب کی لعنت برس رہی ہے۔ اس حالت
میں ہمیشہ گرفتار رہینگے۔ نہ تو اُن کا عذاب کبھی کم ہوگا،
اور نہ کبھی مُہلت پائینگے!

ہاں، جن لوگوں نے اس حالت کے بعد بھی توبہ
کرلی، اور اپنے کو سنوار لیا، تو بلاشبہ اللہ رحمت والا
اور (اپنی رحمت بے حساب) بخشدینے والا ہے!

جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ دینِ حقیقی کی ہدایت پاکر پھر دیدہ و دانستہ
منحرف ہوگئے، اور سچائی کی کوئی دلیل اور حقیقت کی کوئی نشانی بھی انکے لئے عبرت
و بصیرت کا موجب ہوسکی، اور جو آج بھی محض ضد اور شرارت سے دعوتِ حق کا
معاندانہ مقابلہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے، کہ ایسے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی کوئی
اُمید باقی نہیں رہی ہے۔ دُنیا میں ذلت و رسوائی کی اور آخرت میں دائمی عذاب
کی راہ انھوں نے اپنے لئے پسند کرلی ہے!

جزا اور سزا قانونِ مکافات کا لازمی نتیجہ ہے۔ یعنے بُرائی ایک ایسی حالت ہے
جس کا نتیجہ بُرا ہے۔ اچھائی ایک ایسی حالت ہے جس کا نتیجہ اچھا ہے۔ پس یہ نہ
۸۱ سمجھو کہ آخرت کی سزائیں بھی دُنیا کی سزاؤں کی طرح ہیں کہ اگر ایک مجرم چاہے تو
مال و دولت خرچ کرکے بچ سکتا ہے، نہیں، خدا کی عدالت میں گناہ کا کوئی بدلہ
۸۲ اور فدیہ قبول نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے بدلے تم پورا
کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دیدو، جب بھی اسکی پاداش سے اپنے آپکو نہیں بچا سکوگے!
ہاں، توبہ و انابت کی حالت ایک ایسی حالت ہے جو تمام گناہوں کو
محو کردیتی ہے۔ بشرطیکہ سچّی توبہ ہو!

۸۳ مال و دولت بدعملیوں کے فدیہ میں مقبول نہیں، لیکن مال و دولت کا
اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ تم نیکی کی راہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے
جب تک اپنی محبوب چیزیں اللہ کی راہ میں دیدینے کے لئے طیار نہ ہوجاؤ!

۸۴ (لیکن) جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے ایمان کے بعد کفر کی راہ اختیار کی، اور اپنے کفر (کی سرکشیوں

٨٥ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ
مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○
٨٦-١٦ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ
حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ
٨٦ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اور شرارتوں) میں بڑھتے ہی گئے، تو ایسے لوگوں کی پشیمانی کبھی قبول ہونے والی نہیں (کیونکہ سچی توبہ انھیں نصیب نہیں ہوگی) اور یہی لوگ ہیں جو راہ سے بھٹک گئے ہیں!

٨٥ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہے، تو (یاد رکھو، کفر اور بدعملی کے بدلے کوئی معاوضہ اور فدیہ کام نہیں دے سکتا) اگر اُن میں سے کوئی آدمی پورا کرۂ ارضی سونے سے بھر کر دیدے جب بھی اُسکے فدیہ میں قبول نہ ہوگا (اور اُسے اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا) یہی لوگ ہیں کہ اُنکے لئے (پاداشِ عمل میں) عذاب دردناک ہے اور کوئی نہ ہوگا جو (اس عذاب سے بچانے میں) اُن کا مددگار ہو!

٨٦ (یاد رکھو) تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ (مال و دولت میں سے) جو کچھ محبوب رکھتے ہو، اُسے (راہِ حق میں) خرچ کرو، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں!

٨٧ کھانے کی تمام چیزیں (جو عام طور پر کھائی جاتی ہیں) بنی اسرائیل کے لیئے بھی حلال تھیں (اور لوگ انہیں بے تامل کھاتے تھے) ہاں وہ چیزیں جو بنی اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام ٹھیرالی تھیں حرام سمجھی گئی تھیں (مگر انہیں خدا نے حرام نہیں کر دیا تھا۔ اے پیغمبر! اگر اس بارے میں یہودی تم سے جھگڑ رہے ہیں، تو تم اُن سے) کہدو، اگر تم لوگ اپنے خیال میں سچے ہو، تو تورات لاؤ، اور اُسے کھول کر پڑھو (اُس میں کہاں لکھا ہے کہ یہ چیزیں اصلاً حرام ہیں؟)
٨٨ پھر جو کوئی اس (اعلان) کے بعد بھی (غلط بیانی

یہودیوں کی طرف سے دو اعتراض خصوصیت کے ساتھ کئے گئے تھے
(۱) اگر قرآن کی دعوت بھی وہی ہے جو پچھلے نبیوں کی دعوت تھی، تو کیوں قرآن نے بھی اُن تمام چیزوں کو حرام نہیں کر دیا جو یہودیوں کے یہاں حرام سمجھی جاتی ہیں؟
(۲) اگر قرآن کی راہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کی راہ سے مختلف نہیں ہے، تو کیوں بیت المقدس کی جگہ خانۂ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا، حالانکہ تمام انبیاء بنی اسرائیل بیت المقدس ہی کو قبلہ تسلیم کرتے رہے ہیں؟
یہاں اِن دونوں باتوں کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلے شبہ کے جواب میں کہا گیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام اچھی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے جائز تھیں، اور حضرت ابراہیم سے لیکر حضرت موسیٰ تک تمام انبیاء نے انھیں حلال سمجھا تھا۔ پھر جب تورات نازل ہوئی، تو بعض چیزوں کا استعمال روک دیا گیا۔ اس لئے نہیں کہ اصلاً حرام تھیں،

۸۹ - ۹۰ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ
لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ○ وَمَنْ دَخَلَهٗ
كَانَ اٰمِنًا ط وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ
۹۱ - ۹۲ الْعٰلَمِيْنَ ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ق وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ
۹۳ - ۹۲ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

بلکہ اس لئے کہ یہودیوں کی بے لگام طبیعتوں کی اصلاح کے لئے ضروری تھا کہ روک ٹوک میں سختی کی جائے۔ باقی رہیں وہ چیزیں جن کی نسبت تم سمجھتے ہو کہ نزول تورات سے پہلے بھی ممنوع تھیں، تو انھیں خدا کی شریعت نے ممنوع نہیں ٹھہرایا تھا۔ خود لوگوں نے اپنی طبیعت سے ترک کر دیا تھا چنانچہ تورات کے اسفار اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں۔

۹۰ دوسرے شبہ کے جواب میں کہا گیا ہے کہ خدا کی پہلی عبادت گاہ جو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کی وہ بیت المقدس نہیں بلکہ خانۂ کعبہ ہے۔

سے باز نہ آئے، اور) اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے تو (یاد رکھو) ایسے ہی لوگ ہیں جو راہِ حق سے منحرف ہو گئے ہیں!

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، اللہ نے سچائی ظاہر کر دی پس (اگر تمھارے دلوں میں کچھ بھی سچائی کا پاس ہے تو چاہئے کہ) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔ (جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں، اور) جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہنا ہے، اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

۹۰ بالشبہ، پہلا گھر جو انسان کے لئے (خدا پرستی کا معبد و مرکز) بنایا گیا ہے، وہ یہی (عبادت گاہ) ہے جو مکہ
۹۱ میں ہے۔ برکت والا، اور تمام انسانوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت۔ اس میں (دین حق کی) روشن نشانیاں ہیں
ازانجملہ مقام ابراہیم ہے (یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ، جو اس وقت سے لے کر آج تک
بغیر کسی شک و شبہ کے مشہور و معین رہی ہے اور ازانجملہ یہ بات ہے کہ) جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا، وہ
امن و حفاظت میں آگیا اور (ازانجملہ یہ کہ) اللہ کے طرف سے لوگوں کے لئے یہ بات ضروری ہو گئی کہ اگر اس
۹۲ تک پہنچنے کی استطاعت پائیں، تو اس گھر کا حج کریں۔ بایں ہمہ جو کوئی (اس حقیقت سے) انکار کرے (اور
اس مقام کی پاکی و فضیلت کا اعتراف نہ کرے) تو یاد رکھو، اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے (وہ
اپنے کاموں کے لئے کسی فرد اور قوم کا محتاج نہیں!)
۹۳ (اے پیغمبر! ان سے) کہو۔ اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ تم (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں سے انکار
کرتے ہو، حالانکہ تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کا شاہد حال ہے؟
۹۴ اے اہل کتاب! یہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ پر ایمان لانا چاہتا ہے، تم اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو اور

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَ ۹۵-۹۶
كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ ۹۷-۹۸
اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ ۹۹

اُسے کج روی میں مبتلا کرنا چاہتے ہو، حالانکہ تم حقیقتِ حال سے بے خبر نہیں ہو؟ - یاد رکھو، جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہے!

۹۵ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں پر کاربند ہوگئے، تو یاد رکھو، نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمھیں راہِ حق سے پھرا دینگے اور ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جاؤگے۔

۹۶ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کی راہ اختیار کرو، جبکہ تمھارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمھیں سنائی جارہی ہیں اور اس کا رسول (تعلیم و رہنمائی کے لئے) تم میں موجود ہے؟ اور یاد رکھو، جو کوئی مضبوطی کے ساتھ اللہ کا ہو رہا، تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی (نہ تو اسکے لئے لغزش کا ڈر ہے، نہ گم گشتگی کا اندیشہ!)

۹۷ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ سے ڈرو۔ ایسا ڈرنا جو فی الحقیقت ڈرنا ہے۔ اور دیکھو، دنیا سے نہ جاؤ، مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم ہو!

۹۸ اور دیکھو، سب مل جل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے تمھیں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ تمھارا یہ حال تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے!

۹۹ تمھارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق

اہلِ کتاب کی محرومیوں کے ذکر کے بعد پیروانِ دعوت سے خطاب، موعظت، اور بعض اصولی مہمات کی تلقین:

(۱) یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں میں بھٹکانے کے لئے دروس عبرت ہیں۔ ضروری ہے کہ انکے طور طریقوں سے اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرو۔ اگر تم نے انکی گمراہ خواہشوں کی پیروی کی، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہِ ہدایت پاکر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جاؤگے۔

(۲) ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ایمان کا اقرار کرلو، بلکہ اصلی چیز استقامت ہے!

(۳) جماعت کے تفرقہ سے بچو، اور خدا کی رسّی مضبوط پکڑ لو۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ اس نے تمھیں بھائی بھائی بنا دیا!

(۴) تم میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو داعی الی الخیر ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے، اور قوم کو راہِ حق و ہدایت پر قائم رکھے!

(۵) جماعت کے تفرقہ کی طرح دین کا اختلاف بھی مہلک ہے۔ اہلِ کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ دینِ حق کے علم اور کتاب اللہ کے حصول کے

۱۰۰ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
۱۰۱ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ
۱۰۲ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ
۱۰۳ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
۱۰۴، هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
۱۰۶ فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

ہے اور اسکے کنارے کھڑے ہو (ذرا پانوں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے) لیکن اللہ نے تمھیں اس حالت سے نکال لیا۔ (اور زندگی و کامرانی کے میدانوں میں پہنچا دیا) اللہ اس طرح اپنی کار فرمائیوں کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ تم (منزل مقصود کی) راہ پالو!

۱۰۰ اور دیکھو! ضروری ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے۔ اور بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں!

۱۰۱ اور دیکھو! اُن لوگوں کی سی چال نہ چلنا جو (خدا کے ایک ہی دین پر جمع رہنے کی جگہ) الگ الگ ہو گئے، اور باوجودیکہ (کتاب اللہ کی) روشن دلیلیں اُن کے سامنے آ چکی تھیں پھر بھی باہمدگر اختلافات میں پڑ گئے یقین کرو، یہی لوگ ہیں جن کے لئے (کامیابی کی جگہ) عذاب دردناک ہے!

۱۰۲ وہ (آنے والا) دن، کہ کتنے ہی چہرے اُس دن چمک اُٹھینگے اور کتنے ہی چہرے سیاہ پڑ جائینگے (یعنے کتنے ہی خوش نصیب ہونگے جن کے لئے کامیابی کی خوشحالی ہوگی، اور کتنے ہی بدنصیب ہونگے جن کے لئے حسرت و نامرادی کی تباہ حالی ہوگی!) سو جن لوگوں کے چہرے (حسرت و نامرادی سے) سیاہ پڑ جائینگے اُن سے اُس دن کہا جائے گا۔ تم نے ایمان کے بعد پھر انکارِ حق کی راہ اختیار کر لی تھی۔ تو جیسی کچھ تمھاری

۱۰۳ منکرانہ روش تھی، اب اسکے پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو! اور جن لوگوں کے چہرے (کامیابی کی خوشحالیوں سے) چمک رہے ہونگے، سو وہ اللہ کی رحمت کے سائے میں ہونگے۔ ہمیشہ رحمت الٰہی میں رہنے والے!

۱۰۴ (اے پیغمبر!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمھیں فی الحقیقت سنا رہے ہیں، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تمام دنیا پر ظلم کرنا چاہے۔

۱۰۵ اور یاد رکھو، آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے، اور تمام معاملا بالآخر اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں!

۱۰۶ (اے پیروانِ دعوتِ ایمانی!) تم تمام اُمتوں میں "بہتر اُمت" ہو جو لوگوں (کی ارشاد و اصلاح) کے لئے ظہور میں

بعد پھر باہمی اختلافات میں پڑ گئے، اور دین کی وحدت ضائع کر کے الگ الگ ٹولیاں بنالیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ، اور ایک دین پر جمع رہنے کی جگہ الگ الگ فرقہ بندیوں میں بٹ جاؤ!

(۶) تم تمام اُمتوں میں "بہتر اُمت" ہو جو ہدایت و ارشاد خلق کے لئے وجود میں آئی ہے۔ بہ حیثیت ایک جماعت کے تمھارا نصب العین یہ ہونا چاہئے

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ ١٠٧
الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ ١٠٨
اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ

کہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہو۔

ضمناً اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نصب العین یہ نہیں قرار دیا گیا کہ وہ طاقتور قوم بنیں یا سب سے "برتر" گروہ ہوں۔ کیونکہ طاقت اور برتری میں جماعتی گھمنڈ اور قومی حرص و آز کا لگاؤ تھا، اور یہ بات انسانیت کے امن و سلام اور مساوات و اخوت کے منافی تھی۔ پس صرف "خیر" اور "بہتر" ہونے پر زور دیا گیا جس کی تمام تر روح، اخلاقی اور معنوی محاسن پر مبنی ہے جس جماعت کا نصب العین یہ ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ اچھی اور نیک ہو، وہ کبھی مادی طاقتوں کے غرور اور قومی نخوت و برتری کے مفاسد سے آلودہ نہیں ہو سکتی

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اگر یہود و نصاریٰ سے ایمان و ہدایت کی روح مفقود نہ ہو گئی ہوتی تو وہ آج اس نعمت خیر و برکت کے مستحق ہوتے۔ لیکن اُن کی بڑی تعداد استعداد ایمانی سے محروم ہو گئی ہے۔

دعوتِ حق کی مخالفت میں سب سے زیادہ حصہ یہودیوں کا ہے، لیکن ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنی بدعملیوں اور سرکشیوں سے مغضوب الٰہی ہو چکے ہیں، اور دُنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں اپنے بل بوتے پر زندگی بسر کر رہے ہوں۔ جہاں کہیں بھی پناہ ملی ہے، ذلت و نامرادی کی پناہ ہے۔ یعنے یا تو اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے یا پھر حکمران قوموں نے محکومیت و اطاعت کے قول قرار پر زندگی کی مہلت دیدی ہے۔ چنانچہ پہلی حالت عرب میں تھی۔ دوسری روم اور ایران میں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ تم ان کی مخالفت سے پریشان خاطر ہو۔ وہ وقت دور نہیں جب عرب میں ان کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن قومی محکومیت کی حالت کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس زمانہ میں یہودی رومیوں کے ماتحت امن کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور عرب میں بھی اُن کی بڑی بڑی بستیاں تھیں، لیکن چونکہ حکومت و فرمانروائی سے محروم ہو چکے تھے، اس لئے فرمایا کہ یہ دوسروں کے رحم پر زندگی بسر کرنے والے ہیں!

آئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ پر (سچا) ایمان رکھنے والے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب (مخالفت و سرکشی کی جگہ) ایمان لاتے، تو یہ انکے لئے بہتری کی بات ہوتی، (اور ہدایت و ارشادِ عالم کا کام اُنکے ہاتھوں انجام پاتا، لیکن وہ اسکے اہل ثابت نہ ہوئے) ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھنے والے ہیں لیکن بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہے جو دائرۂ ہدایت سے یکسر باہر ہو چکے ہیں!

وہ (کتنی ہی تمھاری مخالفت کریں، لیکن) اذیت ١٠٧
پہنچانے کے سوا تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور اگر وہ تم سے لڑینگے، تو یاد رکھو، انھیں لڑائی میں پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی، اور کبھی فتحمند نہ ہونگے۔

ان لوگوں پر (یعنے یہودیوں پر) ذلت کی مار پڑی ١٠٨
جہاں کہیں بھی یہ پائے گئے۔ اِلّا یہ کہ خدا کے عہد سے یا انسانوں کے عہد سے کہیں پناہ مل گئی ہو (تو یہ بھی ذلت ہی کی پناہ ہوئی کہ دوسروں کے رحم پر زندگی بسر کر رہے ہیں) اور خدا کا غضب ان پر چھا گیا۔ محتاجی و بدحالی میں گرفتار ہو گئے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کے ناحق قتل میں

۱۰۹ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ لَيْسُوا سَوَاءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَهُمْ

۱۱۰ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ

۱۱۱ - ۱۱۲ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ؕ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

۱۱۳ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ

بے باک تھے۔ اور (بدعملی وشقاوت کی یہ حالت) اس لئے (پیدا ہوئی) کہ نافرمانی اور سرکشی کرنے لگے تھے اور (اپنی شرارتوں میں) حد سے گزر گئے تھے۔

۱۰۹ یہ بات نہیں ہے کہ تمام اہل کتاب ایک ہی طرح کے ہوں۔ اُن میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو راہِ ہدایت پر قائم ہیں۔ وہ راتوں کو اُٹھ کر خدا کی آیتیں تلاوت کرتے، اور اُسکے حضور سر بسجود رہتے ہیں

۱۱۰ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں، بُرائی سے روکتے ہیں، بھلائی کے تمام کاموں میں تیز گام ہیں۔ اور بلاشبہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو نیک کردار ہیں!

۱۱۱ سو (یاد رکھو) یہ لوگ نیک کاموں میں سے جو کچھ کرتے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ اُس کی ناقدری کی جائے (اور رائگاں جائے۔ انھیں اپنی نیک عملی کا نیک اجر ضرور ملے گا) اور جو لوگ متقی ہیں (وہ خواہ کسی گروہ اور کسی گوشہ میں ہوں) اللہ اُنکے حال سے بے خبر نہیں ہے!

اور یہ جو یہود اور نصاریٰ کی بدعملیوں اور محرومیوں پر بار بار زور دیا گیا تو اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اُن میں کوئی آدمی بھی راست باز نہیں، نہیں سب کا حال یکساں نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ اُن میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایمان و عمل کی راہ میں اُستوار ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ بُرائی سے روکتے ہیں، اور عبادت الٰہی میں سرگرم رہتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، غالب تعداد انہی لوگوں کی ہے جو ایمان و عمل کی روح یک قلم کھو چکے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کبھی کسی جماعت کی نسبت رائے قائم کی جائے گی، تو اکثریت کی حالت دیکھی جائے گی۔ نہ کہ خال خال افراد کی۔

ہاں، اہلِ کتاب میں جو لوگ ایمان و عمل کی سچائی رکھتے ہیں، ضروری ہے کہ اپنی نیک عملی کا نیک اجر پائیں۔ خدا کا قانونِ مکافات کسی خاص گروہ اور نسل ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ جو انسان بھی راست باز اور نیک کردار ہوگا، خدا کے حضور اپنا اجر پائے گا

۱۱۲ لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور ایمان و عمل کی راستی سے محروم ہو گئے) تو (وہ کسی حال میں بھی، پاداشِ عمل سے نہیں بچ سکتے) نہ تو مال و دولت کی طاقت انھیں خدا کے عذاب سے بچا سکے گی نہ آل اولاد کی کثرت ہی کچھ کام آئے گی۔ وہ دوزخی ہیں۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!

۱۱۳ دُنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں، اُس کی مثال ایسی ہے جیسے اُس ہوا کا چلنا جس کے ساتھ پالا ہو (فرض کرو) ایک گروہ نے اپنے اوپر ہر طرح کی محنت و مشقت برداشت کر کے ایک کھیت طیار کیا ہو

۱۱۴ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً
مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ط وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ صلے
۱۱۵ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ○ هَا أَنتُمْ
أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا صلے
وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ○ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ط

لیکن پالا پڑے، اور پورا کھیت برباد ہو کر رہجائے۔ (اور اُسکی ساری محنت مشقت اکارت جائے) سو یہی حال ایسے لوگوں کا ہے۔ یہ کتنا ہی مال و متاع لٹائیں لیکن کچھ سود مند نہ ہوگا۔ اُس ہوا کی طرح جس کے ساتھ ہلاکت کا پالا ہو، انکے اعمال میں بھی کفر و بد عملی کا روگ لگا ہوا ہے۔ ایسی ہوا جتنی زیادہ چلے گی، اُتنا ہی زیادہ بربادی کا باعث ہوگی) اور یاد رکھو، یہ جو کچھ انھیں پیش آیا تو اس لئے نہیں کہ خدا نے ان پر ظلم کیا ہو، بلکہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں!

۱۱۴ اے پیروان دعوت ایمانی! ایسا نہ کرو کہ اپنے آدمیوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہمراز و معتمد بناؤ۔ ان لوگوں کا (یعنے دشمنوں کا) حال یہ ہے کہ تمھارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنے والے نہیں۔ جس بات سے تمھیں نقصان پہنچے، وہی انھیں پسندیدہ ہے۔ اُن کی دشمنی تو اُن کی باتوں ہی سے ظاہر ہے، لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو، تو ہم نے (فہم و بصیرت کی) نشانیاں تم پر واضح کر دیں!

(۷) اور چونکہ اہل کتاب بھی قریش مکہ کی طرح تمھاری مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے ہیں اس لئے ضروری ہوا کہ تم بھی اُن سے چوکنے ہو جاؤ، اور انھیں اپنا ہمراز و معتمد نہ بناؤ۔ اُن کی دشمنی تو اُن کی باتوں ہی سے ٹپک رہی ہے، لیکن دلوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہے، وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

۱۱۵ دیکھو، تمھارا حال تو یہ ہے کہ تم اُن سے دوستی رکھتے ہو، لیکن اُن کا حال یہ ہے کہ وہ تمھیں (ایک لمحہ کے لئے بھی) دوست نہیں رکھتے۔ تم اللہ کی کتاب پر ایمان رکھنے والے ہو جتنی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں (اس لئے قدرتی طور پر اُن کی کتاب کے لئے بھی تمھارے دل میں عزت ہے، لیکن اُن کا حال دوسرا ہے) وہ جب کبھی تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان والے ہیں لیکن جب اکیلے میں ہوتے ہیں تو تمھارے خلاف، جوش غضب میں اپنی بوٹیاں نوچنے لگتے ہیں۔ (غور کرو، ایسے لوگوں کو اپنا ہمراز بنانا اور قوم کے بھیدوں اور تدبیروں سے آگاہ کر دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اے پیغمبر! تم ان اعدائے حق سے جو جوش غضب میں اپنی بوٹیاں نوچ رہے ہیں) کہدو، اتنا ہی نہیں بلکہ جوش غضب میں اپنے آپ کو ہلاک

اگر تمھارے اندر صبر اور تقویٰ کی روح پیدا ہو گئی، تو پھر ممکن نہیں تمھارے مخالف تم پر فتحمند ہو سکیں، یا اُنکی مخالفانہ تدبیریں تمھارا کچھ بگاڑ سکیں۔

۱۱۶ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِن تُصِبْكُمْ
سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللّٰهَ
۱۱۷ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَ
۱۱۸ اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ
۱۱۹ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

کر ڈالو (لیکن جو کچھ ہونے والا ہے، وہ تو ہو ہی کر رہیگا۔ تمھارے بغض و عناد سے کلمۂ حق کی شوکت و کامرانی رُکنے
والی نہیں) اور یاد رکھو، خدا وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے سینوں میں پوشیدہ ہوتا ہے!
۱۱۶ اگر تمھارے لئے کوئی بھلائی کی بات ہو جائے، تو انھیں بُرا لگے۔ بُرائی ہو جائے تو بڑے ہی خوش ہوں۔
(چنانچہ وہ تمھیں نقصان پہنچانے کی تدبیروں میں برابر لگے رہتے ہیں) لیکن یاد رکھو، اگر تم نے صبر کیا (یعنے مصائب
و مشکلات میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کی راہ اختیار کی (یعنے احکام حق کی نافرمانی سے پوری طرح بچتے رہے) تو
اُن کا مکر و فریب تمھارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا، جیسے کچھ بھی انکے کرتوت ہیں، خدا کی قدرت اُنھیں گھیرے ہوئے ہے!
۱۱۷ اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو، جب تم صبح سویرے
اپنے گھر سے نکلے تھے، اور (اُحد کے میدان میں) لڑائی
کے لئے مسلمانوں کو جا بجا مورچوں پر بٹھا رہے تھے، اور اللہ
سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے!
۱۱۸ پھر جب ایسا ہوا تھا کہ تم میں سے (یعنے مسلمانوں
میں سے) دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہمت ہار دیں
(اور واپس لوٹ چلیں) حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا، اور
جو ایمان رکھنے والے ہیں، انھیں تو چاہئے کہ (ہر حال میں)
اللہ پر بھروسہ رکھیں!
۱۱۹ اور دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بدر کے میدان
جنگ میں تمھیں فتحمند کیا تھا، حالانکہ تم بڑی ہی گری ہوئی
حالت میں تھے (اور تمھاری کامیابی کا کوئی وہم و گمان
بھی نہیں کر سکتا تھا) پس اللہ سے ڈرو (اور اسکی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم میں اسکی نعمتوں کی قدر شناسی پیدا ہو جائے!

جنگ بدر اور اُحد کے تجارب سے استشہاد، جنکے نتائج نے ثابت کر دیا
کہ صبر اور تقویٰ کے بغیر کبھی نصرت و کامرانی حاصل نہیں ہو سکتی۔
صبر سے مقصود یہ ہے کہ مشکلات و مصائب کا ہمت اور ثابت قدمی کے
ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ احکام حق کی نافرمانی ترک کی جائے۔
جنگ بدر کے موقعہ پر یہ دونوں قوتیں تم میں موجود تھیں اس لئے تمھاری مٹھی
بھر تعداد نے دشمن کی بہت بڑی تعداد کو شکست دیدی۔ لیکن اُحد کے میدان
میں تم نے کمزوری دکھلائی، صبر و تقویٰ کی آزمائش میں پورے نہ اُترے نتیجہ
یہ نکلا کہ نقصان اُٹھایا اور دشمن کو شکست نہ دے سکے۔
اس سلسلہ میں متعدد اصولی مہمات واضح کی گئی ہیں:۔
(۱) جنگ اُحد کے موقع پر کثرت رائے سے یہ بات قرار پا گئی تھی کہ شہر سے
نکلکر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ مسلمان نکلے لیکن منافقوں نے لوگوں کو
بھڑکانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو قبیلے بد دل ہو گئے۔ اس طرح ابتدا ہی سے صبر
اور تقویٰ کی روح کمزور پڑ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ وہی ہونا تھا جو بالآخر پیش آیا۔

۱۲۰-۱۲۱ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِن
۱۲۲ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ
اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ
۱۲۳ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ
۱۲۴ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ

۱۲۰ (اے پیغمبر!) وہ وقت (بھی) یاد کرو جب تم (میدانِ جنگ میں) ایمان والوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ "کیا
تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ (دشمن کے تین ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں) تین ہزار نازل کئے ہوئے فرشتوں
سے تمہاری مدد فرمائے؟"

۱۲۱ ہاں، بلاشبہ، اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو، اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا
پروردگار (صرف تین ہزار فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ) پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا
(اور ان کی کثرت و طاقت تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی!)

۱۲۲ اور یاد رکھو، یہ بات جو کہی گئی، تو صرف اسلئے کہ تمہارے لئے (فتحمندی کی) خوشخبری ہو اور تمہارے دل اسکی
وجہ سے مطمئن ہو جائیں، اور مدد و نصرت جو کچھ بھی ہے، اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اُسکی طاقت سب پر غالب ہے
اور وہ اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے!

اور نیز اس لئے، تاکہ منکرین حق کی جمعیت و طاقت کا ایک حصہ بیکار کر دے، یا انھیں اس درجہ ذلیل و خوار
کر دے کہ نامراد ہو کر الٹے پاؤں پھر جائیں!

۱۲۳ (اے پیغمبر!) اس معاملہ میں (یعنی دشمنانِ حق کے بخشے
جانے یا نہ بخشے جانے میں) تمہیں کوئی دخل نہیں (تمہارا
کام یہ ہے کہ لوگوں کو راہِ حق کی دعوت دو، اور کسی حال
میں بھی ان کی طرف سے مایوس نہ ہو) یہ اللہ کے ہاتھ ہے
کہ چاہے تو ان سے درگزرے (یعنی اگر وہ توبہ کریں تو انکی
توبہ قبول کرلے) اور چاہے تو انھیں عذاب دے کیونکہ یقیناً
وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

(۲) ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ ظلم و کفر کرنے والوں کی بدعملیاں
کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوں، لیکن ہادی و مصلح کو ان کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے
اور رحمت و بخشش کی طلب کے سوا کوئی اور جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے بخشنا یا
نہ بخشنا خدا کا کام ہے، اسی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔
جنگِ احد میں خود پیغمبر اسلام پر دشمنوں نے پے درپے حملے کئے اور انھیں زخمی
کر ڈالنا چاہا۔ تاہم خدا نے پسند نہیں کیا کہ دشمنوں کی ہدایت و بخشش کی طلب کے سوا
کوئی جذبہ آپکے قلب مطہر میں پیدا ہو (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۲۴ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جسے چاہے بخشدے جسے چاہے عذاب دے (کوئی نہیں

۱۲۵-۱۲۶ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۝ وَّاتَّقُوا
۱۲۷ النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا
اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
۱۲۸ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ
عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جو اُس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو یا انسان کی مغفرت و تعذیب میں دخل رکھتا ہو) اور (یاد رکھو) وہ بخشنے والا اور بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے (پس کسی حال میں بھی اُسکی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے)

۱۲۵ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! سُود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو جو (قرض کی اصلی رقم میں ملکر) دوگنی چوگنی ہوجاتی ہے۔ اللہ سے ڈرو (اور اُس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا!

۱۲۶ اور دیکھو، اُس آگ کے عذاب سے ڈرو جو منکروں کے لئے طیار کی گئی ہے، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، تاکہ رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوجاؤ!

۱۲۷ اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف تیز گام ہوجاؤ نیز اُس جنت کی طرف جس کی وسعت کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان و زمین کی چوڑائی ایک طرف، اور تنہا اُسکی وسعت ایک طرف، اور جو متقی انسانوں کے لئے طیار کی گئی ہے!

۱۲۸ وہ متقی انسان جنکے اوصاف یہ ہیں کہ خوشحالی ہو یا تنگدستی، لیکن ہر حال میں (حسبِ توفیق اپنا) مال خرچ کرتے ہیں، غیظ و غضب میں آکر بے قابو نہیں ہوجاتے، اور لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں۔ (وہ نیک کردار ہیں) اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے!

(۳۴) اے پیروانِ دعوتِ حق! جو ٹھوکر تمھیں جنگِ اُحد میں لگی ہے، اگر چاہتے ہو کہ اُس سے عبرت پکڑو، تو چاہیے کہ اُن آلودگیوں سے پاک صاف ہوجاؤ جو تمھارے دلوں میں کمزوری کا روگ پیدا کرنے والی ہیں۔ از انجملہ مالُ و دولت کی حرص ہو۔ جبتک یہ روگ دلوں میں موجود ہے، جانفروشی کی سچی روح پیدا نہیں ہوسکتی۔

پیغمبرِ اسلام (صلعم) نے ایک خاص گھاٹی پر جو نقشۂ جنگ میں بڑی اہمیت رکھتی تھی، ایک جماعت متعین کردی تھی، اور کہدیا تھا کہ اس جگہ سے نہ ہلیں لیکن جب مسلمانوں کے حملے سے مقابلے میں دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، تو یہ جماعت (بجز دس بیس کے) مالِ غنیمت لوٹنے کی طمع میں بے قابو ہوگئی، اور مورچہ چھوڑکر لوٹ مار شروع کردی۔ دشمنوں نے جب یہ حال دیکھا تو فوراً پلٹ پڑے، اور پیچھے سے حملہ کردیا۔ یہی حادثہ ہے جسنے مسلمانوں کی فتح شکست سے بدل دی تھی۔

چونکہ مورچہ چھوڑنے والوں کی لغزش کا اصلی سبب مالُ و دولت کی طمع تھی اور مالُ و دولت کی طمع کا ایک بڑا آلہ سُود کا لین دین تھا۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ یہاں اُس کا ذکر کیا گیا۔ سُود در سُود کی وجہ سے بڑی بڑی رقمیں قرضداروں کے سر چڑھ گئی تھیں۔ قدرتی طور پر اُن کا چھوڑ دینا لوگوں پر شاق گزرتا تھا۔ پس حکم ہی ہوا کہ تمھارے دلوں کے تزکیہ کے لئے آج اس سے بڑی آزمائش یہ ہوگی کہ سُود کی وجہ سے کتنی ہی رقم قرضداروں پر کیوں نہ چڑھ گئی ہو، لیکن اُس سے باز آجاؤ۔

علاوہ بریں جنگِ اُحد کی شکست کا اصلی سبب یہی تھا کہ نظم و اطاعت جیسے ڈسپلن کی روح پوری طرح پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ سب کی ایسی بات پر زور دیا جائے جس کی فوری تعمیل پر اطاعت و فرمانبرداری کی پوری پوری آزمائش ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ یہ آزمائش سُود لینے کی ممانعت سے زیادہ اور کسی بات میں نہیں ہوسکتی تھی۔ سُود کی حرمت سے واضح ہوا کہ ایک ایسی بات جسے سُودخور تجارتی لین دین کی طرح اپنا جائز حق سمجھتے تھے، اور اُنکی مالُ و دولت کی افزائش کا سب سے

۱۲۹ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪
۱۳۰ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ
۱۳۱ الْعٰمِلِيْنَ ۝ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
۱۳۲-۳۳ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ

۱۲۹ نیز وہ لوگ، کہ جب کبھی ان سے کوئی سخت بُرائی کی بات ہو جاتی ہے، یا اپنی جانوں کو (آلودۂ معصیت ہوکر) مصیبت میں ڈال دیتے ہیں، تو فوراً اللہ کی یاد اُن میں بیدار ہو جاتی ہے (اور اپنے ضمیر کی ملامت محسوس کرنے لگتے ہیں) پس وہ خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں، اور جو کچھ ہو چکا ہے، اُس پر دیدہ دانستہ اصرار نہیں کرتے، اور خدا کے سوا کون ہے جو گناہوں کا بخشنے والا ہو؟

بڑا ذریعہ تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فرمایا "واطیعوا اللہ والرسول لعلکم تفلحون"۔
ضمناً متقی انسانوں کے اوصاف کا ذکر کیا۔
(الف) خوشحالی ہو یا تنگ دستی، ہر حال میں خدا کا دیا ہوا مال اُسکی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔
(ب) غیظ و غضب میں بے قابو نہیں ہو جاتے۔
(ج) لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں۔
(د) اگر گناہ میں پڑ جائیں، تو فوراً متنبہ ہوتے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کا سر جُھکا دیتے ہیں!

۱۳۰ بلاشبہ یہی لوگ ہیں کہ اُنکے پروردگار کی طرف سے اُنکے لئے عفو و بخشش کا اجر ہے، اور (نعیم ابدی کے) باغ ہیں۔ ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہینگے۔ اور دیکھو کیا ہی اچھا بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کے حصّہ میں آئے گا!

اور دیکھو، تم سے پہلے بھی دُنیا میں (قوموں کی حیات و ممات اور عروج و زوال کے) دستور و قوانین رہ چکے ہیں (اور وہ تمھارے لئے معطل نہیں ہو جائینگے) پس دنیا کی سیر کرو اور دیکھو کہ جو لوگ احکام حق کو جھٹلانے والے تھے، اُن کا انجام کیا ہوا اور پاداش عمل میں کیسے نتائج پیش آئے؟

۱۳۲ یہ لوگوں (کی فہم و بصیرت) کے لئے ایک بیان ہے اور اُن لوگوں کے لئے جو متقی ہیں ہدایت اور موعظت ہے۔

۱۳۳ اور دیکھو، نہ تو ہمت ہارو، نہ غمگین ہو، تم ہی سب سے

(۴) اور یاد رکھو، یہ جو کچھ تمھیں پیش آرہا ہے، تو صرف تمھارے ہی لئے نہیں ہوا ہے، بلکہ ہمیشہ قانون الٰہی کی ایسی ہی کارفرمائیاں رہ چکی ہیں۔ جو جماعت احکام حق پر عمل کرتی ہے، کامیاب ہوتی ہے۔ جو اعراض کرتی ہے، تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ دُنیا میں نکلو اور خدا کی زمین کی سیر کرو۔ اُسکے ہر گوشہ میں تم دیکھو گے کہ برباد شدہ قوموں کے آثار، اُجڑی ہوئی آبادیوں کے کھنڈر، اور سر بفلک محلوں کی اُفتادہ دیواریں زبانِ حال سے اپنا افسانہ عبرت سنا رہی ہیں!
(۵) تمھیں جنگ اُحد میں جو ٹھوکر لگی ہے، تو چاہیے کہ اُس سے عبرت پکڑو، اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی نگہداشت کرو۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اُسکی کوفت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ آئندہ کے لئے ہمت ہار بیٹھو۔ یہ جنگ کا میدان ہے۔ کبھی ایک فریق جیتا ہے، کبھی دوسرے کی باری آتی ہے۔ بدر میں تمھاری چوٹ اُن پر لگی تھی۔ اُحد میں اُن کی تم پر لگ گئی۔ لیکن جماعتوں کی کشمکش کی تاریخ میں ایک دو میدانوں کی ہار جیت کیا اہمیت رکھتی ہے؟ اصلی چیز جو سوچنے کی ہے وہ

١٣٤ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ
وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
١٣٥ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ
١٣٦ الْكَافِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا
مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝

تمھارے دلوں کی ایمانی قوت ہے۔ اگر تمھارے اندر ایمان کی سچّی روح موجود ہے تو پھر دنیا میں رفعت و سربلندی صرف تمھارے ہی لئے ہے!

١٣٤ علاوہ بریں یہ حادثہ اگرچہ بظاہر شکست ہے لیکن بباطن چند در چند مصالح و حکم رکھتا ہے۔ از انجملہ یہ کہ کھرے کھوٹے کی آزمائش ہوگئی، اور جو منافق اور کچے دل کے آدمی اسلامی جمعیت میں ملے ہوئے تھے، انکے چہرے بے نقاب ہوگئے۔ از انجملہ یہ کہ لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہوگیا۔ تجربہ اور مشاہدہ کے بعد انکے قدم زیادہ محتاط ہوجائینگے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں کمزوریاں پیدا ہوگئی تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے بالکل دور ہوگئیں، اور انکا عزم و ایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہوگیا۔

برتر و اعلیٰ ہو، بشرطیکہ تم سچّے مومن ہو!

اگر تم نے (اُحد کی لڑائی میں) زخم کھایا ہے تو دشمنوں کو بھی تو ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں؟ (پھر تم اس حادثہ پر غمگین اور ملول کیوں ہو؟) دراصل یہ (ہار جیت کے) اوقات ہیں جنھیں ہم انسانوں میں اِدھر اُدھر پھیرتے رہتے ہیں (کبھی ایک گروہ کے حق میں میدانِ جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے کبھی دوسرے کے حق میں۔ پس یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے تم بہت ہار بیٹھو) اور علاوہ بریں (یہ حادثہ مصلحتوں سے بھی خالی نہ تھا) یہ اس لئے تھا تاکہ اس بات کی آزمائش ہوجائے، کون سچّا ایمان رکھنے والا ہے، کون نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ تم میں سے ایک گروہ کو (ایام و وقائع کے نتیجوں اور عبرتوں کا) شاہد حال بنا دے (اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ احکام حق کی نافرمانی سے کیسے کچھ نتائج پیش آسکتے ہیں) اور (یہ ظاہر ہے کہ) اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

١٣٥ نیز اس حادثہ میں یہ مصلحت بھی تھی کہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اُنھیں (اس حادثہ کے تجربہ و تصفیہ کے ذریعہ تمام کمزوریوں اور لغزشوں سے) پاک کردے، اور جو منکرین حق ہیں اُنھیں (اہلِ ایمان کی مزید قوت و استعداد کے ذریعہ) یک قلم نیست و نابود کردے!

(٦) صرف ایمان کا اقرار کرلینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں حاصل نہیں ہوجاتیں۔ انکی شرط کامیابی یہ ہے کہ آزمائش عمل میں ثابت قدمی دکھلائی جا۔

١٣٦ (اے پیروانِ دعوتِ حق!) کیا تم سمجھتے ہو (محض ایمان کا دعوا کرکے) جنت میں داخل ہوجاؤگے (اور ایمان و عمل کی آزمائشوں سے تمھیں گزرنا نہیں پڑیگا؟) حالانکہ ابھی تو وہ موقعہ پیش ہی نہیں آیا کہ اللہ تمھیں آزمائش میں ڈال کر ظاہر کر دیتا، کون لوگ راہ حق میں پوری پوری کوشش کرنے والے ہیں، اور کتنے ہیں جو مشکلات و شدائد میں ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ اور دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ

١٣٧ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ
١٣٨ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○
١٣٩ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا
نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ○

١٣٧ جب تک موت کا سامنا نہیں ہوا تھا، تم راہ حق میں مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے، (اور مصر تھے کہ مدینہ سے باہر نکلکر دشمنوں کا مقابلہ کریں) لیکن پھر ایسا ہوا کہ موت تمھاری آنکھوں کے سامنے آگئی، اور تم کھڑے تک رہے تھے!

١٣٨ اور محمدؐ اسکے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اُن سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے، اور راہ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پائیں (اور بہرحال انھیں ایک دن وفات پانا ہے) یا (فرض کرو) ایسا ہو کہ قتل ہو جائیں، تو کیا تم اُلٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے (اور اُنکے مرنے کے ساتھ ہی تمھاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی؟) اور جو کوئی راہ حق سے اُلٹے پاؤں پھر جائے گا، تو وہ (اپنا ہی نقصان کریگا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور جو لوگ شکر گزار ہیں (یعنے نعمت حق کی قدردانی کرنے والے ہیں) تو قریب ہے کہ خدا انھیں انکا اجر عطا فرمائے!

١٣٩ اور یاد رکھو، خدا کے حکم بغیر کوئی جان مر نہیں سکتی۔
ہر جان کے لئے ایک خاص وقت ٹھہرا دیا گیا ہے۔ (پھر موت کے ڈر سے کیوں تمھارے قدم پیچھے ہٹیں؟) اور جو کوئی دنیا کے فائدہ پر نظر رکھتا ہے ہم اسے دنیا میں سے دینگے، اور جو کوئی آخرت کے ثواب پر نظر رکھتا ہے، اُسے آخرت کا ثواب ملے گا، اور ہم (نعمت حق کے) شکر گزاروں کو اُن کی نیک عملی کا اجر ضرور دیں گے۔

(۷) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ بنائے کار اصول اور عقائد ہیں نہ کہ شخصیت اور افراد۔ کوئی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لیکن اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ کسی اصل اور سچائی کی راہ دکھانے والی ہو۔ پس اگر کسی وجہ سے شخصیت ہم میں موجود نہ ہے، یا درمیان سے ہٹ جائے، تو ہم سچائی کی راہ سے کیوں منہ موڑلیں یا ادائے فرض میں کیوں کوتاہی کریں؟ سچائی کی وجہ سے شخصیت قبول کیجاتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ شخصیت کی وجہ سے سچائی، سچائی ہو گئی ہو۔ جنگ اُحد میں کسی مخالف نے یہ بات پکار دی تھی کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) مارے گئے۔ یہ سنکر بہت سے مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ بعضوں نے کہا، جب پیغمبر نہ رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ کچھ لوگ جو منافق تھے اُنھوں نے علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ جنگ میں مارے جاتے۔ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ خدا کے پیغمبر ہیں، اور ظاہر ہے کہ انھیں بھی ایک دن دنیا سے جانا ہے، جس طرح تمام پچھلے رسول دنیا سے گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ دنیا سے گزر گئے، تو تم حق پرستی کی راہ سے پھر جاؤ گے، اور تمھاری حق پرستی، حق کے لئے نہیں بلکہ محض ایک خاص شخصیت کے لئے تھی؟ فرض کرو، جنگ اُحد والی بات صحیح ہوتی، تو پھر کیا ان کی موت کے ساتھ تمھاری خدا پرستی پر بھی موت طاری ہو جاتی؟ اگر تم حق کے لئے لڑ رہے تھے، تو جس طرح وہ ان کی زندگی میں حق تھا، اسی طرح انکے بعد بھی حق ہے اور ہمیشہ حق رہیگا!

۱۴۰ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
۱۴۱ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ
اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
۱۴۲ الْمُحْسِنِيْنَ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

۱۸ ع ۹

۱۴۰ اور دیکھو، کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے باخدا لوگوں نے (راہِ حق میں) جنگ کی لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن سختیوں کی وجہ سے جو انھیں خدا کی راہ میں پیش آئی ہوں، بے ہمت ہو گئے ہوں، اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں، یا (اُن کی عزتِ نفس نے یہ بات گوارا کرلی ہو کہ ظالموں کے سامنے) عجز و بے چارگی کا اظہار کریں (بے ہمتی، کمزوری، اور حریف کے سامنے اعترافِ عجز، وہ باتیں ہیں جن سے باخدا آدمی کا دل کبھی آشنا نہیں ہو سکتا) اور اللہ انھی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو مشکلات و مصائب میں ثابت قدم رہنے ہیں!

(۸) سچا مومن اور باخدا آدمی وہ ہے جو شدائد و محن میں نہ تو بے ہمت ہو، نہ کمزور پڑے، اور نہ کسی حال میں بھی ظالموں کے آگے عجز و بے چارگی کا اظہار گوارا کرے۔ قرآن کہتا ہے "وہن" "ضعف"، اور "استکانتہ للخصم" اس میں نہیں ہو سکتی۔ "وہن" یہ ہے کہ بے ہمت ہو کر بیٹھ رہے۔ "ضعف" یہ ہے کہ میدان میں نکلے مگر کمزوری دکھائے۔ "استکانتہ للخصم" یہ ہے کہ لاچار ہو کر حریف کے آگے گڑگڑانے لگے۔

۱۴۱ اور (پھر سختیوں اور مصیبتوں کا کتنا ہی ہجوم کیوں نہ ہو، لیکن) اُنکی زبانوں سے اسکے سوا کچھ نہ نکلتا تھا کہ "خدایا! ہمارے گناہ بخشدے، ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتیاں ہو گئی ہوں، اُن سے درگزر فرما، ہمارے قدم راہِ حق میں جمادے، اور منکرینِ حق کے گروہ پر ہمیں فتحمند کر!" (جب اُنکے ایمان و عمل کا یہ حال تھا) تو خدا نے بھی انھیں دونوں جہان میں اجر عطا فرمایا۔ دنیا کا بھی ثواب دیا (کہ فتح و کامرانی اُنکے حصہ میں آئی) اور آخرت کا بھی بہتر ثواب دیا (کہ نعیم ابدی کے مستحق ہوئے) اور اللہ تو اُنھی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں!

۱۴۲ اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اگر تم اُن لوگوں کے کہنے میں آگئے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (اور جو تمھیں دشمنوں کی کثرت و طاقت سے ڈراتے اور جنگ سے باز رہنے کی نصیحتیں کرتے ہیں) تو یاد رکھو، وہ تمھیں راہِ حق سے اُلٹے پاؤں پھرا دینگے، اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ (فلاح و سعادت کی راہ چلکر پھر) تباہی و نامرادی میں

(۹) اعدائے حق اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر تمھیں ایسی راہ لگانا چاہتے ہیں کہ راہِ حق سے بے دل ہو جاؤ۔ وہ تمھیں دشمنوں کی کثرت و طاقت کے افسانے سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں، لیکن اگر تم راہِ حق میں ثابت قدم رہے، اور انسانی طاقتوں کی جگہ اللہ کی کارسازی و رفاقت پر بھروسہ رکھا، تو وہ وقت دور نہیں جب تمھاری ہیبت سے اُنکے دل کانپ اُٹھیں گے!

(۱۰) اس اصلِ عظیم کی طرف اشارہ، کہ جن لوگوں کے سامنے اعتقاد و ہدایت کی کوئی روشن و ثابت حقیقت نہیں ہوتی، اور خدا کو چھوڑ کر اعتماد و پرستش کے بہت سے ٹھکانے بنا لیتے ہیں، اُنکے اندر عزم و یقین کی وہ روح نہیں ہو سکتی جو

۱۴۳-۱۴۴ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ○ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ
۱۴۵ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ
عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ

جا گروگے (یہ دشمنانِ حق تمھارے کارساز و رفیق نہیں ہوسکتے)
۱۴۳ تمھارا کارساز و رفیق تو اللہ ہے (پس اسی پر بھروسہ رکھو)
اور مدد کرنے والوں میں اس سے بہتر مددگار کون ہوسکتا ہے؟
۱۴۴ وہ وقت دور نہیں کہ ہم منکرین حق کے دلوں میں
تمھاری ہیبت بٹھا دینگے۔ اور یہ اس لئے ہوگا کہ انھوں
نے خدا کے ساتھ ان ہستیوں کو بھی (خدائی میں) شریک
ٹھہرالیا ہے جن کے لئے اس نے کوئی سند نازل نہیں
کی (لیس نہ تو انکے اندر خداپرستی کی سچی روح ہے، نہ کوئی ایسا عقیدہ ہے جسکے لئے برہان و دلیل کی روشنی موجود ہو،
اور اس لئے ممکن نہیں کہ وہ ان لوگوں کو جنکے دل ایمان و یقین کی روح سے معمور ہیں، اپنی طاقت و شوکت سے
مرعوب کرسکیں) ان لوگوں کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہے، اور جو ظالم ہیں تو ان کا ٹھکانا کیا ہی برا ٹھکانا ہے!

اہل حق و ایمان کے لئے مخصوص ہے۔ وہ جب کبھی کسی ایسی جماعت کے مقابلہ میں
نکلیں گے جو ایمان و یقین کی روح سے معمور ہوگی، تو خواہ کتنی ہی طاقت و شوکت
رکھتے ہوں لیکن کبھی اسے مرعوب نہیں کرسکینگے۔

نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جو جماعت پیدا ہوگئی تھی، اس کے
مقابلہ میں مشرکین عرب کا یہی حال تھا۔ وہ تعداد میں کثیر اور سروساماں میں
طاقتور تھے مگر ایمان و یقین کی روح سے محروم تھے۔ مسلمان تعداد میں قلیل اور
سروساماں سے محروم تھے مگر ایمان و یقین کی روح سے معمور تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ
قلت کی ہیبت سے کثرت کے دل کانپ اٹھے، اور مٹھی بھر انسانوں نے
عرب کی پوری آبادی کو شکست دیدی!

۱۴۵ اور دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اپنا وعدہ نصرت
سچا کر دکھایا تھا جبکہ تم اس کے حکم سے دشمنوں کو بے
دریغ تہ تیغ کررہے تھے (اور ہر طرح جیت تمھاری ہی
تھی) لیکن جب ہم نے تمھیں فتحمندی کا جلوہ دکھلا دیا
جو تمھیں اسقدر محبوب ہے، تو تم نے کمزوری دکھلائی، اور
جنگ کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے (ایک گروہ
نے کہا اب مورچہ پر ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے
نے کہا، نہیں ہم تو آخر تک یہیں جمے رہینگے) اور (بالآخر
اپنے قائد کے حکم سے کہ اللہ کا رسول تھا) نافرمانی کر بیٹھے۔

(۱۱) منافق تمھیں جنگ احد کی شکست یاد دلا کر ڈرا رہے ہیں کہ آیندہ دشمنوں
کے مقابلہ کی جرأت نہ کرو، لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ احد کے میدان میں جو کچھ
پیش آیا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ خدا کا وعدہ نصرت اس موقعہ پر بھی پورا
ہوا تھا، اور دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن جب تم نے عین حالت جنگ
میں حکم رسول کی نافرمانی کی، اور ایک گروہ مال غنیمت لوٹنے کی طمع میں مورچہ
چھوڑ کر تتر بتر ہوگیا، تو میدان جنگ کی ہوا پلٹ گئی، اور فتح ہوتے ہوتے
شکست ہوگئی۔ پس یہ جو کچھ ہوا، دشمنوں کی طاقت و کثرت سے نہیں ہوا جس سے
منافق تمھیں ڈرا رہے ہیں، بلکہ تمھاری نافرمانی اور بے ہمتی سے ہوا۔
اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ دشمنوں کی طاقت و کثرت سے مرعوب ہو۔ بلکہ یہ
ہونا چاہئے کہ اپنے اندر صبر اور تقویٰ کی سچی روح پیدا کرو!

١٥٢ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ
١٥٣ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ
يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
١٥٤ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً
مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ

١٥٢ تم میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو دنیا کے خواہشمند تھے۔ (یعنے مال غنیمت کے پیچھے پڑ گئے) کچھ ایسے تھے جن کی نظر آخرت پر تھی (یعنے مال غنیمت سے بے پروا ہوکر اپنی جگہ جمے رہے اور شہید ہوئے) پھر ہم نے تمھارا رخ دشمنوں کی طرف سے پھرا دیا تاکہ تمھیں (اس حادثہ سے) آزمائیں (اور اس طرح تمھاری فتح شکست سے بدل گئی) با ایں ہمہ خدا نے تمھارا قصور معاف کر دیا (اور اس لغزش کے اثرات سے تمھارے دل پاک صاف ہو گئے) بلاشبہ وہ مومنوں کے لئے بڑا ہی فضل رکھنے والا ہے!

١٥٣ وہ وقت بھی یاد کرو، جب تم (میدان جنگ سے) بھاگے جا رہے تھے، اور (بدحواسی کا یہ حال تھا کہ) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر دیکھا تک نہ تھا، اور اللہ کا رسول تھا کہ پیچھے سے پکار رہا تھا، سو جب تمھارا یہ حال ہوا تو اللہ نے بھی تمھیں رنج پر رنج دیا تاکہ (اس حادثہ سے عبرت پکڑو، اور آئندہ) نہ تو اس چیز کے لئے رنج و ملال کرو جو ہاتھ سے جاتی رہے، نہ اس مصیبت پر غمگین ہو جو سر پر آ پڑے۔ اور یاد رکھو، جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے!

١٥٤ پھر (دیکھو) ایسا ہوا کہ اللہ نے (ابتری و پریشانی کے) غم و افسوس کے بعد، تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (یعنے یکایک تمھارے دل اس طرح مطمئن ہو گئے کہ خوف و ہراس کا احساس تک باقی نہ رہا) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی تھی، لیکن تم میں ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں ہی کی پڑی تھی، اور اللہ کی جناب میں

(۱۲) جب مسلمانوں کی بڑی تعداد مضطرب ہوکر بھاگنے لگی، تو پیغمبر اسلام (صلعم) چند جاں نثاروں کے حلقہ میں کھڑے پکار رہے تھے "الیٰ عباد اللہ" الیٰ عباد اللہ! خدا کے بندو! میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو! ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

جو لوگ ایمان و اخلاص میں پکے تھے اور محض صورت حال کی فوری ابتری نے انھیں گھبرا دیا تھا، وہ پیغمبر اسلام کی آواز سنتے ہی چونک اٹھے۔ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک ایک مدہوشی کی سی حالت طاری ہو گئی، اور اس مدہوشی میں سارا خوف و ہراس فراموش ہو گیا چنانچہ وہ فوراً پلٹے، اور نہ صرف دشمنوں کو میدان جنگ سے بھگا ہی دیا، بلکہ حمراء الاسد نامی مقام تک جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے، ان کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے!

لیکن جو لوگ دل کے کچے یا منافق تھے، انھیں اپنی جانوں ہی کی

يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ
قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ
كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
۱۴۹ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ

عہد جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتا تھا۔ اس گروہ کے لوگ کہتے تھے "جو کچھ ہوا اس میں ہمیں کچھ دخل نہ تھا" (یعنے ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم کچھ کرتے) اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہدو، (اس معاملہ پر کیا موقوف ہے) ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں (لیکن اللہ ہی نے ہر نتیجے کے لئے اُس کے اسباب بھی مقرر کر دیئے ہیں) اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے، وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ انکے کہنے کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لئے (فتح و کامرانی میں سے) کچھ ہوتا، تو میدان جنگ میں نہ مارے جاتے۔ اے پیغمبر! ان سے کہدو، اگر تم اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے، جب بھی جن کے لئے مارا جانا تھا، وہ گھر سے ضرور نکلتے اور اپنے مارے جانے کی جگہ پہنچ رہتے! اور (جنگ اُحد میں جو کچھ پیش آیا، تو اسمیں چند در چند مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ از انجملہ یہ کہ) اللہ کو منظور تھا جو کچھ تمھارے سینوں میں چھپا ہوا ہے، اُسکے لئے تمھیں آزمائش میں ڈالے، اور جو کدورتیں تمھارے دلوں میں پیدا ہوگئی تھیں، انھیں پاک صاف کر دے۔ اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتا ہے!

۱۴۹ تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن لڑائی سے منہ موڑ لیا تھا جبکہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے، تو اُن کی اس لغزش کا باعث صر

فکر لگی رہی۔ وہ کہتے تھے: جو کچھ ہوا، اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اگر خدا فتح و نصرت دیتا تو ایسی حالت پیش ہی کیوں آتی؟ قرآن کہتا ہے، یہ عہد جاہلیت (یعنے عرب کے قبل از اسلام زمانے) کے سے خیالات ہیں اور اُن دلوں میں نہیں گذر سکتے جو اسلام کی تعلیم سے روشن ہو چکے ہیں۔ بلاشبہ فتح و نصرت اللہ ہی کے ہاتھ ہے لیکن وہ فتح و نصرت اُنہی کو دیتا ہے جو صبر اور تقویٰ میں پکے ہوتے ہیں۔

(۱۳۲) جس طرح جنگ بدر کی فتحمندی سے مسلمانوں کی تربیت مد نظر تھی، اُسی طرح جنگ اُحد کی عارضی شکست میں بھی تربیت کا پہلو پوشیدہ تھا۔ ایک دوڑنے والے کی مشق کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہوتا کہ بے روک دوڑتا چلا جائے، بلکہ اسکی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک دو مرتبہ گر کر گرنے اور سنبھلنے کا سبق بھی سیکھ لے۔ بدر کی فتحمندی نے استعداد و سعی کی برکتیں کھلا دی تھیں، ضرورت تھی کہ اب کمزوری و تغافل کے نتائج کا بھی تجربہ ہو جائے۔ چنانچہ اُحد کے حادثہ نے یہ مقصد پورا کر دیا!

بدر کی فتح اور تائید الٰہی کی بشارتوں نے بہت سے مسلمانوں میں ایک طرح کی بے پروائی اور غفلت پیدا کر دی تھی، وہ سعی و تدبیر کی کاوشوں سے بے نیاز ہو گئے تھے، اور سمجھنے لگے تھے کہ ہم کوشش کریں یا نہ کریں، ہر حال میں ہمارے لئے فتح ہی فتح ہے۔ اس طرح کی خام خیالیاں ابتدائی فتحمندیوں کے بعد پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ لیکن یہ ایک خطرناک حالت تھی۔ اس کا نتیجہ

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
۱۵۰ حَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا
فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
۱۵۱ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

غفلت و غرور تھا، اور ضروری تھا کہ اسکی نشوونما روک دی جائے۔ پس اُحد کے
تجربے نے مسلمانوں کو بتلا دیا کہ خدا کی تائید و نصرت کا وعدہ برحق ہے لیکن
اُسکے تمام کاموں کی طرح اُس کی تائید و نصرت کے بھی سُنن و قوانین ہیں
اور ضروری ہے کہ اُنہی کے مطابق نتائج بھی ظہور میں آئیں۔ جو جماعت کمزوری
و غفلت میں مبتلا ہو جائیگی، صبر و ثبات میں پوری نہیں اُتریگی، اطاعت و
نظام میں کچی ہوگی، وہ کبھی خدا کی تائید و نصرت کی مستحق نہیں ہو سکتی!
چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پہلے بھی اس مصلحت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ
"و لیعلم اللہ الذین آمنوا و یتخذ منکم شہداء" اور یہاں بھی فرمایا "و لیبتلی اللہ ما فی
صدورکم و لیمحص ما فی قلوبکم" یہ اس لئے ہوا، تاکہ تمھارے دلوں میں جو کدورتیں
پیدا ہوگئی تھیں، اُن سے تمھیں پاک صاف کر دیا جائے۔

(۱۴) سچا مومن وہ ہے جو موت سے نہیں ڈرتا، اور کبھی اس ڈر سے قدم پیچھے
نہیں ہٹاتا۔ وہ کہتا ہے، موت سے تو کسی حال میں مفر نہیں۔ پھر کیوں نہ
اُس موت کا استقبال کیا جائے جو حق کی راہ میں پیش آئے اور جس کا نتیجہ
اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہو؟
لیکن جن لوگوں کے دل ایمان سے محروم ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ
راہِ حق میں لوگوں کو موت پیش آگئی، تو کہتے ہیں، اگر ان لوگوں نے یہ راہ
اختیار نہ کی ہوتی تو کیوں اس نتیجہ سے دوچار ہوتے؟ گویا موت صرف جنگ
ہی میں آسکتی ہے۔ جو آدمی اپنے گھر میں بیٹھا رہیگا، وہ کبھی مرنے والا نہیں!

یہ تھا کہ بعض کمزوریوں کی وجہ سے جو اُنھوں نے پیدا کر لی
تھیں، شیطان نے اُنکے قدم ڈگمگا دیئے۔ (یہ بات نہ تھی
کہ اُنکے ایمان میں فتور آگیا ہو۔ بہر حال) یہ واقعہ ہے
کہ خدا نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی، وہ یقیناً بخش
دینے والا اور (انسان کی کمزوریوں اور خطاؤں کیلئے)
بہت بُردبار ہے!

۱۵۰ اے پیروانِ دعوت ایمانی! دیکھو اُن لوگوں کی طرح
نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور جن کا
شیوہ یہ ہے کہ اگر اُنکے بھائی بند سفر میں گئے ہوں یا جنگ
میں مشغول ہو گئے ہوں اور اُنھیں موت پیش آجائے تو
کہنے لگتے ہیں "اگر یہ لوگ گھر سے نہ نکلتے اور ہمارے پاس
ٹھہرے رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے؟" حالانکہ
ایک خدا پرست دل میں کبھی ایسے خطرات نہیں گزر سکتے۔

اور یہ بات جو تمھیں کہی گئی، تو اس لئے کہی گئی) تاکہ اللہ اس بات کو (یعنے تمھارے دلوں کی بے خوفی اور ایمان
کی اُستواری کو) منکرین حق کے دلوں کے لئے داغ حسرت بنا دے (کہ کسی حال میں بھی تمھیں کمزور اور بے
ہمت نہ کر سکیں) یاد رکھو، اللہ ہی کے ہاتھ موت و زندگی کا سر رشتہ ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اُس کی نگاہ
سے مخفی نہیں!

۱۵۱ اور (دیکھو) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہوگئے یا اپنی موت مر گئے، تو اللہ کی طرف سے جو رحمت و بخشش تمھارے
حصے میں آئیگی یقیناً وہ اُن تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کا ذخیرہ لوگ جمع کیا کرتے ہیں!

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ○ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ ۱۵۲-۵۳
لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ
اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ۱۵۴
ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ط ۱۵۵

اور (یاد رکھو) خواہ تم اپنی موت مرو یا مارے جاؤ، ہر حال میں ہونا یہی ہے کہ اللہ کے حضور جمع کئے جاؤ گے! ۱۵۲

(اے پیغمبر!) یہ خدا کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے اسقدر نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے، تو لوگ تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے (اور اُن کے دل تمھاری طرف اس طرح نہ کھنچتے، جس طرح اب بے اختیار کھنچ رہے ہیں) پس ان لوگوں کا قصور معاف کر دو اور اللہ سے بھی انکے لئے بخشش طلب کرو۔ نیز اس طرح کے معاملات میں (یعنے امن و جنگ کے معاملات میں) اِن سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا، تو چاہئے کہ خدا پر بھروسہ کرو (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے، اُسپر کاربند ہو جاؤ) یقیناً اللہ اُنہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اُسپر بھروسہ کرنے والے ہیں! ۱۵۳

(۱۵) اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام (صلعم) سے خطاب موعظت اور منصب امامت کی بعض اصولی مہمات:۔

(الف) یہ اللہ کی بڑی ہی رحمت ہے کہ تمھارے دل میں نرمی اور مزاج میں سرتاسر شفقت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے دل تمھاری طرف بے اختیار نہ کھنچتے جس طرح اب کھنچ رہے ہیں۔

(ب) جنگ اُحد میں ایک گروہ کی لغزش بڑی ہی سخت لغزش تھی، تاہم تمھاری شفقت کا مقتضا یہی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو۔

(ج) تمھارا طریق کار یہ ہونا چاہئے کہ صلح و جنگ کا کوئی معاملہ بغیر مشورہ کے انجام نہ پائے۔

(د) اس بارے میں دستور العمل یہ ہے کہ پہلے جماعت سے مشورہ کرو۔ پھر مشورہ کے بعد کسی ایک بات کا عزم کر لو۔ اور جب عزم کر لیا تو اُسپر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ۔ شوریٰ اپنے محل اور وقت میں ضروری ہے۔ عزم اپنے محل اور وقت میں۔ جب تک مشورہ نہیں کیا ہے، فیصلۂ عزم کا سوال نہیں اُٹھتا، لیکن جب مشورہ کے بعد عزم کر لیا گیا، تو وہ عزم ہے، اور کوئی رائے، کوئی نکتہ چینی، کوئی مخالفت، اُسے متزلزل نہیں کر سکتی!

امام کے لئے ضروری ہے کہ جماعت سے مشورہ کرے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ صاحب عزم ہو!

(اے پیروان دعوت ایمانی!) اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکتا ہو، لیکن اگر وہی تمھیں چھوڑ بیٹھے، تو بتلاؤ، کون ہے جو اُسکے چھوڑ دینے کے بعد تمھارا مددگار ہو سکتا ہے؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ پس جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھیں! ۱۵۴

اور (دیکھو) خدا کے نبی سے یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ وہ (ادائے فرض نبوت میں) کسی طرح کی خیانت کرے ۱۵۵

(۱۶) مسلمانوں کی جماعت سے خطاب کہ جب پیغمبر اسلام کا طریق کار یہ ہے کہ ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کر لیا کریں، تو تمھارا فرض یہ ہونا چاہئے

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
۱۵۶ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ
۱۵۷ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
۱۵۹ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ

(کیونکہ جو نبی ہوگا، وہ خائن نہیں ہوسکتا) اور جو کوئی خیانت کرتا ہے، تو جو کچھ اُس نے خیانت کی ہو (اُسے دنیا میں لوگوں کی نظروں سے کتنا ہی چھپائے لیکن) قیامت کے دن نہیں چھپا سکے گا۔ وہ اُس کے ساتھ آئے گی۔ پھر ہر جان کو اُس کی کمائی کے مطابق پورا پورا بدلہ ملتا ہے۔ یہ نہ ہوگا کہ کسی کے ساتھ بے انصافی کی جائے۔

کہ انکے تمام احکام و عزائم کی بے چون و چرا اطاعت کرو۔ وہ اللہ کے نبی ہیں، اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ کا نبی خلق اللہ کی امامت و پیشوائی کے فرائض میں کسی طرح کی خیانت کرے۔

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ دنیا میں سچے انسان کی زندگی جھوٹے انسان سے اپنی ہر بات میں اس درجہ مختلف ہوتی ہے، کہ ممکن نہیں کسی طرح کا اشتباہ ہوسکے۔ ایک بدکار آدمی بناوٹ سے اپنے آپ کو کتنا ہی نیک ظاہر کرے، لیکن بناوٹ پھر بناوٹ ہے۔ کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کر بیٹھے گا کہ اصلیت آشکارا ہوجائے گی۔

تلاوتِ آیات، تزکیۂ قلوب، اور تعلیم کتاب و حکمت جس وجودِ گرامی کے اعمال ہیں، کیونکر ممکن ہو کہ ادائے فرض امامت میں کسی طرح کی خیانت کا اس سے ارتکاب ہو؟

۱۵۶ کیا ایسا آدمی جس نے اللہ کی خوشنودیوں کی راہ اختیار کی ہو (اور جو کام کرتا ہے، اللہ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے) اُس آدمی کی طرح ہوسکتا ہے جس نے (اپنی بدعملیوں سے) اللہ کا غضب حاصل کیا، اور جس کا ٹھکانا جہنم جیسا بُرا ٹھکانا ہو؟

۱۵۷ (نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا) اللہ کے نزدیک لوگوں کے (الگ الگ) درجے ہیں اور جیسے کچھ انکے اعمال ہیں، وہ انھیں دیکھ رہا ہے!

۱۵۸ بلاشبہ یہ اللہ کا مومنوں پر بڑا ہی احسان تھا کہ اُس نے ایک رسول اُن میں بھیج دیا جو اُنھی میں سے ہے۔ وہ اللہ کی آیتیں سناتا ہے، ہر طرح کی برائیوں سے اُنھیں پاک کرتا ہے، اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے (اُس نے ہدایت کی راہ اُن پر کھول دی) حالانکہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے!

۱۵۹ جب (جنگ اُحد میں) تم پر مصیبت پڑی اور یہ مصیبت ایسی تھی کہ اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (بدر میں) دشمنوں پر پڑ چکی ہے، تو تم بول اُٹھے "یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آپڑی" اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو،

(۱۷) جنگ اُحد کا معاملہ منافقوں کے لئے جو مخلص مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے زندگی بسر کر رہے تھے، ایک فیصلہ کن آزمائش تھی۔ اس میں قدرتی طور پر ان کا نفاق پوری طرح کھل گیا۔ جنگ کے ابتدائی مشوروں سے لیکر جنگ کے بعد تک کوئی موقع ایسا نہیں آیا کہ فتنہ پردازی سے باز رہے ہوں۔ جب کثرت رائے سے یہ بات قرار پائی کہ شہر سے باہر نکلکر مقابلہ کرنا چاہئے تو لوگوں

١٦٠ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ○ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ج وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوا ط قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ ط هُمْ
١٦١ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ج يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ
فِي قُلُوبِهِمْ ط وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ○

بہکانے لگے کہ باہر نکل کے لڑنا موت کے منہ میں جانا ہے۔ جب اُن سے کہا گیا کہ اچھا، شہر کی مدافعت کرو، تو لگے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے کہتے تھے، ہمیں امید نہیں کہ لڑائی کی نوبت آئے۔ اگر امید ہوتی تو ضرور طیاری کرتے۔ پھر جب لوگوں کی کمزوری اور نافرمانی سے فتح ہوتے ہوتے شکست ہوگئی، تو انھیں فتنہ و شرارت کا نیا موقع ہاتھ آگیا۔ کبھی کہتے یہ سب کچھ اسی لئے ہوا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ کبھی کہتے، روز روز کی لڑائیوں سے کیا فائدہ؟ نجات اسی میں ہے کہ دشمنوں کو راضی کر لیا جائے۔ مقصود یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی و ہراس پیدا کردیں اور ان کی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر بن نہ سکے۔

اُحد کے میدان سے جاتے ہوئے دشمن کہہ گئے تھے کہ آئندہ سال پھر آئینگے اور آخری فیصلہ کر جائینگے۔ دوسرے سال جب وقت آیا تو مسلمان طیار ہو کر باہر نکلے، لیکن دشمنوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔ انھیں گھر سے نکلنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ مسلمان چند دن انتظار کرکے خوشدل اور کامیاب واپس آگئے۔ لیکن اس موقع پر بھی منافقوں نے دشمنوں سے ملکر ہر طرح کی شرارتیں کیں۔ دشمن چاہتے تھے کہ ڈر جانے کی ذلت اُنکے حصہ میں آئے، مسلمانوں کے حصہ میں آئے، اور یہ جبھی ہو سکتا تھا کہ مسلمان جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ چنانچہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے مخبر بھیجے گئے، اور بہت سی جھوٹی افواہیں مشہور کر دی گئیں۔ منافق انھیں پھیلاتے اور مسلمانوں کو سرگرمی سے باز رکھنا چاہتے۔ یہاں ان تمام باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور منافقوں کو آخری مہلت دیگئی ہے کہ اپنی منافقانہ روش سے باز آجائیں، ورنہ وقت آگیا ہے کہ اللہ انکے چہروں پر سے نفاق کا پردہ اُٹھا دے گا۔

ان آیات میں منافقوں کی جو نفسیاتی حالت دکھائی گئی ہے، وہ کوئی مخصوص صورت حال نہیں ہے، اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائیگا کہ جماعت کے کمزور اور غیر ثابت قدم افراد ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

(ہاں مصیبت تو ضرور آ پڑی مگر) خود تمھارے ہی ہاتھوں آئی (اگر تم کمزوری نہ دکھاتے اور احکام حق کی اطاعت کرتے، تو کبھی یہ مصیبت پیش نہ آتی) یاد رکھو، اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے!

١٦٠ اور (دیکھو) دو گروہوں کے مقابلے کے دن تمھیں جو
کچھ پیش آیا (یعنے جنگ اُحد میں جو کچھ پیش آیا) تو اللہ ہی کے حکم سے پیش آیا (کیونکہ اُسنے فتح و شکست کا قانون ایسا ہی ٹھہرا دیا ہے) اور اس لئے پیش آیا تاکہ ظاہر ہو جائے، ایمان رکھنے والے کون ہیں، اور نفاق والے کون ہیں (چنانچہ منافقوں کا نفاق اس موقع پر پوری طرح کھل گیا) جب اُن سے کہا گیا کہ آؤ (وقت کا فرض انجام دیں) یا تو اللہ کی راہ میں (باہر نکل کے) جنگ کرو، یا (شہر میں رہکر) دشمنوں کا حملہ روکو۔ تو کہنے لگے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی ضرور ہوگی تو ہم ضرور تمھارا ساتھ دیتے یقین کرو، جس وقت انھوں نے یہ بات کہی، تو وہ کفر سے زیادہ نزدیک تھے بمقابلہ ایمان کے!

١٦١ یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو فی الحقیقت
انکے دلوں میں نہیں ہے۔ اور جو کچھ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں خدا اس سے بے خبر نہیں!

۱۶۲ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ
۱۶۳ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ
۱۶۴ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ
۱۶۵-۱۶۶ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ
۱۶۷ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ
۱۶۸ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ

۱۶۲ جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خود تو (جنگ کے وقت) اپنے گھروں میں بیٹھ رہے لیکن اب اپنے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں "اگر ہماری بات پر چلے ہوتے تو کبھی نہ مارے جاتے"۔ اے پیغمبر! تم کہہ دو "اچھا، اگر تم واقعی (اپنے اس خیال میں) سچے ہو تو جب موت تمھارے سرہانے آکھڑی ہو تو اُسے نکال باہر کرنا (اور اپنی چترائی اور پیش بینی سے ہمیشہ زندہ رہنا!)

۱۶۳ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مرگئے۔ نہیں وہ زندہ ہیں، اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں!

۱۶۴ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ اُنھیں عطا فرمایا ہے، اس سے خوشحال ہیں، اور جو لوگ انکے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے ملے نہیں، اُنکے لئے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو اُنکے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی!

۱۶۵ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے عطیوں سے مسرور ہیں۔ نیز اس بات سے کہ اُنھوں نے دیکھ لیا، اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!

۱۶۶ جن لوگوں نے اللہ اور اُسکے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لئے طیار ہوگئے) باوجودیکہ ایک برس پہلے جنگ اُحد کا) زخم کھا چکے تھے، سو یاد رکھو، ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں، یقیناً اُنکے لئے (اللہ کے حضور) بہت بڑا اجر ہے!

۱۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے "تم سے جنگ کرنے کے لئے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ جمع کر لیا ہے۔ پس چاہئے کہ اُن سے ڈرتے رہو" (اور مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اسکے کہ یہ بات سُنکر وہ خوفزدہ ہو جاتے) اُن کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہوگیا۔ وہ (بے خوف و خطر ہوکر) بول اُٹھے "ہمارے لئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے۔ اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اُس کا کارساز ہے!"

۱۶۸ پھر (ایسا ہوا کہ یہ لوگ بے خوف ہوکر نکلے اور) اللہ کی نعمت اور فضل سے شاد کام واپس آگئے۔ کوئی

۱۶۹ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ
۱۷۰ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي
الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
۱۷۱-۱۷۲ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
۱۷۳ مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

گزند انھیں چھو نہ سکا، اور اللہ کی خوشنودیوں کی راہ میں گامزن ہوئے۔ (یہ اللہ کا فضل تھا) اور اللہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے!

۱۶۹ (اور یہ جو دشمنوں کا بھیجا ہوا ایک مخبر تمھیں بھکانا چاہتا تھا، تو) یہ اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ شیطان تھا جو تمھیں اپنے ساتھیوں سے ڈرانا چاہتا ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو شیطان کے ساتھیوں سے نہ ڈرو، اللہ سے ڈرو (اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے، تو دنیا کی کوئی طاقت بھی تمھیں ڈرا نہ سکے گی!)

۱۷۰ (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ میں تیز گام ہیں انکی یہ حالت دیکھ کر تم آزردہ خاطر نہ ہونا۔ یقین رکھو وہ خدا (کے کاموں) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (البتہ
۱۷۱ اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں) خدا چاہتا ہے کہ انکے لئے آخرت (کی بخششوں اور نعمتوں) میں کوئی حصہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا قانون سعادت و شقاوت ایسا ہی ہے) اور بالآخر انکے لئے بہت بڑا عذاب ہے!

(۱۸) حکمت الٰہی نے دنیا کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں نیکی اور بدی، حق اور باطل، عدالت اور ظلم، دونوں کو مہلت ملتی ہے، اور خدا کا قانون رحمت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہلت اور ڈھیل دے۔ پس اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ یہ بات دیکھنی چاہئے کہ آخر کی کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے۔ عمل حق کے لئے بالآخر بقا ہے، اور عمل باطل کے لئے بالآخر نیست و نابود ہو جانا۔

۱۷۲ اور یہ جو ہم ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (زندگی اور سرو سامان زندگی کی مہلت دیکر) ڈھیل دے رہے ہیں، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ڈھیل انکے حق میں بہتر ہے۔ نہیں ہم انھیں ڈھیل دے رہے ہیں کہ (اگر بد عملیوں سے باز آنے والے نہیں تو) اپنے گناہ میں اور زیادہ (جوابدہ) ہو جائیں اور بالآخر انکے لئے رسوا کن عذاب ہے!

۱۷۳ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ ایمان والوں کو اسی حالت میں چھوڑ رکھے جس حالت میں تم آجکل اپنے آپ کو پاتے ہو، (کہ منافق اور مومن دونوں ملے جلے زندگی بسر کر رہے ہیں) وہ ضرور ایسا کریگا کہ ناپاک کو پاک سے

(۱۹) منافقوں کو بہت مہلت دی جا چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ انھیں مومنوں میں سے الگ ممتاز کر دے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ اپنے کلام میں کیوں نام بنام منافقوں کا ذکر نہیں کر دیتا، تو یہ اسکی سنت کے خلاف ہے۔ اس کی سنت اس بارے میں یہی ہے کہ جو شخص اپنے نفاق سے باز نہیں آئیگا، خود اسکا

۱۷۹ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص
۱۸۰ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط
۱۸۱ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ
۱۸۲ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ م سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

خدا ہی اُس کی بروقت تشہیر کردیگا!

ممتاز کردے (اور منافق مومنوں سے الگ پہچان لئے جائیں)

۱۷۹ اور خدا کے کاموں کا یہ ڈھنگ بھی نہیں کہ وہ (اس بارے میں) تمھیں غیب کی خبریں دیدے (یعنے جن
لوگوں کے دلوں میں نفاق پوشیدہ ہے، اُنکے نام ظاہر کردے) لیکن ہاں، وہ اپنے رسولوں میں سے جس کسی کو چاہتا
ہے اس بات کے لئے چن لیتا ہے (اور اُنھیں جو کچھ بتلانا ہوتا ہے بتلا دیتا ہے۔ سو اس بارے میں بھی وہ
جو کچھ چاہے گا، اپنے رسول کو بتلا دے گا) پس (اے گروہ منافقین! اب تمھارے لئے اصلاح حال کی آخری
مہلت ہے) چاہیئے کہ اللہ پر اور اُسکے رسول پر (سچے دل سے) ایمان لے آؤ۔ اگر تم (اب بھی) ایمان لے
آئے، اور برائیوں سے بچے، تو یقین کرو، تمھارے لئے اجر عظیم ہے!

۱۸۰ جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مقدور
دیا ہے، اور وہ مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں تو وہ یہ
نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا اُنکے لئے کوئی بھلائی کی بات ہے۔
۱۸۱ نہیں، وہ تو انکے لئے بڑی ہی برائی ہے۔ قریب ہے کہ
قیامت کے دن یہ مال و متاع جس کی حفاظت کے لئے وہ بخل کر رہے ہیں، اُنکے گلوں میں (عذاب کا) طوق
بنا کر پہنا دیا جائے!

(۲۰) منافقوں پر جنھوں نے مصلحت وقت دیکھ کر دعوت اسلام کا ساتھ دیا تھا، راہ حق میں مال و دولت کا خرچ کرنا بہت شاق گزرتا تھا۔ وہ خود بھی بخل کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتے تھے۔ یہاں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اور (یاد رکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ کی میراث ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اُسکے علم سے مخفی نہیں!

۱۸۲ بلاشبہ اللہ نے اُن لوگوں کا کہنا سن لیا ہے جنھوں
نے یہ بات کہی کہ "اللہ محتاج ہے اور ہم دولتمند ہیں" (کہ
بار بار اُسکے نام پر ہم سے مال طلب کیا جاتا ہے؟) سو
قریب ہے کہ جو بات انھوں نے کہی ہے، ہم انکے لئے
لکھ دیں۔ (یعنے یہ انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت کی

سلسلۂ بیان کا وہ حصہ جو جنگ اُحد کے ذکر سے شروع ہوا تھا، یہاں ختم ہوتا ہے، اور وہی بیان پھر چھڑ جاتا ہے جو اس کے پہلے تھا۔ یعنے اہل کتاب سے مخاطبہ اور دعوت حق کی فتحمندی کا اعلان۔ چونکہ اُحد کے بیان میں منافقوں کا ذکر چھڑ گیا تھا، اور منافقوں کا گروہ زیادہ تر یہودیوں کا گروہ تھا، اس لئے سلسلۂ بیان خود بخود اہل کتاب کی طرف مڑ گیا ہے۔

ہر دعوت کے ابتدائی عہد کی طرح اسلام کا ابتدائی عہد بھی تنگی و سختی کا عہد

١٧٨ وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
١٧٩ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ
١٨٠ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ
١٨١ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ
١٨٢ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ

تھا، اور خدمتِ حق کے لئے مال کی ضرورت برابر پیش آتی رہتی تھی۔ منافقوں پر یہ بات شاق گزرتی جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ وہ کہتے، یہ جو بار بار خدا کے نام پر مال طلب کیا جا رہا ہے تو کیا خدا محتاج ہو گیا ہے، اور ہمارے پاس ذخیرے بھرے پڑے ہیں کہ برابر لٹاتے ہی رہیں؟

خدا نے ان کا یہ قول یہاں نقل کیا ہے، اور چونکہ منافقوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو یہودیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے، اور یہودیت انکے دلوں میں بسی ہوئی تھی، اس لئے ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو یہودی گمراہی کی سب سے بڑی شقاوت رہ چکی ہے۔ یعنے "وقتلھم الانبیاء بغیر حق"، خدا کے نبیوں سے ان کا سرکشی کرنا اور انکے قتل میں بے باک ہو جانا۔

مدینہ کے علمائے یہود جب دعوتِ اسلام کے خلاف تمام دلیلوں میں ہار چکے تو آخر ڈھونڈ ڈھانڈ کر یہ بات نکالی کہ ہمیں تورات میں سوختنی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے ہم اسی نبی کو سچا مانینگے جو سوختنی قربانی کے عمل کیساتھ آیا ہو۔ سوختنی قربانی سے مقصود یہ ہے کہ یہودی جانوروں کی قربانی کر کے ان کا گوشت آگ میں جلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تورات کی تیسری کتاب احبار کی پہلی فصل میں اس کا طریقہ بتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ قرآن ان کا یہ اعتراض نقل کر کے کہتا ہے، اگر تمہاری قبولیت کا دار و مدار اسی بات پر ہے، تو بتلاؤ، تم نے ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جو تمہارے سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ آئے تھے؟

ہنسی اڑاتے ہیں اور خدا کو محتاج کہتے ہیں، تو عنقریب
اسکی پاداش میں یہ خود محتاج اور تباہ حال ہو جائینگے)
اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (کہ انکے نامۂ اعمال کی
سب سے بڑی شقاوت ہے) اور (اس وقت جب اس شقاوت
کا نتیجہ پیش آئے گا تو) ہم کہیں گے، اب (پاداشِ عمل میں)
عذابِ جہنم کا مزہ چکھو!
١٧٨ تم جو کچھ اپنے ہاتھوں اپنے لئے مہیا کر چکے ہو، یہ اسی
کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اللہ کے لئے تو یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی کہ
اپنے بندوں کے لئے ظلم کرنے والا ہو!
١٧٩ جو لوگ کہتے ہیں "اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی
رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک وہ ہمارے پاس ایسی
١٨٠ قربانی نہ لائے جسے آگ کھا لیتی ہو" تو تم ان سے کہدو
(اگر تمہارے ردّ و قبول کا معیار یہی ہے تو بتلاؤ) مجھ سے پہلے اللہ کے کتنے ہی رسول سچائی کی روشن دلیلوں کے
ساتھ تمہارے پاس آئے، اور اس بات کے ساتھ آئے جسکے لئے تم کہہ رہے ہو، (یعنے سوختنی قربانی کے حکم کے ساتھ)
پھر اگر تم اپنے قول میں سچے ہو، تو کیوں تم (نے انھیں قبول نہیں کیا، اور کیوں ایمان لانے کی جگہ) انھیں قتل کرتے رہے؟
١٨١ (اے پیغمبر!) یہ لوگ اگر آج تمھیں جھٹلا رہے ہیں تو (یہ کوئی ایسی بات نہیں جو تمہارے ہی ساتھ ہوئی ہو)
تم سے پہلے کتنے ہی رسول ہیں جو (اسی طرح) جھٹلائے گئے۔ باوجودیکہ (سچائی کی) روشن دلیلیں (حکمت و
موعظت کے) صحیفے، اور (شریعت کی) روشن کتاب انکے ساتھ تھی۔

پیروانِ دعوتِ حق سے خطاب کہ تم نے قیامِ حق کی خدمتِ عظیم اپنے سر لی

١٨٢ (اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! یاد رکھو) ہر جان کے لئے

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ
۱۸۳ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ
اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ
۱۸۴ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
۱۸۵ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ

ہے تو ضروری ہو کہ اس راہ کی تمام آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑے۔ اہل کتاب اور مشرکین عرب دونوں تمھاری مخالفت میں کمربستہ ہوگئے ہیں۔ وہ طرح طرح کی اذیتیں تمھیں پہنچائینگے اور تمھیں برداشت کرنی پڑینگی۔ تمھاری کامیابی کے لئے اصلی چیز صبر اور تقویٰ ہے۔ اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کا سررشتہ ہاتھ سے نہ دیا، تو یقین کرو، بالآخر فتح مندی تمھارے ہی لئے ہے!

اللہ نے اہل کتاب کو اپنی کتاب کا حامل بنایا تھا اور اُن سے عہد لیا تھا کہ اسکے احکام کی تعلیم و تلقین اپنا فرض سمجھیں گے، لیکن وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوگئے اور عہد الٰہی فراموش کردیا، بااینہمہ انھیں اب تک اہل کتاب ہونے کا گھمنڈ ہے۔ وہ چاہتے ہیں دنیا اُس بات کے لئے انھیں سراہے جو نہ تو انھوں نے کی ہے اور نہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۱۸۳ ضمناً پیروانِ دعوتِ قرآن کو موعظت کہ اہل کتاب کی محرومیِ سعادت کا بڑا سبب یہی گمراہی ہے۔ تمہارا ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی میں مبتلا ہوجاؤ!

(بالآخر) موت کا مزہ چکھنا ہے، اور جو کچھ تمھارے اعمال کا بدلہ ملنا ہے، وہ قیامت ہی کے دن پورا پورا ملیگا۔ اُس دن جو شخص آتشِ دوزخ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل ہوگیا، تو کامیابی اُسی کی کامیابی ہے، اور دُنیا کی زندگی تو اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ (خواہشوں اور ولولوں کی کلم جوئیوں کا) کارخانہ فریب ہے!

(یاد رکھو) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ۔ اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے تمھیں دُکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں لیکن اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصائب و محن میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچتے رہے) تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں یہ بڑے ہی عزم و ہمت کی بات ہوگی (اور جو جماعت عزم و ہمت سے کام لیتی ہے، تو آخر کی فتحمندی اسی کے حصے میں آتی ہے!)

۱۸۴ اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، اُن سے خدا نے اس بات کا عہد لیا تھا کہ (جو کچھ اس کتاب میں ہے) اُسے لوگوں پر واضح کرتے رہنا، اور ایسا نہ کرنا کہ (بتلانے اور اعلان کرنے کی جگہ) چھپانے لگو، لیکن اُنھوں نے (یہ عہد یوں پورا کیا کہ) کتاب اللہ پس پشت ڈال دی، اور اسے تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالا (یعنی دنیا کے حقیر فائدوں کے لئے حق فروشی کرنے لگے) پس کیا ہی بُرا وہ دام ہے جو (حق فروشی کے بدلے) حاصل کیا گیا!

۱۸۵ (اے پیغمبر!) جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہو رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کاموں کے لئے سراہے جائیں جو اُنھوں نے کبھی نہیں کئے، تو تم ہرگز ایسا نہ سمجھنا کہ وہ (آنے والے) عذاب سے بچے رہینگے نہیں یقیناً اُنکے لئے

186 وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى
187 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ
188 وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ۚۙ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا
وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

رسوا کن عذاب ہے!

186 اور (دیکھو) آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے، اور اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی بات باہر نہیں!

187 بلاشبہ آسمان اور زمین کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں ارباب دانش کے لئے (معرفت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

188 وہ ارباب دانش جو کسی حال میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوئے ہوں (لیکن ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے) اور جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں (اس ذکر و فکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے ــــ وہ پکار اٹھتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بیکار و عبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانہ ہستی جو اس حکمت و خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے، کوئی نہ کوئی مقصد و غایت بھی رکھتا ہو) یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک فعل عبث اس سے صادر ہو! خدایا! ہمیں عذاب آتش سے (جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچا لیجیو!

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے زیر فرمان ہے۔ پس اگر وہ تمھیں کامرانی و سربلندی عطا فرمانا چاہے تو تمھاری راہ کون روک سکتا ہے؟

لیکن شرط کامیابی یہ ہے کہ راہ حق میں استوار رہو۔ حق کی معرفت و استقامت کا سرچشمہ، اللہ کا ذکر اور کائنات خلقت میں تفکر ہے۔

ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے تمھارا دل خالی نہ رہے۔

فکر سے مقصود یہ ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت اور کائنات فطرت کے حوادث و مظاہر میں غور و فکر کرتے رہو۔

ذکر سے تمھارے دل کی غفلت دور ہوگی۔

فکر سے تم پر حقیقت کی معرفت کے دروازے کھل جائیں گے۔

جن لوگوں کے دل غفلت سے پاک ہوتے ہیں اور کائنات خلقت میں تفکر کرتے ہیں، ان پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ تمام کارخانہ ہستی اور اس کا عجیب و غریب نظام بغیر کسی اعلیٰ مقصد اور نتیجہ کے نہیں ہو سکتا، اور ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہو، اور جو کچھ اس زندگی میں کیا جاتا ہے، اس کے نتائج اس زندگی میں پیش آئیں۔

جب حقیقت ان پر کھلتی ہے، تو ان کی روح خداپرستی کے جوش سے معمور ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھکا دیتے ہیں اور اس سے بخشش و رحمت کے طلبگار رہتے ہیں!

اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی انسان کا عمل نیک ضائع نہیں کرتا۔ عمل حق ایک ایسی حقیقت ہے جو ضائع ہو ہی نہیں سکتی۔ پس جو لوگ حق پرستی کی راہ میں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں، وہ یقین رکھیں کہ ان کے اعمال حق کے ثمرات کبھی ضائع ہونے والے نہیں۔

۱۸۹-۱۹۰ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا
۱۹۱ مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا
۱۹۲-۱۹۳ مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ
۱۹۴ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
۱۹۵-۱۹۶ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ
تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝

۱۸۹ خدایا! جس (بدبخت) کے لئے ایسا ہو کہ تو اُسے آتش دوزخ میں ڈالے، تو بلاشبہ تو نے اُسے بڑی ہی خواری میں
ڈالا، اور (جس دن ایسا ہوگا، تو اُس دن) ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا!
۱۹۰ خدایا! ہمنے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی، جو ایمان کی طرف بُلا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ "لوگو!
۱۹۱ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ" تو ہمنے اسکی پکار سن لی اور ایمان لے آئے۔ پس خدایا! ہمارے گناہ بخش دے
ہماری برائیاں مٹا دے، اور (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو!
۱۹۲ خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جسکا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے، اور (اپنے لطف و
کرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں تیرے حکم سے ذلّت و خواری نصیب نہ ہو! بلاشبہ تو ہی ہے کہ تیرا وعدہ
کبھی خلاف نہیں ہو سکتا!
۱۹۳ (جب ارباب دانش کے فکر و عمل کی صدائیں یہ تھیں) تو اُنکے پروردگار نے بھی اُن کی دعائیں قبول کر
لیں (خدا نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک
۱۹۴ دوسرے کی جنس ہو (اور عمل کے نتائج کا قانون سب کے لئے یکساں ہے) پس (دیکھو) جن لوگوں نے (راہِ حق
میں) ہجرت کی، اپنے گھروں سے نکالے گئے، میری راہ میں ستائے گئے، اور پھر (راہِ حق میں) لڑے اور قتل
ہوئے، تو (اُنکے یہ اعمالِ حق کبھی رائگاں جانے والے نہیں) یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں، اور انھیں
(نعیم ابدی کے) باغوں میں پہنچا دوں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں (اور اس لئے اُن کی شادابی کبھی متغیر
۱۹۵ ہونے والی نہیں) یہ اللہ کی طرف سے اُنکے اعمال کا ثواب ہوگا، اور اللہ ہی ہے جسکے پاس (جزائے عمل میں)
بہتر ثواب ہے!
۱۹۶ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی
ہے، اُن کا (عیش و کامرانی کے ساتھ) ملکوں میں سیر و
گردش کرنا تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ جو کچھ ہے،

سورۃ کی ابتدا اس بیان سے ہوئی تھی کہ خدا انسان کی روحانی سعادت کے لئے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔ اُس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اُسے قبول کرتے ہیں، سعادت و کامرانی پاتے ہیں، جو شرارت و سرکشی سے مقابلہ کرتے

۱۹۷ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي
۱۹۸ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ
مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ ۙ لَا
۱۹۹ يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ
۲۰۰ الْحِسَابِ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

ہیں نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت الکتاب یعنے قرآن نازل ہوا ہے۔

اب سورت کا اختتام بھی اسی بیان پر ہو رہا ہے۔ یہ گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل ہے کہ:۔

(۱) دعوت قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی و تدبیر کریں، اور بظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوشحال نظر آئیں لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوتِ قرآن کامیاب ہو۔

(۲) اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوتِ حق کا مقابلہ کر رہی ہیں، اُن سب کے لئے بالآخر نامرادی و تباہی ہے۔ البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کرینگے، تو اُنکے لئے کوئی کھٹکا نہیں وہ اپنی راست بازی و نیک عملی کا اجر ضرور پائینگے، اور خدا کا قانونِ محاسبۂ اعمال میں سست رفتار نہیں۔

(۳) پیروانِ دعوت قرآن کے لئے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں، راہِ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں، اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو کامیابی اُنہی کے لئے ہے۔

محض تھوڑا سا فائدہ اُٹھانا ہے (جو انکے حصہ میں آیا ہے) بالآخر انکا ٹھکانا جہنم ہے، اور (جسکا ٹھکانا جہنم ہو، تو) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے!

۱۹۷ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے (اور راست بازی کی راہ اختیار کی) تو انکے لئے (بہشتی زندگی کی) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ وہ ہمیشہ (نعیم و سرور کی) اسی حالت میں رہینگے۔ یہ انکے لئے اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، سو وہ نیک کرداروں کے لئے اچھائی اور خوبی ہی ہے!

۱۹۸ اور یقیناً اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اُن پر نازل ہو چکا ہے، سب کے لئے اُنکے دل میں یقین ہے۔ نیز انکے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، وہ
۱۹۹ ایسا نہیں کرتے کہ خدا کی آیتیں تھوڑے داموں پر فروخت کر ڈالیں۔ تو بلاشبہ (ایسے لوگوں کے لئے کوئی کھٹکا نہیں) ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے اُنکے پروردگار کے حضور اُن کا اجر ہے، اور یقیناً اللہ (کا قانونِ مکافات) اعمال کے حساب میں سست رفتار نہیں!

۲۰۰ اے پیروانِ دعوت ایمانی! (اگر کامیابی و سعادت حاصل کرنی چاہتے ہو، تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ) صبر کرو۔ ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ، اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو!

النِّسَاۤءِ

مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَسَبْعٌ وَسَبْعُونَ اٰيَةً

النساء - مدنی - ۱۷۷ - آیتیں -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ
بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

حکمتِ الٰہی کی یہ بڑی ہی کارفرمائی ہے کہ اُسنے انسان کی پیدائش اور معیشت کا نظام کچھ اس طرح کا بنا دیا، کہ پہلے ایک فردِ واحد سے دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کی نسل سے بے شمار افراد پیدا ہوتے ہیں، پھر ہر فرد کی نسل سے الگ الگ سلسلے قائم ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سلسلے پھیلتے ہیں اور رفتہ رفتہ خاندانوں، قبیلوں، گروہوں، اور بستیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس صورتِ حال نے افراد کے باہمی اجتماع و اتحاد کے لئے صلۂ رحمی یعنے نسلی قرابت کا رشتہ پیدا کر دیا ہے اور سوسائٹی کا نظام اسی پر قائم ہے۔ اگر اس رشتے کے موثرات نہ ہوتے، تو انسان کی زندگی میں انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا نہ ہوتی۔

یہ رشتہ باہمی اُلفت و مساعدت کے جذبات پیدا کرتا اور ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ملائے رکھتا ہے۔ پس نظامِ معاشرت کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ صلۂ رحمی کے حقوق کی حفاظت کیجائے۔

صلۂ رحمی کے حقوق خدا کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہیں جو شخص انکی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، وہ احکامِ الٰہی سے سرتابی کرتا اور ظلم و معصیت کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حفاظت کے مستحق یتیم بچے تھے، لہٰذا سب سے پہلے انکے حقوق کا ذکر کیا گیا۔

(۱) جو لوگ یتیموں کے نگران و محافظ ہوں، اُنھیں چاہیئے اُن کا مال اُ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے پروردگار (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ وہ پروردگار جسنے تمھیں اکیلی جان سے پیدا کیا[۱] (یعنے باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اسکا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنے جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے، لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے) پھر اِن دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی (اور اس طرح تن تنہا ایک مورثِ اعلیٰ کی نسل نے خاندانوں، قبیلوں اور بستیوں کی شکل اختیار کر لی، اور رشتوں قرابتوں کا بہت بڑا دائرہ ظہور میں آگیا) پس دیکھو! اللہ سے ڈرو جسکے نام پر باہمد گر (مہر و اُلفت کا) سوال کرتے ہو، نیز قرابت داری کے معاملہ میں بے پروا نہ ہو جاؤ، یقین رکھو کہ اللہ تم پر (تمھارے اعمال کا)

[۱] اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ دوسری یہ ہے کہ "نفس واحدہ" سے مقصود حضرت آدمؑ ہیں اور "خلق منہا زوجہا" سے حوا۔ ہم نے تفسیر مندرجۂ متن کو اس لئے ترجیح دی کہ آگے چلکر نکیر کے ساتھ فرمایا ہے "وبث منہما رجالاً کثیراً ونساء" حالانکہ اگر مقصود حضرت آدمؑ ہوتے تو ہونا چاہیئے تھا "وبث منہما جمیع الرجال والنساء" بہرحال جن حضرات کے نزدیک دوسری تفسیر مرجح ہو، وہ عبارت مندرجۂ متن کی جگہ حسبِ ذیل عبارت مطالعہ میں رکھیں۔

"وہ پروردگار جسنے تمھیں اکیلی جان سے پیدا کیا (یعنے آدم سے) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنے حوا پیدا کر دی گئی)"

۲ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ
۳ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ
أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ
خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝
وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ۝

رکھیں۔ اپنے مال کے ساتھ ملاکر نقصان نہ پہنچائیں۔

(۲) ایسا نہ کرو کہ جو یتیم لڑکی تمھاری حفاظت میں ہو، اُسکی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے اُس سے نکاح کرلو اور پھر اُسے نقصان پہنچاؤ۔ سرپرست اور محافظ کو چاہئے کہ اس بارے میں بے لاگ رہے۔

(۳) ضمناً نکاح کا حکم کہ اگر ایک مرد استطاعت رکھتا ہو اور چاہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھے، تو چار تک رکھ سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انصاف کرے یعنے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ اگر اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکے گا تو پھر ایک سے زیادہ نہیں کرنا چاہئے۔

(۴) مال قیام زندگی کا ذریعہ ہے، پس جب تک یتیم بچے عاقل و بالغ نہ ہوجائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت نہ کرسکیں مال و متاع اُنکے قبضہ میں نہ دیدو۔

(۵) اس ڈر سے کہ اولاد بڑی ہوکر قابض ہوجائیگی، یا یتیم بالغ ہوکر مطالبہ کرینگے، مال و دولت کو فضول خرچی میں اڑا دینا بہت بڑی معصیت ہے۔ مال و دولت ہر حال میں ایک امانت ہے، اور تمھارا فرض ہے کہ دیانت داری سے اسکی حفاظت کرو۔

(۶) سرپرست و محافظ اگر خوشحال ہوں تو اپنے خرچ کا بار یتیم کی امانت پر نہ ڈالیں۔ اگر محتاج ہوں تو بقدر احتیاج لے سکتے ہیں۔

(۷) حقدار کو اُسکا حق دو تو اسپر لوگوں کو گواہ کرلو۔

نگرانِ حال ہے!

۲ اور (دیکھو) یتیموں کا مال (دیانت داری کے ساتھ) اُنکے حوالے کردو۔ ایسا نہ کرو کہ (اُنکی) اچھی چیز کو (اپنی) ناکارہ چیز سے بدل ڈالو، اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا جُلا کر خورد بُرد کرلو۔ یقیناً ایسا کرنا بڑی ہی گناہ کی بات ہے!

۳ اور (دیکھو) اگر (تم نکاح کرنا چاہو اور) تمھیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکوگے، تو (اُنھیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمھیں پسند آئیں اُن سے نکاح کرلو (یعنے دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند آئیں نکاح کرلو۔ ایک وقت میں) دو دو، تین تین، چار چار تک کرسکتے ہو۔ (بشرطیکہ اُن میں انصاف کرسکو۔ یعنے سب کے حقوق ادا کرسکو اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کرسکو) اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکوگے، تو پھر چاہئے کہ ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو۔ یا پھر جو عورتیں (لڑائی کی قیدیوں میں سے) تمھارے ہاتھ آگئی ہیں (اُنھیں بیوی بنا کر رکھو) بے انصافی سے بچنے کے لئے ایسا کرنا زیادہ قرینِ صواب ہے۔ (بمقابلہ اسکے کہ یتیم لڑکیوں کے حقوق کے لئے اللہ کے حضور جوابدہ ہو)

اور (دیکھو) عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کردیا کرو (اگرچہ وہ یتیم اور لاوارث ہوں کہ یہ ان کا حق ہے اور جب تک ادا نہیں کروگے ان کا حق تمھارے ذمے باقی رہیگا) ہاں اگر ایسا ہو کہ وہ اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں، تو (اسمیں کوئی حرج نہیں) تم اُسے بے کھٹکے استعمال کرسکتے ہو۔

۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا
۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوْهَا إِسْرَافًا
۶-۷ وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ
۸ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ
وَالْأَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا
۹ مَّفْرُوْضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا

۴ اور (دیکھو) مال و متاع کو خدا نے تمھارے لئے قیام (معیشت) کا ذریعہ بنایا ہے۔ پس ایسا نہ کرو کہ کم عقل آدمیوں کے حوالے کر دو (یعنے کم عمر اور نادان لڑکوں کے حوالے کر دو۔ اگر وہ کم سن ہیں تو) ایسا کرنا چاہیے کہ اُنکے مال میں سے اُنکے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیا جائے اور نیکی اور بھلائی کی بات اُنھیں سمجھا دیجا۔

۵ اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر اُنھیں آزماتے رہو (کہ اُنکی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے؟) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر اُن میں صلاحیت پاؤ تو اُن کا مال اُنکے حوالے کر دو۔
اور اس خیال سے کہ بڑے ہو کر مطالبہ کریں گے، فضول خرچی کر کے جلد جلد انکا مال کھا پی نہ ڈالو۔
۶ (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو مقدور والا ہو، اُسے چاہیے (اُنکے مال پر اپنے خرچ کا بار ڈالنے سے) پرہیز کرے۔ جو حاجتمند ہو، وہ اُسمیں سے لے سکتا ہے مگر ٹھیک طریقہ پر (یعنے بقدر احتیاج)
۷ پھر جب ایسا ہو کہ اُن کا مال اُنکے حوالے کرو، تو چاہیے کہ اُسپر لوگوں کو گواہ کر لو۔ اور (یہ نہ بھولو کہ) محاسبہ کرنے کے لئے اللہ کا محاسبہ بس کرتا ہے!

۸ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں، تھوڑا ہو یا بہت، لڑکوں کا حصہ ہے، اور اسی طرح، ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں لڑکیوں کا بھی حصہ ہے۔ (حقدار ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) اور یہ حصہ (خدا کا) ٹھہرایا ہوا حصہ ہے!
۹ اور (دیکھو) جب ایسا ہو کہ ترکہ تقسیم کرنے کے وقت (دُور کے) رشتہ دار اور (خاندان کے) یتیم اور مسکین افراد بھی حاضر ہو جائیں، تو چاہیے کہ میت کے مال میں سے اُنھیں بھی (حسب مقدور) تھوڑا بہت دیدو، اور (اگر اس بارے میں رُدّ و کد ہو، تو) اُنھیں اچھے طریقہ پر بات کہکر سمجھا دو (کیونکہ وہ حاجتمند ہیں اور حاجتمند

(۸) اسلام سے پہلے عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ مال و جائداد کی وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اس گمراہی کا ازالہ کیا گیا، اور یہ اصول قائم کر دیا گیا کہ حقدار ہونے کے لحاظ سے مرد اور عورت، دونوں برابر ہیں۔
(۹) ورثہ تقسیم کرو، تو جو لوگ دُور کے رشتہ دار ہوں یا خاندان کے یتیم اور مسکین افراد، اُنھیں فراموش نہ کرو۔ تقسیم میں اُن کا حق نہ سہی، لیکن پھر بھی حسب توفیق کچھ نہ کچھ دیدینا چاہیے۔
(۱۰) جو لوگ یتیموں کے مال میں خیانت کرتے ہیں اُنکے لئے عذاب آخرت کی سخت وعید۔

10 وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا
11 سَدِيدًا ○ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَ
12 سَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ
فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

کے ساتھ نرمی و شفقت سے پیش آنا چاہیے)

10 اور لوگوں کو (اس بات سے) ڈرنا چاہیے کہ (کسی حقدار کے حق میں نا انصافی کیجائے) اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جاتے، تو انھیں اُن کی طرف سے کیسا کچھ اندیشہ ہوتا؟ (ایسا ہی دوسروں کے لئے بھی سمجھیں) پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں، اور ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو۔

11 جو لوگ یتیموں کا مال نا انصافی سے خورد بُرد کر لیتے ہیں، تو (وہ یاد رکھیں) یہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے شکم میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں، اور قریب ہے کہ دوزخ میں جھونکے جائینگے۔

12 تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہو (یعنے لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہونا چاہیے)

پھر اگر ایسا ہو کہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں، تو ترکے میں اُن کا حصہ دو تہائی ہوگا۔

اور اگر اکیلی ہو، تو اُسے آدھا ملے گا۔

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملیگا لیکن یہ اُس صورت میں ہے کہ میت کے اولاد ہو۔ اگر اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لئے تہائی (باقی باپ کا)

ترکے کی تقسیم، اور حقداروں کے حصوں کا بیان۔

اصل اس بارے میں یہ ہے کہ لڑکے کو، دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملنا چاہیے۔ یعنے لڑکی سے لڑکے کا حصہ دوگنا ہو۔

میت نے جو کچھ وصیت کی ہو، پہلے اُسکی تعمیل کرنی چاہیے، اور جو کچھ اُسپر قرض رہ گیا ہو، اُسے ادا کردینا چاہیے۔ اُسکے بعد جو کچھ بچے اُسے وارثوں میں تقسیم کردیا جائے۔ البتہ ضروری ہے کہ وصیت ٹھیک طور پر کی گئی ہو۔ اس غرض سے نہ کی گئی ہو کہ حقداروں کو اُنکے حق سے محروم کردیا جائے۔ (۱۵)

(احادیث سے یہ حکم معلوم ہوچکا ہے کہ جب آدمی کے وارث موجود ہوں، وہ اپنے ترکے کے ایک تہائی حصہ تک کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔ اس سے زیادہ میں وصیت واجب التعمیل نہ ہوگی۔)

اگر (ماں باپ کے علاوہ) میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں بھی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔

لیکن یاد رہے، میت نے جو کچھ وصیت کردی ہو، یا جو کچھ اسپر قرض رہ گیا ہو، اسکی تعمیل اور ادائگی کے بعد یہ حصے تقسیم ہونگے۔

آبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ ۱۳
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن ۱۴
لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ
بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ۱۵
السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ ۱۶
يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝

(دیکھو) تمھارے باپ دادا بھی ہیں، اور تمھاری اولاد بھی ہے۔ (یعنے رشتہ کے لحاظ سے اوپر کا بھی رشتہ ہے اور نیچے کا بھی) تم نہیں جانتے، نفع رسانی کے لحاظ سے کونسا رشتہ تم سے زیادہ نزدیک ہے (اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہیے۔ کس کا کم۔ اللہ کی حکمت ہی اس کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ پس) اللہ نے حصے ٹھہرا دیئے ہیں، اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

تمھاری بیویاں جو کچھ ترکے میں چھوڑ جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اُن سے اولاد نہ ہو تو تمھارا (یعنے شوہر کا) حصہ آدھا ہے۔ اگر اولاد ہو تو چوتھائی۔ مگر یہ تقسیم اسکے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں اُسکی تعمیل ہو جائے اور جو کچھ اُن پر قرض ہو، ادا کر دیا جائے۔ ۱۳

اور جو کچھ ترکہ تم چھوڑ جاؤ (یعنے شوہر چھوڑ جائے) تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تم سے اولاد نہ ہو، تو بیویوں کا حصہ چوتھائی ہوگا۔ اگر اولاد ہو تو آٹھواں۔ جو کچھ تم وصیت کر جاؤ اُسکی تعمیل، اور جو کچھ تم پر قرض رہ گیا ہو اُسکی ادائیگی کے بعد۔ ۱۴

اور اگر ایسا ہو کہ کوئی مرد یا عورت ترکہ چھوڑ جائے اور وہ کلالہ ہو (یعنے نہ تو اُس کا باپ ہو نہ بیٹا) اور (دوسری ماں سے) اُسکے بھائی یا بہن ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ بھائی بہن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہوگا۔ ۱۵

اور اگر (بھائی بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی میں سب برابر کے شریک ہونگے۔ لیکن اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو میّت نے کر دی ہو۔ نیز اُس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میّت کے ذمّے رہ گیا ہو۔ بشرطیکہ (وصیت اور قرض سے) مقصود (حقداروں کو) نقصان پہنچانا نہ ہو۔ یہ (ترکے کی تقسیم کے بارے میں) اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور (یقین رکھو) اللہ (بندوں کے مصالح) جاننے ۱۶

کلالہ کی میراث کا حکم۔
کلالہ سے مقصود ایسا مرد یا ایسی عورت ہے جسکے نہ تو باپ ہو کہ اوپر کا رشتہ ہے۔ نہ بیٹا ہو کہ نیچے کا رشتہ ہے۔
ایسی میت کے وارثوں کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:
(۱) سگے بھائی بہن ہوں۔
(۲) علاتی بھائی بہن ہوں۔ یعنے باپ ایک لیکن مائیں مختلف ہوں۔
(۳) اخیافی بھائی بہن ہوں۔ یعنے ماں ایک ہو۔ باپ مختلف ہوں۔
یہاں تیسری صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ پہلی اور دوسری صورت کا حکم سورت کی آخری آیات میں ہے۔

١٧ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ
١٨ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ
١٩ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ
٢٠ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا
٢١ مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ

والا اور (اُن کی کمزوریوں کے لئے اپنے احکام و قوانین میں) بہت بُردبار ہے!

۱۷ (یاد رکھو) یہ اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) حدبندیاں ہیں پس جو کوئی اللہ اور اُسکے رسول کی فرمانبرداری کریگا، تو اللہ اُسے (ابدی راحتوں کے) ایسے باغوں میں داخل کردیگا جسکے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لئے اُن کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ (سرور و راحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہینگے اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو اُنھیں حاصل ہوگی!

۱۸ لیکن جس کسی نے اللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کی، اور اُسکی ٹھہرائی ہوئی حدبندیوں سے باہر نکل گیا، تو (یاد رہے) وہ (جنت کی ابدی راحتوں کی جگہ) آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیگا، اور اسکے لئے رُسواکُن عذاب ہوگا!

۱۹ اور تمھاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدچلنی کی مرتکب ہوں تو چاہئے کہ اپنے آدمیوں میں سے چار آدمیوں کی اسپر گواہی لو۔ اگر چار گواہ گواہی دیدیں، تو پھر ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ موت اُن کی عمر پوری کردے، یا اللہ اُنکے لئے کوئی دوسری راہ پیدا کردے۔

بدچلن عورتوں اور مردوں کی تعزیر کا حکم ؎

۲۰ اور جو دو شخص تم میں سے بدچلنی کے مرتکب ہوں، تو چاہئے کہ اُن دونوں کو اذیت پہنچاؤ (یعنے اُنھیں ٹوکو، جس سے اُنھیں اذیت پہنچے) پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو اُنھیں چھوڑ دو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے!

۲۱ البتہ یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی

ضمناً اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ سچی توبہ انہی لوگوں کی توبہ ہے جو

؎ مفسرین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان آیات میں جس برائی کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مقصود زنا ہے اور جس سزا کا حکم دیا گیا ہے وہ اوائل اسلام میں دی جاتی تھی۔ بعد کو جب سورۂ نور نازل ہوئی تو زنا کی حد مقرر ہو گئی اور یہ سزا باقی نہیں رہی لیکن بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ان آیات میں اور سورۂ نور میں ایک ہی جرم کی سزائیں نہیں بیان کی گئی ہیں بلکہ دو مختلف جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں جس بدچلنی کا ذکر کیا ہے اس سے مقصود وہ بدچلنی ہے جو دو عورتیں اور دو مرد آپس میں کریں، اور سورۂ نور میں زنا کا ذکر ہے۔ پس یہ دونوں احکام اپنی اپنی جگہ باقی ہیں۔

لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
۲۲ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا
حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ
۲۳ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ
لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَآ آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝

گناہ پر مُصر نہ ہوں اور جن کا ضمیر گناہ کے بعد پشیمانی محسوس کرتا ہو۔

لوگوں کے لئے ہے جو بُرائی کی کوئی بات نادانی و بے خبری میں کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں (اور اُن کا ضمیر اپنے کئے پر پشیمانی محسوس کرتا ہے) تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ اللہ بھی (اپنی رحمت سے) اُن پر لوٹ آتا ہے، اور وہ یقیناً سب کچھ جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۲۲ لیکن اُن لوگوں کی توبہ، توبہ نہیں ہے جو (ساری عمر تو) بُرائیاں کرتے رہے لیکن جب اُن میں سے کسی کے آگے موت آکھڑی ہوئی، تو کہنے لگا "اب میں توبہ کرتا ہوں" (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سچی توبہ نہ ہوئی) اسی طرح اُن لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دُنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب طیار کر رکھا ہے (جو انھیں پاداشِ عمل میں پیش آئے گا!)

۲۳ مسلمانو! تمھارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ عورتوں کو (میت کی) میراث سمجھ کر اُن پر زبردستی قبضہ کر لو۔ اور نہ ایسا کرنا چاہئے کہ جو کچھ (مال و متاع) انھیں دے چکے ہو، اُس میں سے کچھ لے نکلنے کے لئے اُن پر سختی کرو اور اُنھیں روک رکھو۔ اِلّا یہ کہ وہ علانیہ بدچلنی کی مرتکب ہوئی ہوں۔

اور (دیکھو) عورتوں کے ساتھ معاشرت کرنے میں نیکی و انصاف ملحوظ رکھو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تمھیں (کسی وجہ سے) وہ ناپسند ہوں (تو بے ضبط اور بے قابو نہ ہو جاؤ) عجب نہیں ایک بات تم ناپسند کرتے ہو، اور اسی میں اللہ نے تمھارے لئے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو!

عربِ جاہلیہ میں عورتوں کے ساتھ جو ناانصافیاں کی جاتی تھیں اُن میں سے ایک ناانصافی یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تو جس طرح اُس کا مال و متاع اُس کے وارثوں کے قبضہ میں چلا جاتا، اُسی طرح اُس کی بیویوں پر بھی وہ قابض و متصرف ہو جاتے۔ نیز مختلف طریقوں سے عورتوں کو مجبور کیا جاتا کہ اپنا مہر چھوڑ دیں، یا جو کچھ مال و متاع اُن کے قبضہ میں ہے، مردوں کے قبضہ میں چلا آئے۔ یہاں اس طرح کی تمام ناانصافیوں سے روک دیا گیا۔

عورتوں کے ساتھ تمھاری معاشرت نیکی و انصاف پر مبنی ہونی چاہئے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ محض ہوائے نفس کے ہاتھ اپنی باگ دے دو اور اگر کسی وجہ سے بیوی پسند نہ آئے تو فوراً اُسے چھوڑ کر دوسری کر لو۔ اس طرح کی بے ضبط اور بے قابو طبیعتیں کبھی معاشرتی سعادت حاصل نہیں کر سکتیں۔ اگر کسی وجہ سے تمھیں بیوی پسند نہیں، تو صبر و برداشت سے کام لو۔ بہت ممکن ہے کہ ایک بات تمھیں اچھی نہ لگے، اور اسی میں تمھارے لئے بہتری و سعادت ہو!

٢٤ وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ
٢٥ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ
٢٦ بَعْضٍ وَّأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا
٢٧ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ
وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ

٢٤ اور اگر تم (حسنِ معاشرت کے ساتھ نباہ نہ کرسکو اور) ارادہ کرلو کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر اُسکی جگہ دوسری کرلوگے، اور پہلی بیوی کو تم نے (چاندی سونے کا) ایک ڈھیر بھی (مہر میں) دیدیا ہو، تو بھی نہیں چاہیئے کہ (اُسے علیحدہ کرتے ہوئے) اسمیں سے کچھ واپس لے لو۔ کیا تم چاہتے ہو، اپنا دیا ہوا مال بہتان لگاکر اور ظلم و تعدی کرکے واپس لے لو؟

٢٥ اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم اُسے واپس لو، حالانکہ تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شوہر اور بیوی کا ملنا مل چکے ہو، اور تمھاری بیویاں تم سے نکاح کے وقت (اپنے حقوق کے لئے) پکا قول قرار کراچکی ہیں؟

جن رشتوں میں باہم نکاح جائز نہیں اُن کا بیان۔

٢٦ اور (دیکھو) اُن عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ جنھیں تمھارے باپ نکاح میں لاچکے ہوں (جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا) اس (حکم کے نازل ہونے) سے پہلے جو کچھ ہوچکا سو ہوچکا (آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ) یہ بڑی ہی بے حیائی کی بات تھی، مکروہ و مردود شیوہ تھا، اور بُرا دستور۔

٢٧ (دیکھو) تم پر (نکاح کے لئے ان رشتوں کی عورتیں) حرام ٹھہرادی گئی ہیں:

تمھاری مائیں۔

تمھاری بیٹیاں۔

تمھاری بہنیں۔

تمھاری پھوپیاں۔

تمھاری خالائیں۔

تمھاری بھتیجیاں۔

تمھاری بھانجیاں۔

تمھاری دودھ پلانے والی مائیں۔ (مائیں کیونکہ جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا وہ تمھارے ماں کے ہی برابر ہوگئیں)

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ
اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ۲۸
ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً

تمھاری رضاعی بہنیں (یعنے دُودھ پینے کے رشتہ کی بہنیں)

تمھاری بیویوں کی مائیں۔

تمھاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمھاری گودوں میں (پرورش پاتی) ہیں (یعنے اگرچہ تمھاری نسل سے نہیں ہیں لیکن جب اُن کی ماؤں سے تم نے نکاح کرلیا تو اُس کی سابقہ اولاد بھی تمھاری ہی اولاد جیسی ہوگئی) البتہ یہ ضروری ہے کہ (عقدِ نکاح کے بعد) زناشوئی کا تعلق بھی ہوگیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا ہو تو پھر اُنکی لڑکیوں سے نکاح کرلینے میں کوئی مواخذہ نہیں۔

تمھارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں (یعنے تمھاری بہوئیں)

نیز یہ بات بھی حرام کردی گئی ہے کہ (ایک وقت میں) دو بہنوں کو جمع کرو۔[۱]

(اِس حکم کے نزول سے) پہلے جو کچھ ہوچکا سو ہوچکا۔ اللہ بخشدینے والا اور (اپنے بندوں کے لئے) رحمت رکھنے والا ہے!

اور (دیکھو) وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں۔ ہاں (لڑائی کے قیدیوں میں سے) جو عورتیں تمھارے قبضہ میں آگئی ہوں (تو ظاہر ہے کہ اُنکے سابقہ نکاحوں کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا)

یہ اللہ کی طرف سے تمھارے لئے (قانون) ٹھہرا دیا گیا ہے۔

۲۸ اِن عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر اوپر گزر چکا) تمام عورتیں تمھارے لئے حلال ہیں (تم اُن سے نکاح کرسکتے ہو) بشرطیکہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے کے لئے، نہ کہ نفس پرستی کے لئے اپنا مال خرچ کرکے ان سے نکاح کرو۔

پھر جن عورتوں سے تم نے (ازدواجی زندگی کا) فائدہ اُٹھایا ہے، تو چاہیے کہ جو مہر اُن کا مقرر ہوا تھا وہ اُن کے حوالے کردو۔

[۱] احادیث سے یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بھی جائز نہیں ۱۲

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ ۲۹
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

اور مہر مقرر کرنے کے بعد اگر آپس کی رضامندی سے کوئی بات ٹھہر جائے (یعنے اُس میں کمی بیشی بیوی منظور کرلے۔ یا اُس کا کوئی حصہ، یا سب کچھ اپنی خوشی سے معاف کردے) تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اسمیں تم پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۲۹ اور تم میں جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ مسلمان بی بیوں سے نکاح کرے، تو اُن عورتوں سے نکاح کرلے سکتا ہے جو (لڑائی کے قیدیوں میں سے) تمھارے قبضہ میں آئی ہیں اور مومن ہیں، اور (اس بات میں کوئی ذلت اور عیب نہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسی عورت سے نکاح کرلیا جو لڑائی میں قید ہوکر آئی تھی اور لونڈی بنالی گئی تھی۔ بڑی چیز ایمان ہے، اور) اللہ تمھارے ایمانوں کا حال بہتر جاننے والا ہے۔ (ہوسکتا ہے کہ ایک مومن لونڈی ایمان کے لحاظ سے بہتر درجہ رکھتی ہو، اور ایک شریف زادی ایمانی خصائل سے محروم ہو) اور تم سب ایک دوسرے کی ہم جنس ہو (یعنے انسان ہونے کے لحاظ سے سب ایک ہی طرح کے انسان ہیں) پس ایسی عورتوں کو انکے سرپرستوں کی اجازت سے (بلا تامّل) اپنے نکاح میں لاؤ، اور دستور کے مطابق انکا مہر انکے حوالے کردو۔ البتہ یاد رہے کہ وہ (ازدواجی زندگی کے) قید و بند میں رہنے والی ہوں۔ بدکار عورتیں نہ ہوں۔ اور نہ ایسی ہوں کہ چوری چھپے بدچلنی کرتی رہتی ہوں۔

اسیرانِ جنگ میں سے جو عورتیں تمھارے قبضہ میں آجائیں انھیں اس لئے حقیر و ذلیل نہ سمجھو کہ وہ دوسری قوم کی عورتیں ہیں، یا لڑائی میں قید ہوکر آئی ہیں۔ انسان ہونے کے لحاظ سے ہر آدمی دوسرے آدمی کا ہم جنس ہے، اور انسانی برادری کا رشتہ سارے رشتوں سے زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اُن میں سے جو عورتیں مسلمان ہوگئی ہوں، تم اُن سے نکاح کرسکتے ہو۔

نزول قرآن سے پہلے غلامی کی رسم تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طاقتور قوم کمزور قوم کے افراد کو غلام بنالیتی اور انکے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کرتی۔ قرآن نے اس بارے میں جو اصلاحات کیں انھیں دو قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

اولاً یہ کہ غلامی صرف اسیرانِ جنگ میں محدود کردی، وہ بھی اس طرح کہ کم سے کم امکان اُس کا باقی رکھا۔ سورۂ محمدؐ کی آیت "فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً" (۴۷: ۵) کے ذریعہ اعلان کردیا کہ اگر مصالح جنگ کے خلاف نہ ہو، تو چاہیے کہ اسیرانِ جنگ کو فدیہ لیکر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔

ثانیاً غلاموں کے حقوق کی رعایت پر اسقدر زور دیا اور انکے لئے ایسے احکام و قوانین نافذ کئے کہ غلامی غلامی نہیں رہی بلکہ شہری سوسائٹی کا ایک مساویانہ عنصر بن گئی!

چنانچہ یہاں اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ انسان ہونے کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں۔ اور فضیلت کا معیار ایمان و عمل ہے۔

۳۰ فَاِذَآ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ
۳۱ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَ
۳۲ يَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ
وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ۝ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَ
۳۳ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ

۳۰ پھر اگر ایسا ہو کہ قیدِ نکاح میں آنے کے بعد (ان میں سے کوئی عورت) بدچلنی کی مرتکب ہو، تو اُس کے لئے اُس
سزا سے آدھی سزا ہوگی جو (آزاد) بی بیوں کے لئے ہو۔
یہ حکم اُن لوگوں کے لئے ہے جنھیں اندیشہ ہو کہ (نکاح نہ کر لینے سے) نقصان اور بُرائی میں پڑ جائینگے
اور اگر تم صبر کرو (اور بہتر وقت و حالت کا انتظار کر سکو) تو یہ تمھارے لئے کہیں بہتر ہے، اور اللہ (انسانی
کمزوریوں کو) بخشنے والا اور (اپنے تمام احکام میں) رحمت رکھنے والا ہے!

۳۱ اللہ چاہتا ہے، تم پر اُن (کامیاب اور انعام
یافتہ) لوگوں کی راہ کھول دے جو تم سے پہلے گزر چکے
ہیں اور اُنھی کے طریقہ پر تمھیں بھی چلائے۔ نیز تم پر
(اپنی رحمت سے) لوٹ آئے۔ اور اللہ (تمھارے
مصالح کا) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت
رکھنے والا ہے!

۳۲ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر (اپنی رحمت کے ساتھ)
لوٹ آئے (اور تم اُن برائیوں سے تائب ہو جاؤ جن
میں مبتلا تھے) لیکن جو لوگ (احکامِ حق کی جگہ) نفسانی
خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں، تو وہ چاہتے ہیں تم راہ

یہ تمام احکام جو تمھارے لئے ٹھہرا دیئے گئے ہیں، تو ان سے مقصود یہ ہے کہ
(۱) فلاح و سعادت کی جس راہ پر تم سے پہلے نیک انسان چل
چکے ہیں، وہ تم پر بھی کھل جائے۔
(۲) احکام معاشرت میں سختیاں اور جکڑبندیاں نہ ہوں۔ سہولتیں
اور آسانیاں ہوں۔
(۳) جن معاشرتی برائیوں میں تم مبتلا تھے، ان سے آئندہ تائب ہو جاؤ۔
(۴) افراط تفریط سے بچو اور نفس پرستی میں بے لگام نہ ہو جاؤ۔
اسکے بعد فرمایا کہ معاشرتی زندگی کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی اگر
خاندان کے تمام افراد دیانت دار اور راست باز نہ ہوں۔ پس آپس میں
ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہ کھاؤ۔ ہاں اگر لین دین تجارت ہو تو
باہمی رضامندی سے ہر آدمی اپنا حصہ لے سکتا ہے۔ (۳۳)
اگر انسان بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرے، تو رحمت الٰہی
کا قانون یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور کمزوریاں اُس کی پاکی و سعادت
میں مخل نہیں ہونگی، اور وہ شرف و کرامت کا مقام حاصل کر لیگا۔ (۳۵)

اعتدال سے ہٹ کر بہت دُور جا پڑو۔
اللہ چاہتا ہے، (بیجا سختیوں اور رکاوٹوں کی جگہ) تمھارے لئے نرمی اور آسانی ہو، اور (واقعہ یہ
ہے کہ) انسان (طبیعت کا) کمزور پیدا کیا گیا ہے۔
۳۳ مسلمانو! ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق ناروا نہ کھاؤ۔ ہاں اس صورت میں کھا سکتے ہو کہ آپس کی

تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ ۳۴
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا ۳۵
كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ ۳۶
بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ
فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۳۷

رضامندی سے تجارت ہو (اور اپنے حصہ کے مطابق ہر شخص اپنا حق لے لے) اور (دیکھو) اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تمھارے لئے رحمت رکھنے والا ہے!

اور (یاد رکھو) جو کوئی ظلم و تعدّی سے ایسا کرے گا، تو قریب ہے کہ ہم اُسے آتشِ دوزخ میں ڈال دیں اور ۳۴
اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

(دیکھو) جن بڑی بڑی برائیوں سے تمھیں روک دیا گیا ہے، اگر تم اُن سے بچتے رہو گے، تو (ہمارے فضل و ۳۵
رحمت کا قانون یہ ہے کہ) ہم تمھاری لغزشوں اور غلطیوں کے اثرات تم پر سے محو کر دینگے اور تمھیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دینگے، جو عزت و خوبی کا مقام ہوگا!

اور (دیکھو) خدا نے تم میں سے ایک گروہ کو دوسرے ۳۶
گروہ کے مقابلہ میں جو کچھ دے رکھا ہے اُس کی تمنّا نہ کرو (کہ کاش ہمیں بھی یہ ملا ہوتا!) مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے اُسکے مطابق (ثمرات و نتائج میں) اُن کا حصّہ ہے اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا ہے، اسکے مطابق (ثمرات و نتائج میں) اُن کا حصّہ ہے (دونوں اپنی اپنی جگہ اپنے فرائض اعمال اور اُنکے نتائج رکھتے ہیں) اور چاہیئے کہ ہر حال میں اللہ سے اُس کی بخشائش کے طلبگار رہو، یقیناً وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔

اور (دیکھو) جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ ۳۷
جائیں، تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے حقدار ٹھہرا دئیے

نزولِ قرآن سے پہلے دنیا کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ وجودِ انسانی کا کامل ظہور صرف مردوں ہی کی جنس میں ہوا ہے۔ عورتوں کی ہستی کوئی مستقل ہستی نہیں رکھتی۔ وہ صرف اس لئے بنائی گئی ہیں کہ مردوں کی خوشنودی کا ذریعہ ہوں اور اُن کی چاکری و پرستاری میں فنا ہو جائیں۔

قرآن تاریخ عالم کی سب سے زیادہ پرانی آواز ہے جو اس اعتقاد کے خلاف بلند ہوئی۔ وہ کہتا ہے، خدا نے نوعِ انسانی کو مرد اور عورت کی دو جنسوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی ہستی، اپنے اپنے فرائض اور اپنے اپنے اعمال رکھتی ہیں۔ کارخانۂ معیشت کے لئے جس طرح ایک جنس کی ضرورت تھی، ٹھیک اسی طرح دوسری جنس کی بھی ضرورت تھی۔ انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے یہ دو مساوی عنصر ہیں جو اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملکر ایک مکمل زندگی پیدا کریں۔

البتہ اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں فوقیت دی ہے، اور ایسی ہی فوقیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے۔ مرد عورتوں کی ضروریاتِ معیشت کے قیام کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر اُنہی کے لئے ہو گیا۔ (۳۸)

عورتیں اس خیال سے دلگیر نہ ہوں کہ وہ مرد نہ ہوئیں اور مردوں کے کام انکے حصے میں نہ آئے۔ وہ یقین کریں، اُنکے لئے بھی عمل و فضیلت کی ساری راہیں کھلی ہوئی ہیں! (۳۶)

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝
۳۸ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ
اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ
نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ
۳۹ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ

اسکے بعد فرمایا کہ نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت شعار ہوتی ہیں اور ظاہر و باطن، ہر حال میں شوہروں کے مفاد کی حفاظت کرتی ہیں۔

اگر ایک عورت شوہر کے حقوق کی رعایت نہ کرے، اور اطاعت شعاری کے دائرہ سے باہر ہوجائے، تو شوہر کو چاہئے اُسے سمجھائے اور نرمی و سختی سے رہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔

اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ اندیشہ ہو، شوہر اور بیوی میں تفرقہ پڑجائے گا، تو پھر چاہئے کہ خاندان کی پنچایت بٹھائی جائے۔ پنچایت
۳۸ کی صورت یہ ہو کہ ایک آدمی مرد کے گھرانے سے لیا جائے۔ ایک عورت کے۔ دونوں مل کر اصلاحِ حال کی کوشش کریں۔

اگر سرکشی عورت کی جانب سے ہو تو مرد کو اختیار دیا گیا تھا کہ نرمی و سختی کرکے سمجھائے بجھائے لیکن اگر قصور مرد کا ہو، اور وہ خواہ مخواہ الزام عورت کے سر ڈال رہا ہو تو اس کا کیا علاج؟

اس کا علاج پنچایت کا حکم دے کر کر دیا گیا۔ اگر قصور مرد کا ہوگا تو عورت کو پورا موقع ملجائے گا کہ اپنے گھرانے کے آدمی کے ذریعہ حقیقتِ حال ظاہر کردے۔

اس حکم میں معاشرت کے اکثر احکام کی طرح خطاب مسلمانوں سے ہے۔ یعنے جماعت سے ہے۔ یہ جماعت کا فرض ہے کہ باہمی نااتفاقی کی صورت میں اصلاحِ حال کی کوشش کرے۔

ہیں۔ نیز جن (عورتوں سے) تمھارا عہد و پیمان (نکاح) بندھ چکا ہو (انکا بھی ہمنے حصہ ٹھہرا دیا ہے) پس چاہیئے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہو، وہ اُس کے حوالے کردو (اور یاد رکھو) اللہ حاضر و ناظر ہے۔ اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں!

مرد عورتوں کے سربراہ اور کارفرما ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (خاص خاص باتوں میں) فضیلت دی ہے۔ نیز اس لئے کہ مرد اپنا مال (جو اُن کی محنت سے جمع ہوتا ہے، عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک عورتیں ہیں، ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ اطاعت شعار ہوتی ہیں، اور اللہ کی حفاظت سے (جو اُنھیں حاصل ہوجاتی ہے) پوشیدگی اور غیبت میں بھی (شوہروں کے حقوق و مفاد کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن بیویوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو، تو (یہ نہیں کرنا چاہئے کہ فوراً دل برداشتہ ہوکر قطع تعلق کرلو بلکہ) چاہئے، اُنھیں (پہلے نرمی و محبت سے) سمجھاؤ، پھر خوابگاہ میں اُن سے الگ رہنے لگو۔ اور (اسپر بھی نہ مانیں، تو) اُنھیں (بغیر نقصان پہنچائے محض بطور تنبیہ کے) مارو۔ پھر اگر وہ تمھارا کہا مان لیں، تو سختی سے درگزرو، اور) ایسا نہ کرو کہ الزام دینے کے لئے راہیں ڈھونڈھو (یاد رکھو) اللہ سب کے اوپر اور سب سے زیادہ بڑائی رکھنے والا موجود ہے!

۳۹ اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ میاں بی بی میں تفرقہ پڑجائے گا، تو چاہئے کہ ایک پنچ شوہر کے کنبے میں سے مقرر کرو، اور ایک بیوی کے کنبے میں سے (اور دونوں اصلاحِ حال کی کوشش کریں) اگر دونوں پنچ (دل سے)

اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا ٤٠
وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ
كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ ۨالَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ ٤١
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ ٤٢
الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا ٤٣

چاہینگے کہ صلح صفائی کرادیں، تو اللہ ضرور میاں بی بی میں باہم موافقت پیدا کردیگا (اور انکی کوشش رائگاں نہ جائے گی) بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہی!

اور (دیکھو) اللہ کی بندگی کرو، اور کسی چیز کو اسکے ٤٠
ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور چاہئیے کہ ماں باپ کے ساتھ، قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ خواہ قرابت والے پڑوسی ہوں خواہ اجنبی ہوں، نیز پاس کے بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو مسافر ہوں، یا (لونڈی غلام ہونے کی وجہ سے) تمھارے قبضہ میں ہوں، احسان و سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔

> **عموم شفقت و احسان اور ادائے حقوق و فرائض کا حکم:-**
> ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ قرابت داروں کے حقوق سے غافل نہ ہو۔ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور پڑوسیوں کی خبرگیری کرتے رہو۔ پڑوسی خواہ قرابت دار ہو، خواہ اجنبی ہو، ہر حال میں اچھے سلوک کا مستحق ہی۔ اسی طرح جو لوگ تمھارے پاس بیٹھنے اٹھنے والے ہوں، نیز لونڈی غلام جو تمھارے قبضہ میں ہوں، اُن سب کے بھی تم پر حقوق ہیں اور ضروری ہی کہ سب کے ساتھ محبت و احسان کا سلوک کرو۔
> بخل نہ کرو، اور خدا نے جو کچھ رزق و دولت عطا فرمائی ہی اُسکے بندوں کی خدمت میں خرچ کرو۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہی، اُس کا ہاتھ انفاق فی سبیل اللہ سے کبھی نہیں رُک سکتا۔
> البتہ جو کچھ خرچ کرو، اللہ کے لئے کرو۔ نام نمود کے لئے نہ کرو۔ جو شخص نام و نمود کے لئے خرچ کرتا ہے، وہ اللہ پر اور آخرت پر سچّا ایمان نہیں رکھتا۔

اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے ٤١
والے اور ڈینگیں مارنے والے ہیں۔ جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہی اسے (خرچ کرنے کی جگہ) پوشیدہ رکھتے ہیں، (یاد رکھو) ان لوگوں کے لئے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کن عذاب طیار کر رکھا ہی!

اور (ان لوگوں کو بھی خدا دوست نہیں رکھتا) جو محض لوگوں کے دکھانے کو (نام و نمود کے لئے) مال ٤٢
خرچ کرتے ہیں، اور فی الحقیقت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے (کیونکہ اگر اللہ پر سچا ایمان رکھتے، تو کبھی ایسا نہ کرتے کہ اُسے چھوڑ کر انسانوں کے سامنے نمائش کرنی چاہتے) اور (دیکھو) جس کسی کا ساتھی شیطان ہوا تو کیا ہی بُرا یہ ساتھی ہی!

ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا، اگر یہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خدا نے انھیں دے ٤٣

۴۴ مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً
۴۵ يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى
هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ؕ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝
۴۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ
سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

رکھا ہے، اُسے (خدا کی خوشنودی کے لئے) خرچ کرتے؟ اور اللہ اُنکی حالت سے کچھ بے خبر نہ تھا۔

۴۴ (یاد رکھو) اللہ (مکافاتِ عمل میں) ذرّہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا کہ عمل کے بدلے میں کسی طرح کی کمی ہو جائے، یا کوئی بدلے سے محروم رہجائے۔ اُس کا قانون تو یہ ہے کہ) اگر ذرہ برابر بھی کسی نے نیکی کی ہے، تو وہ اُسے دوگنا کردے گا، اور پھر اپنے پاس سے ایسا بدلہ بھی عطا فرمائے گا جو بہت بڑا بدلہ ہوگا!

۴۵ اور پھر (اے پیغمبر!) کیا حال ہوگا اُس دن، (یعنے قیامت کے دن) جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ طلب کرینگے (یعنے اُس کے پیغمبر کو طلب کرینگے جو اپنی اُمت کے اعمال و احوال پر گواہ ہوگا) اور ہم تمھیں بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے طلب کرینگے؟

سو اُس دن ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور رسول کے حکموں سے نافرمان ہوگئے ہیں، وہ (حسرت و ندامت سے) تمنا کرینگے۔ کاش (وہ دھنس جائیں اور) زمین انکے اوپر برابر ہوجائے! اور اُس دن یہ اللہ سے (اپنی) کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں کہہ سکینگے!

۴۶ مسلمانوں! ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو۔ نماز کے لئے ضروری ہے کہ تم ایسی حالت میں ہو کہ جو کچھ زبان سے کہو (ٹھیک طور پر) اُسے سمجھو۔ اور اسی طرح جب کسی کو نہانے کی حاجت ہو تو وہ بھی جب تک نہا نہ لے، نماز کا قصد نہ کرے۔ ہاں راہ چلتا مسافر ہو (تو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے) اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی آدمی جائے ضرور سے فارغ ہو کر آئے، یا ایسا ہو کہ تم عورت کے پاس رہے ہو، اور (وضو اور غسل کے لئے)

معاشرتی زندگی کے جو حقوق و فرائض بیان کئے گئے ہیں، اگر تم چاہتے ہو کہ اُن کی اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو، تو چاہئے کہ خدا کے ذکر و عبادت سے اپنی ایمانی قوت مضبوط کرتے رہو۔ جو جماعت نماز کی حقیقت سے محروم ہوگی۔ یعنے عبادت کے خشوع و خضوع کا اُسمیں ذوق نہ ہوگا، وہ کبھی عملی زندگی کی اخلاقی مشکلات پر قابو نہیں پا سکتی۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے باشندے صدیوں سے شراب نوشی کے عادی ہو رہے تھے۔ مشکل تھا کہ یک دفعہ باز آجاتے۔ اس لئے بہ تدریج ممانعت کے احکام نازل ہوتے رہے۔ بالآخر قطعی طور پر اُس کا استعمال حرام کردیا گیا۔ یہاں نماز کے وقت شراب نوشی سے بچنے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ ابتدائی عہد کا ہے۔ اُسوقت تک شراب کی حرمت کا آخری اعلان نہیں ہوا تھا۔

تیمم کا حکم۔ اگر پانی میسر نہ آئے۔ یا بیماری مانع ہو تو وضو اور غسل

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ ٤٧
الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ ٤٨
يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ

کی جگہ تیمم کرو لیکن کسی حال میں بھی نماز ترک نہ کرو۔

نماز کے ذکر کے بعد سلسلۂ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور پیروانِ دعوتِ حق پر یہ حقیقت واضح کی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ نے تمھاری فلاح و سعادت کے لئے احکامِ شریعت نازل کر دیئے ہیں، اسی طرح تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کے لئے بھی نازل کر دیئے تھے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ وہ راہِ ہدایت سے منحرف ہو گئے۔ پس چاہیے کہ ان کی حالت سے عبرت پکڑو اور اخلاص و صداقت کے ساتھ احکامِ الٰہی پر کاربند ہو۔

یہود مدینہ کی یہ شقاوت کہ جب پیغمبر اسلام اور مسلمانوں سے ملتے تو ذو معنی اور مشتبہ الفاظ کہکر دل کا بخار نکالتے۔ (۴۸)

ضمناً مدینہ کے یہودیوں کو انذار کہ اگر دینِ حق کی مقاومت سے باز نہ آئے، تو وہ وقت دُور نہیں ہے کہ دعوتِ حق کی فتحمندی انکی ذلت و خواری کا آخری فیصلہ کر دیگی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ اعلان حرف بہ حرف پورا ہوا۔ (۵۰)

سورۂ آل عمران میں یہود اور نصاریٰ کی سب سے بڑی گمراہی یہ بتلائی تھی کہ انھوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو ایسا مقدس اور با اختیار سمجھ رکھا ہے، گویا وہ خدا کی خدائی میں شریک ہیں (۳:۶۴ و ۷۵) خدا کی خدائی میں شریک سمجھنے سے مقصود وہ اعتقاد ہے جو یہودیوں میں اپنے فقیہوں کی نسبت، اور رومن کیتھولک عیسائیوں میں پوپ اور پادریوں کی نسبت پایا جاتا ہے یا جو کچھ وہ اپنے راہبوں اور فقیروں کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں۔

اس گمراہی کا نتیجہ یہ تھا کہ ہدایت کا سر رشتہ، کتاب الٰہی کی جگہ چند انسانوں کے ہاتھ آگیا تھا۔ وہ لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتے تھے، اپنی نفسانی غرضوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔ لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا تھا۔ توہم پرستی و جہالت میں غرق ہو گئے تھے، اور انسان کی عقلی ترقی و روشنی کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔

قرآن نے اس گمراہی کو شرک قرار دیا ہے۔ وہ یہودیوں سے کہتا ہے کہ سارے گناہ بخش دیئے جا سکتے ہیں، مگر اس کے لئے بخشایش نہیں کیونکہ یہ گمراہی شریعت الٰہی کے تمام مقاصد درہم برہم کر دیتی ہے، اور انسانی ہدایت

پانی میسر آئے، تو اس صورت میں چاہیے، پاک زمین سے ہی کام لو۔ (طریقہ اس کا یہ ہے کہ زمین پر ہاتھ مار کر) چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ بلاشبہ اللہ درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے!

کیا تم نے ان لوگوں کی حالت نہیں دیکھی جنھیں کتاب اللہ ٤٧
(کے علم میں) سے ایک حصہ دیا گیا تھا؟ کس طرح وہ (ہدایت دے کر) گمراہی خرید رہے ہیں، اور چاہتے ہیں تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔

اور اللہ تمھارے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہے (وہ ان سے بے خبر نہیں) اور (تمھارے لئے) اللہ کی دوستی کفایت کرتی ہے، اور اللہ کی مددگاری کافی ہے!

(اے پیغمبر!) یہودیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں (جن کا ٤٨
شیوہ ہے) کہ لفظوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں، اور (جب تم سے ملتے ہیں تو) اس خیال سے کہ دینِ حق کے خلاف طعن و تشنیع کریں، زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں (چنانچہ) کہتے ہیں "سمعنا و عصینا" اور "اسمع غیر مسمع" اور "راعنا"۱؎ اگر یہ لوگ (ذات بازی سے

۱؎ "سمعنا و اطعنا" کے معنے ہیں، ہم نے حکم سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ یہودی از راہ شرارت اسے اس طرح ادا کرتے کہ "اطعنا" "عصینا" ہو جاتا۔ یعنے ہم نے حکم سنا اور خلاف ورزی کی۔ "اسمع" کے معنی ہیں، ہماری بات سنئے۔ وہ اسکے ساتھ "غیر مسمع" بھی بڑھا دیتے۔ جسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ خدا تمھیں بری بات نہ سنوائے۔ دوسرے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بہرے ہو جاؤ۔ اسی طرح "راعنا" بولتے جسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ہماری طرف التفات کیجئے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے چرواہے۔ عربی میں کہتے ہیں "راعی الحمار الحمر" اذا رعی معہا۔

۴۹ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ

۵۰ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ

۵۱ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ

۵۲ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ

کا مرکز اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے (۵۱)

یہودیوں کی سب سے بڑی گمراہی، مذہبی گروہ بندی کا گھمنڈ ہے۔ وہ ایمان و عمل کی روح سے محروم ہو چکے ہیں، لیکن پھر بھی اپنے اہل کتاب اور بنی اسرائیل ہونے پر نازاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ہم خدا کی چہیتی قوم ہیں، اور آخرت کی نجات ہمارے لئے لکھدی گئی ہے۔ جب کبھی کوئی جماعت دین کے سچے علم و عمل سے محروم ہو جاتی ہے، تو ایسے ہی غرور باطل میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ (۵۲)

۴۹ محروم نہ ہوتے، اور ان شرارت آمیز لفظوں کی جگہ "سمعنا و اطعنا" اور "اسمع" اور "انظرنا" کہتے، تو یہ انکے حق میں بہتر تھا اور درستگی کی بات تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔ پس ایک گروہ قلیل کے سوا اور سب ایمان سے محروم ہیں!

۵۰ اے وہ لوگو کہ تمھیں کتاب دی گئی تھی! جو کتاب ہمنے (پیغمبر اسلام پر) نازل کی ہے، اور جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے، جو تمھارے ہاتھوں میں موجود ہے، اسپر ایمان لاؤ (اور انکار حق کے شیوہ سے باز آجاؤ) اسوقت سے پہلے ایمان لے آؤ، جب ایسا ہو کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے پیٹھ پیچھے الٹا دیں، (یعنے انھیں ذلیل و خوار کر دیں) یا ایسا ہو کہ جس طرح اصحاب سبت لہ پر ہماری پھٹکار پڑی تھی، اسی طرح ان پر بھی پھٹکار پڑے۔ اور (یاد رکھو) خدا نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے (یعنے جو قانون ٹھہرا دیا ہے) وہ ضرور ہو کر رہے گا!

۵۱ اللہ یہ بات کبھی بخشنے والا نہیں کہ اسکے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک ٹھہرایا جائے (جسطرح یہود اور نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرالیا ہے) ہاں، اسکے سوا اور جتنے گناہ ہیں وہ چاہے تو بخشدے اور (دیکھو) جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، تو یقیناً وہ گناہ عظیم کرتا ہوا (خدا پر) افترا پردازی کرتا ہے۔

۵۲ (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنی پاکی و صلاحیت کا بڑا گھمنڈ رکھتے

لہ اصحاب سبت سے مقصود یہودیوں کی وہ جماعت ہے جنھیں سبت کے دن کے احترام کا حکم دیا گیا تھا، اور اسدن شکار کھیلنے سے روک دیا تھا، لیکن انھوں نے حیلے بہانے نکالکر اس حکم کی نافرمانی کی اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۶۲ میں بھی اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور تفصیل سورۂ اعراف میں ملتی ہے (۷: ۱۶۳)

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ ۵۳
اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ ۵۴
وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ ۵۵-۵۶
الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ ۵۷

رکھتے ہیں؟ (یعنے اپنے اہل کتاب ہونے کا بڑا گھمنڈ رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں آخرت کی نجات صرف ہمارے ہی لئے
ہے) حالانکہ (اپنے منہ پاک بننے سے کوئی پاک نہیں ہوجاتا) یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے، (برائیوں سے)
پاک صاف کردے، اور (اُس کا قانون تو یہ ہے کہ مکافاتِ عمل میں) رائی برابر بھی کسی پر ظلم نہیں ہوگا (جو سچ
مچ پاک ہے، وہ اپنی پاکی کا بدلہ پائے گا۔ جو پاکی و صلاحیت سے محروم ہے، اُسکے آگے اُس کی محرومی آئیگی!) ۵۳
دیکھو، یہ لوگ کس طرح اللہ پر صریح بہتان باندھ رہے ہیں؟ (اُس کا قانون تو یہ ہے کہ پاکی و نجات کا دار و مدار
ایمان و عمل پر ہے، اور یہ کہتے ہیں یہودیت کی گروہ بندی پر ہے!) اِن کی آشکارا گناہ گاری کے لئے یہی ایک
بات بس کرتی ہے!

(اے پیغمبر!) کیا تم ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے ۵۴
جنھیں کتاب اللہ (کے علم میں) سے ایک حصہ دیا گیا
تھا؟ (کس طرح) وہ بتوں کے اور شریر قوتوں کے معتقد
ہوگئے ہیں! اور کافروں کی نسبت (یعنے مشرکین عرب
کی نسبت) کہتے ہیں، مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی
لوگ راہِ راست پر ہیں۔
یقین کرو، یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی پھٹکار پڑی ہے، ۵۵
اور جس کسی پر اُس کی پھٹکار پڑی، تو ممکن نہیں تم کسی
کو اُس کا مددگار پاؤ!

جب ایک جماعت میں اتباعِ حق کی جگہ جتھا بندی اور گروہ پرستی کی
روح پیدا ہوجاتی ہے، تو پھر حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ وہ چاہتی
ہے جس طرح بھی بنے، اپنی بات بنالی جائے اور مخالف گروہ کو زک دے
دی جائے۔ اگر ایسا کرنے میں اُسے خود اپنے اصولوں اور عقیدوں کے
خلاف بھی جانا پڑے، تو بلا تامل چلی جاتی ہے۔
یہی حال مدینہ کے یہودیوں کا تھا۔ وہ ہمیشہ بُت پرستی کے مخالف رہے
اور بُت پرستوں کی تحقیر و تذلیل کرتے رہے، لیکن اب مسلمانوں کی ضد
میں آکر بُت پرستوں کی تعریف کرتے، اور کہتے، اِن مسلمانوں سے تو مشرکوں
ہی کا طور طریقہ زیادہ قرینِ صواب ہے!

پھر (یہ لوگ جو پیروانِ حق کی دشمنی میں اِس قدر کھوئے گئے ہیں، تو) کیا یہ بات ہے کہ اُنکے قبضہ میں بادشاہت ۵۶
کا کوئی حصہ ہے، اور اِس لئے نہیں چاہتے کہ لوگوں کو رائی برابر بھی (اُس میں سے) کچھ مل جائے؟
یا پھر خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اُس کا انھیں حسد ہے (اور نہیں چاہتے کہ جس ۵۷

۵۸ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ
۵۹ مَنْ صَدَّ عَنْهُ ط وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ط
كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝
۶۰ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط
۶۱ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ
أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ط إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ط

نعمت سے خود محروم ہو چکے ہیں۔ وہ دوسروں کے حصے میں آئے؟) اگر یہی بات ہے تو (اُنھیں اس بات سے بے خبر نہیں ہونا چاہئے کہ) ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی تھی، اور ساتھ ہی عظیم الشان
۵۸ سلطنت بھی عطا فرمائی تھی۔ پھر اُن میں سے کوئی تو ایسا ہوا جس نے اس بات پر یقین کیا۔ کوئی ایسا ہوا جس نے روگردانی کی، اور (جس نے روگردانی کی، تو اُسکے لئے) دہکتی ہوئی دوزخ کی آگ بس کرتی ہے!

۵۹ (یاد رکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا (یعنے انھیں جھٹلایا اور سرکشی و شرارت سے مقابلہ کیا) تو قریب ہے کہ (قیامت کے دن) ہم انھیں آتش دوزخ میں جھونک دیں۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ اُن کی کھال (آگ کی تپش سے) پک جائیگی (یعنے جل جائیگی) تو ہم پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کردینگے تاکہ (اُن کی سوزش و اذیت ختم نہ ہونے پائے، اور) عذاب کا مزہ (اچھی طرح) چکھ لیں۔ اور بلاشبہ اللہ سب پر غالب ہے اور جو کچھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے!

۶۰ اور جو لوگ (ہماری آیتوں پر) ایمان لائے، اور اُنکے کام بھی اچھے ہوئے، تو ہم انھیں (راحت و سرور کے) ایسے باغوں میں داخل کردینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی (اور اس لئے ان کی سرسبزی و شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہینگے۔ اور ان کی رفاقت کے لئے نیک و پارسا بیویاں ہوں گی، نیز ہم انھیں (اپنی رحمت کے) بڑے اچھے سایے میں جگہ دینگے!

۶۱ (مسلمانو!) خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ جو جسکی امانت ہو، وہ اسکے حوالے کردیا کرو۔ (ایسا نہ کرو کہ کسی حقدار اور اہل کے حق سے انکار کرو) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو چاہئے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ کیا ہی اچھی بات ہے جس کی خدا تمھیں نصیحت کرتا ہے! (کہ ساری باتوں کی بھلائی اور خوبی عدل

اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر کے بعد مسلمانوں سے خطاب، اور قیام عدل، ادائے امانت، اور رفع نزاع کے اصول و مہمات:۔

(۱) اجتماعی زندگی کے نظم و فلاح کے لئے اصل اصول یہ ہے کہ جو جس بات کا حقدار ہو، اُسکے حق کا اعتراف کرو، اور جو چیز جسے ملنی چاہئے، وہ اُسکے حوالہ کردو۔ وارث کا حق ہو، یتیم کا مال ہو، قرضدار کا قرض ہو، امانت رکھنے والے کی امانت ہو، اہلیت رکھنے والے کے لئے منصب اور عہدہ ہو، کوئی چیز ہو، اور کوئی صورت ہو، لیکن جو جس کا حق ہو، اُو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ ٦٢
مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا ٦٣
بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا
بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ ٦٤

ہی کے قیام سے مل سکتی ہے) بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اللہ کے رسول ٦٢
کی اطاعت کرو، اور اُن لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحب حکم و اختیار ہوں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (یعنے اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے) تو چاہیئے کہ اللہ اور اُسکے رسول کی طرف رجوع کرو۔ (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اُسے تسلیم کرلو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، (تو تمھارے لئے راہِ عمل یہی ہے) اسی میں تمھارے لئے بہتری ہے، اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے (کیونکہ اختلاف و نزاع کے اُبھرنے کا موقع باقی نہیں رہتا اور فتنوں فسادوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی؟ (یعنے منافقوں کی حالت پر) ان کا ٦٣
دعوی یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ پہلے تم سے نازل ہو چکا ہے، وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن (عمل کا حال یہ ہے کہ) چاہتے ہیں اپنے جھگڑے قضیے ایک سرکش اور شریر (انسان) کے آگے لیجائیں حالانکہ اُنھیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اُس سے انکار کریں (اور صرف اللہ اور اسکے رسول ہی کی پیروی کریں) اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے اُنھیں اس طرح گمراہ کر دے کہ راہ راست سے بہت دور جا پڑیں۔

اور (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم ٦٤
کی طرف جو اُسنے نازل کیا ہے، اور رسول کی طرف

جو جس کا اہل ہے، وہ اُسے ملنا چاہیے۔

(۲) جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو کسی حالت اور کسی صورت میں بھی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ فیصلہ انصاف کے خلاف کیا جائے۔

(۳) مسلمانوں کے لئے اصل دین یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کریں اللہ کے رسول کی اطاعت کریں، اور جو لوگ اُن میں سے صاحب حکم و اختیار ہوں اُن کی اطاعت کریں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو چاہیئے کہ اللہ اور اسکے رسول کے احکام کی طرف رجوع کریں، اور جو فیصلہ ملے اُسکے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔

اس حکم سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے تمام مذہبی اختلافات کے لئے قرآن و سنت کی طرف رجوع ہونا چاہیئے نہ کہ انسانوں کے اقوال و آرا کی طرف۔

اگر مسلمانوں نے اس حکم قرآنی پر عمل کیا ہوتا، تو مذہبی اختلاف و تفرقہ سے محفوظ رہتے، اور ان کی ایک جماعت بہت سی جماعتوں اور مذہبوں میں متفرق نہ ہو جاتی۔

تشریح اس مقام کی آیندہ سورتوں میں آئیگی۔

منافق زبان سے تو ایمان کا دعوی کرتے لیکن عمل کا حال یہ تھا کہ اپنے جھگڑے قضیئے چکانے کے لئے مخالفین اسلام کے سامنے لیجاتے

٦٥ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
٦٦ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا
٦٧ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ
٦٨ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى

تھے، اور اللہ اور اسکے رسول کے فیصلوں پر منافقین اسلام کے فیصلوں کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر جب کبھی ایسا ہوتا کہ ان کی یہ دورنگی پکڑی جاتی تو پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر جھوٹی قسمیں کھاتے، اور کہتے ہم تو آپ ہی کے حکم پر چلنے والے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ کسی نہ کسی طرح معاملہ سلجھ جائے اور منافقین اسلام کی بھی دلجوئی ہوجائے، ان لوگوں کے پاس چلے گئے تھے۔

یہاں ان لوگوں کی اسی منافقانہ روش کا ذکر کیا گیا ہے، اور صاف صاف کہدیا ہے کہ جو شخص اللہ کے رسول کے حکم اور فیصلے پر یقین نہیں رکھتا وہ کبھی سچا مومن نہیں ہوسکتا۔ یقین کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ حکم مان لیا جائے، بلکہ "لایجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت" ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ حکم رسول کے خلاف دلمیں کوئی تنگی و خلش بھی محسوس نہ ہو!

(جسکی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے) بلایا جاتا ہے تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے روگردانی کرتے ہیں اور انکے قدم ٹھٹک کر رہجاتے ہیں۔
٦٥ پھر اگر ایسا ہو کہ انکے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو اسوقت ان لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اسوقت یہ تمھارے پاس آکر خدا کے نام کی قسمیں کھائیں اور کہیں (ہمیں آپکا فیصلہ ماننے سے کبھی انکار نہیں) ہمنے جو کچھ کیا تھا، تو اس سے مقصود صرف بھلائی تھی، اور یہ کہ (آپس میں) میل ملاپ ہو۔

٦٦ (اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے، انکے دلوں میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے پس چاہئے کہ انکے پیچھے نہ پڑو، اور (ان کی ایمان فراموشیوں پر) انھیں پند و نصیحت کرتے رہو۔ تم انھیں (پند و نصیحت کی) ایسی باتیں کہو کہ انکے دلوں میں اتر جائیں۔

٦٧ اور (اے پیغمبر! ان لوگوں کو جو تمھاری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہی کے ساتھ ہوئی ہو۔) ہمنے جس کسی کو بھی منصب رسالت دیکر دنیا میں کھڑا کیا، تو اسی لئے کیا، کہ ہمارے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے۔ اور جب ان لوگوں نے (تمھاری نافرمانی کرکے) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرلیا تھا، تو اگر اسی وقت تمھارے پاس حاضر ہو جاتے اور خدا سے (اپنی نافرمانی کی) معافی مانگتے نیز خدا کا رسول بھی ان کی بخشش کے لئے دعا کرتا، تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے!

٦٨ پس (دیکھو) تمھارا پروردگار اس بات پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک ایسا

يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا ۝ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۶۹
وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن
لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ ۷۰-۷۱
مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ
رَفِيقًا ۝ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ ۷۲-۷۳

نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں قضیوں میں تمھیں حاکم بنائیں اور پھر (صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) انکے دلوں کی حالت بھی ایسی ہوجائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کردو، اسکے خلاف کسی طرح کی دل گرفتگی محسوس نہ کریں، اور وہ جو کسی بات کو پوری طرح مان لیتا ہوتا ہے، اسی طرح ٹھیک ٹھیک مان لیں۔

اور (دیکھو) اگر ہم انھیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو (یعنے لڑائی میں لڑتے لڑتے قتل ہوجاؤ) ۶۹
یا حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے (ہجرت کرکے) نکل کھڑے ہو، تو (ان کا کیا حال ہوتا؟ یہ ہوتا کہ) چند آدمیوں کے سوا کوئی بھی اسکی تعمیل نہ کرتا۔ حالانکہ جس بات کی انھیں نصیحت کیجاتی ہے، اگر یہ اسپر عمل کرتے تو انکے لئے بہتری تھی، اور (راہِ حق میں) پوری طرح جمے بھی رہتے۔ اور (اگر یہ راہِ حق میں پوری طرح جمے رہتے تو) اس صورت میں ضروری تھا کہ (اسکے نتائج بھی انکے حصے میں آتے) ہم اپنی جانب سے انھیں ایسا اجر عطا
فرماتے جو بہت بڑا اجر ہوتا، اور ایسی راہ لگا دیتے جو (کامیابی وسعادت کی) سیدھی راہ ہوتی! ۷۰
اور جس کسی نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت ۷۱
کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر خدا نے انعام کیا ہے، اور وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور (تمام) نیک اور راست باز انسان ہیں۔ اور (جس کسی کے رفیق ایسے لوگ ہوں، تو) ایسے رفیق کیا ہی اچھے رفیق ہیں!
یہ بخشش و کرم اللہ کے طرف سے ہے۔ اور (انسان کا ۷۲
حال جاننے کے لئے) اللہ کا علم کفایت کرتا ہے!
مسلمانو! اپنی حفاظت اور طیاری میں لگے رہو پھر ۷۳
(جب وقت آجائے تو دشمنوں کے مقابلے میں) نکلو۔ الگ

انعام یافتہ گروہ چار ہیں: انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء۔ صالحین۔
انبیاء سے مقصود خدا کی سچائی کے وہ تمام پیغام بر ہیں جو مختلف عہدوں اور مختلف قوموں میں پیدا ہوئے، اور جنھوں نے نوعِ انسانی کو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ دکھادی۔
صدیق اسے کہتے ہیں جس میں سچائی کی روح غالب ہو۔ یعنے ایسا انسان جو سچائی سے فطری مناسبت رکھتا ہو، اور اسے دیکھتے ہی پہچان لیتا اور قبول کرلیتا ہو۔
شہید کے معنی ہیں گواہی دینے والا۔ یعنے ایسا انسان جو اپنے قول وعمل سے سچائی کا اعلان کرنے والا ہو، اور دنیا میں اس کے لئے شہادت وحجت قائم کردے۔
صالحین سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو اپنے اعتقاد وعمل میں نیک اور راست باز ہوں۔
سورۂ فاتحہ میں "صراط الذین انعمت علیہم" سے مقصود انہی گروہوں کی راہ ہے۔
اسکے بعد منافقوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر شروع ہوجاتا ہے جو جنگ

۷۴ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ
۷۵ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ
۷۶ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ
۷۷ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

الگ گروہوں میں ہو کر۔ یا سب اکٹھے ہو کر۔ (جیسی کچھ
مصلحت ہو)
۷۴ اور (دیکھو) تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے کہ
(اگر جنگ کی پکار ہو جائے، تو) وہ ضرور قدم پیچھے ہٹائے
اگر (لڑائی میں) تم پر کوئی مصیبت آپڑے، تو (خوش
ہو، اور) کہے "خدا نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان
۷۵ لوگوں کے ساتھ نہ تھا" اگر تم پر خدا کا فضل و کرم ہو،
تو (رشک و حسد سے جل مرے، اور) بے اختیار بول
اٹھے گویا تم میں اور اس میں دوستی و محبت کا کوئی رشتہ
تھا ہی نہیں کہ "اے کاش میں ان لوگوں کے ساتھ
ہوتا، کہ بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتا!"
۷۶ سو (دیکھو) جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی
(اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں، انھیں چاہئے کہ (ایسے لوگوں کی روش اختیار نہ کریں، اور) اللہ کی راہ میں
جنگ کریں۔ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے، تو خواہ قتل ہو جائے، خواہ غالب آئے، (ہر حال میں)
ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔
۷۷ اور (مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے؟ حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد
اور عورتیں اور بچے ہیں جو (ظالموں کے ظلم و تشدد سے عاجز آکر) فریاد کر رہے ہیں "خدایا! ہمیں اس بستی سے
جہاں کے باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے، نجات دلا! (یعنے مکہ سے نجات دلا) اور اپنی طرف سے
کسی کو ہمارا کارساز بنا دے، اور اپنی طرف سے کسی کو ہماری مددگاری کے لئے کھڑا کر دے!"

کے معاملہ سے تعلق رکھتی ہیں (۷۳)

ہر جماعت میں کچھ لوگ ایمان و یقین سے محروم اور عزم و ہمت سے تہی دست ہوتے ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ عزم و ہمت کا کوئی قدم اٹھایا جا رہا ہے تو اپنی کمزوری سے خود بھی باز رہتے ہیں اور چاہتے ہیں دوسروں کو بھی باز رکھیں۔ پھر جب جماعت قدم اٹھا دیتی ہے، تو الگ تھلگ رہ کر غیروں کی طرح تماشہ دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں، اچھا ہوا، ہم ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ اگر کامیابی ہوتی ہے، تو رشک و حسد سے جل مرتے ہیں، اور کہنے لگتے ہیں، کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا، تو آج کامیابی میں ہمارا حصہ ہوتا۔ گویا ان کی شخصیت جماعت کی ہستی سے بالکل الگ ہے۔ نہ تو اس کا نقصان ان کا نقصان ہے نہ اس کی کامیابی انکی کامیابی!

اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ قرآن انکے اعمال بیان کرتا، اور انھیں مومن کی جگہ منافق قرار دیتا ہے (۷۴)

یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ قرآن نے جنگ کا حکم اس لئے نہیں دیا ہے کہ مسلمان دوسروں پر چڑھ دوڑیں بلکہ اس لئے کہ مظلوموں اور بیکسوں کی حمایت کریں، اور انھیں ظالموں کے پنجے سے نجات دلائیں (۷۷)

اسی لئے وہ بار بار کہتا ہے "اللہ کی راہ میں لڑو"۔ یعنے اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے عدل و انصاف کے قیام کے لئے لڑو۔

۷۸ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ
۷۹ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ
لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ
مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ
لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وقفه

۷۸ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں تو اُن کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے (کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے لئے نہیں لڑتے۔ عدل و انصاف کی حمایت میں لڑتے ہیں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں (یعنے شر و فساد کی شیطانی طاقتوں کی راہ میں لڑتے ہیں) سو (اگر تم ایمان رکھتے ہو تو چاہیئے کہ) شیطان کے حامیوں سے لڑو۔ (اور اُن کی طاقت و کثرت کی کچھ پروا نہ کرو) شیطان کا مکر (دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے، لیکن حق کے مقابلہ میں) کبھی جمنے والا نہیں!

۷۹ (اے پیغمبر!) کیا تم نے اُن لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنھیں حکم دیا گیا تھا کہ (جنگ و خونریزی سے) ہاتھ روک لو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (کہ تمھارے لئے فلاح و سعادت کی راہ یہی ہے) پھر جب ایسا ہوا کہ (خود اسلام کی طرف سے) اُن پر لڑنا فرض کر دیا گیا، تو یکایک، ایک گروہ انسانوں کے ڈر سے اس طرح ڈر رہا ہے، جیسے کوئی خدا سے ڈر رہا ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ! وہ کہتے ہیں خدایا! تو نے ہم پر جنگ کرنا کیوں فرض کر دیا؟ کیوں نہ ہمیں تھوڑے دنوں کی اور مہلت دیدی! (اے پیغمبر!) تم اِن لوگوں سے کہدو، (جس دنیا کی محبت میں تم موت سے بھاگ رہے ہو، اُس) دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے، اور جو کوئی (انسانوں کی جگہ) اللہ سے ڈرتا ہے تو اسکے لئے آخرت ہی (کا سرمایہ) بہتر ہے۔ وہاں رائی برابر

"جنگ و خونریزی سے ہاتھ روک لو" یعنے لوگ قتل و خونریزی کے عادی تھے۔ اسلام نے اس سے روکا اور اعمال حسنہ کی تلقین کی۔ اب جب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا، تو منافق اور وہ لوگ جو ایمان میں کچے ہیں جنگ سے جی چرانے لگے، اور آرزوئیں کرنے لگے کہ کاش حکم نہ دیا جاتا۔ قرآن کہتا ہے، ان کی حالت پر غور کرو۔ انھیں ظلم و فساد کی راہ میں تو جنگ کرنے سے انکار نہ تھا بلکہ اسکے شائق تھے۔ اب حق و عدالت کی راہ میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے جی چرا رہے ہیں، اور انسانوں کے خوف سے ایسے کانپ رہے ہیں جیسے کوئی خدا کے ڈر سے کانپ رہا ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ!

مسلمانوں کی جماعت کو جب کبھی کوئی نقصان پیش آجاتا، تو منافق اور یہودی کہتے، یہ سب کچھ پیغمبر اسلام کی وجہ سے ہوا۔ قرآن کہتا ہے "کہدو، جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے" یعنے خدا نے ہر حالت اور ہر نتیجہ کے لئے احکام و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جو کچھ بھی پیش آتا ہے، اُن حالات کا لازمی نتیجہ ہے۔ پس یہ بڑی ہی جہالت اور عناد کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ (۸۰)

آگے چلکر فرمایا، جو کچھ برائی پیش آتی ہے، وہ خود تمھاری ہی بدعملی کا نتیجہ ہے۔ اس کا الزام دوسرے کے سر نہ ڈالو۔ پیغمبر اسلام تو اللہ کے رسول ہیں، اور رسول کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ ماننا یا نہ ماننا تمھارا کام ہے۔ اگر تم اُسکے احکام کی اطاعت نہ کرو اور اس کا برا نتیجہ پیش آئے، تو اس کی ذمہ داری تم پر ہے۔ نہ کہ پیغمبر اسلام پر۔ (۸۱)

٨٠ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَ
إِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ
مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝
٨١ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَ
٨٢ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝

بھی کسی کی حق تلفی نہ ہوگی!

٨٠ تم کہیں بھی ہو، موت تمھارا ٹھکانا پا کر رہیگی اگر تم بلند اور مضبوط قلعوں کے اندر (چھپے) ہو جب بھی اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

اور (اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو کوئی بھلائی کی بات پیش آتی ہے، تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے (ہماری کوششوں کا صلہ) ہے، لیکن جب کبھی کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے، تو کہتے ہیں یہ تمھارے طرف سے ہے (یعنے پیغمبر اسلام کی وجہ سے پیش آیا ہے) تم کہدو، جو کچھ ہوتا ہے، خدا ہی کی طرف سے ہے (کہ اسنے ہر حالت اور نتیجہ کے لئے قوانین ٹھہرا دیئے ہیں اور جو کچھ پیش آتا ہے، وہ ان کا لازمی نتیجہ ہے) پھر (افسوس ان کی حالت پر!) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ہو، یہ سمجھ بوجھ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے!

٨١ (اصل حقیقت تو یہ ہے کہ) جو کچھ بھلائی تمھیں پیش آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے، اور جو کچھ نقصان اٹھاتے ہو، وہ خود تمھارے طرف سے ہے (یعنے خود تمھاری بدعملیوں کا نتیجہ ہے) اور (اے پیغمبر!) ہمنے تمھیں لوگوں کے پاس اپنا پیامبر بنا کر بھیجا ہے (اور پیغام لے جانے والے کا کام یہی ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ تم لوگوں کی نافرمانیوں اور بدعملیوں کے لئے ذمہ دار نہیں ہو سکتے) اور (تمھارے پیغام پہونچانے کے لئے) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے!

٨٢ جس کسی نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی، تو اُسنے فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کی، اور جس کسی نے روگردانی کی، تو (اے پیغمبر!) ہمنے تمھیں اُن پر کچھ پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ اُن کے اعمال کے لئے

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جماعت کی ریاست و پیشوائی کا منصب رکھتا ہو، اُسے کیسی کیسی دشواریوں میں سے گزرنا پڑتا ہے؟ وہ جب عزم و عمل کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے، تو ایک گروہ ایسے لوگوں کا پیدا ہو جاتا ہے جو یقین کا کچا اور ہمت کا کمزور ہوتا ہے۔ وہ اطاعت کی جگہ مخالفت کی روش اختیار کرتا ہے۔ پھر جب اس صورت حال کی وجہ سے کوئی ناکامی پیش آجاتی ہے، تو بجائے اسکے کہ اپنی بدعملیوں پر نادم ہوں، سارا الزام اُسکے سر ڈال دیتے ہیں، اور مخالفت کا ایک نیا بہانہ اُن کے ہاتھ آجاتا ہے۔ اسی لئے آگے چلکر کہا "اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ کی کارسازی تمھارے لئے کافی ہے۔" (٨٣)

یعنے صاحب عزم کو چاہئے، ان باتوں سے دل گرفتہ نہ ہو، اللہ پر بھروسہ رکھے، اور اپنے کام میں سرگرم رہے۔ اس کا عزم و ثبات بالآخر تمام دشواریوں پر غالب آجائے گا۔

اللہ کے رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ اور اللہ کا رسول اس لئے آتا ہے کہ پیغام حق پہونچا دے۔ اس لئے نہیں کہ لوگوں کے اعمال کا پاسبان ہو اور انھیں جبراً اپنے طریقہ پر چلائے۔

جب تمھاری نافرمانیوں کا یہ حال ہے کہ منہ سے تو اطاعت کا اقرار کر لیتے ہو، لیکن راتوں کو مجلس جما کر مخالفانہ مشورے کرتے ہو، تو پھر

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۖ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ ٨٣
وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ ٨٤
اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ ٨٥
أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

تمھیں کیا حق ہو کہ نتائج کے لئے اللہ کے رسول کو ذمہ دار ٹھہراؤ؟ (۸۳)
تم جوابدہ ہو، اور جبراً ان سے اپنی اطاعت کراؤ)

اور (دیکھو، یہ لوگ تمھارے سامنے تو تمھاری باتیں مان لیتے ہیں اور) کہتے ہیں آپ کا حکم ہمارے سر ٨٣
آنکھوں پر! لیکن جب تمھارے پاس سے اُٹھ کر باہر جاتے ہیں، تو ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جو راتوں کو
مجلس جماتے اور جو کچھ تم کہتے ہو، اُسکے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ اور راتوں کی (ان) مجلسوں میں وہ
جو کچھ کرتے ہیں، اللہ (کے علم سے مخفی نہیں وہ انکے نامۂ اعمال میں) لکھ رہا ہے!
پس (جب ان لوگوں کا حال یہ ہے، تو) چاہئے کہ ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹالو، اور اللہ پر بھروسہ
کرو۔ کارسازی کے لئے اللہ کی کارسازی بس کرتی ہے!

پھر کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور و فکر ٨٤
نہیں کرتے؟ (اور خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے
کام نہیں لیتے؟) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا
اللہ کی طرف سے نہ ہوتا، تو ضروری تھا کہ یہ اسکی
بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے۔ (حالانکہ وہ اپنی
ساری باتوں میں، اوّل سے لے کر آخر تک، کامل
طور پر ہم آہنگ اور یکساں ہے)

اور جب ان لوگوں کے پاس امن کی یا خوف کی ٨٥
کوئی خبر پہنچ جاتی ہے، تو یہ (فوراً) اُسے لوگوں میں پھیلا
دیتے ہیں۔ اگر یہ اُسے (لوگوں میں پھیلانے کی جگہ)
اللہ کے رسول کے سامنے اور اُن لوگوں کے سامنے جو
ان میں صاحبِ حکم و اختیار ہیں پیش کرتے، تو جو اُنچا

آیت (۸۴) سے معلوم ہوا کہ:
(۱) قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اُسکے مطالب میں غور و فکر کرے، پس یہ سمجھنا کہ وہ صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے سمجھنے کی چیز ہے، صحیح نہیں۔
(۲) غور و فکر وہی کرسکتا ہے جو مطالب سمجھے۔
(۳) اور جو اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتا ہو، اور دلائل و وجوہ سے نتائج نکال سکے۔ پس مقلدِ اعمیٰ (یعنی اندھی تقلید کرنے والا) قرآن میں غور و فکر کرنے والا نہیں ہوسکتا۔
(۴) جو شخص قرآن میں تدبر کرتا ہے، اسپر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

آیت (۸۵) سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کوئی بات سننے میں آئے خواہ امن کی ہو، خواہ خوف کی، تو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ بے سمجھے بوجھے پھیلانا شروع کردیں، بلکہ چاہئے کہ جو لوگ "اولوالامر" یعنے صاحبِ حکم و اختیار ہوں، اُنکے سامنے پیش کی جائے۔

آیت (۸۶) میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے، اور حسنِ اخلاق و معاشرت کی اس اصل پر زور دیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص تمھیں سلام کرے، تو چاہئے کہ اُسنے جو کچھ کہا ہے، اُس سے زیادہ بہتر طور پر اسکا

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ
۸۶ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ
۸۷ تَنْكِيْلًا ۝ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ
۸۸ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ
۸۹ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

علم و نظر) بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں، وہ اسکی حقیقت معلوم کر لیتے (اور عوام میں تشویش نہ پھیلتی) اور (دیکھو) اگر اللہ کا تم پر فضل نہ ہوتا، اور اُس کی رحمت نہ ہوتی، تو (تمھاری کمزوریوں کا یہ حال تھا کہ) معدودے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب شیطان کے پیچھے لگ لئے ہوتے۔

۸۶ پس (اے پیغمبر) تم اس بات کی بالکل پروا نہ کرو کہ یہ لوگ تمھارا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں) تم اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ کہ تم پر تمھاری ذات کے سوا اور کسی کی ذمہ داری نہیں، اور مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو۔ عجب نہیں کہ بہت جلد اللہ منکرینِ حق کا زور و تشدد روک دے، اور اللہ کا زور سب سے زیادہ قوی، اور سزا دینے میں وہ سب سے زیادہ سخت ہے!

۸۷ جو انسان دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کے کام میں ملتا اور مددگار ہوتا ہے، تو اُسے اُس کام (کے اجر و نتائج) میں حصہ ملیگا، اور جو کوئی بُرائی میں دوسرے کے ساتھ ملتا اور مددگار ہوتا ہے، تو اسکے لئے اُس بُرائی میں حصہ ہوگا۔ اور اللہ ہر چیز کا محافظ و نگراں ہے (وہ ہر حالت اور ہر عمل کے مطابق بدلہ دیتا ہے)

۸۸ اور (مسلمانو!) جب کبھی تمھیں دعا دے کر سلام کیا جائے، تو چاہیے کہ جو کچھ سلام و دعا میں کہا گیا ہے، اس سے زیادہ بہتر بات جواب میں کہو۔ یا (کم از کم) جو کچھ کہا گیا ہے اسی کو لوٹا دو۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے (تمھاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اُسکے محاسبہ سے چھوٹ نہیں سکتی)

۸۹ (یاد رکھو) اللہ ہی کی ایک ذات ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی۔ وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن (اپنے حضور) جمع کریگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں (یہ خود اللہ کا کہنا ہے) اور اللہ سے بڑھ کر بات کہنے میں کون سچا ہو سکتا ہے؟

جواب دو۔ اور اگر بہتر طور پر نہ دو تو کم از کم اُنھی کی بات اُس پر لوٹا دو۔ یہ حکم یہاں اس مناسبت سے آیا ہے کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی، منافق ہو، یا ایماندار، لیکن جو کوئی بھی تم پر سلامتی بھیجے تمھیں بھی اس کا ویسا ہی جواب دینا چاہیے۔ اُسکے دل کا حال خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

۹۰ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ
۹۱ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ
كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگوں نے مصلحتاً اسلام کا دم بھرنا شروع کر دیا تھا لیکن دل میں قطعاً مخالف تھے۔ جب جنگ چھڑی تو مسلمانوں میں دو رائیں ہو گئیں۔ کچھ لوگ کہتے وہ ہم میں سے ہیں، کچھ کہتے دشمنوں میں سے ہیں۔ یہاں قرآن نے واضح کیا ہے کہ وہ قطعاً منافق ہیں۔ انکی نسبت بحث و اختلافات کی کوئی گنجایش نہیں۔ اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں، اور دشمنوں کے حلقہ میں نہ رہیں، تو تم انھیں اپنا ساتھی سمجھ سکتے ہو، لیکن اگر اس سے انکار کریں، تو پھر ظاہر ہے کہ جو کوئی دشمنوں کے ساتھ ہوگا، وہ دشمنوں ہی میں سے سمجھا جائے گا، اور جس طرح جنگ میں تمام دشمنوں سے لڑنا ہے، اُن سے بھی لڑنا ہے۔

یاد رہے کہ اس سے پہلے جن منافقوں کا ذکر تھا، وہ مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جُلے رہتے تھے، اور یہاں جن منافقوں کا ذکر ہے وہ مکہ کا ایک خاص گروہ تھا۔

چونکہ یہ لوگ بھی دشمنوں میں سے تھے، اور جنگ کی حالت قائم ہوگئی تھی، اس لئے فرمایا کہ ان سے دوستی و یگانگت کے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔

اسکے بعد تبلایا کہ دو طرح کے آدمی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:
(۱) جو لوگ دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر کسی ایسے گروہ کے پاس چلے جائیں جسکے ساتھ تمھارا عہد و پیمان صلح ہو۔
(۲) یا ایسے لوگ جو ناطرفدار ہو جائیں۔ نہ تو تم سے لڑیں نہ تمھاری طرف سے اپنی قوم کے ساتھ لڑیں۔

تو اس طرح کے لوگوں کے خلاف ہتیار اُٹھانے کا حکم نہیں، اور نہ اُن سے میل ملاپ رکھنا منع ہے۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو کوئی تمھارے خلاف جنگ و جدال پر مُصر نہ ہو اور صلح و مسالمت کا ہاتھ بڑھائے، تو تمھارے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ اُس پر ہتیار اُٹھاؤ۔ تمھیں جنگ کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ تمھیں جنگ کا خواہشمند ہونا چاہئے، بلکہ اس لئے کہ تمھارے برخلاف جنگ کے خواہشمندوں نے جتھا بندی کر لی ہے۔ پس اگر کوئی فرد یا گروہ جنگ کا خواہشمند نہیں رہتا، تو پھر تمھارے لئے مقابلہ کی علت بھی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ اصل امن و صلح ہے۔ نہ کہ جنگ و قتل۔

۹۰ (مسلمانو!) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو فریق بن گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان بدعملیوں کی وجہ سے جو اُنھوں نے کمائی ہیں، انھیں اُلٹا دیا ہے (اور وہ صریح راہ حق سے پھر چکے ہیں)؟ کیا تم چاہتے ہو، ایسے لوگوں کو راہ دکھاؤ جن پر خدا نے راہ گم کر دی ہے؟ (یعنے جن پر خدا کے قانون سعادت و شقاوت کے بموجب فلاح و سعادت کی راہ بند ہو گئی ہے؟) اور (یاد رکھو) جس کسی پر اللہ راہ گم کر دے (یعنے جس کسی پر اسکے قانون کا فیصلہ صادر ہو جائے کہ اسکے لئے راہ پانا نہیں) تو پھر تم اُسکے لئے کوئی راہ نہیں نکال سکتے!

۹۱ ان منافقوں کی دلی تمنّا ہے کہ جس طرح انھوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی ہے، تم بھی کر لو۔ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ پس (دیکھو) جب تک یہ لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں (اور دشمنوں کا ساتھ چھوڑ کر تمھارے پاس نہ آجائیں) تمھیں چاہیے کہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ (انھیں بھی انہی لوگوں میں سے سمجھو جو تمھارے خلاف جنگ و پیکار میں سرگرم ہیں)

٩٢ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ
أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا
٩٣ إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ
كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ
٩٤ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝ وَمَا
كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

پھر اگر یہ ہجرت کرنا قبول نہ کریں، تو (جو کوئی جنگ کی حالت میں دشمنوں کا ساتھ دیتا ہے، یقیناً اُس کا شمار بھی دشمنوں ہی میں ہوگا۔ پس) انھیں گرفتار کرو، جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، اور نہ تو کسی کو اپنا دوست بناؤ، نہ کسی کو اپنا مددگار۔

٩٢ مگر ہاں، جو لوگ (دشمنوں سے الگ ہو کر) کسی ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور اُنمیں عہد و پیمان ہو۔ یا ایسے لوگ ہوں کہ لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمھارے پاس چلے آئیں۔ نہ تم سے لڑیں، نہ (تمھاری طرف سے) اپنی قوم کے ساتھ لڑیں (تو ایسے لوگ اس حکم میں داخل نہیں۔ انکے خلاف تمھارا ہاتھ نہ اُٹھے) اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کو بھی تم پر مسلط کر دیتا کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور جنگ نہیں کرتے۔ نیز صلح کا پیام بھیج رہے ہیں تو خدا نے تمھارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔

٩٣ انکے علاوہ کچھ لوگ تمھیں ایسے ملینگے جو (لڑائی کے خواہشمند نہیں ہیں) تمھاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔ لیکن جب کبھی فتنہ و فساد کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو اوندھے منہ اُسمیں گر پڑتے ہیں (اور اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے) سو اگر ایسے لوگ کنارہ کش نہ رہیں۔ اور نہ تو تمھاری طرف پیام صلح بھیجیں، نہ لڑائی سے ہاتھ روکیں، تو انھیں گرفتار کرو، اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انکے برخلاف ہمنے تمھیں کھلی حجت (جنگ) دیدی ہے۔

٩٤ اور (دیکھو) کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے، مگر یہ کہ غلطی سے (اور شبہ میں) اُسکے ہاتھ سے کوئی قتل ہو جائے۔

اور جس کسی نے ایک مسلمان کو غلطی سے (اور شبہ میں) قتل کر دیا ہو، تو چاہیئے کہ ایک مسلمان غلام آزاد

اور یہ جو ان لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا، تو صرف اس لئے کہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے اور مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ مقابلہ کریں۔ ورنہ اگر جنگ کی حالت نہ ہو، تو قتل نفس ایک بہت بڑا گناہ ہے، اور ایک مسلمان کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو یا معاہد کو دیدہ و دانستہ قتل کر ڈالے۔ معاہد سے مقصود وہ تمام غیر مسلم ہیں جن سے مسلمانوں کی جنگ نہ ہو۔ امن و

مُؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
٩٥ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ
٩٦ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ

صلح ہو۔
اسکے بعد بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اور شبہ میں کسی مسلمان یا معاہد کو قتل کر دے، تو اس کا حکم کیا ہے۔
یاد رہے کہ قرآن نے دو حالتوں کے سوا اور کسی حال میں بھی قتلِ نفس کو جائز نہیں رکھا ہے۔ یا تو لڑائی کی حالت ہو، یا قانون کی رو سے کسی مجرم کو سزا دی جائے، مثلاً قاتل کو قتل کے بدلے قتل کیا جائے۔

کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خون بہا دے، اگر مقتول کے وارث خون بہا معاف کر دیں تو کر دے سکتے ہیں۔

اور اگر مقتول اُس قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہے (یعنے تم سے لڑ رہی ہے) مگر مومن ہو، (اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی دشمنوں میں سے ہے، اُسے قتل کر دیا ہو) تو چاہیئے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے۔ (خون بہا کا دلانا ضروری نہ ہوگا۔ کیونکہ اُسکے وارثوں اور ساتھیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہے)

اور اگر مقتول اُن لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ تمھارا معاہدہ صلح ہے (یعنے معاہد ہو) تو چاہیئے کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی دے، اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرے۔

اور جو کوئی غلام نہ پائے (یعنے اس کا مقدور نہ رکھتا ہو کہ غلام کو مال کے بدلے حاصل کرے اور آزاد کرائے) تو اُسے چاہیئے لگاتار دو مہینے روزہ رکھے۔ اس لئے کہ اللہ کی طرف سے یہ (اُسکے گناہ کی) توبہ ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

جو کوئی جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے، تو اسکی سزا جہنم کا دائمی عذاب ہے اور اللہ کا غضب اور اُسکی پھٹکار!

٩٥ اور جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے، تو (یاد رکھو) اُسکی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اُس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اُسکی پھٹکار پڑی، اور اُسکے لئے خدا نے بہت بڑا عذاب طیار کر رکھا ہے!

٩٦ مسلمانو! جب ایسا ہو کہ تم اللہ کی راہ میں (جنگ کے لئے) باہر جاؤ، تو چاہیئے کہ (جن لوگوں سے مقابلہ ہو، اُن کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (کہ وہ دشمنوں میں سے ہیں یا دوستوں میں سے ہیں) جو کوئی تمھیں سلام کرے (اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے) تو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو (ہم تم سے لڑینگے) کیا تم

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ ۹۷
اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۹۸
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۹۹

دنیا کے سروسامان زندگی کے طلبگار رہو (کہ چاہتے ہو، جو کوئی بھی ملے، اُس سے لڑ کر مال غنیمت لوٹ لیں؟) ۹۷
اگر یہی بات ہے، تو اللہ کے پاس تمھارے لئے بہت سی (جائز) غنیمتیں موجود ہیں (تم ظلم و معصیت کی راہ
کیوں اختیار کرو؟) تمھاری حالت بھی تو پہلے ایسی ہی تھی (کہ بجز کلمۂ اسلام کے اسلام کا اور کوئی ثبوت
نہیں رکھتے تھے) پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (کہ تمام باتیں اسلامی زندگی کی حاصل ہو گئیں) پس ضروری
ہے کہ (لڑنے سے پہلے) لوگوں کا حال تحقیق کر لیا کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اُسکی خبر رکھنے والا ہے!

مسلمانوں میں سے جو لوگ معذور نہیں ہیں اور بیٹھے رہے ہیں (جہاد میں شریک نہیں ہوئے ہیں کیونکہ اُنکی شرکت کی ضرورت نہ تھی) وہ اُن لوگوں کے برابر نہیں ۹۸
ہو سکتے جو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے مال و جان سے جہاد
کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر بہ اعتبار درجے کے فضیلت دی ہے (کہ اُنکے اعمال دوسرے لوگوں کے
اعمال سے فائق ہیں) اور (یوں تو) خدا کا وعدۂ نیک سب کے لئے ہے (کسی کا بھی عمل نیک ضائع نہیں
ہو سکتا لیکن درجے کے اعتبار سے سب برابر نہیں) اور (اسی لئے) بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں جہاد
کرنے والوں کو، اجر عظیم میں بھی اللہ نے فضیلت عطا فرمائی۔ یہ اُسکی طرف سے (ٹھہرائے ہوئے) درجے ہیں
اور اُس کی بخشش اور رحمت ہے، اور وہ (بڑا ہی) بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!

اللہ کے حضور تمام نیک انسانوں کے لئے اجر ہے، لیکن تمام نیکیاں یکساں نہیں ہیں۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں اُنکے درجہ کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو مجاہد نہیں ہیں۔

جو لوگ (دشمنوں کے ساتھ رہ کر) اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں، اُن کی روح قبض کرنے کے بعد فرشتے اُن سے پوچھتے ہیں "تم کس حال میں تھے؟" (یعنی دین کے اعتبار سے تمھارا حال کیا تھا؟) وہ جواب میں کہتے ہیں "ہم کیا کرتے؟ ہم ملک میں مغلوب بے بس ۹۹

جب دشمنانِ حق کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر پیغمبر اسلام نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، تو قدرتی طور پر ملکِ عرب دو قسموں میں بٹ گیا۔ دارالہجرۃ اور دارالحرب۔ دارالہجرۃ مدینہ تھا جہاں مسلمان ہجرت کر کے جمع ہو گئے تھے۔ دارالحرب، ملک کا وہ حصہ تھا، جو دشمنوں کے قبضہ میں تھا، اور اُس کا صدر مقام مکہ تھا۔
دارالحرب میں جو مسلمان باقی رہ گئے تھے، وہ اعتقاد و عمل کی آزادی

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۙ
اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ١٠٠
سَبِيْلًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ ١٠١
اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ
يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ١٠٢
اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

سے محروم تھے۔ اُنھیں ہمیشہ دشمنوں کا ظلم و ستم سہنا پڑتا تھا۔ اس لئے اُنھیں حکم دیا گیا کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ اگر باوجود استطاعت کے نہیں کریں گے، تو اپنی کوتاہیِ عمل کے لئے جواب دہ ہونگے۔

یہاں اسی معاملہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا، جو لوگ استطاعت نہ رکھتے ہوں، وہ تو مجبور رہیں، لیکن جو کوئی ہجرت کی استطاعت رکھتا ہو، اور پھر بھی دشمنوں کی آبادی نہ چھوڑے، اور اپنی محرومی و ذلت کی حالت پر قانع ہو جائے، تو وہ سخت معصیت کا مرتکب ہوگا، اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرینگے، اُنھیں نئی نئی اقامت گاہیں اور معیشت کے نئے نئے سامان ملیں گے۔

تھے" (یعنے بے بسی کی وجہ سے اپنے اعتقاد و عمل کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے) اسپر فرشتے کہتے ہیں (اگر تم اپنے ملک میں مغلوب و بے بس تھے، تو) "کیا خدا کی زمین واسع نہ تھی کہ کسی دوسری جگہ ہجرت کر کے چلے جاتے؟" غرضکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور (جس کا ٹھکانا دوزخ ہو، تو کیا ہی بُری جگہ ہے!

١٠٠ مگر (ہاں) جو مرد، عورتیں، بچّے، ایسے مجبور و بے بس ہوں، کہ کوئی چارہ کار نہ رکھتے ہوں، اور (ہجرت کی) کوئی راہ نہ پاتے ہوں، تو امید ہے کہ اللہ (اُن کی معذوری دیکھتے ہوئے) اُنھیں معاف کر دے، اور وہ معاف کر دینے والا، بخشدینے والا ہے!

١٠١ اور (دیکھو) جو کوئی اللہ کی راہ میں (اپنا گھر بار چھوڑ کر) ہجرت کریگا، تو اُسے خدا کی زمین میں بہت سی اقامت گاہیں ملیں گی، اور (ہر طرح کی) کشایش پائے گا (کہ معیشت کے نئی نئی راہیں اُسکے سامنے کھل جائیں گی) اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اُسکے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے، اور پھر (راہ ہی) میں موت آجائے، تو اُس کا اجر اللہ کے حضور ثابت ہو گیا (وہ اپنی نیت کے مطابق اپنی کوشش کا ضرور اجر پائے گا) اور اللہ تو (ہر حال میں) بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!

١٠٢ اور اگر (جنگ کے لئے) تم سفر میں نکلو، اور تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں، تو تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر نماز (کی تعداد) میں سے کچھ کم کر دو۔ بلاشبہ کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں (وہ جب

سفر کی حالت میں قصر کرنے، اور جنگ کی حالت میں خاص طریقہ پر نماز ادا کرنے کا حکم جسے "صلواۃِ خوف" کہتے ہیں۔ نیز اس بات کا حکم کہ نماز اوقات کی تقسیم اور پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے نماز کے قصر کا حکم جنگ ہی کی وجہ سے دیا گیا تھا، لیکن پھر ہر طرح کے سفر کے لئے عام ہو گیا۔ سنت اور تعامل سے معلوم ہو چکا

١٠٣ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا
سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا
حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً
وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا
١٠٤ حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝

موقع پائینگے، تم پر حملہ آور ہو جائینگے)

١٠٣ اور (اے پیغمبر!) جب تم مسلمانوں میں موجود ہو (اور جنگ ہو رہی ہو) اور تم انکے لئے نماز قائم کرو، تو چاہیئے کہ (فوج کا) ایک گروہ (مقتدی بن کر) تمھارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتیار لئے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر چکے، تو پیچھے ہٹ جائے، اور دوسرا گروہ جو نماز میں شریک نہ تھا، تمھارے ساتھ شریک ہو جائے۔ اور چاہیے کہ پوری طرح ہشیاری رکھے اور اپنے ہتیار لئے رہے۔

(یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، اُن کی دلی تمنا ہے کہ تم اپنے ہتیار اور سامان جنگ سے ذرا بھی غفلت کرو تو ایکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ (پس ضروری ہے کہ نماز کی حالت میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہو)

اور اگر تمھیں بارش کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو، یا تم بیمار ہو، تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہتیار اُتار کر رکھدو۔ لیکن تمھیں اپنے بچاؤ کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہیئے (یقین رکھو) اللہ نے منکرین حق کے لئے (نامرادی کا) رسواکن عذاب طیار کر رکھا ہے (وہ تم پر فتحمند نہیں ہو سکتے)

١٠٤ پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو، تو چاہیئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو (کہ اُس کی یاد صرف نماز کی حالت ہی پر موقوف نہیں۔ ہر حالت میں تمھارے اندر بسی ہونی چاہیئے)

پھر جب ایسا ہو کہ تم (دشمن کی طرف سے) مطمئن ہو جاؤ، تو (معمول کے مطابق) نماز قائم رکھو۔ بلاشبہ نماز مسلمانوں پر بہ قید وقت فرض کر دی گئی ہے۔

ہے کہ قصر سے مقصود چار کی جگہ دو رکعت پڑھنا ہے۔ اگر نماز چار رکعت سے کم کی ہو، تو اسمیں قصر نہیں۔

اگر جنگ کی حالت میں قصر نماز بھی باطمینان نہیں پڑھ سکتے یا جنگ جاری ہو اور نماز کا وقت آگیا، تو پھر اُس طریقہ سے ادا کرو جس کی ترکیب بتلادی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لئے ایک ایسا عمل ہے، جس سے کسی حال میں بھی غفلت جائز نہیں حتیٰ کہ عین جنگ کی حالت میں بھی۔

اگر حالت ایسی ہو کہ کسی طرح بھی نماز نہ ادا کی جاسکے تو پھر قضا کرنی چاہیئے، جیسا کہ پیغمبر اسلام (صلعم) نے غزوہ خندق میں کیا تھا (صحیحین)

آخر میں فرمایا "کتابًا موقوتًا" یعنے نماز بقید وقت فرض کی گئی ہے۔

١٠٥ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا
تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا
١٠٦ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن
لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝
١٠٧ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝

مقاصد کی راہ میں تکلیفیں اور محنتیں مومن کو بھی پیش آتی ہیں اور کافر کو بھی لیکن مومن کے لئے اُن کا جھیلنا سہل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی امیدیں رکھتا ہے جو کافر کو میسّر نہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ میں جو کچھ جھیل رہا ہوں حق کی راہ میں ہے، اور میرے لئے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر افسوس اُس مومن پر، جو مقاصدِ حق کی راہ میں اتنا بھی نہ کر سکے جتنا ایک کافر ظلم و فساد کی راہ میں کرتا ہے!

اسکے بعد آیت (۱۰۶) سے سلسلۂ بیان پھر اُسی طرف کو لوٹ گیا ہے جہاں سے جنگ کا ذکر چھڑ گیا تھا۔ یعنے رسول کی اطاعت، منافقوں کی نافرمانی، مقدمات و قضایا کا انفصال، اور عدل و امانت کا قیام۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان نے (جو دلمیں منافق تھا اور جس کا نام اطعمہ یا بشیر تھا) چوری کر کے مالِ مسروقہ ایک یہودی کے یہاں گرو رکھدیا تھا۔ یہودی اپنے آپ کو بے قصور بتلاتا تھا۔ اطعمہ کے گھرانے کے لوگ اطعمہ کی حمایت کرتے تھے اور کہتے تھے، یہودی کافر اور خبیث ہے، اُس کی بات نہیں ماننی چاہئے۔ ان لوگوں کی حمایت کا باعث یہ تھا کہ اطعمہ نے راتوں رات سازش کر کے ان سب کو اپنی حمایت پر اُبھار لیا تھا اسپر یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت (صلعم) نے یہودی کو بری کر دیا (ترمذی، حاکم، ابن سعد، ابن جریر وغیرہم)

بہرحال ان آیات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) مسلمان قاضی کو چاہئے، ہر حال میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ اس خیال سے کہ ایک فریق مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہے، مسلمان کی طرفداری نہیں کرنی چاہئے (۱۰۶)

(۲) ہمیشہ خدا سے معافی مانگتا رہے، کیونکہ قضاء کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ طبیعت کے میلان سے کوئی لغزش ہو جائے (۱۰۶)

(۳) قاضی کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے کسی فریق کی وکالت کی بُو آئے۔ (۱۰۷)

(۴) مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا اپنے خاندان و قبیلہ میں سے ہونے کی وجہ سے کسی مجرم کی حمایت کریں اور سازش کر کے جتھا بندی کر لیں۔ دنیا کی نگاہیں دیکھتی ہوں، لیکن خدا تو دیکھ

١٠٥ اور (دیکھو) دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو۔ اگر تمھیں (جنگ میں) دُکھ پہنچتا ہے، تو جس طرح تم دُکھی ہوتے ہو، وہ بھی (تمھارے ہاتھوں) دُکھی ہوتے ہیں، اور (تمھیں اُن پر یہ فوقیت ہے کہ) اللہ سے (کامیابی و اجر کی) ایسی ایسی اُمیدیں رکھتے ہو، جو انھیں میسّر نہیں (کیونکہ تم اللہ کی راہ میں حق و انصاف کے لئے لڑ رہے ہو۔ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے ظلم و فساد کی راہ میں لڑ رہے ہیں) اور (یاد رکھو) اللہ (تمام حال) جاننے والا، اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

١٠٦ (اے پیغمبر!) ہمنے تم پر الکتاب سچائی کے ساتھ نازل کر دی ہے تاکہ جیسا کچھ خدا نے تبلا دیا ہے، اُسکے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ اور خیانت کرنے والوں کی طرفداری میں نہ جھگڑو (یعنے ایسا نہ کرو کہ اُن کی وکالت میں فریقِ ثانی سے جھگڑو) اور اللہ سے مغفرت مانگو (کہ قضاء کا معاملہ نہایت نازک ہے) بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!

١٠٧ اور جو لوگ اپنے اندر خیانت رکھتے ہیں تم ان کی طرف سے نہ جھگڑو۔ خدا ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خیانت اور معصیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

۱۰۸ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا
۱۰۹ يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ○ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ
عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ
۱۱۰—۱۱۱ وَكِيلًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَمَنْ يَّكْسِبْ
۱۱۲ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ
اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○

رہا ہے کہ کون مجرم ہے کون نہیں ہے؟ (۱۰۸)
۱۰۸ (۵) جو برائی کرتا ہے، اسکی برائی اُسی پر ہے۔ پس یہ خیال نہ کرو کہ یہ شخص ہمارا ہم مذہب یا رشتہ دار ہے۔ اس کا جرم ثابت ہو گیا تو ہم پر بھی دھبہ لگ جائے گا (۱۱۱)

(۶) خود قصور کرنا اور اُسے دوسرے کے سر تھوپ دینا ایک معصیت کے بعد دوسری معصیت کا ارتکاب کرنا ہے۔ تم دنیا کی عدالت کو دھوکا دیدو، لیکن خدا کی عدالت کو کیونکر دھوکا دے سکتے ہو؟ (۱۱۲)

(اس طرح کے لوگ) انسانوں سے تو (اپنی خیانت) چھپاتے ہیں، لیکن خدا سے نہیں چھپاتے۔ حالانکہ جب وہ راتوں کو مجلس بٹھا کر ایسی ایسی باتوں کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں، تو اُس وقت وہ اُنکے ساتھ موجود ہوتا ہے، اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اُس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں!

۱۰۹ دیکھو[۱]، تم لوگ وہ ہو کہ تم نے دنیا کی زندگانی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا، لیکن (بتلاؤ) قیامت کے دن انکی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا؟ یا کون ہے جو (اُس دن) اُن کا وکیل بنے گا؟

۱۱۰ اور جو شخص کوئی برائی کی بات کر بیٹھتا ہے، یا اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیتا ہے، پھر (اس سے توبہ کرتا اور) اللہ سے بخشش طلب کرتا ہے، تو (اس کے لئے بخشش کا دروازہ کھلا ہوا ہے) وہ اللہ کو بخشنے والا رحمت رکھنے والا پائے گا!

۱۱۱ اور جو کوئی (بدعملی کر کے) برائی کماتا ہے، تو وہ اپنی جان ہی کے لئے کماتا ہے۔ (اُس کا جو کچھ بھی وبال ہوگا، اُسی کو پیش آئے گا) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

۱۱۲ اور جس کسی سے (نادانستہ) کوئی خطا سرزد ہو جائے یا (دانستہ) کسی گناہ کا مرتکب ہو، اور پھر (اپنے بچاؤ کے لئے) کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے، تو (یاد رکھو) اُس نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ (بھی) اپنی گردن پر لاد لیا۔

---

۱ اس آیت میں خطاب اُس گروہ سے ہے جو طعمہ کی حمایت میں جتھا بندی کر کے فریق ثانی سے جھگڑتے تھے، اور طعمہ کو الزام سے بچانا چاہتے تھے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنو ابیرق تھے ۱۲

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ ۱۱۳
وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ ۱۱۴
مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ ۱۱۵
لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ ۱۱۶

اور (اے پیغمبر!) اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اُس کی رحمت (کارفرما) نہ ہوتی، تو واقعہ یہ ہے کہ
ان لوگوں میں سے ایک جماعت نے پورا ارادہ کرلیا تھا کہ (اصل مجرم کی حمایت میں جتھا بندی کرکے) ۱۱۳
تمھیں غلط راستہ پر ڈال دیں (اور تم بے گناہ آدمی کو مجرم تصور کرلو) اور یہ لوگ غلط راستہ پر نہیں ڈال
رہے ہیں مگر خود اپنی ہی جانوں کو (کہ حق کی حمایت کرنے کی جگہ جھوٹے کی حمایت کررہے ہیں) اور (اپنی
چالاکیوں سے) تمھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کردی
ہے، اور جو باتیں معلوم نہ تھیں، وہ تمھیں سکھلادی ہیں، اور تم پر اُس کا بہت ہی بڑا فضل ہے!
ان لوگوں کے پوشیدہ مشوروں میں سے اکثر مشورے بھلائی کے لئے نہیں ہوتے۔ ہاں جو کوئی خیرات ۱۱۴
کے لئے یا کسی نیک کام کے لئے حکم دے، یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرادینا چاہے (اور اس میں
پوشیدگی ملحوظ رکھے تو البتہ یہ نیکی کی بات ہے) اور جو کوئی خدا کی خوشنودی کی طلب میں اس طرح کے کام
کرتا ہے، تو ہم اسے اجرِ عظیم عطا فرمائینگے۔

اور جس شخص پر الھدیٰ (یعنے ہدایت کی حقیقی راہ) ۱۱۵
واضح ہوجائے، اور اس پر بھی وہ اللہ کے رسول
سے مخالفت کرے، اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر
دوسری راہ چلنے لگے، تو ہم اُسے اُسی طرف کو لے
جائینگے، جس (طرف) کو (جانا) اُس نے پسند کرلیا
ہے اور اُسے دوزخ میں پہنچادینگے، اور (جس کے
پہنچنے کی جگہ دوزخ ہوئی تو) یہ پہنچنے کی کیا ہی بُری
جگہ ہے!
اللہ یہ بات بخشنے والا نہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو ۱۱۶

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ مندرجۂ صدر میں جب آنحضرت
(صلعم) نے یہودی کو بری کردیا، اور طعمہ کے خلاف فیصلہ فرمایا، تو
وہ مسلمانوں سے الگ ہوکر مشرکین مکہ سے جاملا (ترمذی، حاکم، ابن سعد)
جس شخص پر "الھدیٰ"، یعنے دین حقیقی کی راہ واضح ہوجائے،
اور پھر وہ دیدہ و دانستہ اُس سے پھر جائے، تو اُسنے خود اپنی پسند سے
فلاح وسعادت کی راہ چھوڑ کر شقاوت کی راہ پسند کرلی، اور جیسی کچھ
راہ اسنے پسند کی، ضروری ہے کہ ویسا ہی نتیجہ بھی اُسے پیش آئے۔
چنانچہ فرمایا "ہم اُسے اُسی طرف لے جائیں گے، جس طرف کو جانا
اُسنے پسند کرلیا ہے"، یعنے ہم نے انسان کی سعادت وشقاوت کے
لئے ایسا ہی قانون ٹھہرادیا ہے کہ جو جیسی راہ پسند کرتا ہے، ویسا ہی
نتیجہ اُسے پیش آتا ہے، اور اُسی نتیجہ پر وہ پہنچادیا جاتا ہے۔ جس نے جنت
کی راہ اختیار کی، اسے جنت میں داخل کیا جائے گا جس نے دوزخ
پسند کی اس کے لئے دوزخ ہوگی!

۱۱۶ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ
۱۱۸ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ
نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ
لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝
۱۱۹-۱۲۰ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝

اس کے بعد فرمایا، جو کوئی ہدایت سے برگشتہ ہو کر مشرکوں کی راہ اختیار کرتا ہے، تو وہ یاد رکھے، اللہ تمام گناہ (بغیر توبہ کے بھی) بخش دے سکتا ہے لیکن شرک کے لئے بخشائش نہیں۔

اسکے بعد مشرکین عرب کے بعض عقائد و اعمال کا ذکر کیا ہے جو انکی کوری و سفاہت کی واضح دلیل ہیں۔ پھر فرمایا، شیطان کی سب سے بڑی وسوسہ اندازی یہ ہے کہ طرح طرح کے وعدوں میں رکھتا، اور آرزوؤں اور امیدوں میں ڈالتا ہے۔ وعدوں میں رکھنے اور آرزوؤں میں ڈالنے سے مقصود یہ ہو کہ انسان حقیقت و عمل کی جگہ محض باطل آرزوؤں اور جھوٹی امیدوں کا بندہ ہو جاتا ہے۔ وہ نجات و سعادت کے لئے سعی و عمل کی راہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اپنی جھوٹی امیدوں اور مغرورانہ آرزوؤں ہی میں مگن ہو جاتا ہے۔

شریک ٹھہرایا جائے۔ ہاں، اسکے سوا جتنے گناہ ہیں وہ جسے چاہے بخشدے، اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، تو وہ بھٹک کر راہ راست سے بہت دور جا پڑا!

۱۱۷ (یہ مشرک خدا کے ساتھ کن کو شریک ٹھہراتے ہیں؟ اور کن کو پکارتے ہیں؟) یہ نہیں پکارتے، مگر دیبیوں کو، اور یہ نہیں پکارتے ہیں مگر شیطان مردود
کو جس پر اللہ لعنت کر چکا ہے!
۱۱۸ اور شیطان نے کہا، میں تیرے بندوں سے (گمراہی کا) ایک مقررہ حصہ لیکر رہونگا، اور ضرور انھیں
بھکاؤں گا، اور ضرور ایسا کروں گا کہ (حقیقت و عمل کی جگہ باطل) آرزوؤں میں انھیں مشغول رکھوں
اور ضرور انھیں (مشرکانہ خرافات کا) حکم دونگا، پس وہ جانوروں کے کان ضرور ہی چیریں گے (اور
انھیں بتوں کے نام پر چھوڑ دینگے) اور البتہ انھیں حکم دوں گا، پس وہ (میری ہدایت کے مطابق) خدا
کی خلقت میں ضرور تغیر و تبدل کر دیا کرینگے[1] (سو یہ مشرک اسی شیطان کی وسوسہ اندازیوں پر چلتے ہیں) اور
جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق و مددگار بناتا ہے، تو یقیناً وہ تباہی میں پڑ گیا۔ ایسی تباہی
۱۱۹ میں جو کھلی تباہی ہے۔ شیطان ان سے وعدے کرتا اور (باطل) آرزوؤں میں ڈالتا ہے، اور شیطان
ان سے جو کچھ وعدے کرتا ہے، وہ فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔
۱۲۰ یہی لوگ ہیں جن کا (بالآخر) ٹھکانا دوزخ ہے، اور یہ اس سے نکل بھاگنے کی صورت نہ پائینگے!

[1] اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی خلقت کو بدلنا قرآن کے نزدیک بڑی ہی معصیت کی بات ہے۔ مثلاً مردوں کو خوجہ بنانے کی رسم جو پہلے رومیوں نے شروع کی تھی اور پھر تمام دنیا میں پھیل گئی تھی، اس آیت کی رو سے شیطانی عمل تھا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ۱۲۱
اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ ۱۲۲
يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ ۱۲۳
اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ ۱۲۴
وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ

اور جو لوگ ایمان لائے، اور نیک کام انجام دیئے، تو ہم انھیں (راحت و سرورِ ابدی کے ایسے) باغوں ۱۲۱
میں داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی (اور اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ
انہی باغوں میں رہینگے (اُن کی راحت و سرور کے لئے کبھی زوال نہ ہوگا یہ) اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور اللہ
سے بڑھ کر بات کہنے میں سچا اور کون ہو سکتا ہے؟

(مسلمانو! نجات و سعادت) نہ تو تمھاری آرزوں ۱۲۲
پر (موقوف) ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوں پر۔ (بلکہ
ایمان و عمل پر موقوف ہے) جو کوئی برائی کریگا، (خواہ
وہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اُس کا بدلہ پائے، اور پھر
اللہ کے سوا نہ تو اُسے کوئی دوست ملے (جس کی
دوستی کام آئے) نہ کوئی مددگار ملے (جس کی مددگاری
بچا سکے) اور جو کوئی اچھے کام کریگا، خواہ مرد ہو خواہ ۱۲۳
عورت، اور وہ (خدا پر) ایمان بھی رکھتا ہوگا، تو
ایسے ہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہونگے اور رائی
برابر بھی اُنکے ساتھ (جزاءِ عمل میں) بے انصافی نہ ہوگی
اور پھر (بتلاؤ) اُس آدمی سے بہتر دین رکھنے ۱۲۴
والا کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِ اطاعت
جھکا دیا، اور وہ نیک عمل بھی ہے، اور اُس نے ابراہیم
کے طریقہ کی پیروی کی جو (تمام انسانی گروہ بندیوں سے الگ ہو کر) صرف خدا ہی کے لئے ہو رہا تھا،
(اور جس کا طریقہ یہودی اور مسیحی گروہ بندیوں کا نہیں تھا بلکہ صرف ایمان و عمل کا تھا؟) اور (یہ

پچھلی آیات میں انسانی گمراہی کی یہ حالت بتلائی تھی کہ عمل و حقیقت
کی جگہ باطل آرزوں اور جھوٹی امیدوں میں گمن ہو جاتا ہے۔ یہاں بتلایا
کہ اسی گمراہی میں یہودی اور عیسائی مبتلا ہو گئے۔ عمل و حقیقت کی جگہ
صرف باطل آرزوئیں اور جھوٹی امیدیں ہی اُن کا سرمایۂ دین ہیں۔
یہودی کہتے ہیں، ہم خدا کی خاص امت ہیں۔ ہم پر آتشِ دوزخ حرام ہے
عیسائی کہتے ہیں، ہم کفارہ مسیح پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہمارے لئے
نجات ہی نجات ہے۔ قرآن مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ کہیں تم بھی اسی
گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ وہ کہتا ہے، نہ تو تمھاری آرزوں سے کچھ بننے
والا ہے، نہ اہل کتاب کی۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ جس کسی کا عمل بُرا
ہوگا، وہ اُس کی سزا ضرور پائے گا۔ خواہ تم ہو، خواہ یہودی ہوں، خواہ
عیسائی ہوں، خواہ کوئی ہو۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ مسلمانوں اور اہل کتاب
میں بحث چھڑ گئی۔ یہودیوں نے کہا، ہمارا دین سب سے بہتر ہے کہ نجات صرف
ہمارے ہی لئے ہے۔ مسلمانوں نے کہا، ہمارا دین سب سے بہتر ہے۔ کیونکہ سب کے
بعد آیا اور تم سب کی نجات اُسی پر موقوف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی
(ابن جریر)

اس سے معلوم ہوا کہ محض اپنے طریقہ کی بڑائی کرنے اور ڈینگیں مارنے
سے کچھ نہیں ہوتا۔ اصلی شے ایمان و عمل ہے۔

۱۲۵ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
۱۲۶ مُّحِيْطًا ۝ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ
فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا
تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝

واقعہ ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوستِ مخلص بنالیا تھا (جس سے تم بھی انکار نہیں کرسکتے)

۱۲۵ اور (یاد رکھو) جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ (اُسکے سوا کوئی نہیں) اور وہ (اپنے علم و قدرت سے) ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے!

۱۲۶ اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں (یعنے حکم دریافت کرتے ہیں) تم کہدو، اللہ تمھیں اُن کے بارے میں حکم دیتا ہے (جواب بیان کیا جائے گا) نیز وہ تمھیں یتیم عورتوں کی نسبت حکم دیتا ہے جو تمھیں قرآن میں سُنایا جارہا ہے (اور پہلے نازل ہوچکا ہے کہ اُنکے ساتھ ناانصافی نہ کرو) وہ یتیم عورتیں (جو تمھاری سرپرستی میں ہوتی ہیں) اور جنھیں تم اُن کا حق (جو وراثت میں) اُنکے لئے ٹھہرایا جاچکا ہے، نہیں دیتے، اور چاہتے ہو کہ (اُنکے مال پر قابض ہوجانے کے لئے خود) اُن سے نکاح کرلو۔

نیز جو کچھ بے بس (یتیم لڑکوں) کی نسبت قرآن میں سُنایا جارہا ہے (اور پہلے نازل ہوچکا ہے) تو اُس بارے میں بھی خدا تمھیں حکم دیتا ہے (کہ اُنکے حقوق تلف نہ کرو)

اور نیز وہ حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے معاملہ میں (خوا

یہاں سلسلۂ بیان پھر قرابت داروں کے حقوق کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت کی ابتدا میں یتیموں اور عورتوں کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے ہیں، اُن کی نسبت بعض لوگوں نے مزید سوالات کئے تھے۔ اسپر یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر)

(۱) عرب جاہلیت میں دستور تھا، اگر یتیم لڑکی خوبصورت اور مالدار ہوتی، تو اُس کا سرپرست اُسکے مال پر قبضہ کرلینے کے لئے خود نکاح کرلیتا۔ اگر خوبصورت نہ ہوتی تو دوسرے سے نکاح کرادیتا، مگر اس شرط پر کہ اُسکے مال کا ایک حصہ اُسے مل جائے یا اُس کا مہر خود لے لے۔ یا پھر یتیم لڑکیوں کا نکاح ہی نہ ہونے دیتے، تاکہ شوہر کے یہاں جاکر اپنے مال کا مطالبہ نہ کرسکیں۔

قرآن نے اس ظلم صریح سے سورت کی ابتدا میں بھی روکا تھا، یہاں بھی مزید تاکید کی۔ پیرائۂ بیان سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس بات سے روکا گیا ہے، وہ یتیم لڑکیوں کی حق تلفی ہے، اگر سرپرست کی نیت بخیر ہو، تو اُسکے لئے خود نکاح کرلینا ممنوع نہیں۔

(۲) پہلے بار بار اس بات سے روکا گیا تھا کہ بیوی کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے زبردستی نہ کرو۔ یہاں بتلایا کہ اگر ایک عورت شوہر کو اپنے سے پھرا ہوا دیکھے اور اُسے خوش کرنے کے لئے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے، اور میاں بیوی اس پر میل ملاپ کرلیں، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ جبراً مال لینا نہیں ہے۔ باہمی رضامندی سے مصالحت کرلینی ہے۔

(۳) ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی صورت میں عدل کی جو شرط لگائی گئی ہے، تو اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمھاری طبیعت کا قدرتی میلان بھی سب کے ساتھ یکساں ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا تمھاری طاقت سے باہر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جتنی باتیں تمھارے اختیار میں ہیں، اُن میں سب کے ساتھ

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ
١٢٧ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ
تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ
١٢٨ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا
كَالْمُعَلَّقَةِ ط وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا
١٢٩

یکساں سلوک کرو، اور کسی ایک ہی کی طرف جھک نہ پڑو۔ مثلاً سب کو ایک طرح کا مکان دو، ایک طرح کا لباس پہناؤ، ایک ہی طرح کھانے پینے کا انتظام کرو، ایک ہی طرح پر رہو سہو اور شب باش ہو۔ اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ ان باتوں میں عدل نہ کر سکوگے، تو پھر ایک سے زیادہ بیوی نہ کرو۔

لڑکیاں ہوں خواہ لڑکے ہوں، اور تمھاری سرپرستی میں ہوں یا نہ ہوں، ہر حال میں) حق و انصاف کے ساتھ قائم رہو، اور (یاد رکھو) تم بھلائی کی باتوں میں سے جو کچھ کرتے ہو، خدا اس کا علم رکھنے والا ہے (وہ تمھاری نیکی کبھی رائگاں جانے نہ دیگا)

١٢٧ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے سرکشی یا کنارہ کشی کا اندیشہ ہو، تو شوہر اور بیوی پر کچھ گناہ نہ ہوگا، اگر (مصالحت کی کوئی بات آپس میں ٹھہرا کر) مصالحت کرلیں۔ (نااتفاقی سے) صلح (ہر حال میں) بہتر ہے۔ اور (یاد رکھو انسان کی طبیعت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ) مال کی حرص سبھی میں ہوتی ہے (عورت چاہتی ہے اُسے زیادہ سے زیادہ ملے۔ مرد چاہتا ہے، کم سے کم خرچ کرے۔ پس ایسا نہ کرو کہ مال کی وجہ سے آپس میں مصالحت نہ ہو) اور اگر تم (ایک دوسرے کے ساتھ) اچھا سلوک کرو، اور (سخت گیری سے) بچو، تو تم جو کچھ کرتے ہو، خدا اسکی خبر رکھنے والا ہے (وہ ضرور تمھیں اس کا اجر نیک عطا فرمائے گا)

اور تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہشمند ہو، لیکن یہ بات تمھاری طاقت سے باہر ہے کہ (ایک سے
١٢٨ زیادہ) عورتوں میں (کامل طور پر) عدل کر سکو (کیونکہ دل کا قدرتی میلان تمھارے بس کا نہیں۔ کسی کی طرف زیادہ مائل ہوگا۔ کسی کی طرف کم) پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی کی طرف جھک پڑو، اور دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا "معلقہ" ہے (یعنے ایسی عورت ہے کہ نہ تو بیوہ اور مطلقہ ہے کہ اپنا دوسرا انتظام کرے۔ نہ شوہر اُس کا حق ادا کرتا ہے کہ شوہر والی عورت کی طرح ہو۔ بیچ میں پڑی لٹک رہی ہے) اور (دیکھو) اگر تم (عورتوں کے معاملہ میں) درستگی پر رہو، اور (بے انصافی سے) بچو، تو اللہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے (وہ تمھیں اُس بات کے لئے جوابدہ نہیں ٹھہرائے گا جو تمھارے بس کی نہیں ہے)

اور اگر (میاں بی بی میں اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے، اور ایک دوسرے سے) جدا ہو جائیں تو
١٢٩

۱۳۰ يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ
وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي
۱۳۱ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
۱۳۲-۱۳۳ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ
۱۳۴ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ

اللہ اپنے (فضل کی) کشائش سے دونوں کو بے نیاز کر دیگا (یعنے اُن میں سے ہر ایک کے لئے کوئی دوسرا انتظام پیدا ہو جائے گا جو عجب نہیں پہلے سے بہتر ہو) اور اللہ بڑی وسعت والا، اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۱۳۰ اور (مسلمانو! یاد رکھو) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے (اُس کے سوا کوئی نہیں) ہم نے یقیناً، اُن لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور (اُسی طرح) خود تم کو بھی یہ حکم دیا کہ اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو (اور احکامِ حق کی پیروی کرو) اور اگر (اس کا حکم) نہ مانوگے، سو (اس سے اُس کی خدائی کا تو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔ تم خود ہی نقصان اُٹھاؤگے) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کے لئے ہے، اور وہ بے نیاز ہے، (ساری خوبیوں سے) ستودہ!

بیانِ احکام کے بعد پھر تذکیر و موعظت کے پہلو پر زور دیا گیا کہ اصل شے احکامِ حق کی تعمیل اور استقامت و اخلاص ہے۔
تم سے پہلے کتنی ہی اُمتیں بدعملی و نافرمانی کی وجہ سے مٹ گئیں۔ اگر خدا چاہے، تو تمھیں بھی کامرانی و اقبال کے میدان سے ہٹا دے، اور تمھاری جگہ دوسروں کو دیدے۔ پس نافرمانی و بدعملی سے بچو۔ اور راہِ حق میں مستقیم ہو جاؤ

۱۳۱ اور (بے شک) اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (جو اُس کی فرمانبرداری کرے، تو) کارسازی کے لئے اُس کا کارساز ہونا کفایت کرتا ہے!

۱۳۲ لوگو! اگر وہ چاہے تو تمھیں (اقبال و سعادت کے میدان سے) ہٹا دے، اور (تمھاری جگہ) دوسروں کو لے آئے۔ وہ بلاشبہ ایسا کرنے پر قادر ہے (کوئی نہیں جو اُس کے احکام و قوانین کا نفاذ روک سکے)

۱۳۳ جو کوئی دُنیا کا ثواب چاہتا ہے، تو (اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے، (اور وہ دونوں کی بخشش رکھتا ہے) اور وہ (سب کچھ) سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

۱۳۴ مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے (سچی) گواہی

مسلمانوں کو چاہیے کہ "قوّامون بالقسط" ہوں۔ یعنے عدل و انصاف پر اس مضبوطی سے قائم رہنے والے، کہ کوئی بات بھی انھیں اُن کی

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ
اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ
۱۳۵ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ
۱۳۶ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا

جگہ سے نہ ہلا سکے!

اور چاہیے کہ اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہوں۔ دنیا کی کوئی چیز انھیں سچ کہنے سے نہ روک سکے۔ اگر کسی معاملہ میں سچائی خود اُن کی ذات کے خلاف ہو، یا اُن کے ماں باپ اور عزیز و اقربا کے خلاف ہو، جب بھی انھیں سچی ہی بات کہنی چاہئے۔ وہ صرف سچائی ہی کے لئے دل و زبان رکھتے ہیں۔

سچی گواہی دینے میں نہ تو کسی کی دولت کا پاس کرو۔ نہ کسی کی محتاجی کا۔ اگر کسی معاملہ میں گواہی دے سکتے ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو۔ اور جب گواہی دو تو صاف صاف بات کہو۔ گھما پھرا کر نہ کہو کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے۔

دینے والے ہو، اگرچہ تمھیں خود اپنے خلاف، یا اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہی دینی پڑے۔ اگر کوئی مالدار ہے، یا محتاج ہے، تو اللہ (تم سے) زیادہ اُن پر مہربانی رکھنے والا ہے (تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ مالدار کی دولت کی طمع میں یا محتاج کی محتاجی پر ترس کھا کر سچی بات کہنے سے جھجکو)

پس (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ہوائے نفس کی پیروی تمھیں انصاف سے باز رکھے۔ اور اگر تم (گواہی دیتے ہوئے) بات کو گھما پھرا کر کہو گے (یعنے صاف صاف کہنا نہ چاہو گے) یا گواہی دینے سے پہلو تہی کروگے، تو (یاد رکھو) تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس کی خبر رکھنے والا ہے!

ایمانی خصائل و اعمال پر زور دینے کے بعد حقیقت واضح کی کہ یہ خصائل و اعمال جبھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کامل اور سچی خدا پرستی دلوں میں راسخ ہو جائے۔ کامل اور سچی خدا پرستی یہ ہے کہ خدا پر ایمان لاؤ، اور خدا کی سچائی پر ایمان لاؤ۔ یہ سچائی پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے، اور پیغمبر اسلام سے پہلے تمام رسولوں پر بھی نازل ہو چکی ہے۔

اسکے بعد ایمان کی تفصیل بیان کی کہ خدا پر، خدا کے فرشتوں پر، خدا کی کتابوں پر، خدا کے رسولوں پر، اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنا کامل اور سچا ایمان ہے۔

اسکے بعد منافقوں کی حالت بیان کی ہے کہ اگرچہ انھوں نے بظاہر ایمان کی راہ اختیار کی تھی مگر فی الحقیقت ایمان سے محروم تھے چنانچہ بار بار لائے، اور بار بار اُلٹے پاؤں پھر گئے۔ سو ایسا ایمان، ایمان نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے نہ تو خدا کی مغفرت ہوگی، نہ انپر فلاح و کامیابی کی راہ کھلے گی۔

۱۳۵ مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ، اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ نیز اُن کتابوں پر جو اس سے پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) نازل کی تھیں۔ اور (دیکھو) جو کوئی اللہ سے انکار کرتا ہے، اور اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، تو وہ بھٹک کر راہ راست سے بہت دور جا پڑا۔

۱۳۶ جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایمان لائے، پھر کفر میں پڑ گئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر میں پڑ گئے،

۱۳۷ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ
۱۳۸ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط
۱۳۹ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا
سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
غَيْرِهٖٓ ز اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝

اور پھر برابر کفر میں بڑھتے ہی گئے، تو (فی الحقیقت اُن کا ایمان لانا، ایمان لانا نہ تھا) اللہ انھیں بخشنے والا نہیں، اور ہرگز ایسا نہ ہوگا کہ انھیں (فلاح و کامیابی کی) کوئی راہ دکھائے۔

۱۳۷ (اے پیغمبر!) تم منافقوں کو یہ خوش خبری سنا دو کہ بلاشبہ اُنکے لئے عذاب دردناک ہے!

۱۳۸ (وہ منافق) جو مسلمانوں کو چھوڑ کر منکرین حق کو اپنا رفیق و مددگار بناتے ہیں (اور مسلمانوں کی دوستی پر مسلمانوں کے دشمنوں کی دوستی کو ترجیح دیتے ہیں) تو کیا وہ چاہتے ہیں، اُنکے پاس عزت ڈھونڈھیں؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھیں) عزت جتنی بھی ہے، سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے (یعنے اسی کے اختیار میں ہے، جسے چاہے دیدے۔ دشمنان حق کے ہاتھ میں نہیں ہے، اگرچہ وہ اس وقت عارضی طور پر دُنیوی عزت و شوکت رکھتے ہیں اور پیروان حق بے سروساماں و کمزور ہیں)

۱۳۹ اور (دیکھو) اللہ اپنی کتاب میں تمھارے لئے یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ جب سنو، خدا کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے (یعنے انھیں سرکشی و شرارت سے جھٹلایا جا رہا ہے) اور اُن کی ہنسی اُڑائی جا رہی ہے، تو (تم اُس مجلس سے اُٹھ جاؤ، اور) جب تک (اس طرح کی باتیں چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں لوگ نہ لگ جائیں، اُن کے پاس نہ بیٹھو۔ اگر بیٹھا کروگے تو تم بھی اُنھی جیسے ہو جاؤ گے۔ (یاد رکھو) خدا منافقوں کو (جو ایسی باتوں میں شریک ہوتے ہیں) اور منکرین حق کو (جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں) سب کو جہنم میں اکٹھا کر دینے والا ہے!

آیت (۱۳۹) سے (۱۴۲) تک منافقوں کے اعمال و خصائل بتلائے ہیں:

(۱) چونکہ اُنکے دلوں میں ایمان و یقین نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کی کامیابی پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بناتے ہیں تاکہ جب وہ فتح مند ہوں تو عزت و کامرانی حاصل کریں۔

(۲) وہ الگ تھلگ رہکر واقعات کی رفتار دیکھتے رہتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، تو فتح کے ثمرات میں حصہ دار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بھی تمھارے ساتھ تھے۔ اگر دشمنوں کا پلہ بھاری رہتا ہے تو اُن سے جا ملتے ہیں، اور کہتے ہیں اگر لڑائی میں ہم دل سے تمھارے ساتھ نہ ہوتے اور تمھیں نہ بچاتے، تو مسلمانوں نے تمھارا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔

(۳) وہ نماز کے لئے کھڑے ہونگے، تو کاہلی کے ساتھ، گویا مارے باندھے کھڑے ہوگئے ہیں۔ دکھاوے کے لئے تھوڑی بہت قرات جلد جلد کرلیں گے اور نماز ٹپک کر الگ ہو جائینگے خشوع و خضوع اور دل کا لگاؤ اُن کی نماز میں نہ ہوگا۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ ۱۴۰
لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۱۴۱
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۤ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ ۱۴۲

ان (منافقوں) کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تمھاری حالت دیکھتے رہتے اور (مآل کار کے) منتظر رہتے ہیں۔ اگر تمھیں اللہ کے طرف سے فتح ملتی ہے، تو (اپنے کو تمھارا ساتھی ظاہر کرتے ہیں اور) کہتے ہیں "کیا ہم بھی تمھارے ساتھ نہ تھے"؟ اگر منکرین حق کے لئے فتح مندی ہوتی ہے تو (اُن کی طرف دوڑتے ہیں اور اپنا احسان جتانے کے لئے) کہتے ہیں "کیا ہم نے ایسا نہیں کیا کہ (جنگ میں) بالکل غالب آگئے تھے لیکن پھر بھی تمھیں مسلمانوں سے بچا لیا (اور مغلوب ہونے نہیں دیا؟) تو (یقین کرو) اللہ قیامت کے دن تم میں (کہ سچے مسلمان ہو) اور ان میں (کہ نفاق میں ڈوبے ہوئے ہیں) فیصلہ کر دیگا، اور (یقین کرو یہ منافق کتنا ہی دشمنوں کا ساتھ دیں، مگر) خدا کبھی ایسا نہیں کریگا کہ کافر ایمان رکھنے والوں کے خلاف کوئی راہ پا لیں۔

(۴) اُن کی ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں گویا ایک قدم کفر میں ہے ایک ایمان میں۔ دونوں کے درمیان متردد کھڑے ہیں۔ نہ پوری طرح کفر کا ساتھ دے سکتے ہیں، نہ پوری طرح ایمان کا!

آیت (۱۴۱) میں فرمایا "خدا اُنھیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے" خدا کے ہرانے اور مغلوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے دنیا میں اچھوں کی طرح بُروں کو بھی مہلت عمل دے رکھی ہے۔ مگر یہ مہلت اس لئے نہیں ہے کہ خدا کا قانون اُن کی طرف سے غافل ہے، بلکہ اس لئے کہ ہر عمل کا نتیجہ اپنے مقررہ وقت ہی پر ظاہر ہوا کرتا ہے۔ لیکن شریر آدمی اس مہلت سے نڈر ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے میں جو کچھ بھی کئے جاؤں، میرے لئے کچھ ہونے والا نہیں۔ حالانکہ اُس کے لئے سب کچھ ہونے والا ہے، مگر اپنے مقررہ وقت پر۔

منافق (اپنی اس دورنگی چال سے) خدا کو دھوکا دے رہے ہیں (یعنے خدا کے رسول کو اور مسلمانوں ۱۴۱
کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں) اور (واقعہ یہ ہے کہ) خدا اُنھیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے (کہ مہلت پر مہلت دے رہا ہے اور اس عارضی مہلت کو وہ اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں!)

اور جب یہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (جیسے کوئی مارے باندھے کھڑا ہو جائے) محض لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر برائے نام

کفر اور ایمان کے درمیان متردد کھڑے ہیں کہ ادھر رہیں یا اُدھر۔ نہ تو ان کی طرف ہیں نہ اُنکی ۱۴۲
طرف (یعنے نہ تو مسلمانوں کے طرف ہیں نہ مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف) اور حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ ہی راہ گم کر دے (یعنے اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانون ہدایت و ضلالت کے بموجب راہ سعادت گم ہو جائے)

۱۴۳ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
۱۴۴ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ
۱۴۵ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ
لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝
۱۴۶ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

تو پھر ممکن نہیں، تم اُس کے لئے کوئی راہ نکال سکو!

۱۴۳ مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو (جو تمھارے خلاف لڑ رہے ہیں اور تمھاری بربادی پر تلے ہوئے ہیں) اپنا رفیق و مددگار بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو، خدا کا صریح الزام اپنے اوپر لے لو (جو اس بات سے تمھیں روک رہا ہے اور اسے منافقوں کی سب سے بڑی بدعملی قرار دے رہا ہے؟)

۱۴۴ بلاشبہ منافقوں کے لئے یہی ہونا ہے کہ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ڈالے جائینگے اور (اُس دن) کسی کو بھی تم اُن کا رفیق و مددگار نہ پاؤ گے (پھر کیا تم چاہتے ہو، اُن کی سی روش تم بھی اختیار کرو؟)

۱۴۵ ہاں، (اُن میں سے) جن لوگوں نے توبہ کر لی، اپنی (عملی) حالت سنوار لی، اللہ (کے حکم) پر مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اور اپنے دین میں صرف اُسی کے لئے ہوگئے، تو (بلاشبہ) ایسے لوگ (منافقوں میں سے نہیں سمجھے جائینگے) مومنوں کے ساتھ ہونگے، اور قریب ہے کہ اللہ مومنوں کو (اُن کا) اجر عطا فرمائے، ایسا اجر، جو بہت ہی بڑا اجر ہوگا!

۱۴۶ (لوگو!) اگر تم شکر کرو (یعنے خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور انھیں ٹھیک ٹھیک کام میں لاؤ) اور خدا پر ایمان رکھو، تو خدا کو تمھیں عذاب دیکر کیا کرنا ہے؟ (یعنے وہ کیوں تمھیں خواہ مخواہ عذاب دے؟) خدا تو (انسانی اعمال کا) قدرشناس اور (اُن کی حالت کا) علم رکھنے والا ہے۔

فرمایا، منافقوں کی سی چال اختیار نہ کرو جو اپنی قوم کو چھوڑ کر قوم کے دشمنوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں، اور قوم کے مصالح پر اپنی منافقانہ غرضوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس کے بعد آیت (۱۴۶) میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا کہ عذاب و ثواب اس لئے نہیں ہے کہ خدا خوش ہو کر انعام دینے لگتا ہے، اور جوشِ انتقام میں آکر عذاب میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ بت پرست اپنے دیوتاؤں کی نسبت خیال کرتے تھے، اور یہودی اور عیسائی تصور میں بھی اس کی آمیزش ہو گئی تھی، بلکہ وہ انسانی عمل کا قدرتی خاصہ و نتیجہ ہے، اور خدا کی حکمت نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کے ہر عمل کے لئے بھی ایک خاصہ اور بدلہ ہو۔

آیت (۱۴۷) میں فرمایا، اگر کسی انسان میں کوئی برائی ہو، تو اُسے مشہور کرنا اور پکارتے پھرنا، جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی مظلوم ہو، تو وہ ظالم کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہے۔ یہاں یہ حکم اس لئے بیان کیا گیا کہ منافقوں کی نسبت مسلمانوں کو تنبیہ کرنی تھی۔ ان لوگوں کی برائیاں روز بروز آشکارا ہو رہی ہیں، لیکن تمھیں نہیں چاہئے کہ کسی خاص آدمی کے پیچھے پڑ جاؤ اور اُسے منافق مشہور کرتے پھرو۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا
١٤٧-٨ اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ
١٤٩ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ
سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
١٥٠- بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

١٤٧ خدا کو پسند نہیں کہ تم (کسی کی) بُرائی پکارتے پھرو۔ اِلّا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو (اور وہ ظالم کے ظلم کا اعلان
کرے) اور (یاد رکھو) خدا سُننے والا، جاننے والا ہے (اُس سے کسی کی کوئی بات پوشیدہ نہیں)
١٤٨ اگر تم بھلائی کی کوئی بات ظاہر طور پر کرو، یا اُسے پوشیدہ رکھو، یا کسی کی بُرائی سے درگزرو، تو (ہر
حال میں تمھارے لئے نیکی واحسان کا اجر ہے، اور دیکھو) اللہ بھی (ہر طرح کی) قدرت رکھتا ہوا (بُرائیوں
سے) درگزر کرنے والا ہے!

١٤٩ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے برگشتہ ہیں،
اور چاہتے ہیں، اللہ میں اور اُس کے رسولوں میں
(بہ اعتبار تصدیق کے) تفرقہ کریں اور کہتے ہیں ہم
ان میں سے بعض کو مانتے ہیں، بعض کو نہیں مانتے
اور چاہتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان کوئی تیسری
١٥٠ راہ اختیار کرلیں، تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (اُن کا
بعض رسالتوں پر ایمان رکھنے کا دعویٰ انھیں مومن
نہیں بنا دے سکتا) اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت
دینے والا عذاب طیار کر رکھا ہے۔
١٥١ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان
لائے، اور اُن میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا
نہیں کیا (یعنے کسی ایک سے بھی انکار نہیں کیا)
تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ (سچے مومن ہیں، اور)
عنقریب ہم اُنھیں اُنکے اجر عطا فرمائینگے، اور اللہ

جو لوگ "تفریق بین الرسل" کرتے ہیں، یعنے خدا کے کسی پیغمبر کو مانتے ہیں، کسی کو نہیں مانتے، تو وہ چاہتے ہیں، ایمان اور کفر کے درمیان کوئی تیسری راہ ڈھونڈھ نکالیں۔ حالانکہ ایسی راہ کوئی نہیں۔ اگر مانتے ہو تو سب کو مانو۔ اگر انکار کرتے ہو، تو کسی ایک کا انکار بھی سب کا انکار ہے۔ کیونکہ خدا کی سچائی ایک ہی ہے، اور سب اُسی سچائی کے پیغامبر تھے۔ لوگوں نے دین کے بارے میں سب سے بڑی گمراہی یہی کی کہ اس حقیقت کو بھول گئے اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔

بیان کا رُخ اب یہودیوں کی طرف پھر رہا ہے۔ کیونکہ مدینہ کے منافقوں میں زیادہ تر یہودی ہی تھے۔ یہودی کہتے تھے، اگر پیغمبر اسلام سچے ہیں تو کیوں اُن پر آسمان سے ایک کتاب اس طرح نازل نہیں ہو جاتی کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ فرمایا، اس سے بھی بڑی فرمایش یہ حضرت موسیٰؑ سے کر چکے ہیں کہ خود خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ جو طالب حق ہے، وہ کبھی ایسی فرمایشیں نہیں کرے گا، بلکہ یہ بات دیکھے گا کہ جو تعلیم دی جا رہی ہے وہ کیسی ہے، اور جو تعلیم دینے والا ہے، اُس کا حال کیا ہے۔

اس کے بعد یہودیوں کی اُن تاریخی شقاوتوں کی طرف اشارات کیئے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق کے مقابلہ میں انکار و شرارت کرنے والے برابر شرارت کرتے ہی رہے۔ اگر فرمایشی معجزے دکھلا بھی دیئے جائیں جب بھی جو ماننے والے نہیں ہیں، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔

152 غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ
153 مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
154 بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ فَبِمَا
نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ

بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!

152 (اے پیغمبر!) اہل کتاب (یعنے یہودی) تم سے درخواست کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی کتاب اُن پر نازل کرادو (تاکہ انھیں تصدیق ہو جائے کہ تم خدا کے نبی ہو) تو (یہ فرمائش اُنھوں نے تم ہی سے نہیں کی ہے) یہ لوگ اس سے بھی بڑی بات کا سوال موسیٰ سے کر چکے ہیں۔ اُنھوں نے (یعنے اِن کے بزرگوں اور ہم مشربوں نے سینا کے میدان میں) کہا تھا "ہمیں خدا آشکارا طور پر دکھلا دو" (یعنے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں خدا تم سے کلام کر رہا ہے) تو اُن کی شرارت کی وجہ سے تجلی (کی ہولناکی) نے انھیں پکڑ لیا تھا (اور اس پر بھی وہ نافرمانی و شرارت سے باز نہیں آئے تھے) پھر باوجودیکہ (دینِ حق کی) روشن دلیلیں اُن پر واضح ہو چکی تھیں، وہ (پرستش کے لئے) بچھڑے کو لے بیٹھے، (اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے) مگر ہم نے اس سے بھی درگزر کی، اور موسیٰ کو (قیامِ حق و شریعت میں) ظاہر و واضح تسلط دیدیا۔[1]

153 اور پھر (دیکھو، احکامِ حق پر) عہد لینے کے لئے[2] ہم نے اُن کے سروں پر (کوہ) طور بلند کر دیا تھا، (اور اُنھوں نے اتباعِ حق کا قول و قرار کیا تھا) اسکے بعد ہم نے اُنھیں حکم دیا کہ شہر کے دروازے[3] میں (خدا کے آگے) جھکے ہوئے داخل ہو (اور فتح و کامیابی کے بعد ظلم و شرارت نہ کرو) اور ہم نے حکم دیا کہ سبت کے دن (کا احترام کرو، اور اُس دن حکمِ شریعت سے) تجاوز نہ کرو،[4] ہم نے اُن سے (اتباعِ احکام پر) پکا عہد و میثاق لے لیا تھا۔ (مگر اُنھوں نے اِن دونوں حکموں سے بھی نافرمانی کی)

154 پس اُن کے عہدِ (اطاعت) توڑنے کی وجہ سے، اور اللہ کی آیتیں جھٹلانے کی وجہ سے، اور اس بات کی وجہ سے کہ خدا کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے، نیز (اس شقاوت کی وجہ سے کہ) اُنھوں نے کہا "ہمارے دلوں پر (تہ در تہ) غلاف چڑھے ہوئے ہیں"[5] (اُن میں قبولیتِ حق کی استعداد باقی نہیں

[1] سورۂ بقرہ میں ان واقعات کی تفصیل گزر چکی ہے۔ آیت (۴۸) تا (۵۳) [2] سورۂ بقرہ آیت (۶۳) [3] بقرہ (۵۸) [4] بقرہ آیت (۶۵)
[5] بقرہ۔ آیت (۸۸) یعنے یہودی، اپنی گمراہی کے جمود کو، استقامت و ثباتِ حق سمجھتے تھے، اور کہتے تھے، ہمارے دلوں پر تہ در تہ غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اُن تک کسی نئی بات کا اثر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ قرآن کہتا ہے، یہ جمود اُنکے کفر کی وجہ سے ہے، اور جو دل کفر پر جم جاتا ہے، خدا کا قانون ہے کہ اُس پر

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
155 عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ
156 وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ
مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ
157 اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

رہی، اور اُنکے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ خدا نے اُنکے کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں پر مُہر لگادی ہے، پس (اسی لئے) معدودے چند آدمیوں کے سوا سب کے سب ایمان سے محروم ہیں۔

155 اور (نیز) اس بات کی وجہ سے کہ اُنھوں نے کفر کیا اور مریم کے خلاف ایسی بات کہی جو بڑے ہی بہتان کی بات تھی۔

156 اور (نیز) ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسےٰ کو جو خدا کے رسول (ہونے کا دعوی کرتے) تھے (سولی پر چڑھا کر) قتل کر ڈالا۔ حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ) نہ تو انھوں نے قتل کیا، اور نہ سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا۔ بلکہ حقیقت اُن پر مشتبہ ہوگئی۔ (یعنے صورت حال ایسی ہوگئی کہ اُنھوں نے سمجھا، ہم نے مسیح کو مصلوب کردیا، حالانکہ نہیں کرسکے تھے) اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا (یعنے عیسائیوں نے جو کہتے ہیں مسیح مصلوب ہوئے لیکن اُس کے بعد زندہ ہوگئے) تو بلاشبہ وہ اسکی نسبت شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں انکے پاس کوئی یقینی بات نہیں ہے بجز اسکے کہ ظن و گمان کے پیچھے جائیں۔ اور یقیناً انھوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اُسے اپنی طرف اُٹھالیا، اور اللہ سب پر غالب رہنے والا اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔

157 اور (دیکھو) اہل کتاب میں سے (یعنے یہودیوں میں سے جنھوں نے مسیح سے انکار کیا) کوئی نہ ہوگا جو

یہودیوں کی یہ شقاوت کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت جھٹلائی، اور حضرت مریم علیہا السلام پر (حضرت مسیح کی پیدائش کی نسبت) بہتان باندھا۔ نیز یہ شقاوت کہ وہ کہتے ہیں، ہم نے حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھا ہلاک کردیا۔ حالانکہ نہ تو وہ ہلاک کرسکے، نہ مصلوب کرسکے، بلکہ حقیقت حال اُن پر مشتبہ ہوگئی، اور اللہ نے حضرت مسیحؑ کو اپنی طرف اُٹھالیا۔

آیت میں جس اشتباہ کا ذکر ہے، اُس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت مشتبہ ہوگئی، اور اُن کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا، اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت مسیح کی موت مشتبہ ہوگئی۔ وہ زندہ تھے مگر اُنھیں مردہ سمجھ لیا۔ صدر اول سے لیکر آج تک جمہور مسلمانوں کا عقیدہ یہی رہا ہے کہ پہلی صورت پیش آئی تھی۔

حضرت مسیح (علیہ السلام) کے ظہور نے بنی اسرائیل کی صلاح و سعادت کا آخری موقع بہم پہونچایا تھا، جسے انھوں نے اپنی شقاوت سے کھو دیا اور پھر گویا اُن کی قسمت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگ گئی۔ یہاں اس واقعہ کے ذکر سے یہ بات دکھلائی ہے کہ جن لوگوں کی شقاوتوں کی ایسی روداد رہ چکی ہے، اگر وہ آج دعوت حق کا مقابلہ کر رہے ہیں تو یہ کونسی انوکھی بات ہے؟

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷۴) مُہر لگ جاتی ہے، اور وہ سچائی کے لئے کبھی کھل نہیں سکتا۔

۱۵۸ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا
۱۵۹ عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۝ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ
۱۶۰ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَّٰكِنِ الرَّاسِخُونَ
فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ ۚ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ
۱۶۱ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

اپنی موت سے پہلے (حقیقتِ حال پر مطلع نہ ہو جائے، اور) اُس پر (یعنے مسیحؑ کی صداقت پر) ضرور ہی یقین نہ لے آئے (کیونکہ مرنے کے وقت غفلت و شرارت کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں، اور حقیقت سامنے آجاتی ہے) اور قیامت کے دن وہ (اللہ کے حضور) اُن پر شہادت دینے والا ہوگا۔

۱۵۸ الغرض یہودیوں کے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے (کئی ایک) اچھی چیزیں اُن پر حرام کر دیں جو (پہلے) اُن کے لئے حلال تھیں۔ اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے (اور ہدایت کی راہ میں سرتاسر روک ہو گئے تھے)

نیز اُن کی یہ بات کہ سود لینے لگے، حالانکہ اس سے روک دیئے گئے تھے، اور یہ بات کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے لگے (حالانکہ انھیں ہر حال میں اور ہر انسان کے ساتھ راستی و دیانت برتنے کا حکم دیا گیا تھا) اور (یاد رکھو) ان میں جو لوگ (اس طرح احکامِ حق کے) منکر ہو گئے، تو ہم نے اُن کے لئے (پاداشِ عمل میں) عذاب دردناک طیار رکھا ہے!

جب کسی جماعت میں راست بازی اور پرہیزگاری باقی نہیں رہتی، تو مباح اور جائز باتوں کا بھی اس طرح استعمال کرتی ہے کہ طرح طرح کی برائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہیں، اور اُس وقت مصلحت کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ سداً للذریعہ اُن جائز باتوں کو بھی عارضی طور پر روک دے۔ چنانچہ یہودیوں کی بے لگام طبیعت کا یہی حال تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتنی ہی حلال چیزیں جن کے لئے پہلے کوئی روک ٹوک نہ تھی، مصلحۃً روک دی گئیں۔ یہاں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۵۹ اسکے بعد اُن کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سود لینے سے انھیں روکا گیا تھا، لیکن وہ باز نہ آئے، اور بندگانِ خدا کا ناجائز طریقہ پر مال کھانے لگے۔

۱۶۰ لیکن (اے پیغمبر!) ان میں سے جو لوگ (کتاب اللہ کے) علم میں ثابت قدم ہیں، تو وہ، اور مسلمان (ان گمراہوں سے اپنی راہ الگ رکھتے ہیں۔ وہ) اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی ہے اور اُن تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ اور وہ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو ایسے ہی لوگ ہیں جنھیں ہم عنقریب اُن کا اجر عطا فرمائیں گے۔ ایسا اجر جو بہت ہی بڑا اجر ہوگا!

۱۶۱ (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی

وحدتِ دین کی اصلِ عظیم کا اعلان کہ نوعِ انسانی کے لئے خدا کی سچائی

كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ
يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ
١٦٢ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ
١٦٣ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا
١٦٤ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

ایک ہی ہے اور تمام رہنماؤں نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ یہ پیروانِ مذاہب کی گمراہی ہے کہ گروہ بندیاں کرکے الگ الگ دین بنا لیے اور ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ:

(۱) قرآن نے بعض پیغمبروں کا ذکر کیا ہے بعض کا نہیں کیا ہے لیکن وہ سب کی تصدیق کرتا اور سب پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔

(۲) کوئی عہد اور کوئی ملک ایسا نہیں جہاں خدا نے پیغمبر پیدا کئے ہوں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو حجت تمام نہ ہوتی، اور لوگ یہ عذر کر سکتے کہ ہم تک ہدایت نہ پہنچی۔

(۳) اس سے پہلے آیت (۱۶۱) میں فرمایا تھا جو لوگ علم و حق میں ثابت قدم ہیں، وہ قرآن پر بھی اُسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح پچھلی کتابوں پر رکھتے ہیں، اس لئے اب یہ حقیقت واضح کردی کہ خدا کا دین ایک ہی ہے، اور جس طرح آپ سے پہلے بے شمار پیغمبروں پر خدا کی سچائی نازل ہوچکی ہے، اُسی طرح پیغمبر اسلام پر بھی نازل ہوئی ہے۔

(۴) نیز یہودیوں کے اس گمراہانہ اعتراض کا بھی جواب ہوگیا کہ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں اُتر آتی۔ فرمایا: یہ بے شمار پیغمبر جو تورات کی مشہور شخصیتیں ہیں، ان میں سے کسی پر بھی ایسی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ کیونکہ ایسا ہونا سنتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ جس طرح خدا نے ہمیشہ نبیوں کو اپنی وحی سے مخاطب کیا ہے، اور وحی اشارۂ مخفی کو کہتے ہیں، اسی طرح پیغمبر اسلام بھی وحی الٰہی سے مخاطب ہوئے ہیں۔

بھیجی جس طرح نوح پر اور اُن نبیوں پر جو نوح کے بعد ہوئے
بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب،
اولادِ یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان
١٦٢ پر بھیجی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ نیز خدا کے وہ رسول
جن کا حال ہم (قرآن میں) پہلے سنا چکے ہیں، اور وہ
جن کا حال ہم نے تمھیں نہیں سنایا، اور (اسی طرح) اللہ
نے موسیٰ سے کلام کیا جیسا کہ واقعی طور پر کلام کرنا ہوتا ہے
١٦٣ یہ تمام رسول (خدا پرستی و نیک عملی کے نتائج کی)
خوش خبری دینے والے اور (انکارِ حق کے نتائج سے)
ڈرانے والے تھے۔ (اور اس لئے بھیجے گئے تھے) کہ ان کے
آنے (اور نیک و بد بتلانے) کے بعد لوگوں کے پاس کوئی
حجت باقی نہ رہے جو وہ خدا کے حضور پیش کرسکیں (یعنی
یہ عذر نہ کرسکیں کہ ہمیں راہِ حق کی طرف کسی نے دعوت
نہیں دی تھی) اور خدا (اپنے کاموں میں) سب پر غالب
ہے اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!
١٦٤ (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمھاری سچائی سے انکار کرتے ہیں تو انکار کریں، لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل
کیا ہے، وہ اسے نازل کرکے (تمھاری سچائی کی) گواہی دیتا ہے، اور اس نے اُسے اپنے علم کے ساتھ
نازل کیا ہے، اور (خدا کے) فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اور (جس بات پر اللہ گواہی دے تو)
اللہ کی گواہی کفایت کرتی ہے۔

۱۶۵-۱۶۶ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ
۱۶۷ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
۱۶۸ يَسِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ
۱۶۹ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا
عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ

۱۶۵ جو لوگ (سچائی سے) منکر ہوئے، اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکا، تو بلاشبہ وہ (راہ راست سے) بھٹک
گئے، اور ایسے بھٹکے کہ دُور دراز گوشوں میں گم ہو گئے۔
۱۶۶ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم (میں بھی بے باک ہوگئے اور مرتے دم تک اسی حالت میں سرشار رہے) تو خدا
۱۶۷ انھیں کبھی بخشنے والا نہیں اور نہ انھیں (کامیابی وسعادت کی) کوئی راہ دکھائے گا۔ بجز جہنم کی راہ کے،
جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور اللہ کے لئے ایسا کرنا بالکل سہل ہے (کوئی نہیں جو اُسکے قوانین کے نفاذ میں
رکاوٹ ڈال سکے)

۱۶۸ اے افرادِ نسل انسانی! بلاشبہ الرسول (یعنے پیغمبر اسلام) تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے
پاس سچائی کے ساتھ آگیا ہے (اور اُس کی سچائی اب کسی کے جھٹلائے جھٹلائی نہیں جا سکتی) پس ایمان
لاؤ کہ تمھارے لئے (اسی میں) بہتری ہے، اور (دیکھو اگر تم کفر کروگے، تو آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب
اللہ ہی کے لئے ہے (وہ بے نیاز تمھاری کسی بات کا محتاج نہیں۔ تمھاری شقاوت خود تمھارے ہی آگے
آئے گی) اور (یاد رکھو) اللہ (سب کچھ) جاننے والا، اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔
(پس ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ تمھاری حالت سے غافل ہو اور اچھائی کے لئے اچھا اور برائی کے لئے برا
نتیجہ پیش نہ آئے)

۱۶۹ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو (یعنے
حقیقت و اعتدال سے گزر نہ جاؤ) اور اللہ کے
بارے میں حق کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ مریم کا بیٹا عیسیٰ
مسیح، اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا رسول ہے اور اس
کے کلمہ (بشارت) کا ظہور ہے جو مریم پر القا کیا گیا
تھا، نیز ایک رُوح ہے جو اُس کی جانب سے بھیجی گئی۔

اہلِ کتاب کی ایک بہت بڑی گمراہی دین میں "غلو" ہے یعنی حقیقت و
اعتدال سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے جانا۔ اگر کسی کی محبت و تعظیم
پر آئے، تو اتنی تعظیم کی کہ اُسے خدا کے درجہ تک پہنچا دیا۔ مخالفت پر
آئے تو اتنی مخالفت کی کہ اُس کی صداقت سے ہی انکار کر دیا۔

اگر زہد و عبادت کی راہ اختیار کی تو اتنی دُور تک چلے گئے کہ
رُہبانیت تک پہنچ گئے، اگر دُنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے چھوٹ ہو گئے کہ
کہ نیک و بد کی تمیز ہی اُٹھا دی!

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ
يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ
۱۷۰ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ
۱۷۱ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ
۱۷۲ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا
۱۷۳ وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
۱۷۴ بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

یہود و نصاریٰ اسی گمراہی کے شکار ہوئے۔ یہاں خطاب عیسائیوں سے ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت و تعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ انھیں خدا کا بیٹا بنا دیا، اور ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا اعتقاد پیدا کر لیا۔ یعنے باپ، بیٹا، اور روح القدس۔

پس چاہیے کہ اللہ پر اور اُسکے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ بات نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ دیکھو، ایسی بات کہنے سے باز آجاؤ کہ تمھارے لئے بہتری ہو۔ حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہو کہ اللہ ہی اکیلا معبود ہو (اُس کے سوا کوئی نہیں) وہ اس سے پاک ہو کہ اُسکے لئے کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کے لئے ہو (وہ بھلا اپنے کاموں کے لئے اس بات کا کیوں محتاج ہو کہ کسی کو بیٹا بنا کر دنیا میں بھیجے؟) کارسازی کے لئے خدا کا کارساز ہونا بس ہو۔
۱۷۰ مسیح کو ہرگز اس بات میں عار نہیں کہ وہ خدا کا بندہ سمجھا جائے، اور نہ خدا کے مقرّب فرشتوں کو اس سے ننگ و عار ہو۔ اور جو کوئی خدا کی بندگی میں ننگ و عار سمجھے اور تکبّر کرے، تو (وہ تکبّر کرکے
۱۷۱ کہاں جاسکتا ہے؟) وہ وقت دُور نہیں کہ خدا سب کو (قیامت کے دن) اپنے حضور جمع کرے گا۔
۱۷۲ پھر (اُس دن) ایسا ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں، تو اُن کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ اُنھیں دے دے گا، اور اپنے فضل سے اس میں زیادتی بھی فرمائے گا۔ لیکن جن لوگوں نے (خدا کی) بندگی کو ننگ و عار سمجھا تھا اور تکبّر کیا تھا، تو اُنھیں (پاداش جرم میں) ایسا عذاب دیگا جو دردناک عذاب ہوگا اور اُس دن اُنھیں خدا کے سوا نہ تو کوئی رفیق ملیگا، نہ مددگار!
۱۷۳

۱۷۴ اے افراد نسلِ انسانی! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے بُرہان (یعنے دلیل و حجت) آگئی، اور ہم نے تمھاری طرف واضح و آشکار روشنی بھیج دی۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اُس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا، تو وہ اُنھیں عنقریب اپنی رحمت کے سائے میں داخل کر دے گا، اور اُن پر اپنا فضل کرے گا، اور اُنھیں اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھائے گا۔ ایسی راہ جو بالکل سیدھی راہ ہو!

دینِ حق "بُرہان" ہے۔ یعنے سرتاسر دلیل و حجت، اور قرآن "نورِ مبین" ہے۔ یعنے واضح و آشکار روشنی! بُرہان کے ساتھ جہل و گمان جمع نہیں ہو سکتا اور روشنی کے ساتھ تاریکی و کوری راہ نہیں پا سکتی!

١٧٥ يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ
فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ
فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً
فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

١٧٥ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں (یعنی ایسے آدمی کی میراث کے بارے میں جس کے نہ تو باپ ہو نہ اولاد) فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں (حسب ذیل) حکم دیتا ہے: اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ باپ دادا) اور اس کے بہن ہو، تو جو کچھ مرنے والا چھوڑ مرا ہے، اس کا آدھا بہن کا حصہ ہوگا۔ اور بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو، تو اس (کے سارے مال) کا وارث وہ بھائی ہی ہوگا۔

پھر اگر دو بہنیں ہوں (یا دو سے زیادہ) تو انھیں ترکے میں سے دو تہائی ملے گا۔

اور اگر بھائی بہن (ملے جلے ہوں) کچھ مرد، کچھ عورتیں، تو پھر اسی قاعدے سے حصے تقسیم ہوں گے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ۔ اللہ تمھارے لئے اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تاکہ گمراہ نہ ہو، اور اللہ تمام باتوں کا علم رکھنے والا ہے!

سورت کی ابتدا قرابت داروں کے حقوق و احکام سے ہوئی تھی۔ پھر درمیان میں بھی سلسلۂ بیان اسی طرف کو پھر گیا تھا۔ اب سورت کا خاتمہ بھی اسی پر ہے۔
کلالہ کی میراث کا حکم جو آیت (١٥) میں گزر چکا ہے، تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت کے لئے تھا۔ یہاں بقیہ دو صورتیں بھی بیان کر دی ہیں۔ یعنی اگر کلالہ کے وارث عینی بھائی بہن ہوں، یا علاتی ہوں (باپ ایک مائیں مختلف) تو ورثہ کی تقسیم بیان کردہ اصول پر کی جائے۔

المآئدۃ

مدنیۃ وھی مائۃ وعشرون اٰیۃ

مدنی - ١٢٠ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ
مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ
الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا

"مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو" یعنے احکام الٰہی کی اطاعت کا جو عہد کر چکے ہو، اسے سچائی کے ساتھ پورا کرو۔ سچائی کے ساتھ پورا کرنا یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جائے، کرو، جن سے روک دیا جائے ترک کر دو، چنانچہ اسکے بعد امر و نواہی کا بیان شروع ہو جاتا ہے اور پوری سورت میں جستہ جستہ حسب ضرورت و مناسبت جاری رہتا ہے

(۱) چارپایوں کا گوشت حلال ہے۔ بجز انکے جو آگے چلکر مستثنیٰ کر دئے گئے ہیں۔ یہاں "انعام" کا لفظ آیا ہے۔ "انعام" کا زیادہ تر اطلاق اونٹ، گائے، اور بھیڑ بکری پر ہوتا ہے۔

(۲) حج اور عمرہ کے لئے جب احرام باندھ لیا، تو یہ احرام کی حالت ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہیں۔

(۳) خدا کے شعائر کی بے حرمتی جائز نہ رکھو۔ یعنے جو مقدس نشانیاں خدا پرستی کی ٹھہرا دی گئی ہیں، اور جو رسوم و آداب بن چکے ہیں انکی بے حرمتی نہ کرو۔

(۴) از انجملہ حرمت کے مہینے ہیں۔ یعنے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب انہی مہینوں میں حاجیوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ پس ان میں جنگ نہ کرو، اور حاجیوں کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے حملہ ہو جائے تو تمھیں لڑنا پڑیگا۔ جیسا کہ سورۂ بقر کی آیت (۱۹۰) میں حکم دیا جا چکا ہے۔

(۵) نہ تو قربانی اور نیاز کے جانوروں کو لوٹو، جو دور دور سے کعبہ میں لائے جاتے ہیں، نہ حاجیوں اور تاجروں کو نقصان پہنچاؤ جو خدا کی عبادت کے لئے اور کاروبار تجارت کے لئے مکہ کا قصد کرتے ہیں۔ مقدس مقام کے جانے والوں کو نقصان پہنچانا، اس مقام کی توہین کرنا ہے۔

مسلمانو! اپنے معاہدے پورے کرو!
تمھارے لئے مویشی جانور حلال کر دئے گئے ہیں (یعنے ان کا گوشت کھانا حلال کر دیا گیا ہے) مگر وہ، جن کی نسبت (آگے چلکر) حکم سنایا جائے گا۔ لیکن جب احرام کی حالت میں ہو، تو شکار کرنا حلال نہ سمجھو۔ بلاشبہ اللہ جیسا کچھ چاہتا ہے، حکم دیدیتا ہے!
٢ مسلمانو! خدا کے شعائر کی (یعنے خدا پرستی کی مقررہ نشانیوں اور آداب و رسوم کی) بے حرمتی نہ کرو۔ اور نہ ان مہینوں کی بے حرمتی کرو جو حرمت کے مہینے ہیں۔ اور نہ (حج کی) قربانی کی۔ نہ ان جانوروں کی، جن کی گردنوں میں (بطور علامت کے) پٹے ڈال دیتے ہیں (اور کعبہ پر چڑھانے کے لئے دور دور سے لائے جاتے ہیں) نیز ان لوگوں کی بھی بے حرمتی نہ کرو (یعنے ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالو اور انھیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ) جو بیت حرام (یعنے کعبہ) کا قصد کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا فضل [1] اور اسکی خوشنودی ڈھونڈھتے ہیں۔

[1] قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ مال و دولت کو خدا کے فضل سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لئے یہاں فضل سے مقصود کاروبار تجارت اور اس کا فائدہ ہے۔

وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ ۳
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا
عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ حُرِّمَتْ ۴
عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ
الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ

اور جب تم احرام کی حالت سے باہر آجاؤ (یعنے حج و عمرہ سے فارغ ہو کر احرام اُتار دو) تو پھر شکار کر سکتے ہو اور (دیکھو) ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمھیں اس بات پر اُبھار دے کہ زیادتی کرنے لگو کیونکہ اُنھوں نے مسجد حرام سے تمھیں روک دیا تھا۔ (تمھارا دستور العمل تو یہ ہونا چاہیے کہ) نیکی اور پرہیزگاری کی بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم کی بات میں نہ کرو۔ اور (دیکھو) اللہ کی (نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ یقیناً وہ (پاداشِ عمل میں سخت سزا دینے والا ہے!

(مسلمانو!) تم پر (یہ چیزیں) حرام کر دی گئی ہیں:

مُردار جانور۔

خون۔

سؤر کا گوشت۔

وہ (جانور) جو غیر خدا کے نام پر پُکارا جائے۔

گلا گھونٹ کر مارا ہوا۔

چوٹ لگا کر مارا ہوا۔

وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے۔

وہ، جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے۔

(۶) مشرکین مکّہ نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا، تو اب اسکے انتقام میں ۳
ایسا نہ کرو کہ ان کی جو جماعت حج و زیارت کے لئے جا رہی ہو اسے روک دو یا اُس پر حملہ کر دو۔ ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں تمھارا دستور العمل یہ ہونا چاہئے کہ "نیک کام میں مدد کرنا۔ بُرائی میں نہ کرنا"۔ وہ ظلم کریں تو یہ بُرائی ہے۔ اس میں مدد نہ کرو۔ لیکن اگر حج و زیارت کو جائیں تو یہ بھلائی کی بات ہے، اس میں کیوں رکاوٹ ڈالو؟

اس آیت میں جو قاعدہ بتایا گیا ہے، وہ مسلمانوں کے تمام کاموں کے لئے ایک عام دستور العمل ہے۔ جو کوئی نیک کام کرے، اُس کی مدد کرو۔ اگرچہ مسلمان نہ ہو، اور اگرچہ مخالف ہو۔ جو کوئی بُرائی کرے، اُس کی مدد نہ کرو۔ اگرچہ مسلمان ہو، اور اگرچہ تمھارا ساتھی ہو۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اگر بُت پرست بھی خدا کی تعظیم و عبادت کی کوئی بات کریں، تو اسکی بے حرمتی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ خدا کی تعظیم و عبادت بہرحال خدا ہی کی تعظیم و عبادت ہے۔

آیت (۵) میں دین کی تکمیل کا اعلان ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۲)
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل کی تھی کہ اُن کی ذریّت میں اُمّت ۴
مسلمہ پیدا ہو جائے۔ پھر آیت (۱۴۵) میں فرمایا تھا، خدا چاہتا ہے تم پر اپنی نعمت پوری کر دے۔ یہاں فرمایا، آج کے دن خدا نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور امت مسلمہ اپنے تمام مقاصد و خصائص کے ساتھ ظہور میں آگئی۔

یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی، جو پیغمبر اسلام (صلعم) کا آخری حج تھا، اور جس کے تقریباً تین ماہ بعد وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (بخاری عن عمر)

وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۞ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ

(۵) جسے درندہ پھاڑ کھائے۔

مگر ہاں، وہ (حرام نہیں) جسے تم (اُس کے مرنے سے پہلے) ذبح کر لو[1]۔

وہ جانور جو کسی تھان پر (چڑھا کر) ذبح کیا جائے۔ (یعنے اُن مقامات میں ذبح کیا جائے، جو بُت پرستوں نے نذر و نیاز چڑھانے کے لئے ٹھہرا رکھے ہیں)

اور یہ بات بھی کہ (کسی جانور کا گوشت یا کوئی اور چیز بطور جوئے کے) تیروں کے پاسوں سے آپس میں تقسیم کرو (جیسا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے) یہ گناہ کی بات ہے۔

(مسلمانو!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، وہ آج تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں (کہ تم راہِ حق چھوڑ کر اُن کا طریقہ اختیار کرنے والے نہیں) پس اُن سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو (اور میرے حکم کی تعمیل کرو۔ اگر تم مجھ سے ڈرتے رہے، تو پھر کوئی نہیں جو تمھیں اپنی طاقت سے خوف زدہ کر سکیگا!)

آج کے دن میں نے تمھارے لئے، تمھارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمھارے لئے پسند کر لیا کہ دین، اسلام ہو!

پس (دیکھو) جو کوئی بھوک سے بے بس ہو جائے۔ یہ بات نہ ہو کہ (عمداً) گناہ کرنا چاہے (اور کوئی حرام چیز کھالے) تو اللہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کیا کیا چیزیں اُن کے لئے حلال ہیں؟ تم کہو جتنی اچھی چیزیں ہیں سب تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔ اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لئے سدھا رکھے ہوں اور (شکار کا

جانوروں کے حلال و حرام ہونے کے احکام میں تکمیل دین کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اسلام سے پہلے کھانے پینے میں مذہبی عقائد نہایت درجہ سخت و تنگ تھے۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اُسنے بے جا قیدیں ہٹا دیں، اور وہم پرستی کے عنصر سے دین کو پاک کر دیا۔ پس فرمایا، اب کہ دین کامل ہو گیا ہے، تمھارے لئے بے جا سختیاں باقی نہیں ہیں۔ اگر کوئی آدمی بھوک سے

[1] یعنے مردار، سؤر، اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور تو ہر حال میں حرام ہیں لیکن اُنکے علاوہ جنھیں حرام بتلایا گیا ہے، اگر وہ ایسی حالت میں ہوں کہ مرنے سے پہلے ذبح کر سکو، تو حرام نہیں۔

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط
۷ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ط وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ط
۸ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
۹ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط وَاِنْ كُنْتُمْ

مرتا ہو اور حلال چیز میسر نہ آئے، تو حرام چیز کھا کر اپنی جان بچا لے سکتا ہے۔
چونکہ لوگ پچھلی پابندیوں اور سختیوں کے عادی رہ چکے تھے اس لئے بار بار پوچھتے تھے کہ ہمارے لئے کیا کیا چیزیں حلال ہیں؟ آیت (۶) میں فرمایا، تمام اچھی چیزیں حلال ہیں۔ صرف انہی چیزوں سے روک دیا گیا ہے جو اچھی نہیں ہیں۔
سدھایا ہوا شکاری کتا یا پرند اگر شکار پکڑ لے اور خود نہ کھائے، تمہارے پاس لے آئے، تو اس میں بھی کوئی روک نہیں۔ البتہ شکاری جانور چھوڑتے ہوئے خدا کا نام لے لیا کرو، جس طرح ذبح کے وقت لیا کرتے ہیں۔
اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ یعنے ان کا ذبح کیا ہوا جانور بھی تمہارے لئے حلال ہے۔
ضمناً اس حکم کی بھی تصریح کر دی کہ اُن کی عورتوں سے نکاح کرنے کی بھی کوئی ممانعت نہیں۔

طریقہ) جیسا کچھ خدا نے تمہیں سکھا دیا ہے (یعنے خدا کی دی ہوئی عقل و ذہانت سے تم نے نکال لیا ہے) انھیں سکھا دو، تو جو کچھ وہ (شکار پکڑ لیں اور) تمہارے لئے بچائے رکھیں تم اُسے (بے کھٹکے) کھا سکتے ہو مگر چاہیئے کہ (شکاری جانور چھوڑتے ہوئے) خدا کا نام لے لیا کرو (جس طرح ذبح کرتے ہوئے لیا کرتے ہو) اور (ہر حال میں) اللہ کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو۔ (یاد رکھو) اللہ (اعمال کا) حساب لینے میں بہت تیز ہے!

۷ آج (کہ دین حق اپنے ظہور میں کامل ہو گیا ہے) تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی گئیں (جو بے جا قیدیں
لوگوں نے اپنے پیچھے لگا رکھی تھیں سب دور ہو گئیں) اُن لوگوں کا کھانا جنھیں کتاب دی گئی ہے، تمہارے
لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے۔
نیز تمہارے لئے مسلمان بیبیاں اور اُن لوگوں کی بیبیاں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، حلال ہیں
بشرطیکہ انکے مہر اُنکے حوالے کر دو اور مقصود قید نکاح میں لانا ہو۔ یہ بات نہ ہو کہ نفس پرستی کے لئے بدکاری
کی جائے، یا چوری چھپے بدچلنی کی جائے۔ اور (یاد رکھو) جو کوئی ایمان سے منکر ہوا، تو اُس کے کام اکارت
گئے، اور آخرت میں اُس کی جگہ تباہ کاروں میں ہو گی!

۸ مسلمانو! جب تم نماز کے لئے آمادہ ہو، تو چاہیئے کہ
اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو، اور سر کا مسح کر لو
۹ نیز اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔ اگر نہانے

وضو اور تیمم کا حکم۔ فرمایا، خدا نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے، یعنے وضو کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ تمہارے پیچھے بے جا قیدیں لگا دی جائیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ تم میں صفائی اور پاکیزگی پیدا ہو، اور تمہیں

جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا

پاکی وشائستگی رکھنی والی جماعت بناکر تم پر اپنی نعمتِ ہدایت پوری کرنے۔

کی حاجت ہو، تو چاہیئے (نہاکر) پاک و صاف ہوجاؤ۔

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں ہو (اور پانی کی جستجو دشوار ہو) یا ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے (ہوکر) آیا ہو، یا تم عورت کے پاس رہے ہو[۱]، اور پانی میسر نہ آئے، تو اس حالت میں چاہیئے کہ (وضو کی جگہ) پاک مٹی سے کام لو۔ اور (طریقہ اس کا یہ ہے کہ) اپنے منہ اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں کسی طرح کی مشقت اور تنگی میں ڈالے، بلکہ چاہتا ہے، (اس طرح کے اعمال کے ذریعہ) تمھیں پاک و صاف رکھے۔ نیز یہ، کہ (تمھیں ایک شائستہ ترین جماعت بناکر) تم پر اپنی نعمتِ (ہدایت) پوری کردے، تاکہ تم شکر گزار رہو (یعنے نعمتِ الٰہی کے قدر شناس ہو)

۱۰ اور (دیکھو) اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے، اُسکی یاد سے غافل نہ ہو، اور اُس کا عہد و پیمان نہ بھولو جو وہ مضبوطی کے ساتھ تم سے ٹھہرا چکا ہے۔ جب تم نے (دعوتِ ایمان قبول کرتے ہوئے) کہا تھا کہ (خدایا!) ہم نے تیرا فرمان سُنا، اور ہم نے اُسے قبول کیا (تو خدا سے تم نے اطاعتِ حق کا عہد و پیمان باندھ لیا تھا) اور (دیکھو، ہر حال میں) خدا (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو، بلاشبہ وہ جاننے والا ہے، جو کچھ (تمھارے) سینوں میں پوشیدہ ہوتا ہے!

۱۲ مسلمانو! ایسے ہوجاؤ کہ خدا (کی سچائی) کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے لئے گواہی دینے والے ہو، اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ

سورۃ کے آغاز میں فرمایا تھا "اپنے معاہدے پورے کرو"، یعنے احکامِ حق کی اطاعت کا عہد پورا کرو۔ یہاں پھر مسلمانوں کو اُن کا عہدِ ایمان یاد دلایا ہے کہ دین کامل ظہور میں آگیا، نعمتِ الٰہی پوری کردی گئی، اب تمھارا فرض ہے کہ تذکیرِ نعمت سے غافل نہ ہو، اور اطاعتِ حق میں اخلاص و استقامت کے ساتھ کوشاں ہو!

اسکے بعد فرمایا، دین کی تکمیل اور نعمت کا اتمام چاہتا ہے کہ اپنی سیرت (کیرکٹر) میں سرتاسر عدل و صداقت کا پیکر بن جاؤ۔ تمھیں "قوامین للہ اور شہداء بالقسط" ہونا چاہیئے۔ یعنے مضبوطی کے ساتھ حق کے لئے کھڑے ہونے والے، اور عدل و انصاف کے لئے شہادت دینے والے، اپنا ہو یا پرایا، موافق ہو یا مخالف، دوست ہو یا دشمن جس کے ساتھ معاملہ کرو، انصاف کے ساتھ کرو، اور جس کے حق میں کوئی بات کہو، انصاف کی کہو!

۱؎ یعنے زناشوئی کا معاملہ کیا ہو۔

یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
۱۲ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ
۱۳-۱۴ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ
۱۵ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ
وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

کی دشمنی تمھیں اس بات کے لئے اُبھار دے کہ (اُس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقوے سے لگتی ہوئی بات ہے۔ اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، وہ اُسکی خبر رکھنے والا ہے!

۱۲ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، تو اللہ کا اُن سے وعدہ ہے کہ اُنکے لئے مغفرت ہوگی، اور بہت ہی بڑا اجر ہوگا۔

۱۳ لیکن جن لوگوں نے انکار کیا، اور ہماری آیتوں کو (سرکشی و شرارت سے) جُھٹلایا، تو وہ دوزخی ہیں (اُنھوں نے مغفرت و اجر کی جگہ تباہی و عذاب کی راہ پسند کرلی)

۱۴ مسلمانو! اپنے اوپر اللہ کا وہ احسان یاد کرو، کہ جب ایک گروہ نے پورا ارادہ کرلیا تھا کہ (جنگ و ہلاکت کا) تم پہ ہاتھ بڑھائے، تو خدا نے (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیا کہ اُسکے ہاتھ تمھارے خلاف بڑھنے سے رُک گئے (اور تمھیں کسی طرح کا گزند نہ پہنچا) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ ہی ہے جس پہ مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے!

۱۵ اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے (بھی) عہد (اطاعت) لیا تھا، اور اُن میں بارہ سردار مقرر کردیئے تھے۔ اللہ نے فرمایا تھا، دیکھو میں تمھارے ساتھ ہوں۔ (یعنی میری مدد تمھارے ساتھ ہے) اگر تم نے نماز قائم رکھی، زکوٰۃ ادا کرتے رہے میرے تمام رسولوں پر (جو تمھاری ہدایت کے لئے آتے رہینگے) ایمان لائے اور اُن کی مدد کی، اور اللہ کو قرضِ نیک دیتے رہے (یعنی نیکی کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے) تو میں ضرور تم پر سے تمھاری برائیاں محو کردوں گا، اور تمھیں ضرور (راحت و کامرانی کے) باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں رواں

> یہاں سے سلسلۂ بیان کا رُخ اہلِ کتاب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تاکہ اُنکے حالات سے مسلمان عبرت پکڑیں۔ فرمایا، جس طرح اللہ نے تم سے ایمان و عمل کا عہد لیا ہے، بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا، لیکن انھوں نے اطاعت کی جگہ شقاوت کی راہ اختیار کی۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر بیٹھو۔

الْأَنْهَارُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ
۱۳ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۙ
وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا
مِنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَمِنَ الَّذِينَ
۱۴ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ

ہوں گی (اور اس لئے اُنکی شادابی کبھی مُرجھانے والی نہ ہوگی) پھر تم میں سے جس کسی نے اس کے بعد (بھی) انکارِ حق کی راہ اختیار کی، تو یقیناً اُس نے (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ گم کر دی۔

۱۳ پس اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اپنا عہدِ اطاعت توڑ ڈالا، ہم نے اُن پر لعنت کی، اور اُنکے دلوں کو سخت کر دیا (کیونکہ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ جو کوئی حق سے منحرف ہوتا ہے، وہ رحمت سے محروم ہو جاتا ہے، اور اُس کے دل کی اثر پذیری باقی نہیں رہتی) چنانچہ یہ لوگ (خدا کی کتاب میں) کلمات کو اُن کی اصلی جگہ سے پھیر دیتے ہیں (یعنے کلام میں تحریف کر دیتے ہیں) جس بات کی اُنھیں نصیحت کی گئی تھی، اُس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھانا انکے حصے میں نہ آیا۔ اُسے بالکل فراموش کر بیٹھے۔ اور تم (اب بھی) ہمیشہ اُن کی کسی نہ کسی خیانت پر (جو وہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہوئے کرتے رہتے ہیں) اطلاع پاتے رہتے ہو۔ مگر بہت تھوڑے ہیں جو ایسا نہیں کرتے۔ پس (اے پیغمبر!) تمھیں چاہئے کہ اُن کی (ان خیانتوں سے) درگزر کرو، اور ان کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لو۔ بلاشبہ اللہ اُنہی کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں!

یہودیوں کے علماء کی یہ شقاوت کہ کتاب اللہ کی اطاعت کرنے کی جگہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشوں اور رایوں کے مطابق کام میں لانا چاہتے تھے وہ اُسکی آیتوں میں تحریف کر دیتے۔ یعنے یا تو کسی آیت کا مطلب اس طرح ٹھہراتے کہ بات کچھ سے کچھ ہو جاتی، یا کتاب اللہ کی آیتیں سُناتے ہوئے اپنی طرف سے گھٹا بڑھا دیتے کہ اصلی مطلب ظاہر نہ ہو، اور جو بات بنانی چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح بن جائے۔

خود پیغمبر اسلام کے زمانے میں بھی مدینہ کے علماء یہود کی ایسی خیانتیں بار بار پکڑی گئی تھیں۔ از انجملہ اُن کی یہ خیانت تھی کہ پیغمبر اسلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں چھپانی چاہتے تھے۔

۱۴ اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں [1] (یعنے عیسائی) اُن سے بھی ہم نے (ایمان و عمل کا) عہد

عیسائیوں نے بھی ایمان و عمل کا عہد فراموش کر دیا اور وہ راست سے بھٹک گئے۔ وہ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے ہیں، اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی دشمنی میں سرگرم رہتا ہے۔ یہ باہمی دشمنی یہاں تک

[1] آرام میں جب مسیحیت پھیلی تھی، تو عیسائیوں کو Nazarene یعنے نصرانی کہتے تھے۔ عرب میں بھی یہی نام زبانوں پر چڑھ گیا تھا اور عیسائی اپنے آپکو نصاریٰ کہا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم بھی اُنھیں اسی نام سے یاد کرتا ہے۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ
18 وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ
كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ
مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
19 اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا

لیا تھا۔ (لیکن) پھر ایسا ہوا کہ جس بات کی نصیحت کی گئی تھی، اُس سے کچھ بھی فائدہ اُٹھانا اُنکے حصے میں نہ آیا۔ اُسے بالکل فراموش کر بیٹھے (اور ایک دین پر متحد رہنے کی جگہ بہت سی ٹولیوں اور گروہ بندیوں میں بٹ گئے) پس ہم نے اُنکے (مختلف فرقوں کے) درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینے کی آگ بھڑکا دی (یعنے جب وہ ہدایت سے برگشتہ ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے، تو ہمارے مقررہ قانون کے بموجب اُن میں باہمی بغض و عناد کی آگ بھڑک اُٹھی) اور وہ وقت دُور نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ اُس کی حقیقت اُنھیں بتا دے گا۔

بڑھ چکی ہے کہ قیامت تک دُور ہونے والی نہیں۔

چنانچہ عیسائیوں میں صدیوں تک مذہبی فرقہ آرائی قائم رہی، اور جس فرقہ کی بن پڑی، اُس نے دوسرے فرقے کو خاک و خون میں ملا یا۔ اب سیاسی اور اقتصادی فرقہ آرائی ہے، اور باہمی بغض و عداوت میں یہ فرقہ آرائی پچھلی فرقہ آرائی سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔

اس ذکر سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو عبرت ہو، اور فرقہ آرائی کی گمراہی سے اپنی نگہداشت کریں۔ لیکن افسوس کہ مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے!

18 اے اہل کتاب! یہ واقعہ ہے کہ ہمارا رسول تمھارے پاس آ چکا۔ کتاب الٰہی (یعنے تورات و انجیل) کی بہت سی باتیں جنھیں تم (ہوائے نفس سے) چھپاتے رہے ہو، وہ تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے، اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتا ہے (کہ اُنکے بیان کی ضرورت نہیں) اللہ کی طرف سے تمھارے پاس (حق کی) روشنی آ چکی، اور ایسی کتاب آ چکی جو (اپنی ہدایتوں میں نہایت) روشن کتاب ہے۔ خدا اس کتاب کے ذریعہ اُن لوگوں پر جو (ہوائے نفس کی جگہ خدا کی خوشنودیوں کے تابع ہوں، سلامتی کی راہ کھول دیتا ہے، اور اپنے حکم سے (یعنے اپنے مقررہ قانون کی بموجب) اُنھیں تاریکیوں سے نکالتا، روشنی میں لاتا، اور (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے!

قرآن اپنے پیرؤں کو جہل و گمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا اور علم و بصیرت کی روشنی میں لاتا ہے۔ پس جو قرآن کا سچا پیرو ہے، ضروری ہے کہ اُس کی راہ، علم و بصیرت کی راہ ہو!

19 یقیناً، اُن لوگوں نے کفر کیا، جنھوں نے کہا، خدا،

عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ الوہیت مسیحؑ کا باطل عقیدہ پیدا کر لیا۔

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ
۲۰ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
۲۱ بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰؤُا اللّٰهِ وَ
أَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ
۲۲ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ

مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو، (یہ کیسی بے عقلی کی بات ہے جو تم کہتے ہو؟) اگر خدا، مسیح ابن
مریم کو، اور اُس کی ماں کو، اور (اتنا ہی نہیں بلکہ) روئے زمین پر جتنے انسان بستے ہیں، سب کو، ہلاک کردینا
۲۰ چاہے، تو کس کی طاقت ہے کہ اُس سے کوئی چیز لے؟ (اور اُسکے ملک میں دخل دے سکے؟) آسمان
کی اور زمین کی، اور جو کچھ ان میں ہے، سب کی سلطانی اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے،
اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے!

۲۱ اور (دیکھو) یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں ہم خدا کے بیٹے اور اُسکے پیارے ہیں (ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے) تم کہدو، اگر ایسا ہی ہے تو پھر خدا تمھاری بدعملیوں کی وجہ سے تمھیں (وقتاً فوقتاً) عذاب کیوں دیتا ہے؟ (جس کا خود تمھیں بھی اعتراف ہے اور تمھاری کتاب خدا کی سرزنشوں اور عذابوں کی سرگذشتوں سے بھری ہوئی ہے؟) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُسکے پیدا کئے ہوئے انسانوں میں سے تم بھی انسان ہو، اور (انسان کی بخشش و نجات کا سررشتہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اُس نے کسی خاص گروہ کو اپنا

یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ گمراہی کہ کہتے ہیں، ہم خدا کے بیٹے اور اُسکے پیارے ہیں۔ ہم جو کچھ بھی کریں، ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے (دیکھو بقرہ ۴۸، و آل عمران ۲۳)

حضرت مسیح (علیہ السلام) نے یہودی تصور کی سختی و قہرمانی کی جگہ رحمت و شفقت کا تصور پیدا کرنے کے لئے، خدا کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور اس بات پر زور دیا تھا کہ شریعت کے ظواہر و رسوم کچھ سود مند نہیں۔ اگر دل میں نیکی و محبت نہ ہو۔ عیسائیوں نے اس بات کو کچھ سے کچھ بنا لیا۔ وہ کہنے لگے نجات کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ کفارۂ مسیح پر ایمان لے آئیں، اور سمجھ لیں کہ خدا ہمارا باپ ہے، وہ کبھی اپنے بیٹوں پر آسمان کی بادشاہت کا دروازہ بند نہیں کریگا۔

قرآن اُن کے اسی زعم باطل کا جواب دیتا ہے، وہ کہتا ہے، خدا نے کسی خاص گروہ کو نجات کا پروانہ لکھکر نہیں دیدیا ہے۔ تمام انسانوں کی طرح تم بھی انسان ہو، اور سررشتۂ نجات اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے گا بخشدیگا، جسے چاہے گا عذاب دیگا۔

پیارا بنا کر نجات کا پروانہ نہیں دیدیا) وہ جسے چاہے، بخشدے، جسے چاہے، عذاب دے۔ آسمانوں کی،
زمین کی، اور اُن سب کی جو اُنکے درمیان ہیں مالکی و سلطانی صرف اُسی کے لئے ہے، اور سب کو
اُسی کی طرف رجوع ہونا ہے!

۲۲ اے اہل کتاب! ایسی حالت میں کہ رسولوں کا ظہور مدتوں سے بند تھا، ہمارا رسول (یعنے پیغمبر اسلام)

رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ
٢٣ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ
يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ
٢٤ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا
٢٥ عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ۖ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا

تمھارے پاس آیا۔ تم پر (احکام حق) واضح کر رہا ہے۔ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ نہ تو (ہدایت کی) بشارت دینے والا، نہ (گمراہی سے) ڈرانے والا۔ تو اب (دیکھو) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا تمھارے پاس آگیا ہے (یعنے تمھارے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا) اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

٢٣ اور (دیکھو، وہ واقعہ یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا: "اے لوگو! اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو (کہ اُس نے کیسی کیسی عزتوں سے تمھیں سرفراز کیا ہے؟) اُس نے تم میں نبی پیدا کئے، تمھیں پادشاہ بنایا، اور تمھیں وہ بات عطا فرمائی جو دنیا میں کسی کو (آج تک) نہیں دی گئی (یعنے نبوت اور پادشاہت دونوں تم میں جمع ہو گئیں!)"

٢٤ "لوگو! مقدس سرزمین میں جسے خدا نے تمھارے لئے لکھ دیا ہے (یعنے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، عزم و ہمت کے ساتھ) داخل ہو جاؤ، اور اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف نہ ہٹو، کہ (کامیاب ہونے کی جگہ) نقصان و تباہی میں پڑ جاؤ!"

٢٥ لوگوں نے (اس کے جواب میں) کہا: "اے موسیٰ! اُس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی زبردست ہیں (ہم میں اُنکے مقابلہ کی تاب نہیں) جب تک وہ لوگ

جب ایک قوم عرصہ تک غلامی کی حالت میں رہتی ہے، تو اُس میں بلند مقاصد کے لئے جدّوجہد کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ وہ غلامی کا امن پسند کرنے لگتی ہے، اگرچہ ذلت و نامرادی کے ساتھ ہو، اور مقاصد کی جدّوجہد سے جی چرانے لگتی ہے، اگرچہ اُس کا نتیجہ کامرانی و اقبال ہو! یہی حال بنی اسرائیل کا تھا۔ مقاصد امور کے لئے اُن میں عزم و ہمت نہ تھی۔ بزدلی و بے طاقتی نے قدم پکڑ لئے تھے۔ جب حضرت موسیٰ نے اُنھیں حکم دیا کہ سرزمین کنعان میں داخل ہو جو تمھاری موعودہ سرزمین ہے، تو کہنے لگے، وہاں بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں اُنکے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم قدم نہیں اٹھائیں گے۔ تورات میں ہے کہ بنی اسرائیل جنگ کی دہشت سے اسقدر بے طاقت ہو گئے کہ رو رو کر کہتے "خدایا! تو نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا؟ کیا اسی لئے کہ ہم کنعانیوں کی تلوار سے قتل ہو جائیں؟" اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مصر واپس چلے جائیں اور حضرت موسیٰ کو چھوڑ دیں (گنتی باب ١٣-١٤)

اس پر حکم الٰہی ہوا کہ چالیس سال تک یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے میدانوں ہی میں پڑے رہیں گے۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ چالیس سال کے اندر پچھلی نسل ختم ہو جائے گی جسے مصر کی غلامانہ زندگی نے نکما کر دیا ہے، اور ایک نئی نسل پیدا ہو جائے گی جس نے بیابان کی آزادانہ آب و ہوا میں نشو و نما پائی ہوگی، اور غلامانہ ذہنیت کی سمیت سے محفوظ ہوگی۔ چنانچہ جب چالیس سال گزر گئے، اور ایک نئی نسل ظہور میں آگئی، تو وہ عزم و ہمت کے ساتھ بڑھی اور موعودہ سرزمین پر قابض ہو گئی۔

حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ ۲۶
عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا ۖ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ۲۷
فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ ۲۸
الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ۲۹
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا ۳۰

وہاں موجود ہیں، ہم کبھی اس سرزمین میں قدم نہیں رکھیں گے۔ ہاں، اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے، تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائینگے"

۲۶ (اس پر) دو آدمیوں[1] نے کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور خدا نے انھیں (ایمان و یقین کی) نعمت عطا فرمائی تھی، لوگوں سے کہا (اسقدر بے طاقت اور بزدل کیوں ہوئے ہو؟) "ہمت کر کے ان لوگوں پر جا پڑو اور (شہر کے) دروازہ میں داخل ہو جاؤ۔ اگر تم (ایک مرتبہ) داخل ہو گئے، تو پھر غلبہ تمھارے ہی لئے ہے، اور اگر تم ایمان رکھنے والے ہو، تو چاہیئے کہ اللہ پر بھروسہ کرو!"

۲۷ وہ بولے "اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں (اور اگر تم وہاں جانے پر ایسے ہی تل گئے ہو، تو) تم خود چلے جاؤ اور تمھارا خدا بھی تمھارے ساتھ چلا جائے۔ ہم یہاں بیٹھے رہینگے۔ تم دونوں وہاں لڑتے رہنا!"

۲۸ (یہ حالت دیکھ کر) موسیٰ نے کہا "خدایا! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں (اپنے حکم سے) فیصلہ کر دے!"

۲۹ اللہ کا حکم ہوا، کہ (جب ان لوگوں کی محرومیوں کا یہ حال ہے، تو) اب چالیس برس تک وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی (یعنے چالیس برس تک اس سے محروم کر دیئے گئے) یہ اسی بیابان میں سرگرداں رہیں گے۔ سو (اے موسیٰ!) تم نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین نہ ہو (وہ اپنی بدعملیوں سے اسی محرومی کے مستحق ہیں!)

۳۰ اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا حال سچائی کے ساتھ سنا دو۔ جب ان دونوں نے (خدا کے حضور) قبولیت کے لئے قربانیاں چڑھائیں

بنی اسرائیل کی یہ شقاوت کہ قتل نفس میں بے باک ہو گئے تھے، اور اس سلسلہ میں حضرت آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ جن کا نام تورات میں ہابل اور قابن بتلایا ہے۔ (پیدائش: ۴) اور عربی میں انھیں ہابیل اور

[1] تورات میں ہے کہ یہ دو آدمی یوشع اور کالب تھے (گنتی باب ۱۴)

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ
۳۱ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ
۳۲ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ
۳۳ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
۳۴ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى
اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝

تو اُن میں سے ایک کی قبول ہوگئی۔ (یعنے ہابل کی) دوسرے کی قبول نہیں ہوئی (یعنے قابیل کی۔ اس پر قابیل نے حسد سے جل کر ہابیل سے) کہا "میں یقیناً تجھے قتل کردونگا" (ہابیل نے) کہا "اللہ صرف متقی آدمیوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے (اگر اس نے تیری قربانی قبول نہیں کی، تو اس میں میرا کیا قصور؟) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے گا تو (اُٹھا) پر میں تجھے قتل کرنے کے لئے کبھی ہاتھ نہیں اُٹھاؤنگا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام دنیا کا پروردگار ہے! میں چاہتا ہوں کہ (زیادتی ہو تو تیری طرف سے ہو۔ میری طرف سے نہ ہو، اور) تو میرا اور اپنا، دونوں کا گناہ سمیٹ لے اور پھر دوزخیوں میں سے ہوجا کہ ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ ملنا ہے"

قابیل کہتے تھے۔

ہابیل نے جو متقی انسان تھا، کہا "اگر تو میرے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو بڑھا، لیکن میرا ہاتھ تیرے قتل کے لئے اُٹھنے والا نہیں، کیونکہ میں پروردگار عالم کی سرزنش سے ڈرتا ہوں!"

اس پر بھی قابیل نے اُسے قتل کردیا۔

ہابیل کی صدا میں تمام نوع انسانی کی راست بازی و نیک عملی بول رہی تھی، اور قابیل کے عمل میں تمام ظالم انسانوں کی سرکشی و شقاوت کا ہاتھ تھا۔ اب انسان کے سامنے دو راہیں کھل گئیں۔ نیکی و راستی کبھی انسان کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گی۔ ظالم کا ہاتھ ہمیشہ رنگین
۳۱ رہے گا!

قرآن کہتا ہے، اسی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا ایسا ہے، گویا تمام نوع انسانی کو قتل کردینا۔ اور کسی انسان کو ہلاکت سے بچالینا ایسا ہے، گویا تمام انسانوں
۳۲ کو بچالیا۔ کیونکہ انسان کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہے، اور جو انسان ایک انسان کے لئے رحم نہیں کرتا وہ تمام نوع انسانی کے لئے رحم نہیں کرتا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اس حکم کی کچھ پروا نہ کی۔ رسولوں پر رسول آتے رہے اور انھیں ظلم و خونریزی سے روکتے رہے، لیکن ان کا ہاتھ اپنے بھائیوں کے خون سے ہمیشہ رنگین رہا!

۳۳ پھر ایسا ہوا کہ اُس کے نفس نے (یعنے قابیل کے نفس نے) اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کردیا، اُس نے (ہابیل کو) قتل کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ کاروں میں سے ہوگیا۔

۳۴ اُسکے بعد خدا نے ایک کوّا بھیجا اور وہ زمین کریدنے لگا، تاکہ اُسے بتادے کہ اپنے بھائی کی نعش کیونکر (زمین میں) چھپائی چاہئے۔ (کوّے کو زمین کریدتا ہوا دیکھ کر) وہ بول اُٹھا "افسوس مجھ پر! میں اس کوّے کی طرح بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی نعش (زمین کھود کر) چھپا دیتا!" غرضکہ وہ (اپنی حالت پر) بہت ہی پشیمان ہوا!

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ٣٥
ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ ٣٦
رَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ ٣٧
خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ ٣٨
جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ ٣٩
٤٠

اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ ”جس کسی نے، سوا اس حالت کے کہ قصاص ٣٥
لینا ہو یا ملک میں لوٹ مار مچانے والوں کو سزا دینی ہو، کسی جان کو قتل کر ڈالا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کا
خون کیا، اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچالی، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دیدی“ اور (پھر) اُنکے ٣٦
پاس (ایکے بعد دیگرے) ہمارے رسول (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آتے رہے (اور ظلم و خونریزی
سے روکتے رہے) لیکن اس پر بھی ان میں سے اکثر آدمی ایسے ہیں جو ملک میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔

جو لوگ باغی ہوں یا رہزن اور ڈاکو ہوں، اُنھیں سزا دینے کا حکم۔
اگر ان میں سے کوئی مجرم گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اس سے تعرض نہ کرو۔
پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو قتل نفس سے روکنے کا ذکر کیا تھا، اور دو حالتیں مستثنیٰ کر دی تھیں۔ قصاص کی، اور لوٹ مار کرنے والوں کو سزا دینے کی۔ اب یہاں اسکی مزید تشریح کر دی۔
قرآن جہاں کہیں برائیوں کے انسداد کے لئے کسی سخت طرز عمل کا حکم دیتا ہے، مثلاً جنگ کا، قصاص کا، مجرموں کو سزا دینے کا، طلاق کا، تو اس کے بعد ہی خدا سے ڈرتے رہنے اور انصاف سے متجاوز نہ ہونے پر خصوصیت کے ساتھ زور دینے لگتا ہے، تاکہ سختی میں آکر لوگ ظلم و زیادتی نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ یہاں بھی سزا کے حکم کے بعد آیت (٣٩) میں تقویٰ و اتباعِ حق پر زور دیا۔

بلاشبہ اُن لوگوں کی، جو اللہ اور اُس کے رسول ٣٧
سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لئے
دوڑتے پھرتے ہیں (یعنے رہزن اور ڈاکو ہیں) یہی سزا
ہے کہ قتل کر دئے جائیں یا سُولی پر چڑھائے جائیں یا اُنکے
ہاتھ پاؤں مخالف جہتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انھیں
جلا وطن کر دیا جائے۔ (یعنے جیسی کچھ سزا اُنکے لئے ضروری
ہو، اُنھیں دی جائے) یہ اُنکے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور
آخرت میں بھی اُنکے لئے عذابِ عظیم ہے۔
مگر (ہاں)، ان میں سے جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان ٣٨
پر قابو پاؤ (یعنے گرفتار کرو) توبہ کر لیں تو (پھر ان سے تعرض نہ کرو، اور) جان لو کہ اللہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے۔
مسلمانو! (ہر حال میں) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو، اور اُس تک پہنچنے کا ذریعہ ڈھونڈھو ٣٩
اور اُسکی راہ میں جدّوجہد کرو، تاکہ تمھیں فلاح حاصل ہو۔
جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ کبھی پاداشِ عمل سے بچنے والے نہیں) اگر اُنکے قبضہ میں وہ تمام ٤٠
(مال و متاع) آجائے جو روئے زمین میں موجود ہے، اور اُتنا ہی اور بھی (کہیں سے) پالیں اور پھر یہ سب کچھ دیدیں

۴۱ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ
۴۲ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا
۴۳ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
۴۴ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
۴۵ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ
قُلُوْبُهُمْ ڔ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ڔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ

قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ میں دیدیں، جب بھی اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور انکے لئے عذاب
۴۱ دردناک ہے۔ وہ (کتنا ہی) چاہیں گے کہ (دوزخ کی) آگ سے باہر نکل آئیں لیکن اس سے باہر ہونے والے نہیں۔
اُنکے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے!

۴۲ اور جو چور ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، تو اُس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ جو کچھ انھوں نے کیا ہے، یہ اُس کی سزا ہے، اور اللہ کی طرف سے نشانِ عبرت۔ اللہ (سب پر) غالب اور (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم

۴۳ پھر جس کسی نے اپنے ظلم کے بعد (یعنی چوری کرنے کے بعد) توبہ کرلی، اور اپنے کو سنوار لیا، تو اللہ اُس پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے گا۔ وہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!

۴۴ (اے انسان! تو خدا کی بخشش و رحمت پر متعجب ہوا) کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان و زمین کی پادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے بخشدے (کوئی اُس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں) اور وہ ہر بات پر قادر ہے!

۴۵ (اے پیغمبر!) اُس گروہ میں سے جنہوں نے زبان سے کہا، ایمان لائے، مگر اُن کے دل مومن نہیں ہوئے، اور اُس گروہ میں سے جو یہودی ہے، جو لوگ کفر (کے شیوہ) میں تیز گام ہیں تو اُن کی حالت تمھیں غمگین نہ کرے۔ یہ لوگ جھوٹ کے لئے کان لگانے والے ہیں اور اس لئے کان لگانے والے ہیں کہ ایک دوسرے گروہ تک جو تمھارے پاس نہیں آیا، خبریں پہنچائیں۔ یہ (تورات کے) کلمات کو باوجودیکہ اُن کا صحیح محل ثابت ہوچکا ہے، صحیح محل سے پھیر دیتے ہیں (اور اُن کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں) یہ (لوگ

کسی بات کی ٹوہ میں رہنا، جاسوسی کرنا، ادھر کی بات اُدھر لگانا، ایسی خصلتیں ہیں جو ایمان و راستی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔
مدینہ کے علماءِ یہود منافقوں کو بھیجتے تھے کہ پیغمبرِ اسلام (صلعم) کی مجلسوں میں بیٹھیں اور انھیں خبریں پہنچائیں۔ نیز انھیں کہتے، معاملات و قضایا اُنکے سامنے پیش کرو اور دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ہمارے حکم کے مطابق ہو تو مان لو، نہیں تو قبول نہ کرو۔
باوجودیکہ تورات کی آیتیں اپنے معانی و احکام میں ثابت و قطعی ہیں لیکن یہ لوگ بے دھڑک اُن میں تحریف کردیتے ہیں، اور اُن کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ
لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ
۴۶ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ
أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم
۴۷ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ

سے) کہتے ہیں (جو کچھ ہم نے تورات کا حکم بتلا دیا) اگر یہی حکم دیا جائے تو قبول کر لو۔ نہ دیا جائے، تو اُس سے اجتناب کرو۔ (اے پیغمبر! جن لوگوں کی شقاوت اس حد تک پہنچ چکی ہے، وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں تم اُنکے لئے بیکار کو غم نہ کھاؤ) جس کسی کے لئے اللہ ہی نے چاہا کہ آزمائش میں پڑے (اور اُس کا کھوٹ کھل جائے) تو تم اُس کے لئے خدا سے کچھ نہیں لے سکتے (یقین کرو) یہی لوگ ہیں کہ خدا اُنکے دلوں کو پاک کرنا نہیں چاہتا (کیونکہ اُس کا قانون ہے کہ جو کوئی گناہوں کی آلودگی پسند کر لیتا ہے، اُس کے لئے پاکی و اصلاح کی راہیں بند ہو جاتی ہیں) اُن کے لئے دُنیا میں بھی رسوائی ہے، اور آخرت میں بھی عذاب عظیم!

۴۶ (اے پیغمبر!) یہ لوگ جھوٹ کے لئے کان لگانے والے اور بُرے طریقوں سے مال کھانے میں بے باک ہیں لیں اگر یہ تمھارے پاس آئیں (اور اپنے قضیے پیش کریں) تو (تمھیں اختیار ہے) اُنکے درمیان فیصلہ کر دو، یا اُن سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اگر کنارہ کش ہو گئے، تو یہ تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر کنارہ کش نہ ہو، اور فیصلہ کرو، تو چاہئے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (اور اُن کی شرارتوں کی کچھ پروا نہ کرو) بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۴۷ اور پھر یہ لوگ کس طرح تمھیں منصف بناتے ہیں جب تورات اُن کے پاس ہے، اور خدا کا حکم اُس میں موجود ہے؟ (کیوں اُس کے مطابق خود فیصلہ نہیں کر دیتے) اور

تورات میں زانی کے لئے سنگسار کرنے کا اور قاتل کے لئے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جب کسی بڑے آدمی سے یہ جرائم سرزد ہو جاتے تو یہودیوں کے دنیا پرست علماء انھیں سزا سے بچانے کے لئے دور از کار تاویلیں کرنے لگتے، اور طرح طرح کے شرعی حیلے نکالتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام (صلعم) کے عہد میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آگیا۔ علماء یہود نے خیال کیا کہ انہیں تورات کے احکام کی خبر نہیں، اور اگر خبر بھی ہو تو یہ ایک نئی دعوت لیکر آئے ہیں، تورات والا حکم کیوں دینے لگے؟ پس بہتر ہے کہ معاملہ انکے سامنے پیش کر دیا جائے۔ مجرم سزا سے بھی بچ جائینگے اور ذمہ داری بھی ہمارے سر نہ پڑے گی۔ چنانچہ معاملہ پیغمبر اسلام کے سامنے پیش ہوا۔ لیکن وحی الٰہی نے انھیں مطلع کر دیا تھا۔ انھوں نے تورات کے حکم کا اُن سے اقرار کرایا اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

یہاں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، جب انکے پاس تورات موجود ہے تو کیوں اُس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور کیوں تمھارے پاس فیصلہ کے لئے آتے ہیں؟ اس لئے کہ دولت مند مجرموں سے رشوت لیکر یا ان کی طاقت سے مرعوب ہو کر انھیں سزا سے بچانا چاہتے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ کتاب الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ اگر ایمان رکھتے تو اس بازی کے ساتھ اسکے احکام کا اعلان کرتے۔

لے مثلاً رشوت اور نذرانہ لیکر فتوی دیتے ہیں اور احکام شرع کے خرید و فروخت کی دکان لگا رکھی ہے۔

٤٨ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۞ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا
النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ
٤٩ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ۞ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۞
٥٠ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ
٥١ فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۞ وَلْيَحْكُمْ

تمھارے سامنے معاملہ لاتے ہیں؟) یہ تورات اور اُس کا حکم لکھنے پر بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں ایمان ہی نہیں ہے۔

٤٨ بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی۔ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کے نبی جو (احکامِ الٰہی کے) فرمانبردار تھے، اُسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے نیز ربّی اور احبار (یعنے یہودیوں کے علماء و مشائخ) بھی اسی پر کاربند رہے۔ کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے، اور اُس (کے احکام و ہدایات) پر گواہ تھے۔

اسکے بعد فرمایا، ہم نے پہلے تورات نازل کی۔ پھر انجیل نازل کی، اور اسی طرح اب قرآن نازل ہوا ہے۔ انجیل تورات کی مصدّق تھی اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق اور ان پر "نگہبان" ہے۔ "نگہبان" ہونے سے مقصود یہ ہے کہ انکے مقاصد کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اگر وہ نازل نہ ہوتا تو تمام پچھلی صداقتیں تحریف و ضلالت کی تاریکیوں میں گم ہوگئی تھیں۔

آیت (٤٩) میں تورات کے جس حکم کا ذکر کیا ہے، وہ خروج ۲۲: ۲۴- اور استثنا ۱۹: ۲۱ میں ہے۔

پس (اے گروہِ یہود! اتباعِ حق کی راہ میں) انسانوں سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو (کہ تمھارا پروردگار ہوں) اور میری آیتوں کو (دنیوی فوائد کے) سستے داموں فروخت نہ کرو۔ (یاد رکھو) جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو کافر ہیں (یعنے حق سے منکر ہوگئے ہیں)

٤٩ اور ہم نے یہودیوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ "جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔ پھر جو کوئی بدلہ لینا معاف کردے، تو یہ اسکے لئے (گناہوں کا) کفّارہ ہوگا، اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دیگا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں"

٥٠ اور پھر (ان نبیوں کے پیچھے) اُنہی کے نقشِ قدم پر ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰی کو چلایا۔ تورات کی تصدیق کرتا ہوا، جو اس کے سامنے موجود تھی۔ اور ہم نے اُسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اور تورات کی جو پہلے سے موجود تھی (سَر تا سَر) تصدیق ہے۔ نیز متقی انسانوں پر (سعادت کی) راہ کھولنے والی اور (اپنی تعلیم میں) یکسر پند و نصیحت!

٥١ اور (ہم نے انجیل میں بھی یہی حکم دیا تھا کہ) "انجیل والے اسی کے مطابق حکم دیں جو کچھ انجیل میں خدا نے

اَھۡلُ الۡاِنۡجِیۡلِ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ
الۡفٰسِقُوۡنَ ○ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مُھَیۡمِنًا ۵۲
عَلَیۡہِ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَھُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ لِکُلٍّ
جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّ مِنۡھَاجًا ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَکُمۡ ۵۳
فِیۡ مَاۤ اٰتٰکُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ○ۙ

نازل کیا ہے، اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دیگا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں"
اور (اے پیغمبر! اسی طرح) ہم نے تمھاری طرف سچائی کے ساتھ کتاب بھیجی - اُن کتابوں کی تصدیق ۵۲
کرنے والی جو پہلے سے موجود ہیں اور اُن پر نگہبان - سو چاہیئے کہ خُدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق
ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور جو سچائی تمھارے پاس آچکی ہے، اُسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں
اور رایوں کی پیروی نہ کرو۔

تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے ہم نے ایک "شرع"
اور "منہاج" ٹھرا دی (یعنے مذہبی زندگی کا دستور العمل
اور طور طریقہ ٹھرا دیا) اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت ۱۳
بنا دیتا (یعنے ایک ہی طرح کی استعداد اور حالت پر پیدا
کرتا اور مختلف شریعتوں اور طور طریقوں کا اختلاف
رونما ہی نہ ہوتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا
نہیں کیا، اور اس لئے نہیں کیا) تاکہ جو کچھ (تمھاری
حالت اور ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً) تمھیں دیا
گیا ہے، اُس میں تمھیں آزمائے (اور تمھارے لئے طلب و
ترقی کی راہیں پیدا ہوں) پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے
سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو (کہ تمام شریعتوں کا
اصل مقصود یہی ہے) بالآخر تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا
ہے - پھر وہ تمھیں بتلائے گا کہ جن باتوں میں باہمدگر
اختلاف کرتے تھے، ان کی حقیقت کیا ہے۔

اگر تورات، انجیل، اور قرآن، ایک ہی صداقت کی دعوت ہیں اور قرآن تمام پچھلی صداقتوں کا مصدق ہے، تو پھر شرائع و احکام میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنے ایسا کیوں ہوا کہ عبادت کے طور طریقے اور حلال و حرام کے احکام سب نے ایک ہی طرح کے نہیں بتلائے اور مختلف وقتوں میں مختلف شریعتیں ظاہر ہوئیں؟

قرآن نے یہاں اسی سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ کہتا ہے، ایک چیز "دین" ہے اور ایک "شرع" اور "منہاج" ہے۔ "دین" اصل ہے، اور وہ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے۔ "شرع" اور "منہاج" دستور العمل اور طور طریقہ ہے جو دینی زندگی بسر کرنے کے لئے ٹھرایا جاتا ہے۔ "دین" ایک ہی ہے، اور سب نے اُسی کی تعلیم دی، لیکن "شرع" اور "منہاج" میں اختلاف ہوا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر ملک کے احوال و ظروف یکساں نہ تھے، اس لئے "شرع" اور "منہاج" بھی یکساں نہیں ہو سکتی تھی۔ پیروانِ مذاہب کی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین کی وحدت بھلا دی ہے، اور محض شرع و منہاج کے اختلاف پر گروہ بندیاں کرکے ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔

قرآن کہتا ہے۔ اگر خدا چاہتا تو تمام نوعِ انسانی کو ایک امت بنا دیتا۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ اُس نے ایسا نہیں کیا۔ الگ الگ قومیں ہوئیں، الگ الگ احوال ہوئے، الگ الگ ضرورتیں ہوئیں، پس ضروری تھا کہ دینی زندگی کے طور اور ڈھنگ بھی الگ الگ ہوں۔ لیکن یہ اختلاف اصل کا اختلاف نہ ہوا جو "دین" ہے۔ فرع کا اختلاف ہوا جو "شرع" اور "منہاج" ہے۔

۵۴ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِنْ
۵۵ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ○ أَفَحُكْمَ
۵۶ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ
۵۷ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ○ فَتَرَى الَّذِينَ
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ
أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ○

۵۴ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمھیں حکم دیا کہ جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے، اسی کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ نیز ان کی طرف سے ہشیار رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے، اس کے کسی حکم (کی تعمیل و نفاذ) میں تمھیں ڈگمگا دیں (یعنے ایسی صورت حال پیدا کردیں کہ کسی حکم کا نفاذ عمل میں نہ آسکے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں (اور حکم الٰہی نہ مانیں) تو جان لو خدا کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر مصیبت ڈالے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے انسان (احکام حق سے) نافرمان ہیں!

۵۵ پھر (جو لوگ احکام الٰہی کا فیصلہ پسند نہیں کرتے، تو وہ کیا چاہتے ہیں؟) کیا جاہلیت[1] کے عہد کا سا حکم چاہتے ہیں (جب علم و بصیرت سے لوگ محروم تھے اور اوہام و خرافات پر عمل کرتے تھے؟) اور ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھنے والے ہیں اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہوسکتا ہے؟

۵۶ مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کو (جو تمھاری دشمنی میں سرگرم ہیں) اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ۔ وہ (تمھاری مخالفت میں) ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور (دیکھو) تم میں سے جو کوئی انھیں رفیق و مددگار بنائے گا، تو وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ اللہ اس گروہ پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والا گروہ ہے۔

۵۷ پھر (اے پیغمبر!) تم دیکھوگے کہ جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، وہ ان لوگوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "ہم ڈرتے ہیں کہ (ان لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے) کسی مصیبت کے پھیر میں نہ آجائیں" تو (یقین کرو) وہ وقت دور نہیں جب اللہ (تمھیں) فتح دیدیگا، یا اس کی طرف سے (کامیابی و غلبہ کی) کوئی اور بات ظاہر ہوجائے گی، اور اس وقت یہ لوگ اس بات پر شرمندہ ہونگے جو انھوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھی۔

[1] اسلام کے ظہور سے پہلے عرب میں جو حالت رہ چکی ہے اسے جاہلیت سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ لوگ اوہام و خرافات میں مبتلا تھے اور علم و بصیرت کی کوئی روشنی موجود نہ تھی۔

٥٨ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خٰسِرِينَ ٥
٥٩ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ
عَلَى الْكٰفِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
٦٠ عَلِيمٌ ٥ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ٥
٦١-٦٢ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ٥ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ

آیت (٥٦) میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو جو مشرکین مکہ کی طرح تمھاری دشمنی میں سرگرم ہیں، اپنا رفیق و مددگار نہ بناؤ۔ جو منافق ہیں وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر اُن کی طرف دوڑے جا رہے ہیں لیکن قریب ہے کہ انھیں اپنی کرنی پر پچھتانا پڑیگا۔

آیت (٥٩) میں مسلمانوں کی یہ شان بتلائی کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرم و منکسر لیکن دشمنوں کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔ اللہ کی سچائی کی راہ میں جان لڑا دینے والے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے والے۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور خدا کی مددگاری پر بھروسہ رکھتے ہیں جو ایسے ہوں، تو وہ "حزب اللہ" ہیں۔ یعنے اللہ کا گروہ ہے۔ اور جو اللہ کا گروہ ہو تو وہ کبھی انسانوں سے مغلوب ہونے والا نہیں!

یہ گروہ جس کی خبر دی گئی تھی، مہاجرین و انصار کا گروہ تھا۔

٥٨ اور (اُس وقت) ایمان والے کہیں گے کیا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی سخت سے سخت قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں؟ (حالانکہ تھے دشمنوں کے ساتھ) تو (دیکھو) انکے تمام اعمال (اس نفاق کی وجہ سے) اکارت گئے، اور بالآخر تباہ و نامراد ہو کر رہ گئے۔

٥٩ مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اُس کے پھر جانے سے دین حق کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کردے جنھیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہونگے۔ مومنوں کے مقابلہ میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے لیکن دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں (جان و مال سے) جدّ و جہد کرینگے، اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس گروہ کو چاہے عطا فرمائے، اور وہ (اپنے فضل میں) بڑی ہی وسعت رکھنے والا، اور (سب کا حال) جاننے والا ہے!

٦٠ (مسلمانو!) تمھارا رفیق و مددگار تو بس اللہ ہے، اُس کا رسول ہے، اور وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں۔ جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

٦١ اور (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کو، اُس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو اپنا رفیق و مددگار بنا رکھا تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے، اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا ہے!

٦٢ مسلمانو! یہود و نصاریٰ اور کفار (مکہ) میں سے جن لوگوں نے تمھارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے (یعنی تحقیر و تذلیل کے لئے اُس کی ہنسی اڑاتے رہتے ہیں) تم انھیں اپنا مددگار و رفیق نہ بناؤ، اور اللہ (کی نافرمانی

یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب مسلمانوں کے مذہبی اعمال کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔

٦٢ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
٦٤ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ
٦٥ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ○ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ
وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ
٦٦ السَّبِيْلِ ○ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ
٦٧ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
٦٨ يَعْمَلُوْنَ ○ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ

کے نتائج) سے ڈرو، اگر فی الحقیقت ایمان رکھنے والے ہو!

٦٣ اور جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو (یعنے اذان دیتے ہو) تو یہ اُسے تماشہ بناتے اور اس کی ہنسی اُڑاتے ہیں اس لئے کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے جو عقل و دانش سے بے بہرہ ہے۔

٦٤ (اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہو کہ اے اہل کتاب! اس کے سوا ہمارا کیا قصور ہے جس کا تم انتقام لینا چاہتے ہو کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے اور جو ہم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں؟ اور یہ کہ (کہتے ہیں) تم میں سے اکثر (احکام تورات سے) نافرمان ہیں؟

اہل کتاب سے خطاب کہ جب قرآن تمام پچھلی سچائیوں کی تصدیق کرتا ہے، اور کسی نئی بات کی طرف نہیں بلاتا، تو پھر تم اس کی مخالفت میں کیوں کمر بستہ ہوگئے ہو؟ آخر پیروانِ قرآن کا قصور کیا ہے؟ کیا یہی قصور ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کی طرح تمھاری کتابوں کو بھی کلام الٰہی سمجھتے ہیں؟ اور تم سے کہتے ہیں کہ اپنی کتابوں پر راست بازی کے ساتھ عمل کرو؟

اس کے بعد یہودیوں کی اُن شقاوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا خود یہودیوں کو بھی اعتراف ہے، اور جو اُنکے یہاں کی مسلمہ روایتیں ہیں مثلاً احکام الٰہی کی نافرمانی کی وجہ سے ایک گروہ کا ملعون ہونا، اور نبیوں کا اُن پر لعنت کرنا، اور سبت والوں کا مسخ ہو جانا۔

٦٥ (اے پیغمبر، تم) کہو کیا میں تمھیں بتلاؤں، اللہ کے حضور بہ اعتبار جزاء کے کون زیادہ بدتر ہے؟ وہ لوگ، جن پر خدا نے لعنت کی، اور اپنا غضب اُتارا، اور ان میں سے کتنوں ہی کو بندر اور سؤر کر دیا، اور وہ جو شریر قوتوں کو پوجنے لگے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر درجے میں ہیں، اور سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے!

٦٦ اور (دیکھو) جب یہ لوگ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے آئے تھے، اور کفر لئے ہوئے واپس گئے۔ اور وہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں خدا اُسے بہتر جاننے والا ہے!

٦٧ اور تم اُن میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ، اور ظلم، اور مالِ حرام کھانے میں تیز گام ہیں۔ (افسوس اُنکی اِدّعائی ایمان پر!) کیا ہی بُرے کام ہیں جو (شب و روز) کر رہے ہیں!

٦٨ اُنکے علماء و مشائخ کو کیا ہو گیا ہے کہ انھیں جھوٹ بولنے اور مالِ حرام کھانے سے نہیں روکتے؟ (اور اگر

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ ٦٩
يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا
وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَ
يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا ٧٠
لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَ
مَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ

بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے؟ افسوس اُن پر! کیا ہی بُری کارگزاری ہے جو یہ کر رہے ہیں!

٦٩ اور یہودیوں نے کہا، خدا کا ہاتھ (عطاؤ بخشش سے) بندھ گیا ہے (کہ نہ تو تورات کے بعد کوئی دوسری کتاب بھیج سکتا ہے۔ نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت دے سکتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) اُنہی کے ہاتھ بندھ گئے ہیں، اور جو کچھ انھوں نے کہا اسکی وجہ سے اُن پر لعنت پڑی ہے۔ خدا کے تو دونوں ہاتھ (بخشش و کرم میں) کشادہ ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے (اپنا فضل و کرم) خرچ کرتا ہے۔ اور (اسی لئے تم دیکھو گے کہ) خدا کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے، (بجائے اس کے کہ اُن کے لئے ہدایت و نصیحت کا موجب ہو) اُن میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو اور زیادہ بڑھا دیگا۔

یہودی کہتے تھے، تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آسکتی اور نہ بنی اسرائیل کے بعد کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت مل سکتی ہے۔ خدا کے خزانے میں تو سب کچھ ہے لیکن اُس کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ وہ اب کسی دوسری قوم کو برکت و سعادت نہیں دے سکتا۔ یہاں انکی اسی شقاوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور (اسی سرکشی و کفر کا نتیجہ ہے کہ) ہم نے (اُنکے مختلف فرقوں کے) درمیان عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے (کہ) قیامت تک مٹنے والا نہیں۔ جب کبھی لڑائی کی آگ سُلگاتے ہیں، اللہ اُسے بجھا دیتا ہے (یعنے اُس کا فتنہ تمام ملک میں پھیلنے نہیں پاتا) یہ لوگ ملک میں خرابی پھیلانے کے لئے سعی کرتے ہیں، اور اللہ خرابی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

عیسائیوں کی طرح یہودی بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور مذہبی فرقہ بندی نے ہمیشہ کے لئے اُن میں باہمی بغض و عناد کے جذبات پیدا کر دئیے ہیں۔

٧٠ اور اگر اہل کتاب ایمان رکھتے اور پرہیزگار ہوتے، تو ہم ضرور اُن پر سے اُن کی خطائیں محو کر دیتے (یعنے خطاؤں کے اثرات محو کر دیتے) اور ضرور اُنھیں نعمت کی جنتوں میں داخل کر دیتے (مگر اُنھوں نے ایمان و عمل کی جگہ سرکشی و نافرمانی کی راہ اختیار کی، اس لئے خدا کی بخششوں سے محروم ہو گئے)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو کچھ اُنکے پروردگار سے اُن پر نازل ہوا ہے، (راست بازی کے ساتھ) قائم رکھتے، تو ضرور ایسا ہوتا کہ اُن کے اوپر سے بھی (کہ آسمان ہے) اور اُن کے قدموں کے

۷۱ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ
۷۲ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى
تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
۷۳ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَ
النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

نیچے سے بھی (کہ زمین ہے) اُنھیں برکت ملتی، (لیکن اُنھوں نے تورات وانجیل کی تعلیم ضائع کردی) ان میں سے ایک گروہ ضرور میانہ رو ہے، لیکن زیادہ تر ایسے ہی ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں بُرائی ہی بُرائی ہے۔

۷۱ اے پیغمبر! تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اُسے (خدا کے بندوں تک) پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (یعنے ادائے فرض رسالت میں کوتاہی کی) اور اللہ تمھیں انسانوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔ وہ اُس گروہ پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جسنے کفر کی راہ اختیار کی ہے!

۷۲ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو کہ اے اہل کتاب! تمھارے پاس ٹکنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، قائم نہ کرو۔ اور (اے پیغمبر! تم دیکھو گے کہ) جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے (بجائے اسکے کہ اُن کے لئے تنبہ اور نصیحت کا موجب ہو) اور زیادہ ان کی سرکشی اور انکار بڑھا دیگا۔ تو تم اُس گروہ کی حالت پر افسوس نہ کرو جو حق سے منکر ہے۔

۷۳ جو لوگ (قرآن پر) ایمان لائے ہیں وہ ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو یہودی اور صابی اور نصاریٰ ہیں کوئی ہو، لیکن (اصل دین یہ ہے کہ) جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھیگا، اور اچھے کام کریگا، تو اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

اہل کتاب سے خطاب کہ تم دین کے بارے میں جو کچھ بحث وکلام کرتے ہو، وہ جبھی قابل سماعت ہوسکتا ہے جبکہ تورات وانجیل کی تعلیم پر قائم رہو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بتلاؤ، تمھارے پاس کونسی جگہ باقی رہجاتی ہے جس پر کھڑے ہوسکتے ہو، اور دلیل وحجت کے ساتھ کلام کرسکتے ہو؟

نیز اس اصل کا بھی اعلان کردیا کہ قرآن کا مطالبہ اہل کتاب سے یہ نہیں ہے کہ تورات وانجیل کی صداقتوں سے بے پروا ہوجائیں، بلکہ تمام تر یہی مطالبہ ہے کہ اُن پر سچائی کے ساتھ قائم ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے، تمام الہامی کتابوں کی حقیقی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ خدا پرستی ونیک عملی کی دعوت ہے۔ قرآن اسی پر تمام نوع انسانی کو جمع کردینا چاہتا ہے۔

۷۴ چنانچہ آیت (۷۳) میں فرمایا کہ نجات وسعادت کا دار ومدار تمھاری بنائی ہوئی گروہ بندیاں نہیں ہیں، بلکہ ایمان وعمل کا قانون ہے اور اصل دین یہی ہے جس کی سب نے تعلیم دی۔ اور خود تم سے بھی اسی کا عہد لیا گیا تھا۔ تشریح اسکی نقرہ ۹۹ میں گزر چکی ہے۔

۷۰ لقد اخذنا میثاق بنی اسراءیل وارسلنا الیهم رسلا ط کلما جاءهم رسول بما لا تهوی انفسهم فریقا
۷۱ کذبوا وفریقا یقتلون ۝ وحسبوا الا تکون فتنة فعموا وصموا ثم تاب الله علیهم ثم عموا وصموا کثیر
۷۲ منهم ط والله بصیر بما یعملون ۝ لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن مریم ط وقال المسیح یبنی اسراءیل
اعبدوا الله ربی وربکم ط انه من یشرک بالله فقد حرم الله علیه الجنة وماوه النار ط وما للظلمین من انصار
۷۳ لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلثة م وما من اله الا اله واحد ط وان لم ینتهوا عما یقولون لیمسن
۷۴-۷۵ الذین کفروا منهم عذاب الیم ۝ افلا یتوبون الی الله ویستغفرونه ط والله غفور رحیم ۝ ما المسیح ابن
مریم الا رسول ج قد خلت من قبله الرسل ط وامه صدیقة ط کانا یاکلن الطعام ط

۷۰ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (ایمان اور عمل کا عہدِ اطاعت) بنی اسرائیل سے لیا، اور (اُس پر قائم رکھنے کے
لئے یکے بعد دیگرے) رسول بھیجے، مگر جب کبھی کوئی رسول اُنکے پاس ایسا حکم لیکر آیا جو اُن کی نفسانی خواہشوں
۷۱ کے خلاف تھا، تو اُنھوں نے اُن میں سے بعض کو تو جھٹلایا اور بعضوں کو قتل کرتے رہے۔ وہ سمجھے کہ کوئی
آزمایش نہیں ہوگی اس لئے (جوشِ ضلالت میں) اندھے بہرے ہوگئے۔ پھر ایسا ہوا کہ خدا اپنی رحمت سے اُن
پر لوٹ آیا (یعنے ان کی توبہ قبول کرلی) لیکن پھر ان میں سے بہتیرے (از سرِ نو) اندھے بہرے ہوگئے اور
(اب) جیسے کچھ اُنکے عمل ہیں، خدا اُنھیں دیکھ رہا ہے!

۷۲ یقیناً وہ (حق سے) منکر ہوئے، جنھوں نے کہا "خدا تو یہی مسیح ابن مریم ہے" اور (خود مسیح کی تعلیم تو یہ تھی کہ) اُس نے کہا تھا: "اے بنی اسرائیل! خدا کی بندگی کرو جو میرا اور تمھارا (یعنے) سب کا پروردگار ہے! بلاشبہ جس کسی نے خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا، تو اُس پر اللہ نے جنت حرام کردی۔ اُس کا ٹھکانا آتشِ دوزخ ہے، اور ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی نہیں جو مددگار ہوگا"

عیسائیوں کو بھی اسی اصل دینی کی تعلیم دی گئی تھی، یعنے ایمان و عمل کے قانون کی، لیکن وہ بھی اس سے منحرف ہوگئے اور الوہیت مسیح اور تثلیث کا اعتقادِ باطل پیدا کرلیا۔

۷۳ یقیناً وہ لوگ (حق سے) منکر ہوئے جنھوں نے کہا "خدا تین میں کا ایک ہے" (یعنے باپ، بیٹا اور روح القدس) حالانکہ کوئی معبود نہیں ہے، مگر وہی معبودِ یگانہ! اور (دیکھو) جو کچھ یہ کہتے ہیں اگر اُس سے باز نہ آئے، تو ان میں سے جن لوگوں نے انکارِ حق کیا ہے، اُنھیں عذاب دردناک پیش آئے گا۔

۷۴ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی طرف رجوع نہیں ہوتے، اور اس سے بخشش طلب نہیں کرتے، حالانکہ وہ بخشنے والا رحمت رکھنے والا ہے؟

۷۵ مریم کا بیٹا مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی کتنے رسول (اپنے اپنے وقتوں میں) ہو چکے۔ اور اُس کی ماں (بھی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ) صدیقہ تھی (یعنے بڑی ہی راست باز انسان تھی) یہ دونوں (تمام انسانوں کی طرح) کھاتے پیتے تھے (یعنے غذا کی احتیاج رکھتے تھے)، اور یہ ظاہر ہے کہ جسے زندہ

٨٠ انظر كيف نبين لهم الآيات ثم انظر أنى يؤفكون ۝ قل أتعبدون من دون الله ما لا يملك
٨١ لكم ضرا ولا نفعا ۗ والله هو السميع العليم ۝ قل يا أهل الكتاب لا تغلوا في دينكم غير
الحق ولا تتبعوا أهواء قوم قد ضلوا من قبل وأضلوا كثيرا وضلوا عن سواء السبيل ۝
٨٢ لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داود وعيسى ابن مريم ۚ ذلك بما عصوا
٨٣ وكانوا يعتدون ۝ كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه ۚ لبئس ما كانوا يفعلون ۝ ترى كثيرا
منهم يتولون الذين كفروا ۚ لبئس ما قدمت لهم أنفسهم أن سخط الله عليهم وفي العذاب
٨٤ هم خالدون ۝ ولو كانوا يؤمنون بالله والنبي وما أنزل إليه ما اتخذوهم أولياء ولكن

رہنے کے لئے غذا کی احتیاج ہو، اسمیں ماورائے بشریت کوئی بات کیونکر ہوسکتی ہے) دیکھو! کس طرح ہم ان لوگوں کی لئے دلیلیں واضح کر دیتے ہیں، اور پھر دیکھو کس طرف کو یہ لوگ پھرے ہوئے جا رہے ہیں؟ (کہ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟)

٨٠ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی بندگی کرتے ہو، جن کے اختیار میں نہ تو تمہارا نقصان ہے، نہ نفع، اور اللہ تو سننے والا، علم رکھنے والا ہے!

٨١ کہدو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں سچائی اور حقیقت کے خلاف غلو نہ کرو (یعنے حد سے نہ گزر جاؤ) اور اُس گروہ کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکا ہے، اور بہتوں کو گمراہ کر چکا ہے، اور (حق کی) سیدھی راہ اُس پر گم ہو گئی ہے۔

٨٢ (چنانچہ دیکھو) بنی اسرائیل میں سے جو لوگ (حق سے) منکر ہوئے تھے، وہ (پہلے) داؤد اور (پھر) مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبانی لعنت کئے گئے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے گزر گئے تھے۔

وہ برائیوں میں (ایک مرتبہ) پڑ جاتے تو پھر اس سے باز نہیں آتے۔ البتہ یہ بڑی ہی برائی تھی جو وہ کیا کیا کرتے تھے۔

یہاں یہودیوں کی اُس حالت کی طرف اشارہ کیا کہ برائیوں میں پڑ کر پھر اُس سے باز آجانے کا احساس اُن میں باقی نہیں رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی کسی گروہ کی ایسی حالت ہو جائے کہ برائیوں میں پڑ کر پھر اُن سے باز رہنے کا احساس و ولولہ پیدا نہ ہو، اور اپنی حالت پر قانع ہو جائے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گمراہی و شقاوت کی انتہائی حالت پیدا ہو گئی۔

٨٣ (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ ان میں بہت سی لوگ ایسے ہیں جو کفر کرنے والوں سے (یعنے مشرکین عرب سے) مدد ورفاقت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ کیا ہی بُری تیاری ہے جو انکے نفسوں نے انکے لئے مہیا کر دی کہ ان پر خدا کا غضب ہوا اور عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

٨٤ اور (دیکھو) اگر یہ لوگ اللہ پر اور اللہ کے نبی پر اور جو کتاب اُس پر نازل ہوئی ہے، اُس پر (یعنے تورات پر) ایمان رکھنے والے ہوتے تو کبھی (پیروان توحید کے خلاف) مشرکوں کو مددگار و رفیق نہ بناتے۔ لیکن ان میں

كَثِيرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ۝ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدٰوَةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ ٨٥
أَشْرَكُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصٰرٰى ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّ
مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرٰىٓ ٨٦
أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ
الشّٰهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ ٨٧
الصّٰلِحِينَ ۝ فَأَثٰبَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوا جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ ٨٨

زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو فاسق ہیں۔

٨٥ (اے پیغمبر!) تم ایمان والوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہودیوں کو پاؤ گے، نیز (عرب کے) مشرکوں کو۔ اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں، ہم نصاریٰ ہیں۔ اس لئے کہ ان میں قسیس اور رُہبان ہیں (یعنے عالم اور تارکِ دُنیا فقیر ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں) اور اس لئے کہ ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے۔

٨٦ اور جب یہ (عیسائی) وہ کلام سُنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا ہے، تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھیں جوشِ گریہ سے بہنے لگتی ہیں کیونکہ انھوں نے (اس کلام کی) سچّائی پہچان لی ہے۔ وہ (بے اختیار) بول اُٹھتے ہیں "خدایا! ہم (اس کلام پر) ایمان لائے، پس ہمیں بھی انہی میں سے لکھ لے جو (تیری سچائی کی) گواہی دینے والے ہیں"!

پیغمبر اسلام سے خطاب کہ تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت اپنے عہد کے یہودیوں اور عرب کے مشرکوں کو پاؤ گے، اور دوستی میں سب سے زیادہ قریب عیسائی ثابت ہونگے۔ کیونکہ ان میں قسیس اور منک ہیں جو زہد و عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اور اس لئے کہ ان میں انجیل کی تعلیم سے فروتنی اور عاجزی پیدا ہو گئی ہے۔

چنانچہ اسلام کے ابتدائی عہد میں کہ دعوتِ حق کی غربت و بے چارگی کا زمانہ تھا، نجاشی، حبش کا مسیحی فرمانروا، بغیر دیکھے ایمان لے آیا۔ مسلمانوں کی جو جماعت ہجرت کر کے حبش چلی گئی تھی، نجاشی نے اُن سے خواہش کی کہ اپنے پیغمبر کا کلام سناؤ۔ انھوں نے سورہ مریم کی تلاوت کی۔ نجاشی کی آنکھوں سے بے اختیار سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ وہ بول اُٹھا "اس کلام میں وہی روح بول رہی ہے جو مسیح علیہ السلام میں گویا ہوئی تھی"!

نجاشی کے علاوہ خود عرب میں بھی عیسائیوں کی بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ لیکن یہودیوں کے جمود میں جنبش نہ ہوئی۔ وہ برابر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانے میں خیبر سے جلاوطن کئے گئے۔

٨٧ اور (وہ کہتے ہیں) "ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں، اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کردار انسانوں کے زمرے میں داخل کر دے"؟

٨٨ تو (دیکھو) خدا نے اُنکے اس کہنے کے صلے میں اُنھیں (نعمت و سرورِ ابدی کی) جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور اس لئے ان کی بہار کے لئے کبھی خزاں نہیں) وہ ہمیشہ انہی جنتوں میں رہینگے اور ایسا ہی بدلہ ہے جو نیک کرداروں کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے!

89 وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ
90 اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ
91 اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ
فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا
92 اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ
الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

لیکن جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو (جحود و عناد سے) جھٹلایا، تو وہ دوزخی ہیں (انکے لئے نعیم ابدی کی بخشائشوں میں کوئی حصہ نہ ہوگا)

89 مسلمانو! خدا نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو، اور (روک ٹوک میں) حد سے نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

90 اور جو کچھ خدا نے تمھیں رزق دیا ہے اس میں سے اچھی اور حلال چیزیں (بلا تامل) کھاؤ۔ اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرتے رہو جس پر تمھارا ایمان ہے!

91 تمھاری قسموں میں سے جو قسمیں لغو (اور بے معنی) ہوں ان پر خدا تم سے مواخذہ نہیں کریگا۔ ان پر کریگا جنھیں تم نے (سمجھ بوجھ کر) ٹھہرایا ہو۔ تو (اگر کوئی قسم توڑنی پڑ جائے تو) اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ درمیانی درجہ کا کھانا جیسا تم اپنے بیوی بچوں کو کھلایا کرتے ہو، یا (دس مسکینوں کو کھانے کی جگہ) کپڑا پہنا دینا، یا ایک غلام آزاد کر دینا۔ اور اگر (یہ سب کچھ) میسر نہ آئے، تو پھر تین دن تک (پے در پے) روزہ رکھنا چاہئے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ (سمجھ بوجھ کر) قسم کھا بیٹھو۔ اور چاہئے کہ اپنی قسموں کی نگہداشت کرو (کہ کبھا کر توڑنی نہ پڑیں) اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر واضح کر دیتا ہے، تاکہ شکر گزار ہو۔

92 مسلمانو! بلاشبہ شراب، جوا، معبودان باطل کے نشان، اور پانسے شیطانی کاموں کی گندگی ہے، تو ان سے اجتناب کرو تاکہ تمھیں فلاح حاصل ہو۔

سلسلۂ بیان اب پھر اوامر و نواہی کی طرف پھرتا ہے۔ پیروان مذاہب کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ رہی ہے کہ انھوں نے ترک دنیا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے رہبانیت کا طریقہ نکالا، اور اس میں یہاں تک بڑھے کہ دنیا کی تمام جائز لذتیں اور راحتیں اپنے اوپر حرام کرلیں۔ چونکہ پچھلی آیات میں عیسائی راہبوں کی نرم دلی و فروتنی کی تعریف کی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ ان کی اس گمراہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

(۱) جو اچھی چیزیں خدا نے حلال کر دی ہیں، یعنے زندگی کی جائز لذتیں اور راحتیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ ایسا کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے، بلکہ راہ عمل میں حد سے گزر جانا ہے۔

(۲) لوگ اس طرح کی قسمیں کھا لیتے تھے کہ فلاں حلال چیز نہیں کھائیں گے، اور فلاں راحت و لذت ہم پر حرام ہوگی۔ فرمایا، لغو قسموں کا اعتبار نہیں۔ سمجھ بوجھ کر کھائی ہو اور توڑنی پڑے تو کفارہ دو۔

(۳) شراب، جوا، معبودان باطل کے نشان سب حرام ہیں۔

۹۳ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَ
یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا
۹۴ الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ لَیْسَ عَلَی
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
۹۵ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ
اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗٓ اَیْدِیْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ

۹۳ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوّے کے ذریعہ تمھارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے، اور تمھیں خدا
کے ذکر اور نماز سے باز رکھے (کیونکہ ان دونوں چیزوں میں پڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے) پھر (بتلاؤ ایسی برائیوں
سے بھی) تم باز رہنے والے ہو یا نہیں؟
اور (دیکھو) اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور (برائیوں سے) بچتے رہو۔ پھر
اگر تم نے روگردانی کی، تو جان رکھو، ہمارے پیغام بر پر تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ (عمل کرنا یا نہ کرنا تمھارا کام ہے
اور جیسا تمھارا عمل ہوگا، ویسا ہی نتیجہ بھی پاؤ گے)

۹۴ جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے کام کئے، وہ جو کچھ
(حرمت کے حکم سے پہلے) کھا پی چکے ہیں اس کے لئے
اُن پر کوئی گناہ نہیں۔ جبکہ وہ (آیندہ کے لئے) پرہیزگار
ہو گئے، اور ایمان لے آئے، اور اچھے کام کئے، اور (جب
اُنھیں کسی بات سے روکا گیا، تو اس سے بھی) پرہیز کیا،
اور (حکم الٰہی پر) ایمان لائے، اور اچھے کام کئے، اور (اسی
طرح) پھر (روکے گئے، تو پھر بھی) پرہیز کیا اور (حکم الٰہی
پر) ایمان لائے، اور اچھے کام کئے (تو یقیناً ایسے لوگوں سے
اُن کی سابقہ باتوں کے لئے کوئی مواخذہ نہیں ہو سکتا
وہ نیک کردار ہیں) اور اللہ نیک کرداروں کو دوست رکھتا ہے!

۹۵ مسلمانو! شکار کے معاملہ میں جس تک تمھارے ہاتھ
اور تیر (یعنی ہتیار) پہنچیں گے، خدا ضرور تمھاری
(فرماں برداری کی) ایک حد تک آزمایش کریگا۔ تاکہ

(۴) سورۂ نساء (آیت: ۴۳) میں گزر چکا ہے کہ شراب کی عادت اہلِ عرب
کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس لئے بہ تدریج حکمِ حُرمت کا اعلان کیا گیا۔
آخری حکم جو اس بارے میں نازل ہوا، وہ اس سورت کی پچھلی آیت ہے۔ اس
کے علاوہ حلّت و حرمت کے اور تمام احکام بھی یکے بعد دیگرے نازل ہوئے
تھے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جن لوگوں نے حرمت سے پہلے ممنوع
اشیاء استعمال کی ہیں کیا اُس کے لئے بھی وہ جوابدہ ہونگے؟ یہاں یہ
خدشہ رفع کر دیا گیا۔ فرمایا، اُس کے لئے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ جن لوگوں کا
شیوہ یہ رہا ہے کہ یکے بعد دیگرے انھیں کسی بات سے روکا گیا، اور وہ فوراً
رک گئے اور ایمان و عمل میں استوار رہے، تو ظاہر ہے کہ اُن سے اتباعِ حق
میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہوئی، اُن سے مواخذہ کیوں ہو؟
(۵) احرام کی حالت میں جو شکار سے روکا گیا ہے، تو اسے ہلکی بات نہ سمجھو
اس میں تمھارے لئے اتباع و اطاعت کی آزمایش ہے۔ اگر کوئی دیدہ و دانستہ
شکار کر بیٹھے تو اُسے اُس کا بدلہ، یا کفارہ دینا چاہئے۔
(۶) لیکن حالتِ احرام میں دریا اور سمندر کا شکار جائز ہے۔
(۷) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کے لئے قیامِ امن و اجتماع کا ذریعہ ٹھیرا
دیا ہے، اور اُس کے علم میں بے شمار مصلحتیں اور برکتیں ہیں، جو تمھیں اس معاملے
حاصل ہوں گی۔ پس اُس کی حرمت کے شعائر و اعمال قائم رکھو، اور اُن
میں کسی طرح کا فتور واقع نہ ہونے دو۔

۹۶ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ
مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ
اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
۹۷ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ
۹۸ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا
لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ ۝

معلوم ہو جائے، کون خدا سے غائبانہ ڈرتا ہے (اور جنگلوں اور میدانوں کی تنہائی میں جہاں کسی انسان کی نگاہ دیکھنے والی نہیں، اپنا ہاتھ روکے رکھتا ہے) اور کون ہے جو اس کے احکام سے بے پروا ہے! پھر (دیکھو) اس حکم کے بعد (بھی) جو کوئی حد سے تجاوز کر جائے، تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے۔

۹۶ مسلمانو! جب تم احرام کی حالت میں ہو، تو شکار کے جانور ہلاک نہ کرو، اور جو کوئی تم میں سے جان بوجھ کر مار ڈالے، تو چاہئے کہ اس کا بدلہ دے (اور وہ یہ ہے کہ) جیسے جانور کو مارا ہے، اس کے مانند مویشی میں سے ایک جانور کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے جسے تم میں سے دو منصف ٹھہرا دیں۔ یا کفارہ دے (اور وہ یہ ہے کہ مسکینوں کو (اس کی قیمت کے لحاظ سے) کھانا کھلائے، یا پھر مسکینوں کی گنتی کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کئے کی جزا (کا مزہ) چکھ لے۔ اس سے پہلے جو ہو چکا، خدا نے اس سے درگزر کیا، لیکن جو کوئی پھر کرے گا، تو خدا اس سے (نافرمانی کا) بدلہ لے گا، اور اللہ (اپنے کاموں میں) غالب اور (ہر عمل کے لئے اس کی) جزا و سزا رکھنے والا ہے!

۹۷ تمہارے لئے سمندر اور دریا کا شکار، اور کھانے کی چیزیں (جو بے شکار ہاتھ آجائیں، مثلاً مچھلی جو پانی سے الگ ہو کر مر گئی ہو، احرام کی حالت میں بھی) حلال ہے۔ تاکہ ان سے خود تمہیں بھی فائدہ پہنچے اور اہل قافلہ بھی فائدہ اٹھائیں۔ لیکن خشکی کا شکار، جب تک احرام کی حالت میں ہو، تم پر حرام ہے۔ پس اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو کہ اسی کی طرف تم سب جمع کر کے لے جائے جاؤ گے!

۹۸ اللہ نے کعبہ کو کہ حرمت کا گھر ہے، لوگوں کے لئے (امن و جمعیت کے) قیام کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ نیز حرمت کے مہینوں کو، اور (حج کی) قربانی کو، اور (قربانی کے) ان جانوروں کو جن کی گردنوں میں (علامت کے لئے) پٹے ڈال دیتے ہیں (پس کعبہ کی، اور کعبہ کے ان تمام رسوم و آداب کی حرمت قائم رکھو) یہ اس لئے کیا گیا، تاکہ تم جان لو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ سب کا حال جانتا ہے، اور وہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے!

جان لو کہ اللہ (پاداشِ عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے، اور (ساتھ ہی) بخشنے والا، رحمت والا ہے!

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ 99-100
وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰأُولِي الْأَلْبٰبِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَسْـَٔلُوا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِنْ 101
تَسْـَٔلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۖ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝
قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كٰفِرِينَ ۝

خدا کے پیغمبر کے ذمے اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ پیغام پہنچا دے۔ (عمل کرنا یا نہ کرنا، تمہارا کام ہے) اور خدا کے 99
علم سے پوشیدہ نہیں، جو کچھ تم کھلے طور پر کرتے ہو، اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو!

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہدو۔ پاکیزہ اور گندی 100
چیز برابر نہیں ہو سکتی، اگرچہ تمھیں گندی چیز کا بہت ہونا
اچھا لگے۔ پس اے ارباب دانش! اللہ (کی نافرمانی
کے نتائج) سے ڈرو، تاکہ (نقصان و تباہی کی جگہ)
فلاح پاؤ!

مسلمانو! (اپنی طرف سے کاوش کر کے) اُن چیزوں 101
کی نسبت سوالات نہ کرو، کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو
تمھیں بُری لگیں۔ اگر ان چیزوں کی نسبت سوال کروگے
جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے، تو (ظاہر ہے کہ) تم پر ظاہر
کر دی جائیں گی (لیکن اس کا نتیجہ خود تمھارے لیے اچھا
نہ ہوگا) اور اب تو خدا نے یہ بات معاف کر دی (لیکن
آئندہ احتیاط کرو) اور اللہ بخشنے والا، اور (انسانوں
کی خطاؤں کے لئے) بہت ہی بردبار ہے!

(دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے ایک گروہ نے (یعنی
بنی اسرائیل نے) ایسی ہی باتیں (کرید کرید کر) پوچھی
تھیں، پھر نتیجہ یہ نکلا کہ اسی سے احکام الٰہی کے منکر
ہو گئے!

(۸) خدا نے جن چیزوں سے روک دیا ہے، وہ گندی اور مضر چیزیں ہیں جن کی اجازت دی ہے، وہ اچھی اور مفید چیزیں ہیں۔ گندی چیزیں کتنی ہی زیادہ ملیں اور اچھی چیزیں کتنی ہی کم میسر آئیں، لیکن گندی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو۔ کیونکہ دانشمند آدمی اشیاء کی کثرت و قلت نہیں دیکھتا، انکے نفع اور نقصان پر نظر رکھتا ہے۔

(۹) کثرت سوال اور تعمق فی الدین کی ممانعت (دیکھو بقرہ: ۱۰۳) فرمایا دین حق یہ نہیں چاہتا کہ انسانی معیشت کے لئے سختیاں اور جکڑ بندیاں پیدا کر دے، اور تمھارے ہر عمل کو کسی نہ کسی پابندی سے ضرور ہی باندھ دے۔ جو کچھ ضروری تھا، بتلا دیا گیا، جو کچھ چھوڑ دیا ہے، وہ معاف ہے۔ اب تم اپنے جی سے کاوشیں کر کے طرح طرح کے سوالات مت کرو۔ اگر کروگے تو دین میں آسانی کی جگہ تنگی و مشقت پیدا ہو جائے گی، اور وہی حال ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا۔ پہلے کاوشیں کر کے پابندیاں بڑھائیں پھر جب دائرہ عمل تنگ ہو گیا، تو سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دیا۔

(۱۰) مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے، اور انھیں مقدس سمجھتے، اور طرح طرح کے توہم پرستانہ عقائد ان سے وابستہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہاں اُن جانوروں کا ذکر کیا ہے:

"بحیرہ" اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کے کان علامت کے لئے شق کر دیئے گئے ہوں، اور بتوں کی نیاز میں چھوڑ دی گئی ہو۔ یہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس سے پانچ بچے پیدا ہو جاتے۔

"سائبہ" اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیا ہو۔ نہ تو کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا۔ نہ اسکے بال کاٹ سکتا تھا، نہ اُس کا دودھ اپنے کام میں لا سکتا تھا۔

"وصیلہ" اس بکری کو کہتے تھے جس کے پلوٹھے کے اوپر تلے دو بچے مادہ ہوتے تھے۔ اسے متبرک سمجھتے اور چھوڑ دیتے۔

"حام" اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو گئے

۱۰۲ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط
۱۰۳ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط
۱۰۴ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا
۱۰۵ اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ
بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

۱۰۲ "بحیرہ" اور "سائبہ" اور "وصیلہ" اور "حام" میں سے کوئی چیز بھی خدا نے نہیں ٹھرائی ہے، لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ اللہ پر جھوٹ کہکر افترا کرتے ہیں (کہ کہتے ہیں ان جانوروں کا احترام کرنا، اور انہیں چھوڑ رکھنا ضروری ہے) اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو عقل و بینش سے محروم ہیں۔

۱۰۳ اور جب ان سے کہا جاتا ہے، (عقل و بصیرت کی) اُس بات کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے نیز اللہ کے رسول کی طرف رجوع ہو تو کہتے ہیں "ہمارے لئے تو وہی طریقہ بس کرتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے" (اُن سے پوچھو کہ) اگر انکے باپ دادا کچھ جانتے بوجھتے نہ ہوں اور راہ راست پر بھی نہ ہوں (تو کیا پھر بھی وہ اُنھی کی اندھی تقلید کرتے رہینگے؟)

۱۰۴ مسلمانو! (یاد رکھو) تم پر فقط تمھاری جانوں کی ذمّہ داری ہے (تم دوسروں کے اعمال کے لئے ذمّہ دار نہیں ہو سکتے، اور نہ دوسرے تمھارے اعمال کے لئے ذمہ دار ہیں) اگر تم راہ راست پر قائم ہو، تو کسی کا گمراہ ہونا تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (اور بالآخر) تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے (اُس دن) وہ بتا دے گا کہ تمھارے اعمال کیسے کچھ رہے ہیں!

۱۰۵ مسلمانو! جب تم میں کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو، (اور وہ وصیت کرنی چاہے) تو وصیت کے وقت گواہی کے لئے تم میں سے دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ تم سفر میں ہو اور موت کی مصیبت پیش آ جائے (اور مسلمان گواہ نہ مل سکیں) تو مسلمان گواہوں کی جگہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔

ہوں۔ اُسے بھی چھوڑ دیتے تھے، اور سمجھتے تھے، اُسے ذبح کرنا یا کام میں لانا جائز نہیں۔

فرمایا۔ یہ سب خرافات اور توہم پرستی ہے۔ خدا نے ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ٹھرایا ہے۔

(۱۱) اگر لوگ گمراہ ہو جائیں، تو اُن کی گمراہی تمھارے لئے دلیل و حجت نہیں ہو سکتی کہ تم کہو سب گمراہ ہو رہے ہیں تو تن تنہا ہم کیا کریں؟ ہر آدمی پر ذمّہ داری خود اُسکے نفس کی ہے۔ دوسروں کے لئے وہ ذمّہ دار نہیں۔ اگر ساری دنیا گمراہ ہو جائے، جب بھی تمھیں حق پر قائم رہنا چاہئے!

(۱۲) وصیت اور اُس کی گواہی کا حکم۔ اصل یہ ہے کہ دو معتبر آدمی گواہ ہونے چاہئیں۔ اگر ایسی حالت ہو کہ مسلمان نہ ملیں تو غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱۳) گواہوں کو بہ حلف گواہی دینی چاہئے۔

(۱۴) نزاع کی صورت پیدا ہو جائے، تو فریقین اپنے اپنے گواہ پیش کریں۔

(۱۵) جو انکار کرے اُس پر قسم ہے

إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ
١٠٦ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ۝ فَإِنْ
عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ
لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ
١٠٧ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝
١٠٨-١٠٩ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

پھر اگر تمھیں اُن (گواہوں) کی سچائی میں کسی طرح کا شک و شبہ پڑ جائے، تو انھیں نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں "ہم نے اپنی قسم کسی معاوضہ کے بدلے فروخت نہیں کی ہے۔ ہمارا قریب عزیز ہی کیوں نہ ہو (لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں) ہم اللہ کے لیے سچی گواہی کبھی نہیں چھپائینگے۔ اگر ایسا کریں تو ہم گناہ گاروں میں سے ہوں"

١٠٦ پھر اگر معلوم ہوجائے کہ وہ دونوں گواہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنے اُن کی گواہی سچی نہ تھی) تو اُنکی جگہ دوسرے دو گواہ اُن لوگوں میں سے کھڑے ہوجائیں جن کا حق (پچھلے) گواہوں میں سے ہر ایک نے دبانا چاہا تھا، اور یہ گواہ ان میں سے ہوں جو (فریق مظلوم سے) قرب رکھنے والے ہوں۔ پھر یہ دونوں خدا کی قسم کھا کر کہیں "ہماری گواہی پچھلے گواہوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے، اور ہم نے گواہی دینے میں کسی طرح کی زیادتی نہیں کی۔ اگر کی ہو تو ہم ظالموں میں سے ہوں"

١٠٧ اس طرح کی قسم سے زیادہ امید کی جاسکتی ہے کہ گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے، یا (کم از کم) اس بات کا اُنھیں اندیشہ رہے گا کہ کہیں ہماری قسمیں فریق ثانی کی قسموں کے بعد رد نہ کردی جائیں۔ (بہر حال) اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، اور اُس کا حکم سنو، اور (یاد رکھو کہ) اللہ ظلم کرنے والوں پر (فلاح وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا!

١٠٨ وہ دن، کہ اللہ تمام رسولوں کو جمع کریگا، اور پھر پوچھے گا "تمھیں (تمھاری اُمتوں کے طرف سے دعوتِ حق کا) کیا جواب ملا؟" (یعنے انھوں نے کہاں تک اُس پر عمل کیا) وہ کہیں گے "ہمیں کچھ علم نہیں۔ یہ تو تیری ہی ہستی ہے جو غیب کی باتیں جاننے والی ہے!

١٠٩ اُس دن اللہ کہے گا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! اپنے

پچھلی آیت اس بات پر ختم ہوئی تھی کہ "اللہ کی نافرمانی کے نتائج سے ڈرو اور اُس کا حکم سنو" نیز یہ کہ اُس کا قانون ہے "ظلم کرنے والوں پر (فلاح وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا" اب فرمایا، کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ جو احکامِ حق تم نے دیئے تھے انھیں ان کا کیا جواب ملا؟ یعنے جن قوموں کو دیئے گئے تھے، اُنھوں نے کہاں تک اُن پر عمل کیا؟ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے اس سے تذکیر و موعظت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ ۘ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ
وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي
فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَ
إِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا
سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ۝ ۱۱۱
إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۖ ۱۱۲

تم پر اور تمھاری ماں پر جو انعام کیے ہیں، انھیں یاد کرو!

جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے روح القدس[1] سے تمھیں قوت دی تھی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے چھوٹی ۱۱۰
عمر میں بھی کہ جھولے میں جھولتے تھے، اور بڑی عمر میں بھی (کہ مجمعوں میں منادی کرتے تھے)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے تمھیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھلا دی تھی۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مٹی لیتے اور پرندے کی شکل جیسی چیز بناتے، پھر اس میں پھونک مارتے، اور وہ میرے حکم سے ایک پرند ہو جاتا۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے اندھے اور برص کے بیمار کو چنگا کر دیتے۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ تم میرے حکم سے مُردوں کو موت (کی حالت) سے باہر لے آتے۔

اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے بنی اسرائیل کا شر جو وہ تمھارے خلاف کر رہے تھے، روک دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ تم (سچائی کی) روشن دلیلیں اُن کے سامنے لے گئے تھے، اور اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، وہ بول اُٹھے تھے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آشکارا جادوگری ہے"

اور جب ایسا ہوا تھا کہ میں نے حواریوں پر (یعنی اُس جماعت پر جو حضرت مسیح پر ایمان لائی تھی) الہام ۱۱۱
کیا تھا کہ مجھ پر اور میرے رسول (مسیح) پر ایمان لاؤ، اور انھوں نے کہا تھا "ہم ایمان لائے، اور خدایا! تو گواہ رہیو کہ ہم مسلم (یعنی فرماں بردار) ہیں"

(اور دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا ۱۱۲
تھا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تمھارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک خوان اُتار دے؟" (یعنی ہماری غذا کے لیے آسمان سے غیبی سامان کر دے)

حضرت مسیح (علیہ السلام) کا حواریوں کی درخواست پر دعا کرنا، اور اُنکے لیے کھانے کا غیبی سامان ہو جانا۔

اس معاملہ کی نسبت انجیل یوحنا باب ۶ میں اشارہ موجود ہے کہ عید فصیح کے موقعہ پر پیش آیا تھا۔

آیت (۱۰۹) سے (۱۱۱) تک اللہ کا حضرت مسیح سے وہ مخاطبہ ہے جس کی

[1] یعنی خدا کے مقدس فرشتہ سے، یا اُس پاک روحانیت سے جو تمھارے اندر پیدا کر دی گئی تھی۔

۱۱۳ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ
۱۱۴ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ
۱۱۵ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ
اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝
۱۱۶ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ
سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ
۱۱۷ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

نسبت فرمایا تھا کہ قیامت کے دن تمام رسولوں سے سوال کرے گا۔ پھر حجۃ آخری آیت میں حواریوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا تھا، اس آیۃ میں اسی ضمن کی طرف بھی اشارہ کردیا جو حواریوں میں اور حضرت مسیح میں نزول مائدہ کی نسبت پیش آیا تھا۔ پھر آیت (۱۱۶) سے بدستور مخاطبہ کا مضمون جاری ہوگیا، ماحصل یہ ہوا کہ اللہ نے پہلے اپنی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو حضرت مسیح کو عطا فرمائی تھیں۔ پھر فرمایا، باوجود تعلیم حق کی ان تمام روشنیوں کے، تیرے نام لیوا گمراہی میں پڑ گئے اور تجھے اور تیری ماں کو خدا بنالیا۔ (کیونکہ لوتھر کی اصلاح سے پہلے حضرت مریم کی بھی پرستش کی جاتی تھی، اور کیتھولک کلیسا اب تک کر رہا ہے) اس پر حضرت مسیح عرض کرینگے، میں اس سے بری ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ تمام داعیانِ حق نے خداپرستی و توحید کی تعلیم دی تھی لیکن انکے پیروؤں نے انہی کی پرستش شروع کردی۔ اس گمراہی کے لئے پیرو ذمہ دار ہیں جن کی پرستش کر رہے ہیں، ان کا دامن اس سے پاک ہے۔

عیسیٰ نے کہا، خدا سے ڈرو (اور ایسی فرمائشیں نہ کرو) اگر
تم ایمان رکھتے ہو۔
۱۱۳ انھوں نے کہا (مقصود اس سے قدرتِ الٰہی کا امتحان
نہیں ہے بلکہ) ہم چاہتے ہیں (ہمیں غذا میسر آئے، تو)
اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل آرام پائیں اور ہم
جان لیں کہ تو نے ہمیں سچ بتلایا تھا، اور اس پر ہم گواہ
ہو جائیں۔
۱۱۴ اس پر عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی "اے اللہ! اے ہمارے
پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے کہ اس
کا آنا ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں، سب کے لئے عید قرار پائے، اور تیری طرف سے (فضل و کرم کی)
ایک نشانی ہو۔ ہمیں روزی دے۔ تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!"
۱۱۵ اللہ نے فرمایا "میں تمھارے لئے خوان بھیجوں گا لیکن جو شخص اسکے بعد بھی (راہِ حق سے) انکار کریگا
تو میں اُسے (پاداشِ عمل میں) عذاب دوں گا۔ ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں
دیا جائے گا"!
۱۱۶ اور (پھر) جب ایسا ہوگا کہ اللہ کہے گا "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ خدا کو
چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟" عیسیٰ جواب میں عرض کریگا "تیرے لئے تقدیس ہو! بھلا مجھ سے یہ بات
کیسے ہو سکتی ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو ضرور تجھے معلوم ہو گیا
ہوگا۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن مجھے تیرے ضمیر کا علم نہیں۔ تو ہی ہے کہ غیب کی ساری باتیں جاننے
۱۱۷ والا ہے۔ میں نے تو انسے کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جس کے کہنے کا تو نے حکم دیا تھا۔ یعنے اللہ کی بندگی کرو۔

رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ۚ وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ
۱۱۸ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ
۱۱۹ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ
لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ
۱۲۰ الْعَظِیْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ع

میرا اور تمھارا، سب کا پروردگار وہی ہے۔ جب تک میں اُن میں تھا، اُن کا نگران حال تھا جب تونے
میرا وقت پورا کر دیا، تو پھر تو ہی اُن کا نگہبان تھا، اور تو ہر چیز کو دیکھنے والا اور اُس کی نگہبانی کرنے والا
۱۱۸ ہے۔ اگر تو ان لوگوں کو عذاب دے، تو وہ تیرے بندے ہیں۔ تجھے اختیار ہے۔ اور اگر انھیں بخشدے، تو تو سب
پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے"!
۱۱۹ اللہ فرمائے گا "آج وہ دن ہے کہ سچے انسانوں کو اُن کی سچائی کام آئے گی۔ انکے لیے جنّتیں ہیں
جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں (اور اس لئے ان کی شادابی کبھی متغیّر ہونے والی نہیں) وہ ہمیشہ اُن میں
رہنے والے ہیں۔ اللہ اُن سے رضامند ہوا اور وہ اللہ سے رضامند ہوئے۔ یہ ہے (انسان کے لئے) سب سے
بڑی کامیابی (جو وہ جزائے عمل میں حاصل کر سکتا ہے!)
۱۲۰ آسمانوں کی اور زمین کی اور ان دونوں میں جو کچھ ہے، سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔ اسکی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں!

الانعام

مکیۃ وھی مائۃ وخمس وستون اٰیۃ

مکی : ۱۶۵ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱-۲ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ هُوَ

۳ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

۴-۵ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ

جس طرح پچھلی سورتوں میں زیادہ تر خطاب اہل کتاب سے تھا، اسی طرح اس میں زیادہ تر خطاب مشرکوں سے اور اُن جماعتوں سے ہے جو الہامی کتابوں کی معتقد نہیں یا خدا اور آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتیں۔

خدا نے کائنات ہستی پیدا کی، اور تاریکی اور روشنی نمودار کر دی۔ تاریکی ہے۔ روشنی، روشنی ہے، دونوں کا فرق ہر آنکھ محسوس کر لیتی ہے۔ لیکن اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں وہ دونوں میں امتیاز نہیں کرتے اور خدا کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں!

وہی خدا ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، اور تمھارے لئے "دو اجلین" یعنے دو میعادیں ٹھہرا دیں۔ ایک زندگی و معیشت کی مہلت ہے۔ دوسری روز قیامت کا مقررہ وقت پہلی میعاد عمل کے لئے۔ دوسری نتائج عمل کے فیصلہ کے لئے۔

افسوس انسان کی غفلت پر! وہ ہمیشہ خدا کی نشانیاں جھٹلاتا رہتا ہے۔ چنانچہ آج بھی سچائی کی جو دعوت نمودار ہوئی ہے، منکرین حق اس سے گردن موڑے ہوئے ہیں!

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ گذشتہ قوموں کی سرگزشتوں میں تمھارے لئے درس عبرت ہے، اور اس اصل عظیم کی وضاحت کہ ایمان و ہدایت کی راہ نظر و بصیرت کی راہ ہے۔ نہ کہ تقلید کی۔

۱ ہر طرح کی ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور تاریکیاں اور روشنی نمودار کر دی۔ اس پر بھی جو لوگ اپنے پروردگار سے منکر ہو گئے ہیں، وہ (تاریکی اور روشنی میں امتیاز نہیں کرتے اور دوسری ہستیوں کو خدا کے) برابر سمجھتے ہیں!

۲ وہی (آسمان و زمین کا خالق) ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا (یعنے تمھاری اصل خلقت مٹی سے ظہور پذیر ہوئی) پھر تمھارے لئے (زندگی و معیشت کی) ایک میعاد ٹھہرا دی (جو ہر وجود کو مہلت عمل دیتی ہے) اور ایک دوسری میعاد بھی اُس کے علم میں مقرر ہے (یعنے قیامت کا وقت جب پہلی میعاد کے نتائج کا فیصلہ ہوگا) پھر بھی تم ہو کہ (اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور اس میں) شک کرتے ہو!

۳ وہی اللہ ہے۔ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ (اُس کے سوا کوئی کارفرمائے عالم نہیں) تمھاری چھپی اور کھلی ہر طرح کی باتوں کا علم رکھتا ہے، اور تم جو کچھ (اچھی بری) کمائی کرتے ہو، وہ بھی اُس کے علم سے مخفی نہیں!

۴ اور (دیکھو) اُنکے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں جو اُنکے سامنے آئی ہو اور اُنھوں نے اس سے گردن نہ موڑ لی ہو!

۵ چنانچہ جب سچائی اُنکے پاس آئی (یعنے قرآن کی دعوت نمودار ہوئی) تو اُنھوں نے اسے جھٹلا دیا۔ سو جس بات

كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ
فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ
لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا
يُنْظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ

کی یہ ہنسی اُڑاتے رہے ہیں عنقریب اُس کی حقیقت انھیں معلوم ہو جائے گی!

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دَور گزر چکے ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا؟ یہ وہ قومیں تھیں جنھیں ہم نے اس طرح (طاقت و تصرف کے ساتھ) ملکوں میں جما دیا کہ اُس طرح تمھیں نہیں جمایا۔ ہم نے اُن پر آسمانی بارش اس طرح بھیج دی تھی کہ پے در پے برستی رہتی، اور اُن کی آبادیوں کے نیچے نہریں رواں کر دی تھیں (کہ ہمیشہ جاری رہتی تھیں) لیکن پھر ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے بموجب) اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُنھیں ہلاک کر دیا، اور اُنکے بعد دوسری قوموں کے دَور پیدا کر دیئے۔

اور (اے پیغمبر!) اگر ہم تم پر ایک کتاب کاغذ پر لکھی لکھائی اُتار دیتے، اور یہ لوگ اُسے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے کہ سچ مچ کو کتاب ہے، پھر بھی جن لوگوں نے انکار کی راہ اختیار کی ہے وہ کبھی نہ مانتے۔ وہ کہتے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آشکارا جادوگری ہے!"

اور انھوں نے کہا "اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے، تو کیوں اس پر فرشتہ نہیں اُترا (کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں)؟" اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہو جاتا۔ پھر انکے لئے مہلت ہی نہ رہتی (کہ مانیں یا نہ مانیں)

جن لوگوں میں سچائی کی طلب ہے، اُنکے لیے سچائی کی ساری باتیں دلیلیں اور نشانیاں ہیں، لیکن جن کے دل سچائی سے پھر گئے ہیں اُنکے لئے کوئی نشانی کبھی سود مند نہیں۔ ایسے لوگ سچائی کا معارضہ کرنے کے لئے کہنے لگتے ہیں عجیب غریب باتیں ہمیں کیوں نہیں دکھلائی جاتیں؟ لیکن یہ خدا کی سنت نہیں کہ اس طرح کی فرمائشیں پوری کرے۔ اگر اس طرح کی عجیب غریب باتیں دکھلا بھی دی جائیں جب بھی یہ ماننے والے نہیں۔ کیونکہ جو سچائی کو سچائی کے لئے قبول نہیں کرتا اُسے کوئی بات بھی قبولیت حق پر آمادہ نہیں کر سکتی (دیکھو بقرہ - ۱۱۲)

دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ فرشتے اُتر کر انسانوں کے سامنے چلنے پھرنے لگیں۔ یہاں اگر فرشتے بھی آئینگے تو انسان ہی ہو کے۔

اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر کرتے، تو اُسے بھی انسان ہی بناتے (کیونکہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے کہ فرشتے اپنی ملکوتی حقیقت میں انسانوں کے سامنے آئیں) اور جیسے کچھ شبہات یہ اب کر رہے ہیں ویسے ہی شبہوں میں اُس وقت بھی انھیں ڈال دیتے (یعنے یہ کہتے یہ تو دیکھنے میں ہمارے ہی طرح کا آدمی ہے)

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی (جیسی کہ آج تمھارے ساتھ تمسخر

ع ۱ ۱۱ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ
انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ
۱۲ لِّلّٰهِ ط كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَغَيْرَ
۱۳-۱۴ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ط

کیا جارہا ہے) تو جن لوگوں نے ہنسی اُڑائی تھی، وہ جس بات کی ہنسی اُڑاتے تھے، وہی بات اُن پر آپڑی (وہ اس بات کی ہنسی اُڑاتے تھے کہ اعمالِ بد کا نتیجہ بد ہے، تو وہی اُنکے آگے آگیا!)

۱۱ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہدو۔ زمین میں پھرو (گذری ہوئی قوموں کے آثار و بقایا پر نظر ڈالو) اور
دیکھو، جھٹلانے والوں کو کیسا انجام پیش آیا ہے؟

۱۲ (اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے) پوچھو "آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ کس کے لئے ہے؟" (یعنے آسمان و زمین میں جو کچھ ہے، اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہ سب کچھ کس کے لئے ہونا چاہیئے؟) کہو "اللہ کے لئے۔ اُس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ رحمت فرمائے۔ (اور یہ اُس کی رحمت ہے جو تمام کائناتِ خلقت میں کام کر رہی ہے) وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن جمع کریگا (کیونکہ اُسکی رحمت کا مقتضی یہی ہوا کہ دنیا میں سب کو مہلت دے، اور جزاءِ عمل کا فیصلہ قیامت پر اُٹھا رکھے) اس میں کوئی شک نہیں۔ (لیکن اے پیغمبر!) جو لوگ (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کرچکے ہیں، وہ کبھی اس پر یقین نہیں کرینگے۔

برہانِ فضل و رحمت سے استدلال۔
تمام کائناتِ خلقت اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ ایک خالق و صانع ہستی موجود ہے، اور اُس نے ضروری ٹھہرالیا ہے کہ رحمت فرمائے۔ کیونکہ اگر رحمت کا قانون نہ ہوتا، تو کائناتِ خلقت میں نہ تو بناؤ اور جمال ہوتا۔ نہ افادہ و فیضان۔ حالانکہ اس کا کوئی گوشہ نہیں جو اس حقیقت کا ثبوت نہ ہو!

۱۳ اور (دیکھو) اُسی کے لئے ہے جو کچھ رات (کی تاریکی) اور دن (کے اُجالے) میں ٹھہرا ہوا ہے۔ (کیونکہ وقت و زمان انہی دو حالتوں میں بٹا ہوا ہے) اور وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے!

۱۴ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو۔ کیا (تم چاہتے ہو) میں خدا کو چھوڑ کر جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے، کسی دوسری ہستی کو کارساز بنالوں؟ وہ سب کو روزی دیتا ہے، لیکن کوئی نہیں جو اُسے روزی دینے والا ہو۔ (کیونکہ اسے روزی کی احتیاج نہیں۔ پھر اُس کے سوا

خدا کی ہستی، اُس کی وحدانیت، اُس کی صفات، اور آخرت کی نسبت کہ دین کے بنیادی عقائد ہیں، قرآن کا اُسلوبِ بیان وہ نہیں ہے جو منطقی مقدمات و دلائل کا ہوتا ہے، بلکہ وہ سیدھے سادے طریقہ پر انسان کے فطری وجدان و ذوق کو مخاطب کرتا، اور اُس کی معنوی محسوسات کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے، ایک خالق و پروردگار ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں موجود ہے، اگر وہ انکار کرتا ہے، یا پرستش کی گمراہیوں میں مبتلا

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ
رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْہُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَہٗ ؕ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ
اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ؕ وَھُوَ
الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَةً ؕ قُلِ اللّٰہُ ۟ شَھِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۟ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ
لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّآ اَشْھَدُ ۚ قُلْ

ہوگیا ہے، تو یہ اس لئے ہے کہ اُس کی وجدانی بصیرت پر غفلت طاری ہوگئی۔ پس چاہئے کہ اُسے بیدار کردیا جائے۔

چنانچہ اس مقام پر نیز دوسرے مقامات میں جس قدر مخاطبات ہیں انھیں اسی اصل کی روشنی میں دیکھا جائے۔

کون ہے جس نے یہ تمام کارخانۂ ہستی پیدا کیا ہے؟ کون ہے جس کی رحمت کا فیضان ہر طرف پھیلا ہوا ہے؟ کون ہے جو سب کو رزق دیتا ہے مگر خود کسی کا محتاج نہیں؟ تمھاری فطرت کہہ رہی ہے کہ ایک خالق و صانع ہستی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پھر یہ کیسی گمراہی ہے کہ اُس کی طرف سے گردن پھیرے ہوئے اور اسے چھوڑ کر دوسری ہستیوں کے آگے جھک رہے ہو؟

کون ہے جو معبود ہوسکتا ہے!)

تم کہو۔ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ خدا کے آگے جھکنے والوں میں پہلا جھکنے والا ہوں، اور مجھے کہا گیا ہے کہ "ایسا نہ کرو کہ مشرکوں میں سے ہوجاؤ!

تم کہو۔ میں کس طرح خدا کی نافرمانی کروں؟ میں تو اُس دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو (آنے والے دنوں میں) بہت بڑا دن ہے! اُس دن جس کے سر سے عذاب ٹل گیا، تو اُس پر خدا نے رحم کیا، اور (انسان کے لئے) بڑی سے بڑی کامیابی یہی ہے!

اور (اے انسان!) اگر خدا تجھے دکھ پہنچائے تو اُس کا ٹالنے والا کوئی نہیں ہے مگر اُسی کی ذات، اور اگر وہ تجھے بھلائی پہنچائے، تو (اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے؟) وہ ہر بات پر قادر ہے!

اور وہی ہے جو اپنے تمام بندوں پر زور و غلبہ رکھنے والا ہے، اور وہی ہے حکمت رکھنے والا اور آگاہ!

سب سے بڑی شہادت کس کی ہے؟ اللہ کی ہے، جو دعوتِ حق کو کامیاب کرکے اور معاندین و جاحدین کو ناکامیاب کرکے، سچائی کے حق میں اپنی شہادت کا اعلان کردیتا ہے!

یہاں خدا کی اس سنت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب کبھی اُس کی طرف سے کوئی داعیِ حق آتا ہے، اور لوگ عناد و شرارت کے ساتھ اسے جھٹلاتے اور اُس کا مقابلہ کرتے ہیں، تو حق اور باطل میں مقابلہ شروع ہوجاتا ہے۔ بالآخر حق کامیاب ہوتا ہے اور باطل پرست ناکام و خاسر ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی شہادت ہے جو اس معاملہ کا فیصلہ کردیتی ہے۔

(اے پیغمبر! تم ان سے) پوچھو، کونسی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے؟ تم کہدو (اللہ کی گواہی ہے) اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے۔ اس نے مجھ پر اس قرآن کی وحی کی تاکہ اس کے ذریعہ تمھیں اور اُنھیں جن تک اس کی تعلیم پہنچ جائے (ا نکا بدعملی کے نتیجہ سے) ڈراؤں۔ (اب کہو تمھارا کہنا کیا ہے؟) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک ہیں؟ (اے پیغمبر!) تم کہو۔ (اگر تمھاری گواہی یہی ہے تو سُن رکھو کہ) میں اس کی گواہی نہیں دیتا۔ میری گواہی یہ

۲۰ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ وَّإِنَّنِي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ
۲۱ ع ۸ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ
۲۲ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ
۲۳-۲۴ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ انظُرْ كَيْفَ
۲۵ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن

ہے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی نہیں، اور جو کچھ تم شریک ٹھہراتے ہو، میں اُس سے بیزار ہوں! (پس اب ایک گواہی تمھاری ہوئی۔ ایک میری۔ اور فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (یعنے یہود اور نصاریٰ وہ حقیقت حال سے بے خبر نہیں ہیں) وہ
۲۰ اُس کی سچائی (یعنے پیغمبر اسلام کی سچائی) اسی طرح پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں (کہ کسی طرح کا بھی اس میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ لیکن) جن لوگوں نے (اپنے ہاتھوں) اپنے کو تباہ کر لیا ہے، وہ کبھی یقین کرنے والے نہیں۔

۲۱ اور (دیکھو) اُس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بول کر افترا کیا ہو، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلایا ہو؟ (اور) بلاشبہ، جو ظلم کرنے والے ہیں، وہ کبھی فلاح نہیں پائینگے۔

۲۲ اور (دیکھو) وہ دن، (جو آنے والا ہے) جب ہم ان سب کو اُٹھا کر ایک جگہ جمع کرینگے! پھر جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے، اُن سے کہیں گے "بتلاؤ، تمھارے (ٹھہرائے ہوئے) شریک کہاں ہیں
۲۳ جن کی نسبت تم زعم باطل رکھتے تھے؟ تو اُس وقت وہ اس کے سوا کوئی شرارت نہیں کر سکینگے کہ (از راہ کذب) کہیں "خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے"

۲۴ دیکھو، کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے، اور جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے، وہ سب ان سے کھوئی گئیں!

۲۵ اور (دیکھو) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر) (کلام حق) سننے کے لئے تمھاری طرف کان لگاتے ہیں اور (واقعہ یہ ہے کہ) ہم نے اُنکے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اُن تک بات کی سمجھ پہنچتی نہیں اور اُنکے کانوں میں گرانی کہ سُن نہیں سکتے (یعنے اُنکے جمود اور ہٹ دھرمی

دنیا میں سچی بات نئی نہیں ہو سکتی۔ سچائی سے زیادہ بیان کی پرانی بات نہیں۔ لیکن جو لوگ سچائی سے پھرے ہوئے ہیں، انھیں جب سچائی کی باتیں سُنائی جائیں، تو کہتے ہیں، یہ تو وہی پرانی کہانی ہے جو ہمیشہ سنتے آئے ہیں!

عرب میں یہودیوں اور عیسائیوں کی جماعتیں عرصے سے موجود تھیں وہ تورات کے قصص و ایام سنایا کرتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا، اور اس میں بھی پچھلی قوموں اور رسولوں کی سرگذشتیں آنی لگیں، تو مشرکین عرب کہنے

يَفْقَهُوهُ وَفِيٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ ءَايَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوكَ يُجَٰدِلُونَكَ
۲۶ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ
۲۷ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَٰلَيْتَنَا نُرَدُّ
۲۸ وَلَا نُكَذِّبَ بِـَٔايَٰتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ
وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ

لگے یہ تو وہی پچھلی قوموں کی داستانِ پارینہ ہے۔

کی وجہ سے انکے دل و دماغ کا یہ حال ہوگیا ہے، اور ہمارا قانون یہی ہے کہ جو کوئی ضد اور تعصب میں مبتلا ہوتا ہے اُس کا حال ایسا ہی ہوجاتا ہے) اگر یہ (سچائی کی) ہر ایک نشانی بھی (جو انسان کے لئے ہو سکتی ہے) دیکھ لیں، جب بھی یقین کرنے والے نہیں۔ یہاں تک کہ جب یہ تمھارے پاس آتے ہیں اور تم سے جھگڑتے ہیں تو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ کہتے ہیں "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پچھلوں کی داستانیں ہیں (جو ہم ہمیشہ سنتے آئے ہیں)"

۲۶ اور (دیکھو) یہ لوگ قرآن (کے سننے) سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں، اور خود بھی دور بھاگتے ہیں۔ اور وہ ایسا کرکے ہلاک نہیں کرتے مگر خود اپنے آپ کو، اور (مصیبت یہ ہے کہ) اس کا شعور نہیں رکھتے!

۲۷ اور (اے انسان!) تو تعجب کرے اگر انھیں اُس حالت میں دیکھے جب یہ آتشِ دوزخ کے کنارے کھڑے ہونگے۔ اُس وقت کہیں گے "اے کاش! ایسا ہو کہ ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں، اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور اُن میں سے ہوجائیں جو ایمان والے ہیں!"

۲۸ (لیکن ان کی یہ حسرت سچے دل کی حسرت نہ ہوگی) بلکہ (اس لئے ہوگی کہ) جو کچھ یہ پہلے چھپایا کرتے تھے (یعنے دل کا روگ) اس کا بدلہ اُن پر نمودار ہوگیا (اور اُس سے بچنے کے لئے اظہارِ ندامت کرنے لگے) اگر یہ (دنیا کی طرف) لوٹا دیئے جائیں تو پھر (زندگی کی غفلتوں میں سرشار ہوکر) اُسی بات میں پڑ جائیں جس سے انھیں روکا گیا ہے اور کچھ شک

آیت (۲۵) میں فرمایا "انکے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ بات کی سمجھ پہنچتی نہیں، اور کانوں میں گرانی کہ سن نہیں سکتے"۔ یہ انسانی گمراہی کی انتہائی حالت ہے۔ ضد اور تعصب میں آدمی کر دہ ایسا اندھا بہرا بن جاتا ہے کہ نہ تو کسی بات کی حقیقت سمجھتا ہے، نہ سمجھنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اُسے امرِ حق سے ایک طرح کی کد ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہاں آیت (۲۶) میں فرمایا، یہ لوگ خود بھی قرآن کی سماعت سے بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ یعنے معاملہ حق اور ناحق کا نہیں رہا، بلکہ دشمنی اور کد ہوگئی ہے۔

آیت (۲۹) میں اُن لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو آخرت کے قائل نہیں۔ پھر آیت (۳۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ عقل و بصیرت کبھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ دنیا کی زندگی ایسی سریع و فانی ہے، جیسے چار گھڑی کے لئے کھیل تماشہ ہو۔ پھر کیا یہ تمام کارخانۂ ہستی اسی لئے بنایا گیا ہے کہ چند دنوں تک کھیلو کودو، اور اس کے بعد سب کچھ ختم ہوجائے؟

دنیا کی زندگی کو لہو و لعب اس لئے کہا کہ اس کی مہلت چشم زدن میں ختم ہوجاتی ہے۔ نیز اس لئے کہ اگر نتائج و ثمراتِ عمل کے لئے کوئی دوسری زندگی نہ ہو، تو جو کچھ ہے، لہو و لعب سے زیادہ نہیں۔

۲۹-۳۰ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا
عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝
۳۱ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ
۳۲ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
۳۳ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ

نہیں کہ یہ (اظہار ندامت میں) جھوٹے ہیں!

۲۹ اور انھوں نے کہا۔ زندگی اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں (مرکر) پھر اُٹھنا نہیں۔

۳۰ اور (اے انسان!) تو تعجب کرے، اگر انھیں اُس حالت میں دیکھے جب یہ (قیامت کے دن) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اُس وقت خدا اُن سے پوچھیگا "(تم مرنے کے بعد جی اُٹھنے سے انکار کرتے تھے۔ اب کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھے ہو، بتلاؤ) کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟" یہ کہیں گے "ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی قسم"۔ اس پر خدا فرمائے گا "تم جو (دنیا میں اس زندگی سے) انکار کرتے رہے ہو، تو اب اُس کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھ لو!"

۳۱ یقیناً وہ لوگ نقصان و تباہی میں پڑے، جنھوں نے (مرنے کے بعد) خدا کی ملاقات ہونے کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب (آنے والی) گھڑی اچانک اُن پر آجائے گی (یعنے موت کی گھڑی) تو اُس وقت کہینگے "افسوس اس پر، جو کچھ ہم سے اس بارے میں تقصیر ہوئی!" وہ اُس وقت اپنے گناہوں کا بوجھ پیٹھوں پر اُٹھائے ہونگے۔ سو دیکھو، کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ (اپنی پیٹھوں پر) لادتے ہیں!

۳۲ اور دنیا کی زندگانی تو کچھ نہیں ہے مگر (ایک طرح کا) کھیل اور تماشہ، اور جو متقی ہیں، تو یقیناً اُنکے لیے آخرت ہی کا گھر بہتر ہے۔ (افسوس تم پر!) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟

۳۳ (اے پیغمبر!) ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (انکار و تعصب کی) جیسی کچھ باتیں کہتے ہیں وہ بلا شبہ تمھارے لیے آزردگی کا موجب ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ تمھیں نہیں جھٹلاتے (نہ تمھیں جھوٹا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ تمھاری راست گوئی سب کو معلوم ہے) لیکن یہ ظالم دیدہ و دانستہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں!

پیغمبر اسلام سے خطاب موعظت کہ معاندوں کی حق فراموشیوں پر دل گرفتہ نہ ہو۔ تم داعی حق ہو۔ اور تمھیں مومنوں کی مستعدی اور منکروں کی محرومی، دونوں دیکھنی پڑیں گی، اور تمھیں دونوں باتوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ تم جوش دعوت میں چاہتے ہو، سب کے سب راہ راست پر دیکھ لو، لیکن تمھیں بھولنا نہیں چاہیے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا چاہتا تو سب کو دین حق پر جمع کر دیتا، لیکن اُس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں اپنی اپنی حالت، اپنی اپنی سمجھ، اور اپنی اپنی راہ ہو۔ پس لوگوں کے انکار و جحود پر ملول نہ ہو۔ اپنے کام میں لگے رہو۔

٣٤ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ
٣٥ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ
نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
٣٦-٣٧ الْجٰهِلِيْنَ ○ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ
٣٨ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

٣٤ اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ تم سے پہلے بھی خدا کے رسول جھٹلائے گئے۔ سو انھوں نے لوگوں کے جھٹلانے اور اذیت دینے پر صبر کیا (اور اپنے کام میں لگے رہے) یہاں تک کہ (بالآخر) ہماری مدد آ پہنچی، اور (یاد رکھو، یہ اللہ کا مقررہ قانون ہے) کوئی نہیں جو اس کی (ٹھہرائی ہوئی) باتوں کو بدل دینے والا ہو۔ اور رسولوں کے حالات میں سے بعض کے حالات تو تم تک پہنچ ہی چکے ہیں۔

تمھاری صدائے حق کا جواب تو وہ دے سکتے ہیں جو زندہ ہوں۔ جن کے دل مُردہ ہو چکے، انھیں پکارنا بے سود ہے۔ کوئی دعوت، کوئی دلیل، کوئی نشانی، کوئی اچنبھا، مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ تم آسمان پر چڑھ جاؤ، یا زمین میں چلے جاؤ، وہ کبھی سچائی قبول کرنے والے نہیں!

٣٥ اور (اے پیغمبر!) اگر ان لوگوں کی روگردانی تم پر گراں گزرتی ہے (اور تم سے یہ بات برداشت نہیں ہوتی کہ لوگ ہدایت سے محروم رہیں، تو تم جو کچھ کر سکتے ہو، کر دیکھو، یہ کبھی باز آنے والے نہیں) اگر تم سے ہو سکے تو زمین کے اندر کوئی سُرنگ ڈھونڈھ نکالو، یا آسمان میں کوئی سیڑھی مل جائے (تو اس پر چڑھ جاؤ) اور اس طرح انھیں ایک نشانی لا دکھاؤ (لیکن پھر بھی وہ انکار ہی کرینگے) اگر خدا چاہتا تو ان سب کو دینِ حق پر جمع کر دیتا (اور سب ایک ہی راہ پر ہو جاتے، مگر تم دیکھ رہے ہو کہ ایسا نہیں ہے) پس دیکھو، ان میں سے نہ ہو جاؤ جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے!

٣٦ تمھاری دعوت کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمھاری پکار سنتے ہیں، لیکن جو مُردے ہیں (ان سے جواب کی اُمید کیوں رکھو؟) انھیں تو اللہ ہی (قبروں سے) اُٹھائے گا۔ اور پھر اس کے حضور لوٹائے جائینگے۔

٣٧ اور انھوں نے کہا "کیوں اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اس پر نہیں اُتاری گئی؟" (اے پیغمبر!) کہہ دو، خدا یقیناً اس پر قادر ہے کہ نشانی اُتار دے، لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو (حقیقتِ حال) نہیں جانتے۔

جو لوگ نشانیاں مانگتے ہیں، اُن کے جواب میں فرمایا، خدا یقیناً نشانیاں دکھانے کی قدرت رکھتا ہے، اور اس نے نشانیاں دکھلا دی ہیں لیکن بہت کم ہیں جو انھیں سمجھتے ہوں۔

اگر تم نشانیوں کی تلاش میں ہو، تو بتلاؤ، تمام کائناتِ خلقت میں جو کچھ موجود ہے، وہ کیا ہے؟ تمام فضائے ہستی حیرت انگیز اچنبھوں سے بھری ہوئی ہے، اُنکے لئے تمھاری بولی میں کونسا نام ہے؟ یہ سب کچھ اُس کی ہستی و صفات کی نشانیاں نہیں ہیں، تو اور کیا ہے؟ زمین کے تمام جانوروں کو دیکھو جو تمھارے قدموں کے پاس ہیں۔

٣٨ اور (دیکھو) زمین میں چلنے والا کوئی حیوان اور ہوا میں

طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
٣٩ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ
٤٠ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ
٤١ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ
٤٢ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

ع ١٠

...... ہوا کے پرندوں کو دیکھو جو تمھارے چاروں طرف اُڑ رہے ہیں کس طرح ہم نے تمھاری ہی طرح اُن کی بھی اُمتیں بنادی ہیں۔ ہر امت اپنی پیدائش، اپنی معیشت، اور اپنی ضروریات زندگی کے لئے سروسامان رکھتی ہے۔ پس جو لوگ علم و بصیرت رکھنے والے ہیں، انھیں صحیفۂ فطرت کی نشانیوں کے بعد اور کسی نشانی کی احتیاج نہیں ہوسکتی!

لیکن جن لوگوں نے خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت تاراج کردی، اور گونگے اور بہرے ہوکر تاریکیوں میں گم ہوگئے تو اُنکے لئے کوئی نشانی بھی سود مند نہیں۔ کیونکہ جو آدمی گونگا اور بہرا ہو، اور تاریکی میں کھویا گیا، تو اُسے کیونکر راہ مل سکتی ہے؟ تم اُسے راہ دکھانے کے لئے پکارو تو سُنے گا نہیں۔ خود پکارنا چاہے تو پکار سکتا نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی اُسے جبراً اُٹھا کر روشنی میں لے آئے، تو ہدایت ایسی چیز نہیں جو جبراً کسی کے حلق میں ٹھونس دی جائے۔

آیت (٤٢) میں فرمایا کہ جب بدعملیوں کے امتداد سے کسی گروہ کے دل سخت پڑ جاتے ہیں، اور برائیاں راسخ ہوجاتی ہیں، تو کوئی بات بھی اُسے توبہ و اصلاح پر آمادہ نہیں کرسکتی۔

پروں سے اُڑنے والا کوئی پرند ایسا نہیں جو تمھاری ہی طرح اُمتیں نہ ہوں (یعنے تمھاری طرح، ان میں سے ہر گروہ اپنی اپنی معیشت، اور اپنا اپنا سروسامانِ کار نہ رکھتا ہو) ہم نے نوشتہ میں کوئی بات بھی فروگزاشت نہیں کی (یعنے کائنات خلقت کی ہر مخلوق کے لئے جو کچھ ہونا چاہئے تھا، وہ سب کچھ اس کے لئے لکھ دیا۔ کسی مخلوق کے لئے بھی فروگزاشت نہیں ہوئی) پھر سب (بالآخر) اپنے پروردگار کے حضور جمع کئے جائینگے (کہ تمام مخلوقات کا آخری مرجع وہی ہے)

٣٩ اور (دیکھو) جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں
تو (اُن کا حال ایسا ہوگیا ہے، گویا) بہرے گونگے
تاریکیوں میں گم ہوں! (سو) جس کسی پر خدا چاہے، راہ (کامیابی) گم کردے، اور جسے چاہے، (کامیابی و فلاح
کی) سیدھی راہ پر لگادے (اُس نے اس بارے میں جو قانون ٹھہرادیا ہے، تم اُسے بدل نہیں سکتے)

٤٠ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو، کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر خدا کا عذاب تم پر آجائے، یا (موت
کی) آنے والی گھڑی سامنے آکھڑی ہو، تو اُس وقت بھی تم خدا کے سوا دوسروں کو پکاروگے؟ (جواب دو) اگر
تم سچے ہو!

٤١ نہیں، اُسی کو پکاروگے۔ اور جس (مصیبت) کے لئے پکاروگے، اگر وہ چاہے گا، تو دور کردے گا، اور اُس وقت
بھول جاؤگے، جو کچھ تم شرک کرتے تھے!

٤٢ اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ جو اُمتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ہم نے اُن کی طرف (اپنے رسول) بھیجے

۴۳ فاخذنٰهم بالبأساء والضراء لعلهم يتضرعون فلولا اذ جاءهم بأسنا تضرعوا ولكن قست
۴۴ قلوبهم وزين لهم الشيطٰن ما كانوا يعملون فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شيء حتى
۴۵ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰهم بغتة فاذا هم مبلسون فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العٰلمين
۴۶ قل ارءيتم ان اخذ الله سمعكم وابصاركم وختم على قلوبكم من اله غير الله يأتيكم به انظر
۴۷ كيف نصرف الاٰيٰت ثم هم يصدفون قل ارءيتكم ان اتٰكم عذاب الله بغتة او جهرة هل يهلك الا القوم

اور انھیں (اپنے مقررہ قانون کے مطابق) سختی اور محنت میں گرفتار کیا۔ کہ عجب نہیں (بدعملیوں سے باز آجائیں اور اللہ
۴۳ کے حضور) عجز و نیاز کریں۔ پھر (دیکھو) ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ہمارے طرف سے اُن پر سختی آئی، تو وہ (بدعملیوں سے توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے؟ اس لئے کہ اُنکے دل سخت پڑ گئے تھے، اور جو کچھ بدعملیاں کر رہے تھے، اُنھیں شیطان نے اُن کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا۔

۴۴ پھر جب ایسا ہوا کہ جو کچھ نصیحت اُنھیں کی گئی تھی، اُسے انھوں نے بھلا دیا، تو ہم نے (بظاہر) اُن پر ہر طرح (کی خوشحالیوں) کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب اُن (کامرانیوں) پر خوشیاں منانے لگے جو (بظاہر) اُنھیں حاصل ہوئی تھیں، تو اچانک (مکافاتِ عمل کا قانون حرکت میں آگیا اور) ہم نے اُنھیں پکڑ لیا۔ پس ناگہاں وہ ناامید ہو کر رہ گئے!

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم ظلم و بدعملی میں مبتلا ہوتی ہے، اور پھر بھی ہر طرح کی خوشحالیاں اُسے ملتی رہتی ہیں۔ لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں ظلم و بدعملی کے نتائج کیا ہوئے؟ لیکن یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ مکافاتِ عمل کا قانون موجود نہیں، بلکہ اس لئے کہ خدا نے ہر چیز کی طرح مفاسد کے نشوونما اور بلوغ کے لئے بھی مقدار و اوقات کا قانون ٹھہرا دیا ہے۔ جب تک وہ وقت نہیں آتا، نتائج آشکارا نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسی حقیقت کی طرف آیت (۴۴) میں اشارہ کیا۔ قرآن نے اس حقیقت کو "قانونِ امہال" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنے مہلت اور ڈھیل دینے کا قانون۔

۴۵ تو (دیکھو) اس طرح اُس گروہ کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والا تھا، اور تمام ستائشیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے!

۴۶ (اے پیغمبر! ان سے) کہو۔ تم نے (کبھی) اس بات پر بھی غور کیا، کہ اگر اللہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں لے لے، اور تمھارے دلوں پر (یعنے عقلوں پر) مُہر لگا دے، تو اس کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں یہ (نعمتیں) لا دے سکتا ہے؟ دیکھو، ہم کس طرح گوناگوں طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ پھیرے ہوئے ہیں!

۴۷ (ان سے) کہو۔ تم نے (کبھی) اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر تم پر خدا کا عذاب اچانک آجائے، یا (جتا کر) آشکارا آئے، تو ظالموں کے گروہ کے سوا کون ہے جو ہلاک کیا جائے گا؟ (پھر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ ظلم و شرارت

الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۴۸
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۴۹-۵۰
عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ ۵۱ ع
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ۵۲

سے باز نہیں آتے؟)

۴۸ اور (ہمارا قانون تو یہ ہے کہ) ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر اس لئے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) خوش خبری سنائیں
اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرائیں۔ پھر جو کوئی یقین لایا، اور اپنے کو سنوار لیا، تو اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔
۴۹ مگر جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو فاسق ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔

۵۰ (اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے) کہہ دو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے غیبی خزانے ہیں۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب کا جاننے والا ہوں۔ نہ میرا یہ کہنا ہے کہ میں (انسانیت سے ماوراء) فرشتہ ہوں۔ میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اُسی بات پر چلتا ہوں جس کی خدا نے مجھ پر وحی کر دی ہے" (اور اسی کی طرف تمھیں بھی بلاتا ہوں۔ پھر) ان سے پوچھو "کیا وہ، جو اندھا ہے (اور حقیقت کے لئے کوئی علم و یقین نہیں رکھتا) اور وہ جو بینا ہے (کہ حقیقت کی روشنی دیکھ رہا ہے) دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟"

دین کے بارے میں انسان کی عالمگیر گمراہی یہی ہے کہ ہمیشہ ماوراء فطرت عجائب غرائب کا خواہشمند رہتا ہے، اور اسکی عجائب پسند طبیعت اس پر قانع نہیں ہوتی کہ سچائی اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو جائے۔ یہی گمراہی ہے جسنے پیروان مذاہب کی راہ کو توہم پرستیوں کی راہ بنا دیا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ داعیان مذاہب کو انسانیت کی سطح سے بلند کر کے الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا گیا۔

لیکن قرآن اس لئے آیا تھا کہ اس طرح کی تمام گمراہیوں کی راہ بند کر دے۔ آیت (۵۰) میں پیغمبر اسلام (صلعم) کی حیثیت واضح کر دی ہے۔ فرمایا: میرا دعویٰ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کی وحی نے راہ حق دکھلا دی ہے، خود بھی اُسی پر چلتا ہوں، دوسروں کو بھی اُسی کی طرف بلاتا ہوں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں ہوں!

۵۱ (اے پیغمبر!) تم (ان منکروں کو جو ماننے والے نہیں چھوڑ دو، اور) اُن لوگوں کو وحی الٰہی سُنا کر (انکار حق کے نتائج سے) ڈراؤ جو اپنے پروردگار کے حضور جمع کیے جانے پر یقین رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ اس دن اسکے سوا نہ تو کوئی مددگار ہوگا نہ سفارشی۔ عجب نہیں کہ متقی ہو جائیں۔

۵۲ اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو جو (دعوت حق پر) ایمان رکھتے ہیں اور صبح و شام خدا کے حضور مناجات

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ
۵۳ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝
۵۴ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ
اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

کرتے اور اُس کی رضامندی چاہتے ہیں، اپنے پاس سے نہ نکالو۔ اُنکے اعمال کی جوابدہی تمھارے ذمّے نہیں ہے، نہ تمھاری جوابدہی اُنکے ذمّے ہے کہ (اس ڈر سے) اُنھیں نکال دو (ایسا نہ کرو) اگر کروگے تو ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤگے!

۵۳ اور (دیکھو) اسی طرح ہم نے (دنیا میں اختلافِ حالت سے) بعض انسانوں کو بعض انسانوں کے ساتھ آزمایا ہے کہ (جاہ و دولت کا گھمنڈ رکھنے والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں "کیا یہی لوگ ہیں جنھیں خدا نے اپنے انعام کے لئے ہم میں سے چھانٹ لیا ہے؟" (یعنے غریب بے نوا مومنوں کو دیکھ کر ازراہ تحقیر کہیں کیا یہی ہیں جنھیں ایمان کی دولت ملی ہے؟ لیکن اے گھمنڈ کرنے والو!) کیا خدا (تم سے) بہتر جاننے والا نہیں کہ کون (اُس کی نعمت کی) قدر کرنے والے ہیں؟

۵۴ اور (اے پیغمبر!) جب وہ لوگ تمھارے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں، تو تم (شفقت و محبت سے اُن کا استقبال کرو، اور) کہو "تم پر سلام ہو۔ تمھارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم ٹھرالی ہے۔ تم میں سے جو کوئی ازراہ نادانی کوئی بُرائی کر بیٹھے، اور پھر توبہ کرلے اور اپنی حالت سنوار لے تو (خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو) وہ بخشنے والا، رحمت رکھنے والا ہے!"

آیت (۵۱) سے (۵۴) تک دعوت و اصلاحِ امت کے دو اہم اصول بیان کئے ہیں:

آیت (۵۱) میں فرمایا، جن لوگوں کی شقاوت کا یہ حال ہے، انکی ہدایت کی سعی میں وقت ضائع نہ کرو۔ بلکہ اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوجاؤ جن کی ایمانی استعداد ظاہر ہوچکی ہے۔ یہ لوگ کتنے ہی حقیر و ذلیل ہوں لیکن اگر تربیت یافتہ ہوکر متقی ہوگئے، تو تمھاری دعوت کے لئے یہی نتیجہ کفایت کریگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کو چاہئے اپنی قوتِ اصلاح مستعد طبیعتوں کی تربیت میں صرف کرے، اگرچہ تھوڑے اور کمزور ہوں۔ ان لوگوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کرے جن میں قبولیت کی استعداد نہیں ہے، اگرچہ بظاہر طاقتور اور کثیر التعداد ہوں۔

ابتدائے اسلام میں زیادہ تر مسکین و غریب آدمی ایمان لائے تھے، اور ہمیشہ قبولیتِ حق میں سبقت کرنے والا، یہی طبقہ ہوتا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے بعض رئیسوں نے، جنھیں اپنی دولت و شرافت کا گھمنڈ تھا، کہا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمھاری باتیں سُنیں لیکن تمھارے پاس ادنٰی درجے کے لوگوں کا مجمع لگا رہتا ہے۔ اُنکے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا، ان مغروروں کے کہنے سے تم اُن لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالو جو خدا پرستی میں سرگرم ہیں، اور جن کا قصور اسکے سوا کچھ نہیں کہ دنیوی جاہ و حشمت نہیں رکھتے۔

اسکے بعد آیت (۵۴) میں فرمایا۔ اگر اہل ایمان و استعداد سے کچھ بھول چوک بھی ہوجائے تو اُن پر سختی نہ کرو، بلکہ خدا کی رحمت کا پیام پہنچاؤ، اور اُس کی مغفرت کی بشارت سے اُنکے دلوں کو تسکین دو۔

۵۶-۵۵ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ
ع ۶ ۱۲ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝
۵۷ قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ
۵۸ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ
۵۹ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ

۵۵ اور (دیکھو) ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں، اور اس لئے (بیان کرتے ہیں) تاکہ مجرموں
کی راہ ظاہر ہوجائے (اور راست بازوں کی راہ اُن کی راہ سے مشتبہ نہ ہو)
۵۶ (اے پیغمبر! منکرینِ حق سے) کہو۔ مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں اُن کی بندگی کروں جنھیں تم خدا کے
سوا پکارتے ہو۔ (نیز) کہو۔ میں کبھی تمھاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں۔ اگر میں ایسا کروں، تو میں
گمراہ ہوچکا، اور اُن میں نہ رہا جو راہ پانے والے ہیں!
۵۷ تم کہو۔ بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور حجّت پر ہوں (یعنے اس نے حقیقت ویقین کی راہ
مجھے دکھادی ہے) اور تم نے اُسے جھٹلایا ہے (پس اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کیوں اس کا
فیصلہ فوراً ظاہر نہیں ہوجاتا، تو) تم جس (فیصلہ) کے لئے جلدی مچا رہے ہو، وہ کچھ میرے اختیار میں تو ہے نہیں۔
حکم تو بس اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ حق کی باتیں بیان کرتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!
۵۸ (اے پیغمبر! تم) کہدو جس بات کے لئے تم جلدی
مچا رہے ہو (یعنے ازراہ شرارت کہہ رہے ہو کہ اگر خدا کی
طرف سے فیصلہ ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہوچکتا؟ تو)
اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا، تو مجھ میں اور تم میں کب کا
فیصلہ ہوگیا ہوتا (لیکن وہ تو اللہ کے ہاتھ ہے، اور اس
نے ہر بات کی طرح، اسکے لئے بھی خاص وقت ٹھہرا دیا
ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے
والا ہے (اُن سے غافل نہیں)
۵۹ اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں (یعنے غیب کے
ذخیروں کا مالک ہے) اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت (۵۷) میں فرمایا "میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور حجّت
پر ہوں" اسی طرح دوسرے مقامات میں بھی بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ وحی
ونبوّت کی راہ دلیل ویقین اور علم وبصیرت کی راہ ہے، اور جو منکر ہیں اُنکے
پاس شک گمان کے سوا کچھ نہیں۔
وہ کہتا ہے، یہاں راہیں دو ہوئیں۔ ایک شکّ وگمان کی۔ دوسری
یقین وبصیرت کی۔ جو لوگ خدا اور آخرت کے منکر ہیں، یا پرستش کی گمراہیوں
میں پڑ گئے ہیں، اُنکے پاس انکار کے لئے کوئی بصیرت نہیں۔ زیادہ سے
زیادہ بات جو وہ کہہ سکتے ہیں، یہی ہے کہ "لا ادری" ہم نہیں جانتے، ہمارے
پاس کوئی ثبوت نہیں، ہم محسوسات کی سرحد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ پس
اُن کی جگہ شک اور گمان کی جگہ ہوئی۔ لیکن جو انسان اعلان کرتا ہے کہ
میں اس بارے میں علم ویقین رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ حقیقت حال
کیا ہے، اُس کی جگہ یقین کی جگہ ہے، شک اور گمان کی تو اُس پر پرچھائیں
بھی نہیں پڑی۔ اب سوال یہ ہے کہ تمھیں کس کی طرف جانا چاہئے؟ اسکی

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا
٦٠ يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ
٦١ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَ
٦٢ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوا
٦٣ إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝ قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ

طرف، جو زیادہ سے زیادہ یہ جانتا ہے کہ کچھ نہیں جانتا؛ یا اُسکی طرف جسکی پکار کی پہلی بات ہی یہ ہے کہ میرے پاس سرتاسر دلیل و یقین ہے؟ ہل یستوی الاعمیٰ والبصیر؟

اسی آیت میں "استعجال بالعذاب" کا بھی ذکر کیا ہے۔ یعنے منکرین حق جو خدا کے احکام و سُنن سے بے خبر ہیں، کہتے ہیں، تم خدا کے جس فیصلہ کا ذکر کرتے ہو، اگر سچ مچ کو ہونے والا ہے، تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ فرمایا، اگر میرے اختیار میں ہوتا تو اسی آن فیصلہ کر دیتا، لیکن وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، اُس نے جو قانون مقرر کر دیا ہے، اُسی کے مطابق اُس کا ظہور ہوگا چنانچہ اپنے وقت پر وہ ظاہر ہوا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کامیابی کس فریق کے لئے ہوئی تھی۔

جو کچھ بیابانوں میں ہے، اور جو سمندروں میں ہے، سب کا وہ
علم رکھتا ہے۔ درختوں سے کوئی پتّا نہیں گرتا، اور زمین
کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں ڈالا جاتا، مگر یہ کہ اُسے
جانتا ہو۔ اور کوئی خشک و تر پھل نہیں گرتا مگر یہ کہ (علم
الٰہی کے) واضح نوشتہ میں مندرج ہے۔
٦٠ اور (دیکھو) وہی ہے، جو رات کے وقت تم پر موت
طاری کر دیتا ہے (یعنے سُلا دیتا ہے) اور جو کچھ تم نے دن
(کی حرکت و ہشیاری) میں کد و کاوش کی تھی، اس سے بے خبر نہیں ہے، پھر (جب رات بھر سو لیتے ہو، تو) دن کے
وقت تمھیں اُٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ (بدستور کد و کاوش میں لگ جاؤ، اور زندگی کی) مقرّرہ میعاد پوری ہو جائے پھر
(اس میعاد کے بعد) تم سب خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور جیسے کچھ تمھارے عمل رہے ہیں، اس کی حقیقت
وہ تمھیں بتا دے گا!
٦١ اور وہی اپنے بندوں پر زور و غلبہ رکھنے والا ہے اور تم پر محافظ (قوتیں) بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے
کسی کو موت آتی ہے، تو اسکے بھیجے ہوئے (فرشتے) اُسے وفات دیدیتے ہیں، اور وہ (ہمارے مقرّرہ احکام کی
٦٢ ٹھیک ٹھیک تعمیل کرتے ہیں۔ اس میں) کسی طرح کا قصور نہیں کرتے۔ پھر تمام بندے اللہ کی طرف لوٹائے جاتے
ہیں جو اُن کا مالک حقیقی ہے۔ یاد رکھو، حکم اُسی کا حکم ہے، اور حساب لینے والوں میں اُس سے جلد حساب لینے والا
کوئی نہیں۔

فطرت انسانی کے احوال و واردات سے استشہاد۔

وہ کون ہے جسنے بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمھاری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے، اور جو تمھاری دعائیں سُنتا، اور تمھاری آہ و

٦٣ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو۔ وہ کون ہے جو تمھیں
بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں نجات دیتا
ہے، اور جس کی جناب میں کبھی آہ و زاری کرتے ہوئے اور

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ ۶۴
كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ ۶۵
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝
وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ ۶۶-۶۷
اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى

کبھی (دل ہی دل میں) پوشیدہ، دعائیں مانگتے ہو، اور
کہتے ہو "اگر خدا ہمیں اس مصیبت سے نجات دلادے، تو
پھر ہم (کبھی اُس کی طرف سے غافل نہ ہونگے اور) ضرور
شکر گزار بندے ہوکر رہینگے"؟
(اے پیغمبر!) تم کہو، اللہ ہی ہے، جو تمھیں ان دکھوں ۶۴
سے اور ہر طرح کے دُکھ سے نجات دیتا ہے، لیکن اس پر بھی
تم ہو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو!

زاریوں کو قبول کرلیتا ہے؟ جب تم مصیبت میں پڑتے ہو تو اُسے پکارتے ہو، اور کہتے ہو، اگر اس مصیبت سے نجات پاجائیں تو پھر ہم شکر گزار بندوں کی سی زندگی بسر کرینگے لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے، تو پھر اُسے فراموش کر دیتے ہو، اور بدستور گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہو!

آیت (۶۵) میں فرمایا "یا ایسا ہو کہ تم گروہ گروہ ہوکر آپس میں لڑ پڑو" اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ بھی ایک عذاب ہے کہ کوئی قوم ایک طریقہ پر جمع رہنے کی جگہ مختلف گروہ بندیوں میں بٹ جائے، اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانے لگے۔ افسوس کہ مسلمان بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوئے!

(اے پیغمبر!) کہدو۔ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے (یعنے فضاء آسمانی سے) کوئی عذاب بھیج دے یا ۶۵
تمھارے پیروں تلے سے (یعنے زمین ہی سے) کوئی عذاب پیدا کردے۔ یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہوکر آپس میں
لڑ پڑو، اور ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) کی شدت کا مزہ چکھے۔ سو دیکھو! کس طرح ہم گوناگوں طریقوں سے
آیتیں بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سمجھیں بوجھیں!
اور (اے پیغمبر!) تیری قوم نے اُسے جھٹلایا ہے حالانکہ وہ حق ہے (یعنے قرآن کو جھٹلایا ہے اور وہ حق ہے)
توضرور ہے کہ اس کا نتیجہ اُسکے آگے آئے۔ پس (تم کہدو (اگر تم جھٹلاتے ہو تو جھٹلاؤ) میں تم پر کچھ نگہبان نہیں ۶۶
ہوں کہ تمھیں قبولِ حق پر مجبور کردوں۔ ہر خبر کے لئے ایک مقررہ وقت ہے (کہ اُس وقت اُسکی حقیقت معلوم ہو
جاتی ہے) اور قریب ہے کہ تمھیں معلوم ہو جائے گا!

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں ۶۷
(انکار و شرارت سے) کاوشیں کرتے ہیں، تو (تم اُنکے
ساتھ بحث کرنے میں وقت ضائع نہ کرو، اور) اُن سے
کنارہ کش ہوجاؤ۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں

جن لوگوں میں طلبِ حق نہ ہو، اور محض اپنی بات کی پیچ کرنے کے لئے اور مطالبِ حق کو مشغلۂ رد و کد بنانے کے لئے بحث و نزاع کریں تو راست باز انسان کو چاہیئے کہ ان سے کنارہ کش ہوجائے، کیونکہ جدل و نزاع کی راہ ہدایت کی راہ نہیں ہے، اور جدل کرنے والے کبھی ہدایت نہیں پاسکتے (دیکھو بقرہ: ۲۶۰)

۶۸ یخوضوا فی حدیث غیرہ و اما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین ۝ وما
۶۹ علی الذین یتقون من حسابہم من شیء ولکن ذکری لعلہم یتقون ۝ وذر الذین اتخذوا دینہم لعبا ولہوا و
غرتہم الحیوۃ الدنیا وذکر بہ ان تبسل نفس بما کسبت لیس لہا من دون اللہ ولی ولا شفیع وان
تعدل کل عدل لا یؤخذ منہا اولئک الذین ابسلوا بما کسبوا لہم شراب من حمیم وعذاب الیم بما
۷۰ کانوا یکفرون ۝ قل اندعوا من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا ونرد علی اعقابنا بعد اذ ہدنا اللہ

بحث وگفتگو کرنے لگیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ شیطان تمھیں (یہ بات) بھلا دے (یعنے تم سہو و نسیان میں پڑ کر اُن سے بحث و نزاع کرنے لگو) تو چاہئے کہ یاد آجانے کے بعد ایسے گروہ (کی مجلسوں) میں نہ بیٹھو جو ظلم کرنے والے ہیں۔

۶۸ اور جو لوگ پرہیزگاری کی راہ چلنے والے ہیں تو اُن پر ایسے لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمّہ داری نہیں (کہ ان کی فکر میں پڑیں) جو کچھ اُنکے ذمّے ہے، وہ یہ ہے کہ نصیحت پکڑیں تاکہ (بُرائیوں سے) بچیں۔

۶۹ اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیا ہے، اور دُنیا کی زندگی نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، تو ایسے لوگوں کو اُنکے حال پر چھوڑ دو، اور کلام الٰہی کے ذریعے پند و وعظ کرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی انسان اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیا جائے۔ (کیونکہ اگر چھوڑ دیا گیا، تو) اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اُس کا مددگار ہوگا، یا اُس کی شفاعت کر کے اُسے بچالے گا۔ اگر وہ (بدعملیوں کے بدلے میں) جس قدر بدلے بھی ہوسکتے ہیں، دیدے تو بھی اس سے نہ لیا جائے (کہ بدعملی کے نتیجہ سے کوئی فدیہ اور معاوضہ نہیں بچاسکتا) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیئے گئے، انکے لئے کھولتا ہوا پانی پینے کو ہوگا۔ اور انکارِ حق کی جزا میں عذاب دردناک!

۷۰ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو "کیا تم چاہتے ہو ہم خدا کو چھوڑ کر اُنھیں پکاریں، جو (ہمارے ہی طرح بے بس اور عاجز مخلوق ہیں) نہ تو ہمیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان؟ اور باوجودیکہ خدا ہمیں (خدا پرستی کی) سیدھی راہ دکھا چکا ہے، لیکن ہم (گمراہی کی طرف) اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ اور ہماری مثال اُس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطان نے بیابان میں گمراہ کر دیا ہے۔ وہ حیران و پریشان پھر رہا ہے۔ اُس کے

"مومن" وحی و نبوت کی ہدایت اور علم و یقین کی روشنی اپنے سامنے رکھتا ہے، اس لئے فلاح و سعادت کی شاہراہ سے کبھی نہیں بھٹک سکتا۔ لیکن منکرِ حق کے سامنے کوئی روشنی نہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص بیابان میں کھویا گیا ہو اور حیران و سرگردان پھر رہا ہو۔ کبھی ایک طرف کو دوڑے، کبھی دوسری طرف کو۔ کوئی معین اور یقینی راہ اس کے سامنے نہ ہو۔

ایمان اور کفر کی حقیقت سمجھنے کے لئے اس مثال پر غور کرو۔ جس قدر غور کرتے جاؤگے حقیقت کی وضاحت بڑھتی جائے گی۔

آیت (۷۲) میں "تخلیق بالحق" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنے کائناتِ خلقت کی تمام باتیں یقین دلاتی ہیں کہ یہ کارخانہ علم و حکمت کے

كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى
۷۱ اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰي ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ
۷۲-۷۳ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ
۷۴ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ساتھی اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ کدھر کھوئے گئے۔ ادھر آؤ؟ (اے پیغمبر!) کہدو "خدا کی ہدایت تو وہی الھدیٰ ہے (یعنے ہدایت کی حقیقی راہ جو ہمیشہ سے موجود ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین کے آگے سر اطاعت جھکا دیں (اُس کے سوا کوئی نہیں جو بندگی و نیاز کا مستحق ہو)

ساتھ بنایا گیا ہے۔ اور کوئی بنانے والا ہے جو چاہتا تھا کہ ایک منظّم، مرتّب اور حسن و خوبی رکھنے والا کارخانہ وجود میں آجائے (دیکھو آل عمران: ۱۰۰)

جن چیزوں کو ہم اپنے پانچ حاسّوں سے محسوس کر سکتے ہیں، وہ ہمارے لئے شہود ہیں۔ جنھیں محسوس نہیں کر سکتے، وہ پوشیدہ ہیں۔ پس قرآن انکے لئے عالم شہادت اور عالم غیب کا لفظ بولتا ہے۔

۷۱ نیز ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور (ہر حال میں) خدا (کی نافرمانیوں کے نتائج) سے ڈرتے رہو۔ اور اُسی کی طرف (بالآخر) تم سب اکٹھے کئے جاؤگے۔

۷۲ اور وہی ہے جسنے آسمانوں کو اور زمین کو علم و حقیقت کے ساتھ پیدا کیا (یعنے مصلحت و حکمت کے ساتھ بنایا) اور (اُس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ) جس دن وہ کہدے "ہوجا" تو (جیسا کچھ اس نے چاہا) ویسا ہی ہوجائے!

۷۳ اُس کا قول حق ہے (یعنے وہ جو کچھ حکم دیتا ہے، علم و حقیقت کے ساتھ دیتا ہے) اور اُسی کے لئے پادشاہی ہے جس دن صور پھونکا جائے گا (اور قیامت کے برپا ہونے کا اعلان ہوگا) اور وہ غیب اور شہادت کا (یعنے جو کچھ تمھارے لئے محسوس ہے اور جو کچھ غیر محسوس) جاننے والا ہے (کہ اُس کے علم کے لئے کوئی شے غیر محسوس نہیں) اور وہ حکمت رکھنے والا، اور آگاہ ہے!

۷۴ اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر[1] سے کہا تھا کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمھاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے"

توحید الٰہی کی حجت جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر القا کی گئی، اور جو تمام رسولوں کی دعوت رہی ہے۔

حضرت ابراہیم کا ظہور ایک ایسے عہد و ملک میں ہوا، جب بابل اور نینویٰ کی عظیم الشان قومیں اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھیں اور شہر شہر میں زہرہ، چاند، اور سورج کے معبد تھے جہاں صبح و شام پرستاری

[1] آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، چونکہ اسی نے انھیں پرورش کیا تھا، اس لئے اُسے باپ کہا۔ عربی میں چچا کے لئے بھی اَب کا لفظ بولا جاتا ہے۔

۷۵-۷۶ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا
۷۷ جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ الْأٰفِلِينَ ۝ فَلَمَّا
رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ
۷۸ الضَّآلِّينَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَآ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ أَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ
۷۹ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي

کے لئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔

۷۵ لیکن حضرت ابراہیم کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی۔ خدا نے ان پر اپنی پادشاہت و کارفرمائی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیئے، کہ جہل و غفلت کا کوئی پردہ بھی اُن کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا!

۷۶ یہ حقیقت جب اُن پر کھولی گئی، تو علم و بصیرت کی کونسی حجت تھی جس نے اُن کی رہنمائی کی؟ قرآن نے ایک ایسے پیرایۂ بیان میں جو اُس کی معجزانہ بلاغت کا مظہر ہے، یہاں اُس کا مرقع ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔

جب شام ہوئی، تو زہرہ نکلی، اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکنے لگی۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا، یہ چمکتا ہوا کوکب میرا پروردگار ہے۔ کیونکہ اسی کے تمثال کی پوجا کی جاتی ہے۔ لیکن جب کچھ دیر کے بعد وہ ڈوب گیا، تو اُنھوں نے کہا جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں، میں اُن کا پرستار نہیں۔ کیونکہ جو ہستی اپنے طلوع و غروب میں کسی ٹھرائے ہوئے قاعدہ و حکم

۷۷ کی پابند ہوئی، تو وہ پروردہ ہوئی۔ پروردگار نہیں ہو سکتی!

پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا، اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا۔ وہ بولے "یہ پروردگار ہے؟" لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا!

اب صبح ہوئی، اور مہر جہانتاب درخشاں ہو گیا۔ یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرام سماویہ میں کوئی نہیں۔ لیکن دیکھو، یہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اُس کی روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھنے لگی پھر ڈھلنے لگی۔ پھر رفتہ رفتہ غروب ہو گئی!

۷۸ حضرت ابراہیم نے کہا۔ نہیں، ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں، مجبور ہیں۔ حاکم نہیں، محکوم ہیں۔ ہم سے بھی ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا رکھا ہے۔ پس وہ جو ان سب سے بالاتر اور ان سب کا بنانے والا ہے، میں صرف اُسی کا ہو رہا۔ میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں!

۷۹ پھر جب اُن کی قوم نے رد و کد کی، تو اُنھوں نے کہا، تم مجھے اپنے معبودانِ باطل سے نہ ڈراؤ۔ دیکھو، ہم دو فریق ہیں۔ ایک

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی پادشاہت کے جلوے دکھا دیئے، تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔

پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اُس پر رات کی تاریکی چھا گئی، تو اُس نے (آسمان پر) ایک کوکب (چمکتا ہوا) دیکھا۔ اُس نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا، تو کہا "نہیں، میں اُنھیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں" (یعنے طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا، تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی، تو میں ضرور اُسی گروہ میں سے ہو جاتا جو راہِ راست سے بھٹک گیا ہے!"

پھر جب صبح ہوئی اور سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے" لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا، تو اُس نے کہا "اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، میں اس سے بیزار ہوں۔ میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اُسی ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جو (کسی کی

٨٠ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ
فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ
٨١ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ
٨٢ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
٨٣ ع ۹/۱۵ وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

میں ہوں کہ انھیں نہیں مانتا جن کے ماننے کے لئے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں۔ ایک تم ہو کہ اُن سب کی پرستاری کرتے ہو، جن کی پرستاری کے لئے کوئی دلیل و روشنی موجود نہیں۔ بتلاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی؟

یہ حقیقت، کہ پرستش اُسی کی کرنی چاہیے جس کی پرستش کے لئے علم و بصیرت کی شہادت موجود ہو، اور بنیاد اس معاملہ کی علم و حقیقت ہو نہ کہ وہم و تقلید، وہ حجّت بالغہ ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیم کے قلب پر کھول دی تھی۔ یہی بنیادی صداقت ہے جس پر راہ خداپرستی کی تمام صداقتیں ظہور میں آئیں۔

بنائی ہوئی نہیں، بلکہ آسمان و زمین کی بنانے والی ہے۔ (اور جسکے حکم و قانون پر تمام آسمانی اور ارضی مخلوقات چل رہی ہیں) اور میں اُن میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں!"

٨٠ اور (پھر) ابراہیم سے اُس کی قوم نے ردّ و کد کی ابراہیم نے کہا "کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردّ و کد کرتے ہو، حالانکہ اُس نے مجھے راہِ حق دکھا دی ہے (اور میں حق کی معرفت کے بعد جہل و گمراہی اختیار کرنے والا نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ تم مجھے اپنے معبودانِ باطل کا ڈر دکھاتے ہو۔ تو یاد رکھو) جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے، میں اُن سے نہیں ڈرتا میں جانتا ہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی مجھے نقصان پہنچانا چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (اگر مجھے نقصان پہنچا ہے، تو اُس کے حکم و علم ہی سے پہنچیگا) پھر کیا تم (حقیقت کی اتنی وضاحت پر بھی) نصیحت نہیں پکڑتے؟

٨١ "اور (دیکھو) میں اُن ہستیوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جنھیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا دیا جن کے لئے اُس نے کوئی سند و دلیل تم پر نہیں اُتاری؟ بتلاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی اگر علم و بصیرت رکھتے ہو؟"

٨٢ جن لوگوں نے خدا کو مانا اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنی شرک سے) آلودہ نہیں کیا، تو اُنہی کے لئے امن ہے اور وہی ٹھیک راستے پر ہیں!"

٨٣ اور (دیکھو) یہ ہماری حجّت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اُس کی قوم پر دی تھی۔ ہم جس کے مرتبے بلند کرنا چاہتے

۸۴ مَنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ
۸۵ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى
۸۷-۸۶ وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ
۸۸ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ
۸۹ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ
۹۰ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

ہیں (اُسے علم و دلیل کا عرفان دے کر) بلند کر دیتے ہیں، اور یقیناً تمھارا پروردگار حکمت والا، علم رکھنے والا ہے!

۸۴ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب دیا۔ ہم نے ان سب کو راہِ راست دکھائی اور
ابراہیم سے پہلے نوح کو دکھا چکے ہیں۔

اور ابراہیم کی نسل میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون کو بھی (یہی) راہ دکھائی ہم
اسی طرح نیک کرداروں کو (اُن کی نیک کرداری کا) بدلہ دیتے ہیں۔

۸۶-۸۵ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، اور الیاس کو، کہ یہ سب صالح انسانوں میں سے تھے۔ اور نیز اسمٰعیل، الیسع، یونس
اور لوط کو، کہ ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی۔

۸۷ اور انکے آباؤ اجداد، اور ان کی نسل، اور انکے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو ہم نے
اسی راہ چلایا۔ ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا تھا، اور (فلاح و سعادت کی) سیدھی راہ اُن پر کھول دی تھی!

۸۸ یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے
اس کی روشنی دکھا دے۔ اور اگر یہ لوگ (توحید کی راہ
چھوڑ کر) شرک کرتے، تو (یقین کرو) کبھی فلاح و سعادت
کی راہ نہ پاتے، اور) انکا سارا کیا دھرا ضائع جاتا!

۸۹ (اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب،
اور حکومت اور نبوت (کی نعمت) عطا فرمائی۔ پھر اگر
یہ (مشرکین عرب) اس نعمت سے انکار کرتے ہیں (تو
انکار کریں۔ انکے انکار سے کچھ بگڑنے والا نہیں) ہم نے اُس کی (پیروی و حفاظت) ایک ایسے گروہ کے حوالے
کر دی ہے جو (ان لوگوں کی طرح) سچائی سے انکار کرنے والا نہیں (بلکہ اُس کا شناسا اور قدر شناس ہے)

۹۰ (اے پیغمبر!) یہ وہ لوگ ہیں جنھیں خدا نے راہِ حق دکھا دی۔ پس اُنھی کی راہ کی تم بھی پیروی کرو۔ تم کہہ دو

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور اُن کی نسل کی یہ تمام شخصیتیں جن کا
ذکر کیا گیا، دینِ حق پر کہ توحید کی راہ ہے، کاربند تھے، اور خدا نے
انھیں کتاب و نبوت کی برگزیدگی کے لئے چن لیا۔ پس اے پیغمبر! تم بھی
اُنھی کے نقشِ قدم پر چلو۔ عنقریب خدا ایک گروہ سچے مومنوں کا پیدا
کر دے گا جو اس راہ کی پیروی و حفاظت اپنے ذمے لے لیگا اور انکار
کرنے کی جگہ سچائی کا شناسا ہوگا۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کا گروہ
پیدا ہوگیا جسنے اس راہ کی حفاظت اپنے ذمے لے لی۔

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۠ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ٩١
اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ
هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ
قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ ٩٢
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

"میں اس (رہنمائی) پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام دنیا کے لئے پند و نصیحت ہے (اور جب پند و نصیحت ہے، تو تم مجھے کتنی ہی تکلیف و اذیت دو، میں ادائے فرض سے باز آنے والا نہیں۔ میں تمھیں پند و نصیحت کرتا ہی رہوں گا!)

٩١ اور (دیکھو) جب ان لوگوں نے کہا "خدا نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اُتاری ہے" (یعنے وحی و تنزیل سے انکار کیا) تو خدائی خدائی کا جو اندازہ کرنا چاہیے، وہ انھوں نے نہیں کیا۔ (اے پیغمبر!) تم کہو (اگر ایسا ہی ہے تو) کس نے وہ کتاب اُتاری جسے موسیٰ لایا تھا؟ (وہ کتاب) جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت ہے، اور جسے تم اوراق کا مجموعہ بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہو، اور (اُسکے مطالب و احکام میں سے) بہت کچھ پوشیدہ رکھتے ہو؟ نیز (جس کے ذریعہ) تمھیں وہ وہ باتیں سکھائی گئیں جو پہلے نہ تو تم جانتے تھے، نہ تمھارے باپ دادا جانتے تھے؟

(اے پیغمبر!) تم کہو "اللہ نے!" اور پھر انھیں اُنکی کاوشوں (اور کج بحثیوں) میں چھوڑ دو کہ (اس بات کا کوئی معقول جواب نہ پا کر اپنی ہرزہ سرائیوں میں) کھیلتے رہیں!

یہاں اُن لوگوں کا رد کیا ہے جو وحی و کتاب کے نزول پر تعجب کرتے تھے، اور کہتے تھے، خدا کے طرف سے کوئی کتاب کسی انسان پر نازل نہیں ہو سکتی۔ یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

منکرین تنزیل میں دو طرح کے لوگ تھے۔ پہلا گروہ علماء اہل کتاب کا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ وحی و تنزیل کے منکر نہ تھے لیکن تعصب و نفسانیت کی وجہ سے نزول قرآن پر اظہار تعجب کرتے، اور کہتے خدا کا کلام کبھی اس طرح نازل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ عرب میں یہی لوگ پڑھے لکھے اور باخبر سمجھے جاتے تھے، اس لئے مشرک بھی ان کی باتوں سے حجت پکڑتے۔ دوسرا گروہ منکرین وحی و نبوت کا تھا۔

پس یہاں پہلے علماء اہل کتاب کو الزامی جواب دیا ہے۔ اگر خدا اپنا کلام نازل نہیں کرتا، تو حضرت موسیٰ پر کس نے تورات نازل کی تھی جسے اوراق و صحائف میں لکھتے رہتے ہو، اور جس کی صورت لوگوں پر ظاہر کرتے ہو لیکن اسکے احکام ہوائے نفس سے چھپاتے ہو؟

پھر فرمایا، یہ کلام حق جو نازل ہوا ہے، باشندگان مکہ کو برائیوں سے روکتا ہے، نیکیوں کی دعوت دیتا ہے، اور اپنی دعوت سے اُسنے ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے جو عبادت الٰہی میں ثابت قدم ہے۔ کیا ممکن ہے کہ جو انسان ایک ایسے مبارک کلام کا حامل ہو، وہ افترا پردازی کرنے والا ہو جس سے بڑھکر دنیا میں کوئی گنہگاری کا کام نہیں ہو سکتا؟ اس کے بعد آیت (۹۵) سے (۹۹) تک منکرین تنزیل کو حقیقی جواب دیا گیا ہے۔

٩٢ اور (دیکھو) یہ کتاب (قرآن) ہے جسے ہم نے (تورات کی طرح) نازل کیا۔ برکت والی، اور جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہو چکی ہیں) اُس کی تصدیق کرنے والی، اور اس لئے نازل کی، تاکہ تم اُم القریٰ (یعنے شہر مکہ)

۹۳ وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ
عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ
إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ
۹۴ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ
مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَدْ
۹۵ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

کے باشندوں کو، اور اُن کو، جو اس کے چاروں طرف ہیں، (گمراہیوں کے نتائج سے) ڈرائے۔ سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں، وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور (ایمان لانے کے بعد ایسے ہو گئے ہیں کہ) اپنے نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے!

۹۳ اور اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جو خدا پر جھوٹ بول کر افترا کرے؟ یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے، اور حقیقت میں اُس پر کوئی وحی نہیں آئی؟ اور نیز اُس سے جو (خدا کی وحی کا مقابلہ کرے، اور) کہے میں بھی ایسی ہی بات اُتار دکھاؤں گا جیسی خدا نے اُتاری ہے؟ اور (اے پیغمبر!) تم تعجب کرو اگر ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب جانکنی کی بے ہوشیوں میں (بے دم) پڑے ہوں گے، اور فرشتے (ان کی جان نکالنے کے لئے) ہاتھ بڑھائے ہوں گے کہ "اپنی جانیں (اپنے جسم سے) خارج کرو۔ آج کا دن وہ دن ہے کہ جو کچھ تم خدا پر تہمتیں باندھتے تھے، اور اُس کی آیتوں کی تصدیق سے گھمنڈ کرتے تھے، اُس کی پاداش میں تمھیں رسوا کن عذاب دیا جائے!"

۹۴ اور (پھر خدا فرمائے گا) دیکھو، بالآخر تم ہمارے حضور تن تنہا آ گئے جس طرح تمھیں پہلی مرتبہ تن تنہا پیدا کیا تھا، اور جو کچھ (ساز و سامان) تمھیں (دنیا میں) دیا تھا، وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ (آج) ہم تمھارے ساتھ ان ہستیوں کو نہیں دیکھتے جنھیں تم نے وسیلۂ شفاعت سمجھا تھا، اور جن کی نسبت تمھارا زعم تھا کہ تمھارے کاموں میں وہ خدا کے شریک ہیں۔ تمھارے (اعتماد باطل کے) سارے رشتے ٹوٹ گئے، اور جو کچھ تم زعم رکھتے تھے، سب کے سب تم سے کھوئے گئے!"

۹۵ (دیکھو) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ (بیج کے) دانے اور گٹھلی کو (جو زمین میں ڈال دی جاتی ہے، یا خود بخود گر جاتی ہے) شق کر دیتا ہے (اور ایک خشک دانے سے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندے کو مُردے سے نکالتا ہے، اور وہی مُردے کو زندے

منکرین وحی و تنزیل کا حقیقی جواب۔

اُن کا انکار نقل کرتے ہوئے آیت (۹۱) میں فرمایا تھا: خدا کی خدائی کا جیسا اندازہ کرنا چاہئے تھا، انھوں نے نہیں کیا، یعنی خدا کی صفات و اعمال کی انھیں معرفت ہوتی تو کبھی ایسا خیال نہ کرتے۔ یہ مجمل جواب تھا۔ اب یہاں اس کی تشریح کر دی ہے۔

جس پروردگار عالم کی ربوبیت و رحمت کا یہ حال ہے کہ اس نے

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۹۶
حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ ۹۷
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ ۹۸
وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ۹۹
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۚ

تمھاری زندگی و معیشت کے لئے ہر طرح کا سر و سامان مہیا کر دیا، اور کارخانۂ خلقت کی کوئی چیز نہیں جو فیضان و افادہ نہ رکھتی ہو، کیونکر ممکن تھا کہ تمھارے جسم کی ہدایت و پرورش کے لئے تو سب کچھ کر دیتا، مگر تمھاری روح کی ہدایت و پرورش کے لئے کچھ بھی نہ کرتا؟

روح کی ہدایت و پرورش کا یہی سر و سامان ہے جو وحی و تنزیل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تم کہتے ہو کہ ایسا ہونا ضروری نہیں تو یقیناً تم نے خدا کی صنعتوں اور کاموں کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی، اور اسے اس منزلت سے گرا دینا چاہا جس کی تمام کائنات ہستی شہادت دے رہی ہے!

وہ، جو زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے، کیا تمھاری روح کی موت کو زندگی سے نہیں بدل دیگا؟ وہ، جو ستاروں کی روشن علامتوں سے بیابانوں اور سمندروں میں تمھاری رہنمائی کرتا ہے، کیا تمھاری روح کو چھوڑ دے گا کہ بھٹکتی رہے، اور اس کی رہنمائی کے لئے کوئی روشنی نہ ہو؟ تم اس بات پر تو کبھی متعجب نہیں ہوتے کہ کھیت لہلہا رہے ہیں اور آسمان سے بارانِ رحمت برس رہی ہے۔ پھر اس پر کیوں متعجب ہوتے ہو کہ انسان کی روحانی پرورش کے لئے سامانِ حیات مہیا ہے، اور خدا کی وحی نازل ہو رہی ہے؟ افسوس تم پر! تم نے ایسا سمجھ کر خدا کی رحمت و ربوبیت کی بڑی ہی ناقدری کی!

سے نکالنے والا ہے۔ وہی (پروردگارِ حکیم) خدا ہے۔ پھر (افسوس تمھاری سمجھ پر!) تم کدھر کو بھٹکے چلے جا رہے ہو؟
پردۂ شب چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا (اور رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں بدل دینے والا) اس نے رات کو (تمھارے لئے) راحت و سکون کا سامان بنا دیا اور سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا ایسا انتظام کر دیا کہ حساب کا معیار بن گئے (ممکن نہیں ایک پل کے لئے بھی کمی بیشی ہو جائے) یہ اس کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جو سب پر غالب اور علم رکھنے والا ہے! ۹۶

اور وہی ہے جس نے تمھارے لئے ستارے بنا دیئے کہ بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں ان کی علامتوں سے راہ پالو۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں، اپنی (ربوبیت و رحمت کی) نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں! ۹۷

اور (پھر دیکھو) وہی ہے جس نے تمھیں اکیلی جان سے نشوونما دی۔ پھر تمھارے لئے قرار پانے کی جگہ ہے (یعنی شکم مادر) اور سپردگی کا مقام ہے (یعنی مرنے کی جگہ) بلاشبہ جو لوگ بات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں، ان کے لئے ہم نے اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں! ۹۸

اور (دیکھو) وہی ہے، جو آسمان سے (یعنی بلندی سے) پانی برساتا ہے۔ پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کر دیتا ہے۔ پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں اور ٹہنیوں سے دانے نمودار ہو جاتے ہیں۔ ۹۹

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ ۱۰۱ ع ۱۲ ۱۸
وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ

ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا۔ اور (اسی طرح) کھجور کے درخت سے (بھی پھل پیدا ہو جاتے ہیں) جسکی شاخوں میں گچھے جھکے پڑتے ہیں۔ اور (اسی طرح) انگور، زیتون، اور انار کے باغ پیدا کئے۔ صورت شکل میں ایک دوسرے کے مانند، اور ایک دوسرے سے الگ الگ۔ اُنکے پھلوں کو دیکھو جب درختوں میں پھل لگتا ہے (کہ کیسے عجیب و غریب طریقہ سے ٹہنیوں اور جڑوں میں سے نکلتے ہیں، اور پھر ایک مقررہ انتظام کے ساتھ درجہ بہ درجہ بڑھتے اور پختگی سے قریب ہوتے جاتے ہیں؟) اور پھر اُنکے پکنے کو دیکھو (کہ پکنے کے بعد اپنے حجم، اپنی رنگت، اپنی خوشبو، اور اپنے مزہ میں کیسی عجیب نوعیت پیدا کر لیتے ہیں؟) بلاشبہ جو لوگ یقین رکھتے ہیں، اُن کے لئے اس بات میں (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

۱۰۰

اور (دیکھو) ان لوگوں نے خدا کے ساتھ جنّوں کو (طاقت و تصرف میں) شریک ٹھہرا لیا ہے، حالانکہ (یہ مانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی طرح) انھیں بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور انھوں نے بغیر اسکے کہ علم کی روشنی اپنے سامنے رکھتے ہوں، خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لی ہیں۔ خدا کی تقدیس ہو! اُس کی ذات تو ان تمام باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ اُسکی نسبت بیان کرتے ہیں!

۱۰۱

وہ آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (یعنی بغیر کسی سابق مثال کے محض اپنے علم و قدرت سے بنانے والا ہے) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو جبکہ کوئی اُس کی بیوی نہیں؟ اور اسی نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں اور وہ

گذشتہ آیات میں ایک طرف تو منکرین وحی و تنزیل کو جواب دیا ہے، دوسری طرف کارخانۂ ہستی کے "نظام ربوبیت" سے خدائے واحد کی ہستی پر استدلال کیا ہے، اور یہ قرآن کا عام اسلوب بیان ہے "نظام ربوبیت" سے مقصود یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، تمام کائنات خلقت ہماری پرورش و کارسازی میں سرگرم ہے، اور اُس کی تمام باتیں کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، کسی نے بڑی ہی حکمت اور دقیقہ سنجی کے ساتھ ہماری ہر طرح کی احتیاجات پرورش کا اندازہ کیا ہے اور اسکے لئے ایک پورا کارخانہ جاری کر دیا ہے۔

قرآن کہتا ہے، اگر ایک پروردگار ہستی موجود نہیں، تو پھر وہ کون ہے جسنے ربوبیت کا یہ پورا انتظام قائم کر رکھا ہے؟

وہ توحید پر بھی اسی سے استدلال کرتا ہے۔ تم نے خدا کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے، اُن میں سے کون ہے جسے اس کارخانہ ربوبیت کے بنانے یا چلانے میں کچھ بھی دخل ہو؟

قرآن کا یہ استدلال "برہان ربوبیت" کا استدلال ہے۔

آیت (۱۰۰) میں مشرکین عرب کے مشرکانہ عقائد کا رد کیا ہے۔ یہ لوگ جنوں کی نسبت طرح طرح کے توہم پرستانہ خیالات رکھتے تھے، اور سمجھتے تھے، وہ جس انسان کو چاہیں مافوق فطرت طریقہ پر نقصان پہنچا دیں، جسے چاہیں عجیب عجیب طاقتیں دیدیں نیز انکا خیال تھا کہ پاک روحیں یعنی فرشتے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں، اور وہ کارخانۂ عالم میں طرح طرح

102 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ
103-104 لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ
105 أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ
106 وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اِتَّبِعْ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ
107 الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكُوا

کے تصرفات کرسکتے ہیں۔

ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے؟

102 یہی خدا تمھارا پروردگار ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ سو دیکھو! اُسی کی بندگی کرو۔ ہر چیز اُسی کے حوالے ہے۔ (یعنے جب خالقیت اُسی کی خالقیت ہے، اور پروردگاری اُسی کی پروردگاری، تو پھر اُس کے سوا کون ہے جو تمھاری بندگی و نیاز کا مستحق ہوسکتا ہے؟)

103 اُسے نگاہیں نہیں پاسکتیں، لیکن وہ تمام نگاہوں کو پا رہا ہے۔ اور وہ بڑا ہی باریک بیں اور آگاہ ہے!

104 (دیکھو) تمھارے پروردگار کے طرف سے تمھارے پاس علم و دلیل کی روشنیاں آچکی ہیں (اور جہل و گمراہی کا اب کوئی عُذر باقی نہیں رہا) پس اب جو کوئی دیکھے اور سمجھے، تو (اس کا فائدہ) خود اُسی کے لئے ہے، اور جو کوئی (اپنی آنکھ سے کام نہ لے اور) اندھا ہو جائے، تو اُس کا وبال اُسی کے سر آئے گا۔ اور (اے پیغمبر! تم کہدو) میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (کہ جبراً تمھاری آنکھیں کھول دوں)

105 اور (دیکھو) اسی طرح ہم گوناگوں طریقوں سے آیتیں بیان کرتے ہیں (تاکہ حجت تمام ہو جائے) اور تاکہ وہ بول اُٹھیں، تم نے (بیان حق میں کوئی کمی نہیں کی۔ سب کچھ) پڑھ سُنایا۔ نیز اس لئے کہ جو لوگ جاننے والے ہیں اُنکے لئے (دلائل حق) واضح کردیں۔

106 (اے پیغمبر!) تمھارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے، تم اُس کی پیروی کرو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اُسی کی ذات، اور مشرکوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دو!

107 اور اگر اللہ چاہتا، تو (اس کی قدرت رکھتا تھا کہ انسان کو اس طرح کا بنا دیتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہوتے، اور) یہ لوگ شرک نہ کرتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اُس کی مشیت کا یہی فیصلہ ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے۔ پس تم جو کچھ کرسکتے ہو،

یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے، اور تم تمام انسانوں کو ایک ہی فکر و رائے کا نہیں بنا دے سکتے۔ پس جس بات کو تم حق سمجھتے ہو، اُس کی دعوت دو، لیکن اسکی کد نہ کرو کہ سب لوگ تمھاری بات ضرور ہی مان لیں۔ جن کی سمجھ میں آئے گی مانیں گے جن کی سمجھ میں نہیں آئے گی، نہیں مانیں گے۔ تم لوگوں پر پاسبان نہیں بنادیئے گئے ہو کہ اُنکے ہر فکر و عمل کی پاسبانی کرو۔ نہ تم میں سے کسی پر اسکی

۱۰۸ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ
۱۰۹ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَ
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ
۱۱۰ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ
۱۱۱ ع ۱۳/۱۵ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ع وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

الجزء الثامن

ذمہ داری ہے کہ دوسرے کو ضرور ہی نیک بنا دے۔

اگر خدا چاہتا تو انسان کو بھی حیوانات کی طرح بنا دیتا کہ سب اپنی حالت میں ایک ہی طرح کے ہوتے، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اُس نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی کہ ہر گروہ اپنی اپنی سمجھ، اپنی اپنی رائے، اور اپنی اپنی پسند رکھتا ہے، اور ہر گروہ کی نظر میں وہی کام اچھا ہے جو وہ کر رہا ہے۔ تمھاری نظروں میں اُس کی راہ کتنی ہی بُری ہو لیکن اُس کی نظروں میں تو وہ ویسی ہی اچھی ہے جیسی تمھاری نظروں میں تمھاری راہ۔ پس ضروری ہے کہ اس بارے میں برداشت اور رواداری سے کام لو۔

۱۰۸ اسکے بعد فرمایا، جو لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں تم انھیں دعوتِ حق دو، مگر بُرا بھلا نہ کہو۔ اگر تم اُنکے بتوں کو بُرا بھلا کہو گے تو وہ بھی خدا کو بُرا بھلا کہیں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم انھیں گالیاں دو گے، وہ تمھیں دینگے، طلبِ حق کی بات نہیں رہے گی۔ آپس میں سب و شتم کرنا ہو گا۔

یہی ہے کہ سچائی کی راہ انھیں دکھا دو۔ انھیں جبراً اپنی راہ پر چلا نہیں دے سکتے! ہم نے تمھیں اُن پر پاسبان بنایا ہے کہ اُن کی رائے اور عمل کی نگہبانی کرو، نہ تمھارے حوالے اُن کی ذمہ داری ہے (کہ اُنکے عملوں کے لئے ذمہ دار ہو)

اور (مسلمانو!) جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں، تم اُنکے معبودوں کو دشنام نہ دو کہ پھر وہ بھی حد سے متجاوز ہو کر بے سمجھے بوجھے خدا کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ ہم نے اسی طرح ہر جماعت کے لئے اُسکے کاموں کو خوشنما بنا دیا ہے (کہ ہر جماعت اپنی اپنی راہ رکھتی ہے اور اپنی ہی راہ اُسے اچھی دکھائی دیتی ہے) پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہ ہر جماعت پر اُسکے کاموں کی حقیقت کھول دیگا جو وہ (دنیا میں) کرتی رہی ہے!

۱۰۹ اور یہ (منکرینِ حق) خدا کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں "اگر کوئی معجزہ اُن کے سامنے آجائے، تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے" (اے پیغمبر!) تم کہدو "معجزے تو اللہ ہی کے پاس ہیں" (کسی بندے کے اختیار میں نہیں) اور (مسلمانو!) تمھیں (ان لوگوں کا حال) کیا معلوم ہے؟ اگر معجزہ آ بھی جائے، جب بھی یہ یقین نہیں لائینگے۔

۱۱۰ ہم اُنکے دلوں کو اور آنکھوں کو اُلٹ دینگے (یعنی ہمارے مقررہ قانون کے بموجب انکی سمجھ اور انکی نظر کام نہیں دے گی۔ یہ معجزے دیکھ کر بھی اسی طرح انکار کئے جائینگے) جس طرح قرآن پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے تھے۔ اور ہم انھیں چھوڑ دینگے کہ اپنی سرکشیوں میں بھٹکتے رہیں!

۱۱۱ اور (یقین کرو) اگر ہم اُن پر فرشتے اُتار دیتے، اور (قبروں سے) مُردے (اُٹھ کر) اُن سے باتیں کرنے لگتے، اور

۱۱۲ وحشرنا علیهم کل شیء قبلا ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء الله ولکن اکثرهم یجهلون ۝ وکذلک
جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء
۱۱۳ ربک ما فعلوه فذرهم وما یفترون ۝ ولتصغی الیه افئدة الذین لا یؤمنون بالاخرة ولیرضوه ولیقترفوا
۱۱۴ ما هم مقترفون ۝ افغیر الله ابتغی حکما وهو الذی انزل الیکم الکتب مفصلا والذین اتینهم الکتب
۱۱۵ یعلمون انه منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین ۝ وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل

جتنی چیزیں بھی (دنیا میں) ہیں، سب اُنکے سامنے لا کھڑی کرتے، جب بھی یہ ایسا کرنے والے نہ تھے کہ ایمان لے آئیں، ہاں، اگر اللہ کی مشیّت ہو، تو اُس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں، مگر اس نے ہر بات کے لئے ایک قاعدہ مقرر کر رکھا ہے، لیکن ان میں اکثر ایسے ہی ہیں جو (یہ حقیقت) نہیں جانتے۔

۱۱۲ اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے (جب اُس کی دعوت کا ظہور ہوا، تو) انسانوں اور جنّوں میں سے شیطانوں کو دشمن ٹھہرا دیا، جو ایک دوسرے کو خوشنما باتیں سکھاتے، تاکہ لوگوں کو فریب دیں۔ اور اگر تمھارا پروردگار چاہتا، تو (یقیناً ایسا کرسکتا تھا کہ) وہ دشمنی نہ کرتے (مگر اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی اور حق کے ساتھ باطل بھی اپنی نمود رکھے) پس (اُن کی مخالفت سے دل گرفتہ نہ ہو، اور) اُنھیں اُن کی افترا پردازیوں میں چھوڑ دو۔

۱۱۳ اور (خدا کے نبیوں کے یہ دشمن اس طرح کی باتیں اس لیے سکھاتے ہیں) تاکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل (پُرفریب باتیں سُنکر) اُن کی طرف جھک پڑیں، اور ان کی باتیں پسند کریں، اور جیسی بدکرداریاں وہ خود کرتے رہتے ہیں، ویسی ہی وہ بھی کرنے لگیں۔

۱۱۴ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو) کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ) میں (اپنے اور تمھارے درمیان فیصلہ کے لئے) خدا کے سوا کوئی دوسرا منصف ڈھونڈوں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر الکتاب نازل کردی، جو تفصیل کے ساتھ (سب کچھ) بیان کرنے والی ہے۔

اور (دیکھو) جن لوگوں کو (تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن تمھارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ پس اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو (فیصلۂ الٰہی کے بارے میں) شک کرنے والے ہیں!

۱۱۵ اور (یاد رکھو) تمھارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ (پوری ہو کر رہے گی۔ بلکہ یوں سمجھو کہ) پوری ہوگئی۔ اُس کی باتوں کا (یعنی اُس کے قوانین کا) کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ (سب کچھ) سُننے

116 لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ
117 اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ
118-119 اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا
ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا
لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝

والا (سب کچھ) جاننے والا ہے!

116 اور (اے پیغمبر!) اگر تم اُن لوگوں کا کہا مانو جو آج
روئے زمین میں سب سے زیادہ ہیں تو وہ تمھیں خدا کی راہ
سے بھٹکا دیں گے (کیونکہ وہ سب کے سب بھٹکے ہوئے
ہیں) وہ پیروی نہیں کرتے مگر محض گمان کی، اور وہ
اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ شک وگمان میں قیاس آرائیاں
کرتے ہیں۔
117 بلاشبہ تمھارا پروردگار ہی اس بات کو بہتر جاننے
والا ہے، کہ کون اُس کی راہ سے بھٹک رہا ہے اور کون
ہیں جنھوں نے راہ پالی ہے۔

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ حق وباطل کے معاملہ میں انسانوں کی قلت وکثرت معیار نہیں ہو سکتی، بلکہ حقیقت اور سچائی کے بنیادی اصولوں ہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ بسا اوقات گمراہی وحق فراموشی کے ایسے اوقات آجاتے ہیں کہ نوع انسانی کی اکثریت حق ویقین کی روشنی سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی دورِ نزولِ قرآن کے وقت بھی دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ پس فرمایا، گمراہوں کی کثرت نہ دیکھو۔ یہ دیکھو کہ کونسی راہ یقین اور بصیرت کی راہ ہے، اور کونسی جہل وگمان کی راہ ہے۔

اس کے بعد مشرکین عرب کے اُن خیالات کا رد کیا ہے جن کے لئے ان کے پاس اوہام وخرافات کے سوا علم وبصیرت کی کوئی روشنی نہ تھی۔ وہ کہتے تھے، جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا ہے، وہ مقدس ہو گئے اور اگر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے، تو بتوں کی نیاز چڑھایا ہوا جانور جو مختلف طریقوں سے مارا جاتا ہے، کیوں حلال نہیں؟

118 پس (گمراہوں کے وہم وگمان کی پیروی نہ کرو اور)
جس (جانور) پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام لیا گیا ہے اُسے بلا تامل کھاؤ۔ اگر تم خدا کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔
119 اور تمھارے لئے کونسی بات مانع ہے کہ جس (جانور) پر خدا کا نام (ذبح کرتے ہوئے) لیا گیا ہے اُسے
نہ کھاؤ؟ (اور مشرکوں کے اوہام وخرافات کا اثر قبول کرو؟) حالانکہ جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ خدا نے
تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اور اس میں سے بھی وہ چیز مستثنےٰ ہے جس کے کھانے پر تم مجبور ہو گئے ہو (یعنی
حلال چیز میسر نہ ہو اور نہیں کھاتے تو ہلاک ہو جاتے ہو، تو اُس کی تمھیں اجازت دے دی گئی ہے) اور بہت سے
لوگ ہیں جو بغیر علم کے محض اپنی نفسانی خواہشوں اور رایوں سے طرح طرح کی باتیں نکال کر) لوگوں کو بھٹکاتے
رہتے ہیں۔ (تو اے پیغمبر! یقین رکھو) تمھارا پروردگار اُنھیں اچھی طرح جانتا ہے جو (حد سے گزر کر)
زیادتی کرنے والے ہیں۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝ ۱۲۰
۱۲۱ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهُ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى
۱۲۲ اَوْلِيٰۗـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ
وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ
كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

۱۲۰ اور (دیکھو) ظاہری گناہ ہو یا پوشیدہ گناہ ہو، ہر حال میں گناہ کی باتیں ترک کردو۔ جو لوگ گناہ کماتے ہیں، وہ (انسانوں کی نگاہ سے کتنا ہی پوشیدہ رہکر گناہ کریں، لیکن) جو کچھ کرتے رہے ہیں، ضرور اُس کا اُنھیں بدلہ ملے گا!

۱۲۱ اور جس جانور پر (ذبح کرتے ہوئے) خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے، اُس کا گوشت نہ کھاؤ۔ اس میں سے کھانا البتہ نافرمانی کی بات ہے۔ اور (دیکھو) شیطان تو اپنے مددگاروں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ تم سے کج بحثی کریں۔ اگر تم نے اُن کا کہا مان لیا، تو پھر سمجھ رکھو، تم بھی شرک کرنے والے ہو!

۱۲۲ پھر کیا وہ آدمی کہ مُردہ تھا اور ہم نے اُسے زندہ کردیا، اور اُس کے لئے ایک نور ٹھہرا دیا کہ اُس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان (بے کھٹکے) چلے پھرے، اُس آدمی جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں؟ (کبھی نہیں!) سو دیکھو جس طرح ایک شخص باوجود تاریکیوں میں گھرے ہونے کے، اپنی حالت پر قانع ہو جاتا ہے) اسی طرح کافروں کی نظروں میں وہی باتیں خوشنما دکھائی دیتی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں (خواہ حقیقت میں کتنی بُرائی کی باتیں ہوں)

مشرکین مکہ میں سے بعض اشخاص جو مخالفت میں پیش پیش تھے، احکامِ الٰہی کے خلاف کج بحثیاں کرتے، اور طرح طرح کے شبہات پیدا کرکے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے۔ مثلاً جب ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، تو وہ کہنے لگے، اگر تمھارا مارا ہوا جانور حلال ہے تو خدا کا مارا ہوا جانور یعنی مردار کیوں حرام ہوگیا؟ یہاں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جدل و نزاع کرنے والوں کی راہ طلبِ حق کی راہ نہیں ہے۔ شریعت نے جس چیز سے روکا ہے، اُس میں حکمتیں ہیں، اور چونکہ ہر سمجھ مصالح و حِکم کا ادراک نہیں کرسکتی، اس لئے چاہئے کہ راست بازی کے ساتھ اطاعت کی جائے، کج بحثیاں نہ کی جائیں۔

پھر آیت (۱۲۲) میں ایمان و کفر کی مثال بیان کی۔ ایمان زندگی ہے اور علم و بصیرت کی روشنی ہے۔ کفر موت ہے اور اوہام و ظنون کی تاریکی۔ پھر کیا وہ آدمی جس کے سامنے روشنی ہو، اُس جیسا ہو جا سکتا ہے جس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہو؟

پس مومن کے لئے جسکے تمام عقائد و اعمال علم و یقین پر مبنی ہیں، کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ کفر و شرک کے اوہام و خرافات کا اثر قبول کرے؟

آیت (۱۲۳) میں فرمایا، جب کسی آبادی میں کوئی داعیٔ حق کھڑا ہوتا ہے، تو وہاں کے سردار دیکھتے ہیں کہ اگر دعوتِ حق کامیاب ہوگئی تو اُنکے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہو جائیگا، اس لئے اُنھیں ایک طرح کی ذاتی دشمنی اور کد ہو جاتی ہے، وہ طرح طرح کی مکاریاں کرتے رہتے ہیں، تاکہ لوگ دعوتِ حق قبول نہ کریں۔

ازانجملہ سردارانِ مکہ کی ایک مکاری یہ تھی کہ کہتے معجزے دکھاؤ۔ چنانچہ بار بار اُنکے اس حیلہ کا رد کیا گیا۔ آیت (۱۲۵) میں گمراہی کے

۱۲۳ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ
۱۲۴ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰي نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ڄ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ
۱۲۵ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ فَمَنْ يُّرِدِ
اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا
۱۲۶ يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا

۱۲۳ اور (دیکھو، جس طرح آج مکہ کے رئیس دعوتِ حق کی مخالفت میں سرگرم ہیں) اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اُس کے بدکردار آدمیوں کے سردار پیدا کر دیے، تاکہ وہاں مکرو فریب کے جال پھیلائیں۔ (یعنے ہمارے مقررہ قانون کے ماتحت جمعیتِ بشری کی حالت ایسی ہی واقع ہوئی ہے کہ ہر آبادی میں کوئی نہ کوئی مفسدوں کا سردار پیدا ہو جاتا ہے) اور فی الحقیقت وہ مکرو فریب نہیں کرتے مگر اپنے ہی ساتھ (کیونکہ کاروبارِ حق کو تو کچھ نقصان پہنچا سکتے نہیں اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں)، لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے۔

رسوخ کی وہ حالت بتلائی جب آدمی کی سمجھ ایسی ٹیڑھی پڑجاتی ہے کہ کتنا ہی سوچے، سیدھی بات سمجھ میں آتی نہیں۔ فرمایا ایسے آدمی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بلندی پر چڑھنا چاہے اور اس کا دم پھول جائے۔ کتنی ہی چڑھنے کی کوشش کرے لیکن اس کے قدم اُٹھ نہیں سکیں گے

۱۲۴ اور جب ان کے پاس (سچائی کی)، کوئی نشانی آتی ہے، تو کہتے ہیں، ہم کبھی یقین نہیں کرینگے جبتک (خود) ہمیں ویسی ہی بات نہ ملے جیسی اللہ کے رسولوں کو مل چکی ہے۔ (حالانکہ) اللہ ہی اس بات کو بہتر جاننے والا ہے۔ کہ کہاں اور کس طرح اپنی رسالت ٹھیرائے۔ جو لوگ (انکارِ حق کے) جرم کے مرتکب ہوئے، عنقریب انھیں خدا کے حضور ذلّت و حقارت ملے گی۔ اور جیسی کچھ مکاریاں کرتے رہے ہیں، اُس کی پاداشں میں عذاب شدید!

۱۲۵ پس (دیکھو، حقیقت تو یہ ہے کہ) جس کسی کو خدا چاہتا ہے (سعادت و کامرانی کی) راہ دکھلائے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے[1] (اور وہ اس کی سچائی پالیتا ہے) اور جس کسی پر (کامیابی و سعادت کی) راہ گُم کر دینی چاہتا ہے، تو اُس کے سینہ کو اس طرح تنگ اور رُکا ہوا کر دیتا ہے گویا بلندی پر چڑھ رہا ہو۔ (اور بلندی پر چڑھنے کی وجہ سے اُس کا دم پھول گیا ہو، کتنی ہی کوشش کرے مگر بیدم ہو کر رہ جائیگا) اسی طرح اللہ اُن لوگوں پر عذاب بھیج دیتا ہے جو (خدا کی سچائی پر) ایمان نہیں رکھتے!

۱۲۶ اور یہ؛ (اسلام کی راہ) تمھارے پروردگار کی سیدھی راہ ہے۔ (اسکے سوا کوئی سیدھی راہ نہیں) بلاشبہ ہم نے اُن لوگوں کے لئے جو پند و نصیحت پر دھیان دینے والے ہیں (راہِ حق کی) نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان

[1] ’’جس کسی کو خدا چاہتا ہے راہ دکھائے‘‘ یعنی خدا کے ٹھرائے ہوئے قانونِ سعادت و شقاوت کے مطابق جس کسی کو راہ کامیابی ملنے والی ہے اُس کا دل اسلام کے لئے کھل جاتا ہے۔ قرآن کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ دنیا میں خدا کے ٹھرائے ہوئے قوانین کے مطابق جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ انھیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے کیونکہ

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَيَوْمَ ۱۲۷-۱۲۸
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ
اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ ۱۲۹ ۱۳۰
وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا

کردی ہیں۔

ان لوگوں کے لئے (جو خدا کی سیدھی راہ پر گامزن ہوئے) ان کے پروردگار کے نزدیک سلامتی و عافیت کا ۱۲۷
گھر ہے، اور جیسے کچھ اُن کے (نیک) عمل رہے ہیں اُن کی وجہ سے وہ اُن کا مددگار و رفیق ہے۔

اور (دیکھو) اُس دن کیا ہوگا جب خدا ان سب کو (اپنے حضور) جمع کرے گا (اور فرمائیگا) "اے گروہِ جن! ۱۲۸
(یعنے شیاطین!) تم نے تو انسانوں میں سے بڑی تعداد (اپنی وسوسہ اندازیوں سے) اپنے ساتھ لے لی" اور
انسانوں میں سے جو لوگ اُن کے رفیق اور مددگار رہے، وہ (اعترافِ حقیقت پر مجبور ہو کر) کہیں گے "اے
پروردگار! (دُنیا میں) ہم ایک دوسرے سے (گمراہی و شقاوت کے کاموں میں) فائدہ اُٹھاتے رہے (یعنے
گمراہ انسانوں نے شیطانوں کا ہاتھ بٹایا: اور شیطانوں نے انسانوں کا) اور (بالآخر) مقررہ میعاد کی اُس
منزل تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرا دی تھی (اب ہماری قسمتوں کا فیصلہ تیرے ہاتھ ہے) خدا فرمائے
گا "تمھارا ٹھکانا آتشِ دوزخ ہے۔ اُسی میں ہمیشہ رہو گے۔ بجز اُن کے جنھیں ہم نجات دینا چاہیں۔ (اے پیغمبر!)
بلاشبہ تمھارا پروردگار (اپنے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے، اور (سب کچھ جاننے والا ہے!)

اور (دیکھو) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلّط کر دیتے ہیں۔ ان کی اس کمائی کی وجہ سے ۱۲۹
جو وہ (اپنی بدعملیوں سے) حاصل کرتے رہتے ہیں۔

(نیز ہم اُس دن ان پوچھیں گے کہ) "اے گروہِ جن و انس! ۱۳۰
(تم جو اپنی گمراہیوں اور بدعملیوں کا آج اعتراف کر رہے
ہو، تو) کیا تمھارے پاس ہمارے پیغمبر جو تم ہی میں سے
تھے، نہیں آئے تھے؟ اُنھوں نے ہماری آیتیں تمھیں
نہیں سُنائی تھیں؟ اور اس دن سے جو تمھیں پیش آیا
ہے نہیں ڈرایا تھا؟" وہ عرض کرینگے "خدایا! ہم اپنے

انسانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے، جہاں خدا کے پیغمبر پیدا
نہ ہوئے ہوں اور اُنھوں نے راہِ حق نہ دکھا دی ہو۔ خدا کا یہ قانون
نہیں کہ وہ کسی قوم اور ملک کو ہدایتِ وحی سے محروم رکھے اور پھر
اُس سے مواخذہ کرے۔

ہر فرد اور ہر گروہ کے لئے اس کے اعمال کے مطابق مختلف درجے
ہیں اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھائی کے درجے ہیں۔ بُرے ہیں تو بُرائی کے درجے
ہیں، اور انھیں کے مطابق نتائج و عواقب پیش آتے ہیں۔

شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا
۱۳۱-۱۳۲ كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ
۱۳۳ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ
۱۳۴-۱۳۵ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ

اور آپ گواہی دیتے ہیں (کہ بلاشبہ آئے تھے، اور اُنھوں نے ہمیں سب کچھ بتایا تھا۔ پر ہم نے اُن کا کہا نہ مانا)" حقیقت یہ ہے کہ دُنیا کی (چند روزہ) زندگی نے انھیں فریب میں ڈال دیا تھا، اور اب وہ خود ہی اپنے خلاف گواہ ہو گئے کہ بلاشبہ سچائی سے انکار کرنے والے تھے۔

۱۳۱ (اے پیغمبر!) یہ (پیغمبروں کا ظہور اور دعوتِ حق کا اعلان) اس لئے ہوا کہ تمھارے پروردگار کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ ظلم و ناانصافی سے بستیوں کو ہلاک کر دے، اور وہاں کے رہنے والے (راہِ حق سے) بے خبر ہوں۔

۱۳۲ اور (قانونِ الٰہی کی رو سے) سب کے (الگ الگ) درجے ہیں۔ ان کے اعمال کے مطابق۔ (اور اُنہی درجوں کے مطابق اُنھیں نتائج پیش آتے ہیں) اور جیسے کچھ انسان کے اعمال ہیں، تمھارا پروردگار اُس سے غافل نہیں!

۱۳۳ اور (دیکھو) تمھارا پروردگار بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ (بے نیاز ہے، اس لئے وہ اپنے کاموں کے لئے کسی کا محتاج نہیں، رحمت والا ہے، اس لئے اُس کی رحمت کا مقتضٰے یہی ہے کہ دُنیا میں بگاڑ اور فساد قایم نہ رہے) اگر وہ چاہے تو تمھیں ہٹا دے اور تمھارے بعد جس (قوم) کو چاہے تمھارا جانشین بنا دے جس طرح ایک دوسری قوم کی نسل سے تمھیں اُٹھا کھڑا کیا ہے۔

مشرکینِ مکہ سے اتمامِ حجت کہ اگر وہ دعوتِ حق کی مخالفت سے باز نہیں آئینگے تو خدا انھیں راہ سے ہٹا دیگا۔ اور انکی جگہ ایک دوسرا گروہ کھڑا کر دیگا۔ وہ اسی طرح پچھلی قوموں کو گراتا اور نئی قوموں کو اُٹھاتا ہے۔

آیت ۱۳۵ میں فرمایا کہ اعلان کر دو اب میرا اور تمھارا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں کو داعیِ حق کے مقابلہ میں کامیابی نہیں دیتا۔ پس وہ ہم دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو کامیاب کر کے بتلا دیگا کہ سچائی کس کے ساتھ تھی اور کون سچائی کو جھٹلانے والا تھا۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اور خدا کے فیصلہ نے حقیقت آشکارا کر دی۔

۱۳۴ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً آنے والی ہے، اور تمھارے بس میں نہیں کہ (خدا کو) مجبور کر دو۔

۱۳۵ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو "اے میری قوم! (اگر تم جہل و انکار سے باز نہیں آتے، تو میرا اور تمھارا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے) تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ میں بھی (اپنی جگہ) کام کرنے والا ہوں۔ پھر عنقریب تمھیں معلوم ہو

۱۳۶ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا
لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا
فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ
۱۳۷ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ
وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

جائے گا کہ آخر کار کس کا انجام بخیر ہے۔ یقیناً خدا ظلم کرنے والوں کو کبھی کامیاب نہیں کرے گا!"

۱۳۶ اور (دیکھو) جو کچھ خدا نے کھیتی اور مویشی میں سے پیدا کیا ہے، ان لوگوں نے اُس میں ایک حصہ خدا کے لئے ٹھرایا ہے پھر اپنے زعمِ باطل کے مطابق کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کے لئے ہے، اور یہ اُن کے لئے جنھیں ہم نے خدا کا شریک ٹھرایا ہے۔ پس جو کچھ اُن کے ٹھرائے ہوئے شریکوں کے لئے ہے وہ تو خدا کی طرف پہنچتا نہیں (یعنے اُس میں سے خدا کے لئے خرچ نہیں کرسکتے) لیکن جو کچھ خدا کے لئے ہے، وہ اُن کے (ٹھرائے ہوئے) شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے (یعنے خدا کے ٹھرائے ہوئے حصہ میں سے بتوں کے لئے خرچ ہوجائے تو کچھ مضائقہ نہیں) کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں!

۱۳۷ اور (دیکھو) اسی طرح بہت سے مشرک ہیں کہ اُنکے (ٹھرائے ہوئے) شریکوں نے اُن کی نظروں میں قتلِ اولاد (جیسا وحشیانہ فعل بھی) خوشنما کر دکھایا ہے تاکہ انھیں ہلاکت میں ڈالیں۔ اور نیز اس لئے کہ اُن کے دین کی راہ اُن پر مشتبہ کردیں۔ اور (اے پیغمبر!) اگر خدا چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے (یعنے ان کی طاقت سلب کرلیتا، لیکن اُس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں ہر طرح کی راہیں اور ہر طرح کے اعمال ہوں) پس اُنھیں اُن کی افترا پردازیوں کے ساتھ چھوڑ دو (وہ خدا کے

مشرکین عرب کے بعض اوہام وخرافات اور مجرمانہ اعمال:۔

(۱) وہ منتیں مانتے کہ اپنی زراعت اور مویشی میں سے اتنا حصہ خدا کے لئے نکالیں گے، اور اتنا دیوتاؤں کے لئے۔ خدا کا حصہ فقیروں کو دیدیتے اور بتوں کا ان کے مجاوروں کو۔ اگر خدا کے حصہ میں سے کچھ کم وبیش ہوجاتا تو اُس کی پروا نہ کرتے، لیکن بتوں کے نیاز کی بڑی نگہداشت کرتے اور کہتے ان کے حصہ میں سے کچھ کم نہ ہونا چاہیئے۔

(۲) لڑکیوں کو قتل کردیتے، اور اسے بڑے فخر اور شرافت کی بات سمجھتے۔ اُنکے کاہنوں اور بزرگوں نے اُنھیں حکم دیا تھا کہ ایسا کیا کریں۔

(۳) اپنی فصل اور مویشی کا ایک حصہ بت خانوں کے لئے مخصوص کر دیتے، اور کہتے مجاوروں کے سوا اور کسی کو یہ کھانا جائز نہیں۔

(۴) بتوں کے نام جانور چھوڑ دیتے، اور سمجھتے کہ اب ان سے کام لینا جائز نہیں۔

(۵) جو جانور بتوں کے لئے قربان کرتے، اُن پر خدا کا نام نہ لیتے۔

(۶) جانور ذبح کیا جاتا اور اُس کے پیٹ سے بچہ نکلتا تو اگر زندہ ہوتا صرف مرد کھاتے، عورتوں کے لئے جائز نہ تھا۔ مردہ ہوتا تو عورتیں بھی کھاسکتی تھیں!

فرمایا یہ ساری باتیں انتہائے جہالت و وحشت کی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ خدا نے نباتات وحیوانات میں سے جتنی اچھی چیزیں پیدا کی ہیں سب انسان کے استعمال کے لئے ہیں۔ کھاؤ، پیو، مگر اسراف نہ کرو، اور خدا کی راہ میں بھی خرچ کرو۔ یہی بات راستی و دانشمندی کی ہے۔ اسکے سوا جو کچھ ہے شیطانی وسوسہ ہے۔

۱۳۹ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ
۱۴۰ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ
۱۴۱ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ قَدْ خَسِرَ
۱۴۲ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ وَهُوَ
الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ

نام پر جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں، اس کا نتیجہ خود ان کے آگے آئیگا۔ وہ تمھارے کہے سے ماننے والے نہیں)

۱۳۹ اور کہتے ہیں "یہ کھیت اور چارپائے ممنوع ہیں۔ انھیں اُس آدمی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جسے ہم اپنے خیال کے مطابق کھلانا چاہیں" (یعنی جن بتوں کی نیاز کر دیں صرف اُسی کے مجاور کھا سکتے ہیں۔ دوسرے کے لئے کھانا جائز نہیں) اور (اسی طرح) کچھ جانور ہیں کہ (اُن کے خیال میں) اُن کی پیٹھ (پر سوار ہونا یا سامان لادنا) حرام ہے، اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ (ذبح کرتے ہوئے) اُن پر خدا کا نام نہیں لیتے، کیونکہ خدا پر افترا کر کے اُنھوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے (سو) جیسی کچھ یہ افترا پردازیاں کرتے رہتے ہیں، قریب ہے کہ خدا اُنھیں اُس کی سزا دے گا!

۱۴۰ اور کہتے ہیں ان چارپایوں کے پیٹ میں سے جو زندہ بچہ نکلے، وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے۔ ہماری عورتوں کے لئے حلال نہیں۔ اور اگر مردہ ہو تو پھر (اس کے کھانے میں مرد و عورت) سب شریک ہیں! (کیسی جہالت کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں) قریب ہے کہ خدا اُنھیں اُن کی ان (بے اصل) تقسیموں کی سزا دیگا جو اپنے جی سے اُنھوں نے گھڑ لی ہیں) بلاشبہ وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے (اس لئے ایسے لغو اور بے معنی احکام اُس کے ٹھرائے ہوئے احکام نہیں ہو سکتے)

۱۴۱ یقیناً وہ تباہ و برباد ہوئے جنھوں نے جہالت سے اپنی اولاد (اپنے ہاتھوں) مار ڈالی اور (اسی طرح) جو کچھ خدا نے اُن کے لئے رزق پیدا کیا ہے، اُسے خدا پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھرایا۔ بلاشبہ وہ گمراہ ہوگئے اور بلاشبہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے نہ تھے!

۱۴۲ اور (دیکھو) وہ خدا ہی ہے جس نے (طرح طرح کے درختوں کے) باغ پیدا کر دیئے۔ ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر ایسے کے (جیسے عام طور پر تمام درخت ہوتے ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں۔ نیز زیتون اور انار کے درخت۔ صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے، اور ایک دوسرے سے مختلف ہوں خدا کی ان پیداوار کے) پھل شوق سے کھاؤ جب ان میں

143 كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَ
مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
144 مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ
145 الربع عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
146 افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَجِدُ

پھل لگ جائیں، اور چاہیئے کہ جس دن فصل کاٹو تو اُس کا حق (یعنی زکوٰۃ) بھی دیدیا کرو، اور اسراف نہ کرو۔ خدا اُنھیں دوست نہیں رکھتا جو اسراف کرنے والے ہیں۔

143 اور (دیکھو) اُسی خدا نے (تمھارے لئے) چارپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اُٹھانے والے پیدا کردیئے ہیں (جیسے اونٹ گھوڑا) اور کچھ زمین سے لگے ہوئے (یعنی بلند قامت نہیں ہیں کہ سواری اور لادنے کے کام آئیں جیسے بھیڑ بکری) سو جو کچھ خدا نے تمھارے رزق کے لئے پیدا کردیا ہے، اسے (بلا تأمل) کھاؤ، اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ وہ بلاشبہ تمھارا آشکارا دشمن ہے۔

144 چارپایوں میں (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) آٹھ قسمیں پیدا کیں۔ بھیڑ میں سے دو قسم (یعنی نر اور مادہ) اور بکری کی دو قسمیں (نر اور مادہ) اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو (تم نے اپنے وہم و خیال سے جو حلت و حرمت کے قاعدے بنا رکھے ہیں، تو بتلاؤ) خدا نے ان میں سے کس جانور کو حرام کردیا ہے؟ دونوں قسموں کے نر کو، یا مادہ کو، یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسموں کی مادہ اپنے شکم میں لئے ہوئے ہے؟ اگر تم سچے ہو، تو مجھے علم کے ساتھ اس کا جواب دو (یعنی اس کی کوئی اصل اور سند پیش کرو)

145 اور (دیکھو اسی طرح) اونٹ میں سے دو قسمیں ہیں اور گائے میں سے دو قسمیں (یعنی نر و مادہ) تم ان سے پوچھو، کیا ان میں سے نر کو حرام کردیا ہے، یا مادہ کو، یا اُس کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے شکم میں لئے ہوتی ہے؟ پھر تم (جو بغیر کسی علم و اساس کے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہو، تو) کیا تم اُس وقت خدا کے پاس حاضر تھے جب اُس نے تمھیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ، اُس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے خدا پر افترا پردازی کرے اور اس کے پاس (اس بارے میں) کوئی علم نہ ہو؟ بلاشبہ خدا اُن لوگوں پر (سعادت و فلاح کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں!

146 (اے پیغمبر!) تم کہدو۔ جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اُس کا

جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلان کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان میں سے صرف وہی چیزیں حرام ہیں جو بیان

فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ
فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
۱۴۷ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ
۱۴۸ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ
۱۴۹ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

کردی گئیں۔ انکے سوا سب اوہام و خرافات ہیں۔

بلاشبہ یہودیوں کو ناخن والے جانوروں اور گائے بکری کی چربی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔ مگر اس لیے نہیں کہ یہ چیزیں حرام ہیں، بلکہ اس لئے کہ یہودیوں کی بے قید اور ناہموار طبیعتوں کی زجر و توبیخ کے لیے ضروری تھا کہ عارضی طور پر بعض مباحات روک دی جائیں۔ (دیکھو نساء: ۱۵۸)

کھانا حرام ہو، الا یہ کہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سؤر کا گوشت ہو، کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی ہیں، یا پھر جو چیز موجب معصیت ہو کہ غیر خدا کا نام اُس پر پکارا گیا، (تو بلاشبہ وہ بھی حرام ہے) پھر اگر کوئی آدمی (حلال چیز نہ ملنے کی وجہ سے) مجبور ہوجائے اور مقصود نافرمانی نہ ہو، نہ حدِ ضرورت سے گزر جانا (اور وہ جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) تو بلاشبہ تمھارا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے!

۱۴۷ اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کردیئے تھے، اور گائے اور بکری میں سے انکی چربی بھی حرام کردی تھی۔ مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو، یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انھیں اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی (یہ بات نہ تھی کہ یہ چیزیں فی نفسہٖ حرام ہوں) اور بلاشبہ ہم (بیان کرنے میں) سچے ہیں!

۱۴۸ پھر اگر (اے پیغمبر!) یہ لوگ تمھیں جھٹلائیں، تو ان سے کہدو۔ تمھارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت رکھنے والا ہے (اس لئے اُس نے مہلتوں پر مہلتیں دے رکھی ہیں لیکن ساتھ ہی جزاء و سزا کا قانون بھی رکھتا ہے) اور مجرموں پر سے اُس کا عذاب کبھی ٹلنے والا نہیں!

۱۴۹ جن لوگوں نے شرک کا شیوہ اختیار کیا ہے، وہ کہیں گے "اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے، اور نہ کسی چیز کو (اپنے خیال کے مطابق) حرام ٹھہراتے"۔ سو (دیکھو) اسی طرح اُن لوگوں نے بھی (سچائی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ (بالآخر) ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا

مشرکین عرب کہتے تھے۔ اگر ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا طریقہ گمراہی کا طریقہ ہے، تو کیوں خدا نے ہمیں گمراہ ہونے دیا؟ کیوں اُس نے ایسا نہ چاہا کہ ہم گمراہ نہ ہوتے؟ جب سب کچھ اُس کی مشیت سے ہوتا ہے تو جو کچھ ہم کرتے ہیں، یہ بھی اُسی کی مشیت سے ہے۔

قرآن انکے اس خیال کو جہل و کوری کا خیال قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے، اس بارے میں انکے سامنے کوئی روشنی نہیں۔

بلاشبہ اگر خدا چاہتا، تو سب کو ایک ہی راہ پر چلا دیتا اُس کی قدرت سے یہ بات باہر نہیں۔ لیکن اُس کی مشیت کا فیصلہ یہی ہوا کہ انسان کو

مِن قَبلِهِم حَتّٰى ذَاقُوا بَأسَنَا ؕ قُل هَل عِندَكُم مِّن عِلمٍ فَتُخرِجُوهُ لَنَا ؕ اِن تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِن اَنتُم ع
اِلَّا تَخرُصُونَ ۝ قُل فَلِلّٰهِ الحُجَّةُ البَالِغَةُ ۚ فَلَو شَآءَ لَهَدٰىكُم اَجمَعِينَ ۝ قُل هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِينَ ۱۵۰-۱۵۱
يَشهَدُونَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِن شَهِدُوا فَلَا تَشهَد مَعَهُم ۚ وَلَا تَتَّبِع اَهوَآءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا
وَالَّذِينَ لَا يُؤمِنُونَ بِالاٰخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِم يَعدِلُونَ ۝ قُل تَعَالَوا اَتلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُم عَلَيكُم اَلَّا تُشرِكُوا ۱۵۲ ع ۱۸/۵
بِهٖ شَيئًا وَّبِالوَالِدَينِ اِحسَانًا ۚ وَلَا تَقتُلُوا اَولَادَكُم مِّن اِملَاقٍ ؕ نَحنُ نَرزُقُكُم وَاِيَّاهُم ۚ

عقل اور ارادہ وقدرت دے، اور ہر حالت کے لئے سبب اور ہر عمل کے لئے نتیجہ ٹھہرا دے۔ پس یہاں روشنی کے ساتھ تاریکی، حق کے ساتھ باطل، اور ہدایت کے ساتھ گمراہی کی راہیں بھی کھل گئیں۔ اب جس کا جی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے، جس کا جی چاہے گمراہی کی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک یہ کہنا کہ "اگر خدا چاہتا تو ہم برائی نہ کرتے" جہل وکفر کی بات ہے۔ ایمان وبصیرت کی بات نہیں ہے۔

(اے پیغمبر!) تم کہو، کیا تمہارے پاس (اس بارے میں) کوئی علم ویقین ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ (اگر ہے تو پیش کرو!) اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر محض وہم وگمان کی، اور تم (اپنی باتوں میں) اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بے سمجھے بوجھے باتیں بناتے ہو!

۱۵۰ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو۔ اللہ ہی کے لئے کامل اور پکی دلیل ہے (جو اس نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں پر واضح کر دی ہے) پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دکھا دیتا (کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس نے ایسا نہیں چاہا، اور اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا)

۱۵۱ (اے پیغمبر!) ان سے کہو۔ (اگر تم اپنے گھڑے ہوئے قاعدوں سے ان جانوروں کو حرام ٹھہراتے ہو تو) اپنے شاہدوں کو (یعنے حکم دینے والوں کو) بلاؤ جو اس بات کی شہادت دیں کہ خدا نے (سچ مچ کو) یہ چیز حرام کر دی ہے۔ پھر اگر (بالفرض) انکے (جھوٹے شاہد) اس کی شہادت دے بھی دیں، جب بھی تم انکے ساتھ ہو کر اس کا اعتراف نہ کرو (کیونکہ یہ حقیقت کے صریح خلاف ہے) تم ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں، اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور دوسری ہستیوں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

۱۵۲ (اے پیغمبر!) ان سے کہو، آؤ، میں تمہیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناؤں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دیا ہے: خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (اپنی) اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے

جن چیزوں کو تم نے اپنے اوہام وخرافات سے حرام سمجھ رکھا ہے، فی الحقیقت وہ حرام نہیں ہیں۔ حرام تو وہ اعمال واشیاء ہیں جو حقیقت اور راستی کے خلاف ہیں، اور جن سے خدا کے تمام پیغمبروں نے متفقہ طور پر نوع انسانی کو روکا ہے۔
اس کے بعد اُن برائیوں کا ذکر کیا ہے جو انسانی شقاوت کی بنیادی برائیاں ہیں، اور اُن محاسن کی دعوت دی ہے جو سعادت کی

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ
١٥٣ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ
بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ
١٥٤ ع ١٨ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ
١٥٥ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَ
١٥٦-١٥٧ هُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ أَنْ

کی بنیادی سچائیاں ہیں

ہیں اور انھیں بھی دینگے۔ اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کھلے طور پر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ اور کسی جان کو قتل نہ کرو جسے خدا نے حرام ٹھہرا دیا ہے، مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے (جیسے قصاص میں) یہ ہیں وہ باتیں جن کی خدا نے تمھیں وصیت کی ہے تاکہ تم عقل و بینش سے کام لو!

١٥٣ اور (اسی طرح) یتیموں کے مال کے نزدیک نہ جاؤ (یعنے اس میں تصرّف کرنے کا ارادہ کبھی نہ کرو) اِلّا یہ کہ اچھے طریقہ پر ہو (یعنے اُنکے فائدہ اور نگہداشت کے لئے نگہبانی کرنی چاہو) تو یہ بھی اُس وقت تک کہ یتیم اپنی عمر کو پہنچ جائیں۔ اور انصاف و دیانت کے ساتھ ماپ تول پورا کرو۔ ہم کسی جان پر اُس کی مقدور سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (پس جہاں تک تمھارے بس میں ہے، انصاف و دیانت کی کوشش کرو) اور جب کبھی بات کہو، تو انصاف کی کہو، اگرچہ معاملہ اپنے قرابت داروں ہی کا کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے، اُسے پورا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

١٥٤ اور اُس نے بتلایا کہ (خداپرستی اور نیک عملی کی) یہی راہ میری (ٹھہرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے۔ سو اسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمھیں تتر بتر کر دیں۔ یہ بات ہے جس کا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

سچائی اور حقیقت کی سیدھی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ راہیں سچائی کی راہ نہیں ہو سکتیں۔ پس ایک ہی راہ پر چلو۔ بہت سی راہوں میں متفرق نہ ہو جاؤ!

١٥٥ پھر دیکھو، ہم نے موسیٰ کو کتاب دی کہ جو کوئی نیک عمل ہو، اُس پر اپنی نعمت پوری کر دیں اور ہر بات کی تفصیل کر دیں اور لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہو، تاکہ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

١٥٦ اور (اسی طرح) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ برکت والی (یعنے اپنے پیروؤں پر برکت کی راہ کھولنے والی) پس چاہیئے کہ اس کی پیروی کرو، اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کرو۔ عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے (اور برکت و سعادت کی راہ تم پر کھل جائے!)

١٥٧ (اے باشندگانِ عرب) ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی کہ تم یہ نہ کہو کہ خدا نے تو صرف دو جماعتوں پر

تقولوا انما انزل الکتب علی طائفتین من قبلنا وان کنا عن دراستہم لغفلین ۝ او تقولوا لو انا انزل علینا الکتب 158

لکنا اھدی منہم فقد جاءکم بینۃ من ربکم وھدی ورحمۃ فمن اظلم ممن کذب بایت اللہ وصدف

عنہا سنجزی الذین یصدفون عن ایتنا سوء العذاب بما کانوا یصدفون ۝ ھل ینظرون الا ان 159

تاتیہم الملئکۃ او یاتی ربک او یاتی بعض ایت ربک یوم یاتی بعض ایت ربک لا ینفع نفسا ایمانہا

لم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانہا خیرا قل انتظروا انا منتظرون ۝ ان الذین فرقوا دینہم وکانوا 160

(یعنے یہودیوں اور عیسائیوں) ہی پر کتاب نازل کی، جو ہم سے پہلے تھے، اور ہمیں انکے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی۔

یا کہو، اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی، تو ہم اُن جماعتوں سے (جن پر کتاب نازل ہوئی) زیادہ ہدایت 158
یافتہ ہوتے۔ سو دیکھو، تمھارے پاس بھی تمھارے پرودگار کیطرف سے ایک دلیل، اور ہدایت، اور رحمت، آگئی۔ پھر بتلاؤ، اس سے بڑھ کر ظالم انسان کون ہے جو اللہ کی نشانیاں جھٹلائے، اور اُن سے اعراض کرے؟ (یاد رکھو) جو لوگ ہماری نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں ہم انھیں اُس کی پاداش میں عنقریب بدترین عذاب دینگے (یعنے نامرادی و ہلاکت کا رسوا کُن عذاب جو بالآخر مشرکین مکہ کو پیش آیا)

پھر یہ لوگ (جو سچائی کی نشانیاں دیکھنے پر بھی سرکشی سے باز نہیں آتے تو) کس بات کے انتظار میں 159
ہیں؟ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ (آسمان سے) فرشتے اُنکے پاس آجائیں، یا خود تمھارا پروردگار اُن کے سامنے آکھڑا ہو، یا پھر تمھارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوجائیں؟ (یعنے قیامت کے آثار نمودار ہوجائیں؟) تو (اگر یہ لوگ اسی بات کی راہ تک رہے ہیں، تو انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ) جس دن تمھارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں گی، اُس دن کسی انسان کو جو پہلے سے ایمان نہ لاچکا ہو یا اپنے ایمان (کی حالت میں) اُس نے نیکی نہ کمائی ہو، ایمان لانا سودمند نہ ہوگا (اے پیغمبر!) تم کہدو۔ (اگر تمھیں انتظار ہی کرنا ہے تو) انتظار کرتے رہو۔ ہم بھی (فیصلۂ حق و باطل کا) انتظار کرتے ہیں!

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ 160
ڈالا، اور الگ الگ گروہ بن گئے، تمھیں ان سے کچھ سروکار نہیں (تمھاری راہ دین حقیقی کی راہ ہے نہ کہ لوگوں کی بنائی ہوئی گروہ بندیوں کی راہ) انکا معاملہ

پیروانِ مذاہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انھوں نے دین میں تفرقہ ڈال کر الگ الگ گروہ بندیاں کرلیں اور باہمدگر مخالف جتھے بنالئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نجات و سعادت کا دارومدار ایمان و عمل پر نہ رہا، گروہ بندیوں پر آٹھہرا۔ پس فرمایا، جن لوگوں کا شیوہ یہ رہا ہے، تمھیں اُن سے کچھ سروکار نہیں۔ تم ان کی جس بات کی

١٦١ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ مَن
جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
١٦٢ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ
١٦٣ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ
لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

تصدیق کرتے ہو، وہ اصل دین ہے۔ نہ کہ اُن کی بنائی ہوئی گروہ بندیاں
چونکہ پچھلی آیات میں تورات و انجیل کا ذکر کیا تھا، اور اہل عرب
سے کہا تھا کہ نزول قرآن کے بعد تم کتب سماوی سے بے خبر رہنے کا
١٦١ عذر نہیں کر سکتے، اس لئے یہاں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اصل دین سب کے
لئے ایک ہی تھا، اور قرآن کی دعوت اُسی اصل کے لئے ہے یہودیوں
اور عیسائیوں کی گروہ بندیوں کے لئے نہیں ہے۔
اس کے بعد فرمایا، یہ اصل دین، حضرت ابراہیم کا طریقہ ہے۔ اُس
وقت نہ تو یہودی گروہ بندی پیدا ہوئی تھی، نہ مسیحی گروہ بندی۔ ایک
خدا کی پرستش کرو، اسکے احکام کے آگے جھک جاؤ، اور ہر انسان کے
لئے وہی ہونا ہے، جیسا کچھ اُس کا عمل ہوگا۔ یہی ملت ابراہیمی ہے اور
یہی صراط مستقیم ہے!
سورت کے خاتمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں میں
مختلف قومیں ایک دوسرے کی جانشین ہوتی رہیں، وقت آگیا ہے کہ
١٦٢ اسی طرح پیروان قرآن پچھلی قوموں کے جانشین ہوں۔

اللہ کے حوالے ہے پھر وہی بتلائے گا کہ جو کچھ وہ
کرتے رہے ہیں اس کی حقیقت کیا تھی!
(یاد رکھو) جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لائے گا
تو اس کے لئے اس کے عمل نیک سے دس گنا زیادہ ثواب
ہوگا اور جو کوئی برائی لائے گا تو وہ برائی کے بدلے سزا
نہیں پائے گا مگر اتنی ہی، جتنی برائی کی ہوگی (یعنے
نیکی کے اجر میں زیادتی ہے، مگر برائی کی سزا میں
زیادتی نہیں) اور ایسا نہ ہوگا کہ (جزاء عمل میں) لوگوں
کے ساتھ ناانصافی کی جائے۔
کہدو۔ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھا راستہ
دکھا دیا ہے، کہ وہی درست اور صحیح دین ہے۔ ابراہیم کا طریقہ کہ ایک خدا ہی کے لئے ہو جانا، اور ابراہیم
ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔
١٦٣ کہدو۔ میری نماز، میرا حج، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا پروردگار
ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، اور میں خدا کے فرمانبرداروں میں پہلا فرماں بردار ہوں!
١٦٤ تم ان لوگوں سے پوچھو۔ کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ) میں خدا کے سوا کوئی دوسرا پروردگار ڈھونڈھوں؟
حالانکہ وہی ہر چیز کا پرورش کرنے والا ہے۔ اور ہر آدمی اپنے عمل سے جو کچھ کماتا ہے، وہ اُسی کے ذمے
ہوتا ہے، اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا (ہر شخص کے کاندھے پر اُسی کے عمل
کا بوجھ ہے) پھر (بالآخر) تمھیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، اور (جب اُس کے سامنے حاضر ہوگے
تو) وہ بتلائے گا کہ جن باتوں میں اختلاف کرتے تھے، اُن کی اصل حقیقت کیا تھی!

قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِي رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ ١٦٤
وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۚ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَهُوَ ١٦٥
الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰىكُمْ ۗ
إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

ع ٢٠ النصف

اور وہی ہے جس نے تمہیں (ایک دوسرے کا) زمین میں جانشین بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر (بہ اعتبار اعمال کے) مرتبے دیئے تاکہ جو کچھ (اختیار و تصرف) تمہیں دیا ہے، اُس میں تمہیں آزمائے (اور طلب و سعی کا موقع دے۔ اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) جلد سزا دینے والا ہے، اور بلاشبہ وہ بخشنے والا، رحمت والا ہے! ١٦٥